

احسن الفتاوی

تالیف





فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون

انما شفاء العي السؤال

احسن الفتاویٰ

بحذف مکررات وتخریجات فرائض مسائل غیر مہمہ

جلد ۶

(از)

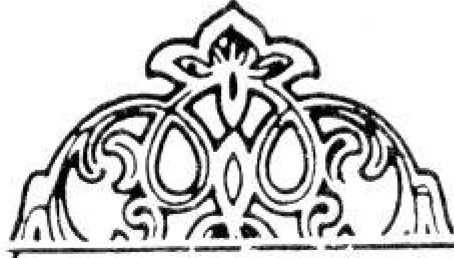
فقیہ العصر مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

(واحد تقسیم کنندگان)

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک، کراچی

کتابت محمد فاروق سعود آبادی



نام کتاب ——— احسن الفتاوی

جلد ——— ششم

زیر اہتمام ——— ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ضخامت ——— ۵۵۰ صفحات

کتابت ——— منشی محمد فاروق مسعود آباد

تعداد ——— ایک ہزار

پریس ——— ایجوکیشنل پریس کراچی

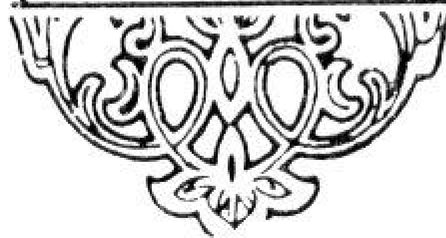
طبع اول ——— سنہ ۱۴۱۵ھ

طبع ہفتم ——— سنہ ۱۴۲۵ھ

ملنے کا پتہ

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک کراچی



فہرست مضامین "احسن الفتاوی" جلد ششم

کتاب الجہاد

ان اللّٰہ اشتری من المؤمنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون و یقتلون وعدا علیہ حقا فی التورٰۃ والانجیل والقراٰن ومن اوفی بعہدہ من اللّٰہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ وذلک ہو الفوز العظیم ○ (۹ : ۱۱۱)

قل ان کان اباؤکم وابناؤکم واخوانکم و ازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموہا وتجارۃ تخشون کسادہا ومساکن ترضونہا احب الیکم من اللّٰہ ورسولہ وجہاد فی سبیلہ فتربصوا حتّٰی یاتی اللّٰہ بامرہ واللّٰہ لا یہدی القوم الفسقین ○ (۹ : ۲۴)

یا یھا الذین امنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا
فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم
بالحیوۃ الدنیا من الاخرۃ فما متاع الحیوۃ
الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل ○ الا تنفروا یعذبکم
عذابا الیما و یستبدل قوما غیرکم ولا تضروہ
شیئا واللہ علی کل شیء قدیر ○ الا تنصروہ فقد
نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین
اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن
ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ و
ایدہ بجنود لم تروھا وجعل کلمۃ الذین
کفروا السفلی وکلمۃ اللہ ھی العلیا واللہ
عزیز حکیم ○ انفروا خفافا وثقالا و
جاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ
ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ○ لو کان
عرضا قریبا وسفرا قاصدا لاتبعوک ولکن
بعدت علیھم الشقۃ و سیحلفون باللہ لو
استطعنا لخرجنا معکم یھلکون انفسھم واللہ
یعلم انھم لکذبون ○ (۹ : ۳۸ تا ۴۲)

کتاب الجہاد

دار الحرب سے ہجرت کا حکم:

سوال: مسلمانانِ برما پر جو جور وستم ہو رہا ہے واضح ہے، منجملہ اینکہ اسلام کے رکنِ اعظم حج پر پابندی ہے، اس صورت میں مسلمانوں کو یہاں سے ہجرت ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جہاں دین یا جان یا عزت یا مال محفوظ نہ ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے، مطلق دار الحرب ہونا موجبِ ہجرت نہیں، اگر برما میں مسلمانوں کی جان یا مال محفوظ نہیں، یا نماز، روزہ یا قربانی وغیرہ شعائرِ اسلام پر پابندی ہو تو ہجرت فرض ہے، صرف حج پر پابندی کی وجہ سے ہجرت فرض نہیں، اس لئے کہ حج کا ارادہ ظاہر کئے بغیر بھی حج ادا کیا جا سکتا ہے، اگر کوئی صورت ممکن نہ ہو تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حج فرض نہیں، صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوسرے سے حج کرانا فرض ہے، اس کے بعد عذر ختم ہو جائے تو خود حج کرنا فرض ہے، تصحیح میں اختلاف ہے، اکثر مشایخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے قولِ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کو اختیار فرمایا ہے، علاوہ ازیں احوط بھی یہی ہے، یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ حکومت کی طرف سے پابندی کے بعد حج فرض ہوا ہو، اگر پابندی سے پہلے حج فرض تھا تو بالاتفاق دوسرے سے حج کرانا فرض ہے، قال فی العلائیۃ غیر محبوس وخائف من سلطان یمنع منه، وفی الشامیۃ فلا یجب علی مقعد ومفلوج وشیخ کبیر لا یثبت علی الراحلۃ بنفسه واعمی ان وجد قائدا ومحبوس وخائف من سلطان لا بانفسهم ولا بالنیابۃ فی ظاهر المذهب وهو روایۃ عنهما وظاهر الروایۃ عنهما وجوب الاحجاج علیهم ویجزیهم ان دام العجز وان زال

اعادوا بانفسہم، والحاصل انہ من شرائط الوجوب عندہ ومن شرائط وجوب الاداء عندھما وثمرۃ الخلاف تظھر فی وجوب الاحجاج والایصاء کما ذکرنا وھو مقید بما اذا لم یقدر علی الحج وھو صحیح فان قدر ثم عجز قبل الخروج الی الحج تقرر دینا فی ذمتہ فیلزمہ الاحجاج (الی قولہ) وظاھر التحفۃ اختیار قولہما وکذا الاسبیجابی وقواہ فی الفتح ومشی علی ان الصحۃ من شرائط وجوب الاداء اھ من البحر والنھر وحکی فی اللباب اختلاف التصحیح وفی شرحہ انہ مشی علی الاول فی النہایۃ وقال فی البحر العمیق انہ المذھب الصحیح وان الثانی صححہ قاضی خان فی شرح الجامع واختارہ کثیر من المشایخ ومنہم ابن الھمام (رد المحتار ص ۱۵۴ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۸ رمضان سنہ ۸۸ھ

دار الحرب سے اسمگل کرنا:

سوال: برما جو کافروں کی حکومت ہے اس کی سرحد کے متصل مسلمانوں کی حکومت ہے جس میں برما کے مسلمان اسمگل کرتے ہیں، جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ اسمگل کرنا ناجائز ہے تو وہاں کے بعض علماء جواب میں یہ فرماتے ہیں کہ برما دار الحرب ہے، دار الحرب سے دار الاسلام میں اسمگل جائز ہے، ان کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر برما کے مسلمانوں اور حکومت کے درمیان علانیہ محاربہ نہیں تو وہاں سے مال اسمگل کرنا جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۳ھ

دار الحرب کے مسلمانوں کو حکومتِ مسلمہ کا مقابلہ کرنا جائز نہیں:

سوال: کافروں کی فوج میں مسلمان فوج بھی ہو اور یہ مسلمان فوج دورانِ جنگ کسی مسلم ملک پر حملہ کرے، یہ مسلم فوج جو کفار کی طرف سے لڑ رہی ہے اگر مسلمانوں کے ہاتھ سے ماری جائے تو کیا یہ شہید ہوں گے؟ کیونکہ یہ مجبور ہیں، گورنمنٹ کافر کے ملازم ہیں، حکم کی تعمیل کرنی پڑتی ہے، یا یہ مسلم فوجی آیت کریمہ ومن یقتل مؤمنا متعمدا الآیۃ کے تحت جہنمی ہونگے؟ یعنی مارے جائیں جب بھی اور مر جائیں جب بھی، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

کفار کی فوج میں اگر مسلم حمایۃً آئے تو وہ انہی میں سے ہے، اس کے ہاتھ سے حکومتِ

مسلمہ کا کوئی مسلم فوجی مرجائے تو وہ شہید ہے، اور اسے حکومتِ مسلمہ کا فوجی قتل کردے تو یہ شہید نہیں، یہ مجبور نہیں، اسے اختیار تھا کہ حکومتِ کافرہ کی فوجی ملازمت نہ کرے، اگر کافر حکومت کی طرف سے جبر ہو تو بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں نکلنا حرام ہے، اگر حکومت کی طرف سے سزائے موت کی تہدید ہو تو بھی قتلِ مسلم جائز نہیں، حکومت نے اسے قتل کر دیا تو شہید ہوگا، قال فی شرح التنویر ورخص له اتلاف مال مسلم او ذمی اختیار بقتل او قطع ویؤجر لو صبر ابن ملك (الی قوله) لا یرخص قتله او سبه او قطع عضوه وما لا یستباح بحال اختیار، وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ (قوله او سبه) مخالف لما فی القهستانی عن المضمرات من انه بالملجئ یرخص شتم المسلم وانه لو اکره علی الافتراء علی مسلم یرجی ان یسعه کما فی الظهیریة اھ وقال فی التاترخانیة الا تری انه لو اکره بمتلف ان یفتری علی الله تعالیٰ کان فی سعة فهنا اولیٰ الا الا انه علق الاباحة بالرجاء وفی الافتراء علی الله لم یعلق لانها هناك ثابتة بالنص وهنا ثبت دلالة قال محمد رحمه الله تعالیٰ عقیب هذه المسألة الا تری انه لو اکره بوعید تلف علی شتم محمد صلی الله علیه وسلم کان فی سعة ان شاء الله تعالیٰ وطریقه ما قلنا ولو صبر حتی قتل کان مأجورا وکان افضل اھ (قوله او قطع عضوه) ای ولو اذن له المقطوع غیر مکره فان قطع فهو آثم ولا ضمان علی القاطع ولا علی المکره ولو اکره علی القتل فاذن له فقتله اثم والدیة فی مال الآمر تاترخانیة لکن فی الخانیة قال له السلطان اقطع ید فلان والا لا قتلنك وسعه ان یقطع وعلی الآمر قصاص عندهما ولا روایة عن ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ اھ ثم رأیت الطوری وفق بانه ان اکره علی القطع با غلظ منه وسعه وان بقطع او بدونه فلا تأمل واتی بضمیر الغیبة العائد علی غیره لما فی الهندیة اکره بالقتل علی قطع ید نفسه وسعه ذلك وعلی المکره القود ولو علی قتل نفسه فقتل فلا شیء علی المکره اھ (رد المحتار ص ۹۴ ج ۵) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۱۱ رجب سنہ ۹۳ھ

خلافتِ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

سوال ؛ جماعتِ اسلامی کے لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حقیقی

خلیفہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، مگر معاویہ نے جبراً قبضہ کرلیا، اور اپنی حکومت کے زمانہ میں طرح طرح کے مظالم کرتے رہے، اس کا جواب تحریر فرماکر ممنون فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ عقیدہ دراصل شیعہ کا ہے، جماعتِ اسلامی کے بانی مودودی صاحب بھی ماڈرن شیعہ تھے، تفصیل کے لئے میرا رسالہ "مودودی صاحب اور تخریب اسلام" ملاحظہ ہو،

کاش کہ شیعہ لوگ خود اپنی ہی کتابوں کے آئینہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام دیکھ لیں، ذیل میں چند حوالے درج کئے جاتے ہیں:

① حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی، فرأیت ان اسالم معاویۃ واضع الحرب بینی وبینہ وبایعتہ (کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ مطبوع ایران ص ۱۷۰) لما صالح الحسن بن علی بن ابی طالب معاویۃ بن ابی سفیان دخل علیہ الناس فلامہ بعضھم علی بیعتہ فقال ویحکم لاتدرون ماعملت واللہ للذی عملت خیر لشیعتی (احتجاج طبرسی ص ۱۶۲)

② حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی، سمعت اباعبد اللہ علیہ السلام یقول ان معاویۃ کتب الی الحسن بن علی صلوات اللہ علیھما ان اقدم انت والحسین (الی قولہ) فقال (معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یاحسن قم فبایع فقام فبایع ثم قال للحسین علیہ السلام قم فبایع فقام فبایع (رجال کشی مطبوع کربلا ص ۱۰۲، بحار الانوار مطبوع ایران ص ۱۲۴ ج ۱۰) بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت کا بھی عزم ظاہر فرماکر یزید کی خلافت کو تسلیم کرچکے تھے، مگر آپ کو مہلت نہ دی گئی، اما ان اضع یدی فی ید یزید (طبری ص ۳۱۳ ج ۴، البدایۃ والنہایۃ ص ۱۷۰ ج ۸) کتبِ شیعہ میں سے الشافی مطبوع ایران ص ۱۷۴ میں بھی یہ روایت منقول ہے، علاوہ ازیں یزید کی حکومت کے تحت جہاد کے لئے جانے کی درخواست پیش کرنے کی روایت سے کسی کو انکار کی مجال نہیں، اور یہ خلافتِ یزید کو تسلیم کرنے کی واضح دلیل ہے،

③ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم کھاکر فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے لئے تمام شیعوں سے بہتر ہیں، عن زید بن وھب الجھنی قال لما طعن الحسن

بالمدائن اتيته وهو متوجع فقلت ماترى يا ابن رسول الله فان الناس متحيرون فقال اری والله ان معاوية خير لی من هؤلاء يزعمون انهم لی شيعة (احتجاج طبرسی ص ۱۶۳)

(۴) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک بار پندرہ لاکھ درہم دیئے = ۵،۱۰۳ ٹن چاندی، اور ایک بار چار لاکھ درہم دیئے = ۱،۳۶۰۸ ٹن چاندی، اور ایک لاکھ درہم = ۳۴۰،۲ کلو چاندی مستقل سالانہ وظیفہ دیتے تھے (تاریخ ابن عساکر ص ۲۰۰ و ۲۰۱ ج ۳)

شیعہ مجتہد محمد حسین عرف ڈھکو نے اس کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ شرائط صلح میں سے ایک شرط کے تحت گزارہ الاؤنس تھا (تجلیات صداقت ص ۴۹۲)

مذہبِ شیعہ میں امام معصوم ہوتا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاذ اللہ ظالم، فاسق اور غاصب تھے، سوال یہ ہے کہ امامِ معصوم کے لئے ظالم وغاصب خلیفہ کے بیت المال سے یہ رقوم وصول کرنا کیسے حلال تھا؟ کئی ٹن چاندی کی مقدار میں دراہم اور سالانہ ایک لاکھ درہم مستقل طور پر وصول کرتے رہنے کی شرط منوا کر خلافت جیسی خدائی امانت ظالم وفاسق کے حوالہ کر کے خود راحت وآرام کی زندگی بسر کرنا اور گذارہ الاؤنس کے عوض امت پر ظالم حکمران کا تسلط قبول کرلینا عصمتِ امام کے خلاف نہیں؟ غرضیکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت سے انکار درحقیقت حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خیانت کا الزام قائم کرنا ہے،

واللہ العاصم من جمیع الفتن

۲۶ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۶ھ

شرائطِ جہاد:

سوال: اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے آپ کی عمر میں برکت عطاء فرمائے، آمین، آپ سے مندرجہ ذیل مسائل دریافت کئے جارہے ہیں، امید ہے دلائل کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں گے، اس وقت ارکان صوبۂ برما میں مسلمانوں کی زبوں حالی قابل رحم ہے، سنہ ۱۹۴۲ء سے بدھسٹوں نے قتل وغارتگری، پردہ نشین خواتین کی عصمت دری، املاک اور جائداد چھین کر مسلمانوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے، علماءِ کرام کے ذریعہ خنزیر لدوایا گیا، ان کو قتل کرایا گیا، ڈاڑھیوں میں آگ لگائی گئی، مساجد کو بطورِ حصن یا مورچہ استعمال کیا گیا، اور بیشمار مسلم آبادیوں کو نذرِ آتش کیا گیا، سنہ ۱۹۶۱ء سے حج اور زیارتِ مقاماتِ مقدسہ پر مکمل پابندی ہے، بڑی مشکل سے ایک سو درخواستوں میں سے دس کی اجازت دی جاتی ہے، مسلمانوں کے قومی اخبارات

اور پریسوں کو مقفل کر دیا جن میں قرآن مجید اور اسلامی کتابیں چھپتی تھیں، ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف آمد و رفت مسلمانوں کے لئے قانوناً ممنوع ہے، علی الاعلان بدھسٹ حکومت اور پبلک کہہ رہی ہے کہ ڈاڑھی اور ٹوپی والوں کے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے، بدھسٹ بن جاؤ یا یہاں سے چلے جاؤ، علماء کو کرتہ پہنوا کر ان کے سامنے بدھسٹ عورتوں کو نچوایا گیا، اس طریقہ سے علماء اسلام اور اسلام کی ہتک کی گئی، اس وقت مسلسل خطوط بنگلہ دیش سے آرہے ہیں کہ ہماری جان و مال محفوظ نہیں ہے "ناگالی آپریشن" نامی ایک انکوائری آئی ہے، جس میں ہر بستی کے نوجوانوں کو گرفتار کرکے کہاں پہنچایا گیا؟ کوئی خبر نہیں، بوڑھے مردوں کو ایک کیمپ میں نوجوان عورتوں کو دوسرے کیمپ میں الگ الگ جمع کیا جاتا ہے، اور برمی آدمی اور امیگریشن کا عملہ کیمپوں میں جاکر عورتوں سے بدسلوکی اور آبرو ریزی کرتا ہے، کوئی اعتراض کرتا ہے تو گولی کا نشانہ بنایا جاتا ہے، اس وقت شمالی ارکان کا بوتھیڈنگ نامی ٹاؤن شپ تقریباً مسلمانوں سے خالی ہو چکا ہے، بیس پچیس بستیوں میں ایک آدھ گھرانہ رہ گیا ہے، باقی سب ہجرت کرکے بنگلہ دیش کی سرحد میں آگئے، لیکن بنگلہ دیش والے ان کو جگہ نہیں دے رہے ہیں، واپس بھیج رہے ہیں، جو لوگ گھروں سے نکل آتے ان کے گھر بار کافروں نے لوٹ لئے، غرض اس وقت شمالی ارکان میں قیامت کا سماں ہے، "روہینگیا فدائین محاذ" نامی ایک تنظیم ۱۹۶۴ء سے برمی حکومت سے مسلح جدوجہد کرنے اور اپنے مذہبی اور سیاسی حقوق منوانے کے لئے فوجی تیاری کر رہی ہے جو زیادہ تر برمی حکومت کے مسلمانوں، سرکاری اور ذیلی کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ پر مشتمل ہے، کچھ لوگ تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے اور علماء کرام بھی ہیں، یہ تنظیم "الفتح" تنظیم آزادیٔ فلسطین، "مورو نیشنل لبریشن فرنٹ" تنظیم آزادیٔ فلپائن، ایریٹیریا کی تنظیم آزادی، ضانی کے مسلمانوں اور تنساد افریقہ کے مسلمانوں کی تنظیموں کی نوعیت کی سی ہے، جو اس نازک وقت میں برمی حکومت سے مکمل تیاری کے بغیر ناقابلِ برداشت مظالم کے پیشِ نظر مسلح جدوجہد کرنے کا آغاز کر رہی ہے، مسلمانوں کی دعاء اور تعاون کی خواستگار ہے، اس میں کچھ علماء کرام کو تأمل ہے، لہٰذا آپ کو زحمت دی جارہی ہے کہ خدارا ان سوالوں کے مدلل جوابات مرحمت فرمائیں:

(۱) اس تنظیم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۲) اس تنظیم کی مسلح جدوجہد پر جہاد کا اطلاق ہوگا یا نہیں؟

(۳) اس تنظیم کا سربراہ انگریزی تعلیم یافتہ ہے، مگر نماز، روزہ کا پابند ہے، اور دینی مسائل

سے بھی کچھ واقفیت رکھتا ہے، کیونکہ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ کم وبیش اردو سے واقف ہوتا ہی، اور دینی کتابیں پڑھتا ہے، اس کو امامِ جہاد کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) اس مسلح جدوجہد میں کسی کی موت ہوجائے تو شہید کہلائے گا یا نہیں؟

(۵) اس تنظیم کے ساتھ جانی اور مالی تعاون کرنا کیسا ہے اور اخلاقاً کیسا ہے؟

(۶) من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون اهله فهو شهيد، ومن قتل دون عرضه فهو شهيد، کیا یہ تینوں جملے حدیث ہیں؟ اگر حدیث ہیں تو کس کتاب میں ہیں؟

(۷) جن تنظیموں کا اوپر ذکر ہوا اُن سب کا ایک ہی حکم ہے یا مختلف؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

(۱) تا (۵) مجھے اس تنظیم سے متعلق کوئی علم نہیں، کسی تنظیم کے ساتھ تعاون کے لئے دو شرطیں ہیں:

(۱) اس کا طریقِ کار خلافِ شرع نہ ہو،

(۲) کامیابی متوقع ہو،

(۶) (سعيد بن زيد) رفعه من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون اهله فهو شهيد، لاصحاب السنن (جمع الفوائد ص ۲۲ ج ۱۶)،

(۷) دوسرے ممالک کی تنظیموں کے بارے میں اجمالاً اتنا علم ہے کہ ان کا طریقِ کار شریعت کے مطابق نہیں،

مقامی علماء پر فرض ہے کہ عوام کو ترکِ منکرات کی زیادہ سے زیادہ تبلیغ کریں،

قال الله تعالىٰ: وكذلك نولی بعض الظّلمين بعضا بما كانوا يكسبون ○

وقال تعالىٰ: ظهر الفساد فی البر والبحر بما كسبت ايدی الناس ليذيقهم بعض الذی عملوا لعلهم يرجعون ○

وقال: ما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم ويعفوا عن كثير، فقط والله تعالىٰ اعلم، ۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۸ھ

بضرورتِ جہاد ڈاڑھی منڈانا جائز نہیں:

سوال: جب کوئی شخص جہاد پر جائے تو اس کے لئے ڈاڑھی منڈوانا جائز ہے یا نہیں؟

جہاد کے لئے جو راستہ ہے وہاں کفار ہیں، بغیر ڈاڑھی والے کو اندر چھوڑتے ہیں اور ڈاڑھی والے کو قتل کرتے ہیں، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ڈاڑھی منڈانا حرام ہے، جہاد کی ضرورت سے فعلِ حرام کا ارتکاب جائز نہیں، بلکہ ایسے موقع میں تو گناہوں سے بچنے اور استغفار کی زیادہ تاکید ہے، قال الله تعالیٰ وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدھم شیئاً، وقال حکایۃً عن الربیین الذین کانوا یقاتلون مع نبیھم، ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین، اس آیت کے مضمون کی ترتیب میں اس پر دلالت ہے کہ جس طرح نصرت ثباتِ اقدام پر موقوف ہے اسی طرح ثباتِ اقدام گناہوں سے توبہ و استغفار پر موقوف ہے، وقال رسول الله صلی الله علیہ وسلم فانہ لا یدرک ما عند الله الا بطاعتہ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۸ / ذی قعدہ سنہ ۹۹ھ

دارالاسلام میں غیر مسلمین کو تبلیغی اجتماع کی اجازت نہیں :

سوال : اسلامی ریاست میں کفر وشرک کی تبلیغ کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ کیا بطور حسنِ سلوک یا رواداری اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو اُن کے باطل دین کی تبلیغ کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ بیّنوا توجروا،

الجواب باسم مُلہم الصّواب

دارالاسلام میں غیر مسلمین اپنے گھروں یا عبادت گاہوں میں مذہبی تبلیغ کرسکتے ہیں، کُھلے مقامات پر انہیں تبلیغی اجتماع کی اجازت نہیں دی جاسکتی، حتّٰی کہ وہ اپنی مذہبی کتاب بھی بلند آواز سے نہیں پڑھ سکتے، قال العلامۃ العثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ قلت ولا ینبغی للامام ان یھادنھم علی ما یخالف شروط عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ من غیر ضرورۃ فانہ ھو القدوۃ فی ھذا الباب، قال الموفق وینبغی للامام عند عقد الھدنۃ ان یشترط علیھم شروطا نحو ما شرطہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقد رویت عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی ذلک اخبار منھا ما رواہ الخلال باسنادہ فذکرھا ذکرنا ہ فی المتن اھ (ص۲۶۶ ج ۷) وقد حکی ابن تیمیۃ اجماع الفقھاء وسائر الائمۃ رحمھم اللہ تعالیٰ علی مراعاۃ تلک الشروط

قال ولولا شہرتها عند الفقهاء لذكرنا الفاظ كل طائفة فيها (الى قوله) ومن جملة الشروط ما يعود باخفاء منكرات دينهم وترك اظهارها كمنعهم من اظهار الخمر والناقوس والنيران والاعياد ونحو ذلك ومنها ما يعود باخفاء شعائر دينهم كاصواتهم بكتابهم (اعلاء السنن ص۴۷۳ ج ۱۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۴ر صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

دار الاسلام میں غیر مسلمین کو نئی عبادتگاہ بنانے کی اجازت نہیں:

سوال: کیا اسلامی ریاست میں غیر مسلم اپنی عبادت گاہیں تعمیر کر سکتے ہیں؟ واضح رہے کہ نئی عمارت کی تعمیر مقصود ہے، بیّنوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

غیر مسلمین کو دار الاسلام میں نئی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت نہیں، پرانی عبادت گاہیں باقی رکھ سکتے ہیں، اُن کی مرمت بھی کر سکتے ہیں، مگر قدیم عمارت پر اضافہ نہیں کر سکتے، اسی طرح ان کا کوئی شہر فتح ہونے کے وقت اس میں اگر کوئی عبادت گاہ ویران تھی تو اسے از سرِ نو آباد کرنے کی اجازت نہیں۔ قال العلامة العثمانی رحمه الله تعالیٰ معزیا لاصحاب الحديث حدثنا عبد الله بن صالح عن الليث بن سعد حدثنی توبة بن النمر الحضرمی قاضی مصر عمن اخبره قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا خصاء فی الاسلام ولا كنيسة رواه ابو عبيد فی الاموال وتوبة بن النمر قال الدارقطنی كان فاضلا عابدا (تعجيل المنفعة) فالحديث حسن الاسناد مرسل وجهالة الصحابی لا تضر واخرجه البيهقی فی سننه عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما مرفوعا وضعفه واخرجه ابن عدی فی الكامل عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه مرفوعا باسناد ضعيف (زيلعی) وتعدد الطرق يفيد الحديث قوة،

حدثنی ابو الاسود عن ابن لهيعة عن يزيد بن ابی حبيب عن ابی الخير قال قال عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه لا كنيسة فی الاسلام ولا خصاء، رواه ابو عبيد ايضا وسنده حسن وابو الخير هو مرثد بن عبد الله اليزنی المصری ثقة فقيه من الثالثة (تقريب) ورواه ابن عدی عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه مرفوعا بلفظ لا يبنی كنيسة فی الاسلام ولا يجدد ما خرب منها (التلخيص الحبير) وسكت الحافظ عنه۔

وفی الحاشية وتجديد ما كان خربا عند الفتح احداث ايضا فيمنع منه

وھو محمل ما رواہ ابن عدی بلفظ ولا یجدد ما خرب منھا واما ما کان عامرا عند الفتح وخرب بعدہ فتجدیدہ بناء لما استھدم فاشبہ بناء بعضھا اذا انھدم ورم شعثھا فلا یرد علینا ما اوردہ الموفق فی المغنی ص۶۱۳ ج ۱۰ (اعلاء السنن ص۳۶۸ ج ۱۲)

وقال فی التنویر ولا یجوز ان یحدث بیعۃ ولا کنیسۃ ولا صومعۃ ولا بیت نار ولا مقبرۃ فی دار الاسلام ویعاد المنھدم من غیر زیادۃ علی البناء الاول (ردّ المحتار ص۲۷۹ ج ۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

غیر مسلمین کے حلیہ اور لباس وغیرہ پر پابندی:

سوال: کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں کفار کے نام تبدیل کرائے گئے تھے، یا اُن کے حلیہ ولباس پر پابندی عائد کی گئی تھی؟ براہِ کرم اس کا حوالہ تحریر فرمایا جائے، بیّنوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصّواب

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں غیر مسلمین کے نام تبدیل کرنے سے متعلق کوئی روایت نظر سے نہیں گزری، البتہ حلیہ، لباس اور سواری وغیرہ سے متعلق پابندیاں تھیں، قال العلامۃ العثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ انّ امیر المؤمنین عمر فی الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم ثمّ عامۃ الائمۃ بعدہ وسائر الفقھاء جعلوا فی الشروط المشروطۃ علی اھل الذمۃ من النصاری وغیرھم فیما شرطوہ علی انفسھم ان نوقر المسلمین ونقوم لھم من مجالسنا ان ارادوا الجلوس ولا نتشبہ بھم فی شیء من ملابسھم قلنسوۃ او عمامۃ او نعلین او فرق شعر ولا نتکلم بکلامھم ولا نتکنی بکناھم ولا نرکب السروج ولا نتقلد السیوف ولا نتخذ شیئا من السلاح ولا نحملہ ولا ننقش خواتیمنا بالعربیۃ ولا نبیع الخمور وان نجز مقادم رؤسنا وان نلزم زیّنا حیثما کنا وان نشد الزنانیر علی اوساطنا وان لا نظھر الصلیب علی کنائسنا ولا نظھر صلیبا ولا کتبا فی شیء من طریق المسلمین ولا اسواقھم ولا نضرب بنواقیسنا فی کنائسنا الا ضربا خفیفا ولا نرفع اصواتنا مع موتانا ولا نظھر النیران معھم فی شیء من طرق المسلمین، رواہ حرب باسناد جید کذا فی اقتضاء الصّراط المستقیم للعلامۃ ابن تیمیۃ رحمہ اللہ تعالیٰ (اعلاء السنن ص۳۷۰ ج ۱۲) وقال فی

التنویر ویمیز الذمی عنافی زیہ ومرکبہ وسرجہ وسلاحہ فلا یرکب خیلا ویرکب سرجا کالاکف ولا یعمل بسلاح ویظہر الکتج ویمنع من لبس العمامۃ وزنار الابریسم والثیاب الفاخرۃ المختصۃ باھل العلم والشرف (رد المحتار ص۲۸۲ ج ۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

اسلامی مُلک کی تعریف:

سوال: اسلامی ملک کی تعریف کے لئے قرآن وسنت پر عملدرآمد ضروری ہے یا صرف مسلمانوں کی آبادی کا ہونا کافی ہے؟ یعنی جس ملک میں قرآن وسنت کے عملی نظام کا نفاذ نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ ملک اسلامی ملک ہے یا غیر اسلامی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

جس مُلک میں اگرچہ عملاً احکامِ اسلام کا نفاذ نہ ہو مگر تنفیذِ احکام پر قدرت ہو وہ دارالاسلام ہے، اس معنی سے اسے اسلامی ملک بھی کہا جا سکتا ہے مگر ایسے ملک کی حکومت کو اس وقت تک حکومتِ اسلامیہ نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ وہ احکامِ اسلام کی تنفیذ نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

دارالامن کی تعریف:

سوال: دارالحرب کی کیا تعریف ہے؟ کیا کسی ملک کے نظام میں مسلمانوں کو صرف عبادات (نماز۔ روزہ) کی آزادانہ ادائیگی اس ملک کے دارالامن ہونے کے لئے کافی ہوگی جبکہ مُلک کے عائلی قوانین مثلاً نکاح، طلاق میں مسلمان ان کے غیر اسلامی قوانین کے پابندی پر مجبور ہوں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم مُلہم الصّواب

جہاں احکامِ اسلام کی تنفیذ پر قدرت نہ ہو وہ دارالحرب ہے، دارالحرب میں اگر مسلمانوں کی جان، مال اور عزت محفوظ ہو اور عبادات محضہ پر کوئی پابندی نہ ہو تو یہ دارالامن ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ رجب سنہ ۱۴۰۱ھ

دشمن کے خطرہ سے خودکشی حرام ہے :

سوال : حالتِ جنگ میں جب اپنے شہید ہو جانے کا یقین ہو اور یہ بھی یقین ہو کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارے بچوں اور عورتوں کو بھی شہید کر دیں گے اور اُن کی آبرو بھی لُوٹیں گے تو کیا اپنی عزّت بچانے کی خاطر ہم خود اُن کو قتل کر سکتے ہیں؟ یا ایسے حالات میں عورت خودکشی کرلے تو جائز ہے یا نہیں؟ ۱۹۴۷ء میں ایسا ہوا ہے کہ کفار نے مسلمان عورتوں کو بے آبرو کرکے شہید کر دیا یا اُن کو اپنے قبضہ میں رکھ لیا اور وہ عورتیں آج تک کفار کے قبضہ میں ہیں، اس وقت افغانستان کے حالات بھی سامنے ہیں، بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

بچّوں اور عورتوں کو خود قتل کرنا جائز نہیں، عورتوں پر خودکشی بھی حرام ہے، منجانب اللہ پیش آنے والے ہر قسم کے حالات پر صبر کرنا اور دین پر قائم رہنا اُن کے لئے بہت بڑا جہاد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ ربیع الاوّل سنہ ۱۴۰۰ھ

سیاست شریعت سے جدا نہیں :

سیاست دین میں داخل ہے یا اس سے الگ نئی چیز؟ آج کل یہ نعرہ عام ہے کہ سیاست وحکومت کا دین سے کوئی تعلق نہیں، شریعت کی روشنی میں مسئلہ کا حل ارشاد فرمائیں، بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

سیاست کے لغوی معنی تدبیر و اصلاح کے ہیں شرعًا اور عقلًا اسکے تین شعبے ہیں :

(۱) اپنی ذات سے متعلق تدبیر۔

(۲) بیوی، اولاد اور اقارب ومتعلقین سے متعلق تدبیر۔

(۳) پورے علاقہ یا ملک کی اصلاح وفلاح کی تدبیر۔

پھر اس اصلاح وتدبیر کے مختلف مدارج اور مختلف صورتیں ہوتی ہیں مگر ایک مسلمان کے لئے صرف وہی تدبیر مفید وکارآمد ہے جو اس کی آخرت کے لئے نافع ہو کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے۔ لہٰذا اپنی ذات، اپنے اہلِ خانہ یا اپنے ملک

کے حق میں ایسی سیاست اختیار کرنا جو کسی حکم شریعت سے متصادم ہو ناجائز اور حرام ہے۔
ہاں! اگر شریعت کے دائرہ میں رہ کر سیاست وتدبیر کی جائے تو یہ اعلیٰ درجہ کی نیکی اور ہر شخص پر حسبِ استطاعت فرض ہے، ایسی ہی سیاست میں اپنی ذات اور عوام کی صلاح وفلاح اور ہمدردی مضمر ہے۔

مروّجہ سیاست اور اس کے تمام تر طور طریقے چونکہ یورپ سے درآمد ہوئے ہیں لہٰذا مغرب گزیدہ لوگوں نے یہ سوچ کر کہ ایسی سیاست کا دین اسلام سے کوئی جوڑ نہیں بیٹھتا، اور دونوں ایک قدم بھی ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے، یہ نعرہ لگایا:

"دین وسیاست دو الگ الگ چیزیں ہیں"

جس کا مقصد ظاہر ہے کہ میدانِ سیاست میں کھلی چھوٹ ہے اس میں جتنا جھوٹ بولو، فریب دو، دغا کرو، سیاست میں سب روا ہے، اس کی بجائے اگر یہ لوگ صاف صاف یہ نعرہ لگا دیتے:

"سیاست دان اور دیندار مسلمان دو الگ الگ مخلوق ہیں ایک کا دوسرے سے کوئی جوڑ نہیں"

تو بہتر ہوتا، یورپ والوں کو تو یہ نعرہ زیب دیتا ہے کہ ان کے دین میں سیاست کی کوئی گنجائش نہیں، حکومت وسلطنت کے لئے کوئی ہدایات نہیں، مگر ایک مسلمان کی طرف سے اس قسم کا نعرہ درحقیقت اس الحاد و بے دینی کا اظہار ہے کہ ہمارے دین میں بھی سیاست وحکومت کے لئے کوئی رہنما اصول نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیٰوۃ طیبہ میں اس پہلو پر کوئی روشنی نہیں پائی جاتی، اس لئے ہم سیاست کو دین سے الگ رکھنے پر مجبور ہیں۔

اس کا کفر والحاد ہونا محتاجِ دلیل نہیں۔

خلاصہ یہ کہ سیاست دین سے جدا نہیں بلکہ دین ہی کا ایک اہم شعبہ ہے، مروجہ نعرہ مغرب پرست آخرت بیزار قسم کے لوگوں کا پھیلایا ہوا ہے ع

جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ رجب ۱۳۹۳ ہجری

اسلام میں مغربی جمہوریت کی کوئی گنجائش نہیں :

سوال : موجودہ جمہوری نظام جو دنیا کے اکثر ممالک میں نافذ ہے جسمیں بیک وقت کئی جماعتوں کا وجود شرط ہے۔ کیا اسلام میں اس کی گنجائش ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اسلام میں مغربی جمہوریت کا کوئی تصور نہیں، اس میں متعدد گروہوں کا وجود (حزب اقتدار وحزب اختلاف) ضروری ہے، جبکہ قرآن اس تصور کی نفی کرتا ہے :

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا۔ الآیۃ (۳ : ۱۰۳)

اس میں تمام فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں جب کہ قرآن اس انداز فکر کی بیخ کنی کرتا ہے :

وان تطع اکثر من فی الارض یضلوك عن سبیل اللّٰہ الآیۃ (۶ : ۱۱۶)

یہ غیر فطری نظام یورپ سے درآمد ہوا ہے جس میں سروں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا۔ اس میں مرد وعورت، پیروجواں، عامی وعالم بلکہ دانا و نادان سب ایک ہی بھاؤ تلتے ہیں۔

جس اُمیدوار کے پلّے ووٹ زیادہ پڑجائیں وہ کامیاب قرار پاتا ہے اور دوسرا سراسر ناکام۔ مثلاً کسی آبادی کے پچاس علماء، عقلاء اور دانشوروں نے بالاتفاق ایک شخص کو ووٹ دیئے، مگران کے بالمقابل علاقہ کے بھنگیوں، چرسیوں اور بے دین اوباش لوگوں نے اس کے مخالف اُمیدوار کو ووٹ دیدیئے جن کی تعداد اکاون ہوگئی تو یہ اُمیدوار کامیاب اور پورے علاقے کے سیاہ وسفید کا مالک بن گیا۔ یہ مفروضہ نہیں حقیقت واقعہ ہے، دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست (پاکستان) میں سنہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں اس کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوا کہ بڑے بڑے علماء مشایخ کے مقابلہ میں بے دین، بے نماز، بے ریش وبروت عیاش وفحاش قسم کے لوگ کھڑے ہوئے اور بھاری اکثریت سے جیت گئے۔ سنہ ۱۹۸۸ء کے الیکشن میں اس سے بھی تلخ تجربہ ہوا کہ پورے ملک میں جگہ جگہ مغرب زدہ فاحشہ عورتیں کھڑی ہوئیں اور اپنے مقابل بشمول علماء ومشایخ بڑے بڑے مشہور سیاستدان مردوں کو شکست دیکر ایوان اقتدار میں پہنچ گئیں۔

پھر ووٹ لینے کے لئے ہر جائز و ناجائز حربہ کا استعمال لازمۂ جمہوریت ہے، لیلائے اقتدار کی خاطر تمام انسانی اقدار بلکہ خونی رشتے تک فراموش کر دیئے جاتے ہیں، ایک ہی علاقہ میں سگے بھائی، باپ، بیٹا بلکہ میاں بیوی تک مدِمقابل ہوتے ہیں، ہر فریق اپنے مقابل کو چت کرنے کے لئے پیسہ پانی کی طرح بہاتا ہے، چنانچہ ہر الیکشن میں اربوں روپے برباد ہوتے ہیں۔ مزید برآں دھونس، دھاندلی، دھوکا، فریب، رشوت، غرض تمام ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور کوئی ہتھکنڈا کارگر نہ ہو تو مخالف ووٹروں کو ڈرایا دھمکایا بلکہ قتل تک کر دیا جاتا ہے ؎

فرنگ آئین جمہوری نہاد است
رسن از گردن دیوے کشاد است

اس کا تجزیہ پاکستان کے ایک معروف صحافی نے یوں کیا:

"الیکشن کے چند دن پورے ملک میں گناہوں کا سیزن ہوتے ہیں، چنانچہ ملک کے چپے چپے پر جس قدر جھوٹ، چغلی، غیبت، فریب و دغا، بددیانتی، ضمیر فروشی، بے حیائی اور ڈھٹائی کا ارتکاب ان چند دنوں میں ہوتا ہے پورے سال میں نہیں ہوتا۔"

جب الیکشن کا دن آتا ہے تو پورے ملک پر خوف و ہراس کے بادل چھا جاتے ہیں اس میں پولیس رینجرز بلکہ فوج کی نگرانی کے باوجود ہنگامہ آرائی، مار دھاڑ اور قتل و غارتگری کا بازار گرم ہوتا ہے۔ اب تک جو ملک میں چند الیکشن ہوئے ہیں انمیں سیکڑوں افراد مارے جا چکے ہیں۔

پھر جس گھڑی نتائج کا اعلان ہوتا ہے وہ قیامت کی گھڑی ہوتی ہے، ہارنے والوں میں بہت سے لوگ دماغی توازن کھو بیٹھتے ہیں، چنانچہ ۱۹۸۸ء کے الیکشن ہونے پر اخباروں میں آیا کہ نفسیاتی ہسپتال اس قسم کے پاگلوں سے بھر گئے ہیں جو رات کو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتے ہیں اور نعرہ بازی سے ہسپتال سر پر اٹھا لیتے ہیں۔

اور جو کامیاب ہوتے ہیں ان کی چاندی ہو جاتی ہے ایوان اسمبلی میں پہنچکر ان کی بولی لگتی ہے، فیکٹریوں کے پرمٹ، پلاٹس، وزارتیں، غرضیکہ طرح طرح کے لالچ اور چلکے دیکر انھیں خریدا جاتا ہے، کچھ عرصہ بیشتر صدر مملکت کا بیان

اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ ہماری قومی اسمبلی بکرا منڈی بن چکی ہے۔

پھر قوم کے یہ منتخب نمائندے اسمبلی ہال میں بیٹھ کر کیا گل کھلاتے ہیں؟ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، آئے دن اخبارات میں چھپتا ہے کہ فلاں وزیر نے سود کے جواز پر دلائل پیش کئے، فلاں نے مُلّا ازم کہہ کر اسلامی نظام کا مذاق اُڑایا، فلاں عورت نے ڈاڑھی سے تمسخر کیا اور ان مہذب لوگوں کے مابین گالم گلوچ دشنام طرازی اور تو تکار تو عام سی بات ہے، بات بڑھ جائے تو ایک دوسرے سے دست و گریبان ہوجاتے ہیں، پھر گھونسہ بازی بلکہ کرسی بازی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

سابق مشرقی پاکستان کی اسمبلی میں اس زور کی کرسی بازی ہوئی کہ پارلیمانی اسپیکر بیچ بچاؤ کرتے ہوئے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، بالآخر اسمبلی کی عمارت میں زمین سے پیوست کرسیاں بچھانا پڑیں کہ لڑائی میں استعمال نہ ہوسکیں۔

یہ تمام برگ و بار مغربی جمہوریت کے شجرۂ خبیثہ کی پیداوار ہیں۔ اسلام میں اس کافرانہ نظام کی کوئی گنجائش نہیں، نہ ہی اس طریقے سے قیامت تک اسلامی نظام آسکتا ہے۔ بفحوائے "الجنس یمیل الی الجنس" عوام (جن میں اکثریت بے دین لوگوں کی ہے) اپنی ہی جنس کے نمائندے منتخب کرکے اسمبلیوں میں بھیجتے ہیں۔

اسلام میں شورائی نظام ہے جس میں اہل الحل والعقد غور و فکر کرکے ایک امیر کا انتخاب کرتے ہیں، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے وفات کے وقت چھ اہل الحل والعقد کی شوریٰ بنائی جنہوں نے اتفاق رائے سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا۔

اس پاکیزہ نظام میں انسانی سروں کو گننے کی بجائے انسانیت کا عنصر تولا جاتا ہے، اس میں کسی ایک ذی صلاح مدبر انسان کی رائے لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانو کی رائے پر بھاری ہوسکتی ہے ؎

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ در مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی سے استشارہ کے بغیر صرف اپنی ہی صوابدید سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا، آپ کا یہ انتخاب کس قدر موزوں مناسب

اور کچا تلا تھا؟

اس کا جواب الفاظ میں دینا ممکن نہیں، اس حقیقت کا مشاہدہ پوری دنیا کھلی آنکھوں سے کر چکی ہے، والعیان یغنی عن البیان۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ جمادی الثانیہ ۱۴۱۳ھ

دار الحرب کی تعریف:

دار الحرب کی جامع اور مختصر تعریف کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دار الحرب وہ علاقہ ہے جہاں زندگی کے تمام شعبوں میں احکام اسلام اور اسلامی نظام کو نافذ کرنے کی قدرت نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ

مسلم اقلیت کا حکومت کافرہ سے جہاد کرنا:

سوال: حکومت برما اپنے مسلم باشندوں پر ظلم کر رہی ہے، حتیٰ کہ انکے مذہبی احکام پر پابندی لگا رہی ہے، فرائض شرعیہ کی ادائیگی میں مانع ہو رہی ہے، دریں حالات مسلم باشندوں پر ایسی حکومت سے جہاد کرنا فرض ہے یا نہیں؟ نیز اموال زکوٰۃ کے ذریعہ ایسے مجاہدین کی مدد کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ان حالات میں ایسی حکومتِ کافرہ سے جہاد کرنا فرض ہے، اس مقصد کے لئے ایسی تنظیم ضروری ہے جو علماء ماہرین، متقین واہلِ بصیرت کی نگرانی میں حدود شریعت کے اندر کام کرے، دوسرے ممالک کے مسلمانوں پر بھی بترتیب "الاقرب فالاقرب" تعاون کرنا فرض ہے۔ اگر جہاد کی استطاعت نہ ہو تو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے۔

ادائِ زکوٰۃ کے لئے تملیک فقیر شرط ہے، جہاں یہ شرط پائی جائے گی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی اور جہاں مفقود ہو گی زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ رمضان ۹۴ھ

جہاد اصطلاحِ شریعت میں:

سوال: اصطلاحِ شریعت میں "جہاد" کسے کہتے ہیں؟ عموماً تبلیغی جماعت کے احباب

تبلیغ میں نکلنے کی ترغیب دیتے ہوئے آیات واحادیث اور واقعاتِ جہاد کو تبلیغ کے لیے نکلنے والی جماعتوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا درست ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم مُلہم الصّواب

جہاد کا حقیقی مصداق اور اصطلاحی معنیٰ "قتال فی سبیل اللہ" ہے، البتہ مجازاً دین کی خاطر کی جانے والی ہر محنت ومشقت اور جد وجہد کو جہاد کہہ دیا جاتا ہے۔

لغت میں جہاد "جَہد" بالفتح "بمعنی مشقت یا "جُہد" بالضم طاقت سے مشتق ہے اس اعتبار سے جہاد کے معنی ہیں: طاقت خرچ کرنا، مشقت اٹھانا۔ مگر شریعت نے لفظ "جہاد" کو اس لغوی معنی سے ایک دوسرے معنی یعنی "قتال مع العدو" کی طرف منتقل کر دیا جیسے لفظ "صلوٰۃ" لغت میں دعاء کے معنی میں آتا ہے، مگر شریعت میں اس کے اصطلاحی معنی ایک مخصوص عمل کے ہیں جو تکبیر سے شروع اور سلام پر ختم ہوجاتا ہے۔

چنانچہ مذاہب اربعہ کی کتب میں جہاد کے اصطلاحی معنی "قتال" ہی کے لکھے ہیں یہاں فقہ حنفی سے صرف ایک حوالہ نقل کیا جاتا ہے۔

قال الامام الکاسانی رحمہ اللہ تعالی: اما الجہاد فی اللغۃ فعبارۃ عن بذل الجہد بالضم وھو الوسع والطاقۃ اوعن المبالغۃ فی العمل من الجہد بالفتح وفی عرف الشرع یستعمل فی بذل الوسع والطاقۃ بالقتال فی سبیل اللہ بالنفس والمال واللسان اوغیر ذلک اوالمبالغۃ فی ذلک۔

(بدائع الصنائع ص۹۷ ج۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر لفظ "جہاد" قتال کے سوا کسی دوسرے عمل صالح (مثل برالوالدین) کے کبھی استعمال ہوا ہے تو وہ مشاکلۃً (یعنی چونکہ صحابی نے "اجاھد" کے الفاظ استعمال کئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی خدمت کے لئے اسی کے مثل "ففیھما فجاھد" فرمایا، جیسا کہ وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا میں عذاب کے لئے مشاکلۃً سیئۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے) یا مجازاً استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا قتال کے سوا کسی دوسرے عمل کے لئے لفظ جہاد کا استعمال مجازاً تو صحیح ہے، لیکن اسے اس میں اس طرح استعمال کرنا کہ اصل معنی بالکل متروک ہو جائیں اور مجازی معنی کو جہاد کا حقیقی مصداق قرار دیا جانے لگے، اصطلاحِ شریعت کی تحریف ہے، اس لئے آیات واحادیثِ جہاد کو اصل اور حقیقی مصداق "قتال فی سبیل اللہ"

سے اس طرح ہٹا کر کسی دوسرے شعبۂ دین پر چسپاں کرنا جائز نہیں، جیسا کہ لفظ "صلوٰۃ" کو اس کے اصطلاحی معنی "نماز" سے ہٹا کر "دعاء" کے معنی میں لینا اور نماز کی بجائے دعاء ہی پر اکتفاء کرنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۵ر صفر ۱۴۲۳ھ

نو مسلمہ کو اس کے ہندو والدین کے سپرد کرنا جائز نہیں:

سوال: ایک مسلمان نے ہندو لڑکی کو اغوار کیا، پھر اس کو مسلمان کر کے اس سے نکاح کر لیا، اب بعض مسلمان چاہتے ہیں کہ اس لڑکی کو اسکے ہندو والدین کے پاس واپس بھیجدیں، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جس نے کافرہ لڑکی کو اغوار کیا اس نے بہت بُرا کیا، مگر اس کے قبولِ اسلام کے بعد جب اس سے نکاح کیا تو نکاح درست ہوگیا، اب اس مسلمان لڑکی کو کفار کے حوالہ کرنا قطعاً جائز نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: فان علمتموھن مؤمنات فلا ترجعوھن الی الکفار الآیۃ (۶۰: ۱۰)

بلکہ یہ نو مسلمہ از خود کفار کے پاس جانا چاہے تب بھی اسے نہ جانے دیا جائے، ہاں! وقتی طور پر والدین یا محرم رشتہ داروں سے ملنے میں مضایقہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ر رمضان ۹۶ھ

جاسوس کی سزا:

سوال: جو مسلمان کافر حکومت کا جاسوس بن کر مسلمانوں کے خفیہ راز اس تک پہنچائے یا حکومت کافرہ کے تعاون سے وہاں کے مسلمانوں کو ستائے اور ان کی فوج کو ظلم پر آمادہ کرے، ایسے مسلمان کا شرعی حکم کیا ہے؟ اس کا قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر بدون قتل کوئی تدبیر اسکی فہمائش کے لئے کارگر نہ ہو تو اسے قتل کرنا جائز ہے۔

قال الامام القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ:

فان کان الجاسوس کافرا فقال الاوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ یکون نقضا

لعهده وقال اصبغ الجاسوس الحربي يقتل والجاسوس الكافر والذمي يعاقبان الا ان تظاهرا على الاسلام فيقتلان (الجامع لاحكام القرآن ص۵۳ ج ۱۸)

وكذا قال الامام ابن العربي رحمه الله تعالى (احكام القرآن ص۷۷۲ ج ۴)

وقال الحافظ العيني رحمه الله تعالى:

وقال الداودي الجاسوس يقتل وانما نفى القتل عن حاطب لما علم النبي صلى الله عليه وسلم منه ولكن مذهب الشافعي رحمه الله تعالى وطائفة ان الجاسوس المسلم يعزر ولا يجوز قتله وان كان ذا هيئة عفي عنه لهذا الحديث۔

وعن ابي حنيفة والاوزاعي رحمهما الله تعالى يوجع عقوبة ويطال حبسه وقال ابن وهب من المالكية يقتل الا ان يتوب وعن بعضهم انه يقتل اذا كانت عادته ذلك وبه قال ابن الماجشون۔ وقال ابن القاسم يضرب عنقه لانه لا تعرف توبته وبه قال سحنون۔

ومن قال بقتله فقد خالف الحديث واقوال المتقدمين وقال الاوزاعي فان كان كافرا يكون ناقضا للعهد وقال اصبغ الجاسوس الحربي يقتل والمسلم والذمي يعاقبان الا ان يظاهرا على الاسلام فيقتلان (عمدة القاري ص۲۵۶ ج ۱۴)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى:

وفي المجتبى الاصل ان كل شخص رأى مسلما يزني ان يحل له قتله وانما يمتنع خوفا من ان لا يصدق انه زنى وعلى هذا القياس المكابر بالظلم وقطاع الطريق وصاحب المكس وجميع الظلمة بادنى شيء له قيمة وجميع الكبائر والاعونة والسعاة يباح قتل الكل ويثاب قاتلهم انتهى وافتى الناصحي بوجوب قتل كل مؤذ۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى:

(قوله وقطاع الطريق) اي اذا كان مسافرا ورأى قاطع طريق له قتله وان لم يقطع عليه بل على غيره لما فيه من تخليص الناس من شره واذاه كما يفيده ما بعده، (قوله وجميع الكبائر) اي اهلها والظاهر ان المراد بها المتعدي ضررها الى الغير فيكون قوله والاعونة والسعاة عطف تفسير او عطف

خاص علیٰ عام فیشمل کل من کان من اھل الفساد کالساحر وقاطع الطریق واللص واللوطی والخناق ونحوھم ممن عم ضررہ ولاینزجر بغیر القتل (قولہ والاعونۃ) کأنہ جمع معین او عوان بمعناہ والمراد بہ الساعی الی الحکام بالافساد فعطف السعاۃ علیہ عطف تفسیر وفی رسالۃ احکام السیاسۃ عن جمع النسفی سئل شیخ الاسلام عن قتل الاعونۃ والظلمۃ والسعاۃ فی ایام الفترۃ قال یباح قتلھم لانھم ساعون فی الارض بالفساد فقیل انھم یمتنعون عن ذلک فی ایام الفترۃ ویختفون قال ذلک امتناع ضرورۃ ولوردوا لعادوا لما نھوا عنہ کما نشاھد قال وسألنا الشیخ اباشجاع عنہ فقال یباح قتلہ ویثاب قاتلہ اھ

(قولہ افتی الناصحی) لعل الوجوب بالنظر للامام ونوابہ والاباحۃ بالنظر لغیرھم ط (رد المحتار ص ۱۸۶ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ جمادی الآخرہ ۹۸ھ

کیا لوگوں کو جبراً اسلام میں داخل کیا گیا؟

سوال: کافروں کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کے لئے جہاد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مستشرقین کے اس پروپیگنڈا کی کہ "زبردستی لوگوں کو اسلام میں داخل کیا گیا" کیا حقیقت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جبراً کسی کو مسلمان بنانے کیلئے عمل جہاد یا کسی قسم کا کوئی حربہ استعمال کرنا جائز نہیں قال اللہ تعالیٰ: لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی الآیۃ (۲ : ۲۵۶)

فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر الآیۃ (۱۸ : ۲۹)

اعداءِ اسلام کا یہ واویلا کہ پیغمبر اسلام نے تلوار کے زور سے لوگوں کو داخلِ اسلام کیا، ایک ایسا واضح اور بدیہی جھوٹ ہے جو محتاجِ تردید نہیں، اگر ان لوگوں میں شمہ برابر عقل وشعور اور رائی برابر انصاف و دیانت ہو تو سوچیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دنیا کے سامنے دعوت اسلام پیش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یکا و تنہا تھے، کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یارومددگار نہ تھا، اپنے پرائے سب دشمن تھے، کئی سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ طریقہ سے لوگوں کو دعوت دیتے رہے اور اس طویل عرصہ میں چند گنتی

کے افراد مسلمان ہوئے، تیرہ سالہ مکی دَور میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اُٹھائی ہی نہیں، ان حالات میں یہ پروپیگنڈا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبراً لوگوں کو مسلمان بنایا کوئی علمی دلیل ہے یا علم و اخلاق کا دیوالا پن؟ اگر کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار دوستوں نے یہ کام کیا تو سوال یہ ہے کہ ان جابرین پر کس نے جبر کیا تھا؟ انھیں کس طاقت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاں نثار بنایا؟

ان تمام باتوں سے قطع نظر اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو جبراً کسی کو مسلمان بنانا ممکن ہی نہیں، اس لئے کہ جبر و جور سے تو زیادہ سے زیادہ کسی کو زبانی کلمہ ہی پڑھایا جاسکتا ہے، اس کے دل و دماغ میں تو اسلام کی حقیقت نہیں اُتاری جاسکتی۔ اگر کوئی شخص ظاہراً کلمہ پڑھ لے مگر باطن میں کفریہ عقائد چھپائے بیٹھا ہو تو یہ مسلمان نہیں، بلکہ عام کفار سے بھی بدتر کافر "منافق" ہے، تو ان مخالفین کے بقول گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام کفار کو جبراً منافق بنایا جو دشمنی میں عام کفار سے بھی دو گام آگے تھے۔

الغرض مستشرقین کا یہ پروپیگنڈا کوئی حقیقت نہیں رکھتا، غور کیا جائے تو یہ آپ اپنی تردید کے مترادف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۶ ربیع الاول ۱۳۹۹ ہجری

ان اراضی کا حکم جو انگریز نے مخالفین سے چھین کر اپنے وفاداروں کو دیں:

سوال: انگریز جب اس ملک سے جانے لگا تو اسوقت مسلمانوں کے دو گروہ تھے، ایک انگریز کا مخالف دوسرا انگریز کا وفادار، انگریز نے جب اقتدار سنبھالا اس وقت زمینوں کے مالک اور قابضین انگریز کے مخالف تھے، انگریز جب اس ملک سے جانے لگا تو اس سے قبل انگریز نے اپنے وفاداروں کو خوش کرنے کے لئے اور اپنے مخالفین سے آخری انتقام لینے کے لئے اپنے مخالفین کی تمام زمینیں اپنے وفاداروں میں تقسیم کر دیں اور چلا گیا۔

چنانچہ زمینیں انگریز کے وفاداروں کے نام الاٹ ہو گئیں اور ۱۸۷۲ء کے بندوبست کے دوران اصل مالکان کو محکمہ مال کے کاغذات میں جبراً مزارعین لکھدیا اور انگریز کے وفاداروں کو زمینوں کا مالک ٹھہرا دیا گیا۔

اس کے بعد انگریز کے وفاداروں نے انگریز کے مخالفین پر وہ ظلم ڈھائے کہ

تاریخ میں اسکی مثال مشکل ہے، محنت و مشقت کرنے والے انگریز کے مخالف تھے اور وفادار مخالفین ان سے پیداوار کا اچھا خاصہ حصّہ جبراً وصول کرتے رہے، تاریخ شاہد ہے کہ سالہا سال سے زمین کے اصل مالکان انگریز کے مخالف تھے اور یہ قبضہ اب تک بدستور چلا آرہا ہے، جبکہ انگریز کے وفادار باہر سے آکر آباد ہوئے ہیں ۱۹۵۰ء میں سرحد اسمبلی نے اصل مالکان سے زمینوں کا معاوضہ وصول کرکے انھیں مالکانہ حقوق دلائے اس طرح زمینیں پھر اصل مالکان کو مل گئیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے :

(۱) کیا سرحد اسمبلی کا فیصلہ "معاوضہ لے کر زمینیں اصل مالکان وقابضین کو واپس کرنا" درست ہے یا نہیں ؟

(۲) کیا انگریز اپنے مخالفین سے جبراً زمینیں وصول کرکے اپنے وفاداروں کو دے سکتا ہے ؟

(۳) انگریز کے مخالفین کی آبادی انگریز کے وفاداروں سے اکثریت میں ہے جبکہ انگریز کے وفادار قلیل تعداد میں ہیں ۔

(۴) آیا شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ قلیل آبادی کی وجہ سے کثیر آبادی کا نقصان ہو اور کثیر آبادی کو تکلیف و مشقت میں مبتلا کیا جائے اور انھیں بے گھر کردے ۔

(۵) کیا ملک میں اسلامی نظام کے جاری ہونے سے ماقبل تمام مقبوضہ زمینوں کی تحقیق کرکے دوبارہ نئے سرے سے تقسیم کی جاسکتی ہیں ؟ یا ماقبل قبضوں کو باقی رکھا جائے جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کی وہ زمینیں اور مکانات جن پر کفار نے قبضہ کررکھا تھا واپس کرکے دوبارہ تقسیم کی تھیں ۔

(۶) آیا جب انگریز کی تقسیم درست ہو جائے اور سرحد اسمبلی کا قانون غلط ہو جائے اور کثیر آبادی کو مشقت میں مبتلا کیا جاسکتا ہو اس کے بعد بھی زمینیں انگریز کے وفاداروں کے پاس چلی جائیں اور کثیر آبادی مزارعت بھی قبول نہیں کرسکتی، اس کے بعد بھی انگریز کے وفادار مخالفین سے قبضہ لینا چاہیں اور مخالفین قبضہ نہ دیں تو آخری بات جنگ وجدل کے علاوہ کوئی اور دوسری صورت بھی نہیں کہ جس پر عمل کیا جاسکے ۔ کیا ایک مسلمان قوم دوسری مسلمان قوم کے ساتھ آپس میں صرف زمین کی وجہ سے لڑیں ؟

کیا شریعت میں اس معاملہ پر جنگ وقتال کی اجازت ہے؟ نیز جو لوگ سرحد اسمبلی کے فیصلہ کو غلط قرار دیں اور کثیر آبادی کو مشقت میں مبتلا کریں اس وجہ سے عنداللہ وعند الناس ان کا مؤاخذہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حکومت کافرہ کا اصل مالکین سے اراضی لینا ظلم تھا، معہذا استیلاء کی وجہ سے حکومت ان اراضی کی مالک ہوگئی، لیکن حکومت نے یہ اراضی اپنے وفاداروں کو بطور رشوت دی تھیں، اور مرتشی رشوت کا مالک نہیں بنتا، اس لئے وہ اراضی بدستور حکومت کی ملک میں رہیں، تقسیم ہندوستان کے وقت یہ اراضی حکومت پاکستان کی ملک میں منتقل ہوگئیں، لہٰذا حکومت کا سابق مالکین کو معاوضہ لے کر زمین دینا صحیح ہوا اور اس بیع کی وجہ سے سابق مالکین پھر سے مالک بن گئے، انگریز کے وفاداروں کا قبضہ کرنا ناجائز، حرام اور ظلم ہے، مالک کو اختیار ہے کہ وہ غاصب اور ظالم کا دفاع کریں، اگر اس میں وہ مارا گیا تو شہید ہے، لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من قتل دون مالہ فھو شھید، اور اگر غاصب کا دفاع بدون قتل ممکن نہ ہو تو اسے قتل کرنا جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ رجب ۱۴۱۰ ہجری

ایام جنگ میں نقلِ مکانی:

سوال: جنگ کے دوران سرحد کے قریب رہنے والوں کے لئے اپنے مقامات چھوڑ کر مقام امن کی جگہ منتقل ہونا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بعض حضرات فرار عن الوبا پر قیاس کر کے ناجائز کہتے ہیں، کیا ان کا خیال صحیح ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حاکم کی رائے پر عمل کرنا واجب ہے، اگر حکومت کی طرف سے ممانعت نہ ہو تو منتقل ہونا جائز ہے، وباء پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ رجب ۱۴۱۲ ہجری



وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا

٢٤ — ٥٥

سیاستِ اسلامیہ

- سیاساتِ حاضرہ پر سیر حاصل بحث
- ان کے عالمگیر مفاسد وقبائح اور تباہ کن نتائج پر نہایت زوردار سنجیدہ تنقید
- مغربی مفکرین میں سے اہل خرد کے اعترافات
- سیاستِ اسلامیہ کی تنقیح، اس کا طریقِ کار اور اس میں نظر آنے والی مشکلات کا حل
- قرآن، حدیث اور عقل سلیم کی روشنی میں منفرد تحقیق

فاروق

سیاستِ اسلامیہ

- مصالحِ سیاسیہ کی خاطر منکراتِ شرعیہ کا ارتکاب جائز نہیں
  - نصوصِ قرآنیہ
  - ارشاداتِ نبویہ
  - عقلِ سلیم
- حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے سیاسی افکار
  - اسلام میں سیاست کا مقام
  - اسلام کا نظامِ حکومت
    - شخصی حکومت
    - حکمرانی ایک ذمّہ داری ہے نہ کہ حق
    - حکومت کے فرائض
  - اقامتِ دین کے لئے سیاسی جدّوجہد کا شرعی مقام اور اس کی حدود
    - سیاسی جد وجہد اور تزکیۂ اخلاق
    - بائیکاٹ اور ہڑتال کا شرعی حکم
    - بھوک ہڑتال
    - پبلسٹی کے مروّجہ ذرائع
    - حکومت کے ساتھ طرزِ عمل
    - حکومت کے غیر شرعی قوانین اور اقدامات کے خلاف چارۂ کار
    - حکومت کے خلاف خروج

مکتبہ فاروقی

حکومتِ اسلامیہ قائم کرنے کے لئے اسلام کے کسی حکم کی خلاف ورزی جائز نہیں

سوال : جو سیاسی جماعتیں حکومت اسلامیہ قائم کرنے کی جدوجہد کے دعوے کررہی ہیں انکے سربراہ اور ارکان شریعت کے خلاف طرح طرح کی ترکیبیں اور سیاسی چالیں ایجاد کررہے ہیں۔ ان کو حکمت عملی، مصلحت اور سیاست کے نام سے حلال اور جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اپنی اس تحریف پر تعمیر کعبہ کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد لولا ان قومك حديث عهد بكفر الحديث سے استدلال کرتے ہیں، کیا ان کا یہ خیال اور استدلال درست ہے؟ اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈال کر اُمت کی رہنمائی فرمائیں، بيّنوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ حقیقت تو ہر شخص جانتا ہے کہ دُنیوی مصلحت و نفع کے لئے گناہ کرنا یا کسی فرض و واجب کو چھوڑنا جائز نہیں، مثلاً کوئی شخص دنیوی نفع کے لئے جھوٹ بولے، دھوکہ دے، نماز نہ پڑھے یا جماعت ترک کردے تو ظاہر ہے کہ ایسا کرنا فسق و حرام ہے اسی طرح کسی دینی مصلحت کے لئے بھی کسی معصیت کا ارتکاب حرام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تمام مصالح پر مقدم ہے اور اُمّ المصالح ہے۔ اس پر سب مصالح کو قربان کیا جائے گا۔ مثلاً کوئی شخص سینما یا سود کے ذریعہ اس لئے رقم کماتا ہے کہ اس سے دینی مدارس چلا سکے۔ یا اس نیت سے رقص کراتا ہے کہ لوگ جمع ہو جائیں پھر ان کو وعظ کیا جائے۔ ایسا کرنا بہت سخت گناہ اور نہایت خطرناک گمراہی ہے۔

البتہ اگر کوئی کام شرعاً نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ صرف مباح یا مستحب ہے اس کو کسی دینی مصلحت مثلاً عوام کو فتنہ یا معصیت یا تکلیف سے بچانے کے لئے چھوڑ دینا جائز ہے۔ جیسا کہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر تراویح

میں لوگوں کو ملال ہوتا ہو تو ان کی رعایت سے نماز کے آخر میں درود شریف کو مختصر کرنا اور دُعا کو چھوڑ دینا جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی ویزید الامام علی التشھد الا ان یمل القوم فیأتی بالصلوات ویکتفی باللھم صل علی محمد لانہ الفرض عند الشافعی رحمہ اللہ تعالی ویترک الدعوات (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱)

مصلحۃً ترک مستحب یا مباح میں بھی یہ شرط ہے کہ اس سے قانون شرع میں تحریف اور مداخلت فی الدین نہ ہوتی ہو، مثلاً اس مستحب یا مباح کام کو اعتقاداً یا عملاً حرام سمجھنے لگے یا کسی مباح شرعی کی ممانعت کا قانون بنا دیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مصلحت کی بناء پر نکاح ثانی یا نکاح صغیر پر پابندی کا قانون بنانا جائز نہیں۔ حالانکہ نکاح ثانی اور صغر سنی میں نکاح کرنا فرض یا واجب نہیں صرف مباح ہے نکاح امر شرعی ہے اس لئے اس پر پابندی لگانا مداخلت فی الدین ہے، کیونکہ ایک مباح شرعی کے ساتھ عملاً حرام جیسا معاملہ کیا جائے گا جو کہ جائز نہیں۔

ہاں اگر امور انتظامیہ سے متعلق کوئی ایسا قانون بنا دیا جائے تو یہ مداخلت فی الدین نہیں، اس لئے جائز ہے، مثلاً دائیں طرف چلنے یا بائیں طرف چلنے کا قانون یا صرف ایک طرف کے راستہ کی تعیین کرنا اور ٹریفک سے متعلق دوسرے ضوابط۔

اسی طرح اگر کوئی محکمہ انتظامی مصلحت سے اپنے عملہ کے لئے شلوار یا پاجامہ پہننے کا قانون بنا دے اور تہبند سے روکدے تو یہ اس لئے جائز ہے کہ یہ اُمور شرعیہ میں سے نہیں، اس لئے ایسی پابندی لگانا مداخلت فی الدین نہیں۔

کعبۃ اللہ کی از سر نو تعمیر جسکا سوال میں ذکر کیا گیا ہے یہ بھی اُمور انتظامیہ کے قبیل سے ہے، شرعاً یہ ترمیم نہ فرض تھی نہ واجب، حتیٰ کہ اسکو مستحب قرار دینا بھی مشکل ہے، اس لئے کہ حطیم کو کعبہ میں داخل کرنا اور دروازے کو نیچے لے آنا اور دو دروازے بنانا، یہ اُمور ایسے ہیں کہ ان میں استحباب کی کوئی وجہ نہیں، صرف راحت و آرام کی مصلحت تھی جو اُمور انتظامیہ سے ہے۔ ہاں عبادت میں سہولت کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے اس کو مستحب لغیرہ کہا جا سکتا ہے۔

علیٰ سبیل التنزل مستحب لعینہ ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ امور مذکورہ ہیں

سے امراول میں ظاہر ہے تو زیادہ سے زیادہ اتنی بات ثابت ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو فتنہ سے بچانے اور انکے اسلام کی حفاظت کے لئے ایک مستحب کام کو چھوڑ دیا، یہ کہاں ثابت ہوا کہ کسی مصلحت کے لئے ترک فرائض وواجبات اور ارتکاب سیئات بھی جائز ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ فرماتے ہیں۔

وان الامام یسوس رعیتہ بما فیہ اصلاحہ ولو کان مفضولا مالم یکن محرما (فتح الباری ص ۱۹۹ ج ۱)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث پر یہ باب قائم فرمایا ہے:

باب من ترک بعض الاختیار مخافۃ ان یقصر فھم بعض الناس فیقعوا فی اشد منہ۔

یعنی افضل و مختار کام اس اندیشہ سے چھوڑ دیا کہ لوگ کم فہمی کی وجہ سے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

حاصل یہ کہ کسی مصلحت کی خاطر مستحب کام کو تو چھوڑا جا سکتا ہے مگر حدود اللہ سے تجاوز اور قانون شریعت کی خلاف ورزی ہرگز جائز نہیں۔

اس سلسلہ میں چند واقعات ذکر کئے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے احکام شرعیہ کے مقابلہ میں نام نہاد مصالح کو کبھی بھی قابل اعتبار نہیں سمجھا۔

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کا ارادہ فرمایا جو بلا شبہہ مباح اور جائز تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ عوام متبنّٰی کی بیوی کو حرام سمجھتے ہیں اس لئے اس نکاح سے شورش اور فتنہ ہوگا، جدید الاسلام لوگ طعن و تشنیع کر کے اپنا ایمان برباد کریں گے۔ اور دین اسلام سے لوگوں کو تنفر ہوگا۔

اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل ہوئی۔

وتخشی الناس واللہ احق ان تخشہ (۳۳-۳۷)

بالآخر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا

سے کر دیا، فتنہ و شورش کی کوئی پروا نہیں کی گئی، اس لئے کہ اس مباح کو چھوڑنے سے اس ضروری مسئلہ کا عملی اظہار نہ ہوتا کہ متبنّٰی کی بیوی حقیقۃً بہو نہیں بنتی اور اس سے نکاح حلال ہے۔

اس مباح کے ترک میں التباس فی الدین بلکہ تحریف فی الدین کا خطرہ تھا، اس لئے اس کے ترک کی اجازت نہیں دی گئی۔

(۲) تحویل قبلہ میں یہود کی طرف سے سخت مخالفت اور فتنہ کا اندیشہ تھا، علاوہ ازیں چونکہ یہ اسلام میں پہلا نسخ تھا اس لئے لوگوں کے ارتداد کا بہت خطرہ تھا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل ہوتی ہے۔

ولئن اتبعت اھواءھم من بعد ما جاءک من العلم انک اذًا لمن الظّٰلمین (۲-۱۴۵)

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مصلحت کی پروا کئے بغیر حکم الٰہی پر قائم و دائم رہے۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فوراً ہی ہر طرف ارتداد وغیرہ بہت سے فتنوں کا بہت بڑے پیمانہ پر سلسلہ شروع ہو گیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو استحکام خلافت سے قبل ہی ان سب فتنوں سے برسرِ پیکار ہونا پڑا، بیک وقت جہاد کے کئی محاذ کھل گئے، ان فتنوں میں ایک فتنہ ایسے اعراب کا بھی تھا جو یہ کہتے تھے کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا، آپ کے بعد کسی خلیفہ کو یہ حق نہیں پہنچتا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن سے بھی جہاد کا فیصلہ فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ ابھی آپ کی خلافت کی ابتداء ہے، استحکام حاصل نہیں ہوا، ادھر چاروں طرف شورش برپا ہے کئی محاذ کھلے ہوئے ہیں مصلحت یہ ہے کہ آپ اسوقت ان سے جہاد کا نیا محاذ نہ کھولیں، انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں، اُمید ہے کہ کچھ مدت کے بعد یہ لوگ زکوٰۃ بیت المال میں جمع کرنے لگیں گے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان شدید خطرات کی چارسو سے اٹھنے والی گھٹاؤں کی کوئی پروا نہ کی، مصلحت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اعلانِ جہاد پر قائم

رہے۔ بالآخر حضرت عمر اور دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اقرار کیا کہ ہمیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اعلانِ جہاد پر شرح صدر ہوگیا ہے۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں غسان کا بادشاہ جبلۃ بن ایہم مسلمان ہوا، اس نے طواف کرتے ہوئے معمولی سی بات پر ایک اعرابی کے تھپڑ ماردیا جس سے اسکا دانت ٹوٹ گیا، اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں مقدمہ دائر کردیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قصاص میں اس بادشاہ کا دانت توڑنے کا فیصلہ فرمایا، حالانکہ مصلحت یہ تھی کہ اس سے قصاص نہ لیا جاتا کیونکہ اس کی وجہ سے اسلام اور اہل اسلام کو بہت شوکت حاصل تھی، یہ بھی ممکن تھا کہ صاحب حق سے کہہ سُن کر معاف کرادیا جاتا، مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں گزرا، آپ نے اسلام کا فیصلہ صاف سُنادیا کہ صاحبِ حق کو راضی کرلو ورنہ قصاص لیا جائے گا، اس نے سوچنے کی مہلت مانگی، مِل گئی اور وہ راتوں رات مرتد ہوکر بھاگ گیا۔

غرضیکہ کسی مصلحت کی خاطر معصیت کا ارتکاب ہرگز جائز نہیں۔ البتہ شریعت میں بڑے محظور سے بچنے کے لئے چھوٹے محظور کو گوارا کرلیا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو، ادھر کوئی نابینا کنویں میں گرنے لگا تو نماز توڑ کر اسکو بچانا فرض ہے۔ حالانکہ عام حالات میں نماز توڑنا گناہ ہے مگر ایک بڑی مصیبت سے بچنے کے لئے اس کو اختیار کرلیا گیا، ایسی صورت میں اھون البلیتین یعنی ضررِ عظیم کو دفع کرنے کے لئے کم درجہ کے ضرر کو اختیار کرلیا گیا۔

اس کا فیصلہ کرنا کہ بلیتین میں سے اہون کونسی ہے ہر شخص کا کام نہیں، کیونکہ بسا اوقات انسان اتباع ہوٰی، عصبیت یا حُبِّ مال وجاہ کی بنا، پر غیر اہون کو اہون سمجھ لیتا ہے، اس لئے یہ فیصلہ صرف وہی کرسکتا ہے جو علوم اسلامیہ میں پوری مہارت کے علاوہ تدین و تقوٰی میں بھی اعلیٰ مقام رکھتا ہو، بلکہ اہم امور میں ایسے علماء کی جماعت کا فیصلہ ضروری ہے۔

اھون البلیتین کے کلیات شریعت نے بیان فرمادیئے ہیں، ان کلیات کا پورا احاطہ، ان کے مفہوم کو صحیح طور پر سمجھنا، پھر پیش آمدہ جزئیہ کے بارے میں یہ

فیصلہ کرنا کہ یہ کسی کلیہ میں داخل ہے یا نہیں ؟ اگر داخل ہے تو کس کلیہ میں ؟ ان امور کے لئے علوم دینیہ میں مہارتِ تامہ، بہت اونچے درجہ کے تدبّر و تفقہ اور تدین و تصلب کی ضرورت ہے۔

اگر کسی ناجائز کام کے بارے میں خوب غور و خوض کے بعد یہ محقق ہو جائے کہ اسے اھون البلیتین قرار دیکر اختیار کیا جاسکتا ہے تو یہ وضاحت بلکہ عمومی حالات میں اس کا بار بار اعلان ضروری ہے کہ یہ کام ناجائز ہے مگر شرعی ضرورت کے تحت اسے اختیار کیا گیا ہے، اگر یہ وضاحت نہ کی جائے گی تو عامۃ المسلمین اس گناہ کو گناہ نہ سمجھیں گے اور جہاں شرعی مجبوری نہ ہوگی وہاں بھی اس کا ارتکاب کرنے لگیں گے۔

اس کی واضح مثال تصویر کھنچوانا ہے، جسکا حرام ہونا متفق علیہ ہے، مگر حکومت نے حج اور شناختی کارڈ کے لئے تصویر کو لازم قرار دیدیا ہے، اس ضرورت شدیدہ کے تحت علماء نے اسکی اجازت دی ہے، مگر اس خاص موقع میں اجازت کے باوجود جس شدت کے ساتھ اسکی حرمت تحریرًا و تقریرًا بیان کرنا چاہئے تھی، اسقدر نہیں ہوئی، بلکہ بعض علماء کے طرز عمل سے مسلمانوں نے اس گناہ کبیرہ کو جائز سمجھ لیا ہے، کیونکہ ان علماء کی تصاویر لی جاتی ہیں تو وہ روکتے نہیں، اخبارات وغیرہ میں انکی تصاویر شائع ہوتی رہتی ہیں مگر انھوں نے اس معصیت پر نکیر کا کبھی ایک حرف بھی نہیں کہا، اس سے عوام یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں۔

یہی حال ٹیلی ویژن کا ہے، صرف یہی نہیں کہ علماء اس پر نکیر نہیں کرتے بلکہ بہت سے علماء خود اسمیں مبتلا ہیں جس کی وجہ سے عوام کے قلوب سے اس کی قباحت نکل چکی ہے اور وہ اسے جائز سمجھنے لگے ہیں۔

حاصل یہ کہ کسی دینی یا دنیوی مصلحت سے کسی معصیت کا ارتکاب جائز نہیں۔ آجکل سیاسی لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سیاسی کام کرتے ہوئے جائز و ناجائز دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

یہ سراسر غلط ہے، مسلمان تو وہی ہے جو ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو ملحوظ رکھے اور اسکی قائم کردہ حدود سے ذرا بھی تجاوز نہ کرے، جو لوگ سیاست کا کام محض

تحصیل اقتدار کے لئے کرتے ہیں اوران کو ملک کی دینی و دنیوی فلاح سے کچھ غرض نہیں، وہ سیاسی کام میں احکام اسلام کو ملحوظ نہیں رکھتے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، حیرت توان حضرات پر ہے جو یہ دعوٰی کرتے ہیں۔

" موجودہ سیاست میں حصّہ لینے سے ہمارا مقصود ملک میں صحیح اسلامی نظام قائم کرنا ہے"۔

مگر پھر بھی وہ سیاسی کاموں میں احکام اسلام کی پروا نہیں کرتے، غیر مشروع تدابیر اختیار کرتے ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے:

"آپ تو اسلامی نظام قائم کرنے کے مدعی ہیں مگر آپ خود اسلام نافذ کرنے کے لئے جو طریقے اختیار کر رہے ہیں وہ غیر اسلامی اور ناجائز ہیں"۔

تو جواب دیتے ہیں:

"اگرچہ یہ طریقے ناجائز ہیں مگر ان کے بغیر اسلام لانا ممکن نہیں، اس لئے اب تو جائز ناجائز کی پروا کئے بغیر اقتدار حاصل کرنے کی جد و جہد لازم ہے، اقتدار حاصل ہوجانے کے بعد پورے طور پر اسلام نافذ کر دیں گے"۔

یہ محض دھوکہ ہے، ہمیں ان کی نیت پر شبہہ نہیں، مگر انکا طریق کار ایسا ہے کہ اس سے نفاذ اسلام کی توقع ہرگز نہیں کی جا سکتی، کیونکہ غیر اسلامی طریقوں سے بے دینوں کی کامیابی تو ممکن ہے مگر دینداروں کو اوّلاً تو کامیابی ہوگی نہیں، اور اگر صورۃً کامیابی ہو بھی گئی تو اسکے نتیجہ میں اسلام نہیں آئے گا بلکہ اسلام کے نام کی کوئی اور چیز ہوگی، اور صورۃً جو کامیابی ہوگی وہ بھی چند روز سے آگے نہ بڑھے گی، جب اس کی بنیاد ہی کمزور تھی تو اس پر عمارت کیسے قائم رہ سکتی ہے؟

عقل، نقل اور مشاہدہ سب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے مسلمانوں کو ہرگز ہرگز کامیابی نہیں ہوسکتی۔

اگر کبھی غیر مشروع و ناجائز طریقوں سے کفار و فساق کو کامیابی ہوئی ہو تو اس پر مسلمانوں کو قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ مسلم اور کافر کی طبعی افتاد اور مزاج میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ ایک نسخہ ایک مزاج کو مفید اور دوسرے مزاج کو مضر ہوتا ہے جیسا کہ ایک قصّہ مشہور ہے:

" بھنگی عطر کی دوکان کے پاس گزرا، اس کا دماغ جو پاخانہ کی بدبو سے مانوس

تھا خوشبو کو برداشت نہ کرسکا اس لئے بیہوش ہوگیا، بہت علاج کئے گئے مگر سب ناکام رہے، اس کے بھائی کو علم ہوا تو وہ ایک شیشی میں پاخانہ بھر کر لایا اور اس کی ناک کے ساتھ لگادی، وہ فوراً ہوش میں آگیا۔"

ٹھیک اسی طرح کفار و فسّاق کا دماغ معصیت کے تعفن سے سڑا ہوا ہے اس لئے ان کو حرام اور ناجائز کاموں کی بدبو نافع ہے، بخلاف مسلمان کے کہ یہ شہزادہ ہے اس کا دماغ نہایت صاف اور پاکیزہ ہے، اسکو تو صرف احکام شرعیہ کی خوشبو ہی نفع دیگی، کوئی احمق شہزادہ کو بھنگی پر قیاس کرکے اسے پاخانہ سنگھا دے تو شہزادہ کا دماغ پھٹ جائے گا۔

مسلمان کو کفار و فسّاق پر قیاس کرنا غلط ہے کہ جو چیز ان کو نافع ہوگی وہی ان کے لئے بھی نافع ہوگی، یہ قیاس اس بوجھ بجھکڑ کی منطق جیسا ہے جو اسکے دماغ میں کسی کو درخت سے اُتارنے کے لئے آئی تھی، قصہ یہ پیش آیا:

"ایک شخص درخت پر چڑھ گیا اُترنے کی ہمت نہ ہوئی، لوگوں کو پکارا، وہ جمع ہوگئے اور مختلف تدبیریں سوچیں مگر اطمینان نہ ہوا، بالآخر طے پایا کہ یہ عقدہ بوجھ بجھکڑ سے حل کرایا جائے، کیونکہ وہ بستی میں سب سے زیادہ عقلمند ہے، اس سے درخواست کی گئی تو وہ موقع پر پہنچا اور کہا کہ تم سب بے عقل ہو، میرے بغیر ایک معمولی سی بات کا حل نہیں نکال پائے، اسکی تو بہت آسان تدبیر ہے، ایک لمبا رسّہ اس شخص کیطرف پھینکو وہ اپنی کمر سے خوب مضبوط باندھ لے، پھر نیچے کے لوگ خوب زور سے جھٹکا لگاکر اپنی طرف کھینچیں، بڑی آسانی سے نیچے پہنچ جائے گا۔

چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، وہ شخص اس زور سے گرا کہ ہڈی پسلی ٹوٹ گئی اور مرگیا، لوگوں نے بوجھ بجھکڑ سے کہا کہ یہ کیا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اس شخص کی قسمت خراب تھی ورنہ تو میں نے کتنوں کو اس طریقہ سے کنویں سے نکالتے دیکھا ہے۔"

جیسے اس بوجھ بجھکڑ کا درخت پر چڑھنے والے کو کنویں میں گرنے والے پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اسی طرح مسلمانوں کو کفار پر قیاس کرنا غلط اور مہلک ہے، کفار پستی میں ہیں اور مسلمان بلندی پر، کفار جن تدابیر کے ذریعہ پستی سے بلندی کیطرف آنے میں کامیاب ہورہے ہیں اگر وہی تدابیر مسلمان اختیار کریں گے تو بلندی سے پستی میں جاگریں گے۔

جوتے میں نجاست لگ جائے تو اس کو پھینکا نہیں جاتا مگر ٹوپی میں کسی چیز کا ذرا سا بھی دھبہ لگ جائے تو فوراً اُتار دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں مسلمان ٹوپی کی طرح معزز ہیں اور کفار جوتے کی طرح ذلیل ۔

مسلمانوں کو معصیت سے کامیابی ہرگز نہیں ہوسکتی، جنگ احد کا واقعہ ہی دیکھ لیجئے کہ مسلمان کفّار پر غالب آچکے تھے مگر ایک اجتہادی خطأ سے اُن کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

حتّٰی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما اُرٰکم ما تحبّون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاٰخرۃ - الاٰیۃ (٣ - ١۵٢)

اس آیت میں شکست کا سبب معصیت کو قرار دیا گیا ہے باقی چیزیں یا اس کے افراد ہیں یا اُس کا اثر ۔

اس کو معصیت کہنا ظاہری صورت کے اعتبار سے ہے، حقیقت میں یہ خطأ اجتہادی کے قبیل سے ہے، واقعہ یہ ہوا تھا :

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً پچاس صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک مورچہ پر مقرر فرما کر یہ تاکید فرمائی تھی کہ ہمیں فتح ہو یا شکست اس جگہ کو نہ چھوڑنا، مگر جب انھوں نے مسلمانوں کو فتح ہوتی دیکھی تو مالِ غنیمت جمع کرنے کے لئے اس مورچہ کو چھوڑ دیا، کفّار نے اس جانب سے حملہ کر دیا اور مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی ۔"

حالانکہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مقصود بالذات دنیا نہ تھی بلکہ مقصود تمام مسلمانوں کو دنیوی نفع پہنچانا تھا جو ایک اعتبار سے دین ہے، ورنہ اگر صرف اپنے لئے دنیا جمع کرنا مقصود ہوتا تو اسکے لئے مورچہ کو چھوڑنے کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ شرعی قانون یہ ہے کہ مالِ غنیمت میں وہ شخص بھی شریک ہے جس نے مالِ غنیمت جمع نہیں کیا مگر جنگ کے کاموں میں سے کسی کام میں مشغول رہا ۔

اس سے ثابت ہوا کہ ان کو دُنیا من حیث الدّنیا مقصود نہ تھی بلکہ اس سے بھی آخرت ہی مقصود تھی، اس لئے منکم من یرید الدّنیا کے معنی ہیں من یرید الدّنیا

للآخرۃ اور من یرید الآخرۃ کے معنی ہیں من یرید الآخرۃ الصرفۃ ۔

علاوہ ازیں یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ مورچہ کی حفاظت بھی عمل آخرت تھا اور مال غنیمت جمع کرنا بھی، مگر ان حضرات کے لئے مورچہ کی حفاظت کا عمل زیادہ اہم تھا، اور دین کا اہم کام چھوڑ کر غیر اہم میں مشغول ہونا جائز نہیں، ان حضرات کی اجتہادی غلطی سے یہ ناجائز کام ہوگیا، جس کو "دنیا" سے تعبیر فرمایا، "دنیا" کے مختلف معانی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر ناجائز کام "دُنیا" ہے ۔

اس کی نظیر حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ ہے :

"آپ نے جہاد کی نیت سے بہترین نسل کے گھوڑے پالے، ایک بار انکے معاینہ میں ایسا انہماک ہوا کہ اسوقت کا کوئی اہم معمول رہ گیا اس کے بارے میں فرمایا :

انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی (۳۸-۳۱)"

اس کی تقریر بھی یہی ہے کہ گھوڑوں کا معاینہ بھی اگرچہ عمل آخرت تھا مگر دوسرا معمول جو رہ گیا وہ زیادہ اہم تھا، "حب الخیر" کا یہ فرد فی نفسہ محمود و مقصود تھا مگر دوسرے زیادہ اہم معمول کے ترک کا باعث بن جانے کی وجہ سے قبیح و مذموم ہوگیا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے ارشاد کا یہی مطلب ہے کہ یہ حب الخیر جو اصالۃً وابتداءً محمود و مقصود تھی وہ انتہاءً بوجہ عارض مذموم ہوگئی، معمول متروک اگر فرض تھا تو بھی چونکہ ذہول و نسیان کی وجہ سے ترک ہوا اس لئے منافی عصمت نہیں ۔

غرضیکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ اجتہادی فروگذاشت بھی فتح سے مانع بن گئی، حالانکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت بھی حاصل تھی اور جو غلطی ان سے صادر ہوئی اس میں ان کی نیت بھی معاذ اللہ بُری نہ تھی بلکہ عمل آخرت کی نیت تھی ۔

اسی طرح غزوۂ حنین میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب میں اپنی کثرت کا ذرا سا دھیان آگیا، محض اتنی سی بات پر اولاً شکست ہوگئی ۔

جب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اجتہادی لغزش فتح سے مانع بن گئی تو آج کے مسلمانوں کی غلطیاں ان کی کامیابی میں رکاوٹ کیونکر نہیں بنیں گی ؟

پھر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آج کے مسلمانوں میں ایک فرق یہ بھی ہے

کہ یہ لوگ معصیت کو ذریعہ کامیابی سمجھتے ہیں، اس لئے ان کا طریق کار ہی غلط ہے۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریق کار صحیح تھا، اتفاق سے اس میں اجتہادی خطأ شامل ہو گئی تھی۔

جہاد اور دوسرے دینی و سیاسی کاموں میں کامیابی و ثابت قدمی حاصل کرنے کا طریقہ ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچا جائے، اس کی اطاعت کی جائے، اس بارے میں اللہ تعالیٰ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے چند صریح ارشادات اور واضح فیصلے ملاحظہ ہوں:

(١) اوفوا بعهدی اوف بعهدكم واياى فارهبون ○ (٢ : ٤٠)

"تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔"

(٢) يايها الذين اٰمنوا استعينوا بالصبر والصلوٰة ط ان الله مع الصٰبرين ○ (٢ : ١٥٣)

"اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتے ہیں۔"

صبر کی حقیقت دین پر استقامت اور حدود اللہ کی حفاظت ہے۔

(٣) ليس البر ان تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من اٰمن بالله واليوم الاٰخر والملٰئكة والكتٰب والنبيين واٰتى المال على حبه ذوى القربٰى واليتٰمٰى والمسٰكين وابن السبيل والسائلين وفى الرقاب واقام الصلوٰة واٰتى الزكوٰة والموفون بعهدهم اذا عٰهدوا والصٰبرين فى البأساء والضراء وحين البأس ط اولٰئك الذين صدقوا ط واولٰئك هم المتقون ○ (٢ : ١٧٧)

"سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو، لیکن کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر، اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں، اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو، اور جو لوگ اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کر لیں، اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور قتال میں، یہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔"

(۴) وليس البر بان تأتوا البيوت من ظهورها ولكن البر من اتقٰى واتوا البيوت من ابوابها واتقوا الله لعلكم تفلحون ○ (٢ : ١٨٩)

"اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام سے بچے، اور گھروں میں انکے دروازوں سے آؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم کامیاب ہو۔"

اس میں حکم تقویٰ کے علاوہ طریق اتیان بیوت کی تعلیم سے بھی ثابت ہوا کہ ہر کام اس کے طریق شرعی کے مطابق کرنا لازم ہے، اس سے خروج جائز نہیں۔

⑤ وقاتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللّٰہ لا یحب المعتدین ○ (۲ : ۱۹۰)

"اور تم لڑو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں کے ساتھ جو تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور حد سے مت نکلو، واقعی اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔"

⑥ وقاتلوا فی سبیل اللّٰہ واعلموا ان اللّٰہ سمیع علیم (۲ : ۲۴۴)

"اور اللہ کی راہ میں قتال کرو، اور یقین رکھو اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں۔"

یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال واعمال ونیات سے باخبر ہے، اس لئے حالت جہاد میں کسی مصلحت سے اس کی رضا کے خلاف کوئی کام نہ ہونے پائے۔

⑦ فلما فصل طالوت بالجنود قال ان اللّٰہ مبتلیکم بنھر فمن شرب منہ فلیس منی ومن لم یطعمہ فانہ منی الا من اغترف غرفۃ بیدہ فشربوا منہ الا قلیلا منھم فلما جاوزہ ھو والذین اٰمنوا معہ قالوا لا طاقۃ لنا الیوم بجالوت وجنودہ قال الذین یظنون انھم ملٰقوا اللّٰہ کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللّٰہ واللّٰہ مع الصٰبرین ○ (۲ : ۲۴۹)

"پھر جب طالوت فوجوں کو لیکر چلے تو انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان کریں گے ایک نہر سے سو جو شخص اس سے پانی پیئے گا وہ تو میرے ساتھیوں میں نہیں اور جو اُس کو زبان پر بھی نہ رکھے وہ میرے ساتھیوں میں ہے، لیکن جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے، سو ان میں سے چند لوگوں کے سوا سب نے اس سے پینا شروع کردیا، سو جب طالوت اور جو مؤمنین انکے ہمراہ تھے نہر سے پار اُتر گئے، کہنے لگے کہ آج تو ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہیں معلوم ہوتی، ایسے لوگ جن کو یہ خیال تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے والے ہیں کہنے لگے

کہ کثرت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آگئی ہیں اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں۔"

(۸) ولمّا برزوا لجالوت وجنوده قالوا ربّنا افرغ علینا صبرًا وثبّت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکفرین ٥ (۲ : ۲۵۰)

"اور جب وہ لوگ جالوت اور اسکی فوجوں کے سامنے میدان میں آئے تو کہنے لگے اے ہمارے رب! ہم پر استقلال نازل فرمائیے اور ہمارے قدم جمائے رکھئے اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب کیجئے۔"

اس دعاء کی ترتیب سے ثابت ہوا کہ دین پر استقامت سے ثبات اقدام حاصل ہوتا ہے اور پھر کفار پر نصرت، جیسا کہ آیت نمبر ۱۳ میں اسکی تصریح آرہی ہے کہ ثباتِ قدم اور فتح و نصرت کا مدار ترک معاصی پر ہے۔

(۹) وان تصبروا وتتّقوا لایضرکم کیدھم شیئًا ان اللہ بما یعملون محیط (۳ : ۱۲۰)

"اور اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو اُن لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی، بلاشبہہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر احاطہ رکھتے ہیں۔"

(۱۰) بلیٰ ان تصبروا وتتّقوا ویأتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربّکم بخمسۃ الٰف من الملٰئکۃ مسوّمین ٥ (۳ : ۱۲۵)

"ہاں کیوں نہیں اگر مستقل رہو گے اور متقی رہو گے اور وہ لوگ تم پر ایک دم سے آپہنچیں گے تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو ایک خاص وضع بنائے ہونگے۔"

(۱۱) ولاتھنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ٥ (۳ : ۱۳۹)

"اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مؤمن رہے۔"

(۱۲) ام حسبتم ان تدخلوا الجنّۃ ولمّا یعلم اللہ الّذین جاھدوا منکم ویعلم الصّٰبرین ٥ (۳ : ۱۴۲)

"ہاں! کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں جا داخل ہوگے حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو اور نہ ان کو دیکھا جو ثابت قدم رہنے والے ہوں۔"

(۱۳) وما کان قولھم الّا ان قالوا ربّنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبّت

اقدامنا وانصرنا علی القوم الکفرین ۝ فاٰتٰہم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الاٰخرۃ ۝
واللہ یحب المحسنین ۝ (۳ : ۱۴۷، ۱۴۸)
”اور اُن کی زبان سے بھی تو اس کے سوا اور کچھ نہیں نکلا کہ اُنھوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو اور ہمارے کاموں میں ہمارے حد سے نکل جانے کو بخشد یجئے اور ہم کو ثابت قدم رکھئے اور ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجئے، سو ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا بھی بدلا دیا اور آخرت کا بھی عمدہ بدلا، اور اللہ تعالیٰ کو ایسے نیکو کاروں سے محبّت ہے۔“
اس میں اللہ والوں کا معمول یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ثبات قدم و نصرتِ الٰہیہ کی دعا مانگنے سے پہلے اپنے گناہوں اور خطاؤں کی معافی مانگتے تھے، اس سے ثابت ہوا کہ معاصی ثبات قدم و نصرتِ الٰہیہ سے مانع بن جاتے ہیں۔ ان کے اس عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا و آخرت دونوں میں فلاح و کامیابی سے نوازا، اور اس سے بھی بڑھ کر اپنی محبوبیت کا تمغہ عطاء فرمایا۔
(۱۴) ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونہم باذنہ حتّٰی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما ارٰکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاٰخرۃ ثم صرفکم عنہم لیبتلیکم ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المؤمنین ۝ (۳ : ۱۵۲)
”اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچّا کر دکھایا تھا جب تم ان کفار کو اللہ کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہانتک کہ جب تم خود کمزور ہوگئے اور حکم میں باہم اختلاف کرنے لگے اور اُس کے بعد کہ تمھیں تمہاری خواہش دکھا دی گئی تھی، تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت کے طلبگار تھے، پھر تمھیں ان کفار سے ہٹا دیا تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کرے اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر بڑے فضل والے ہیں۔“
اس آیت کی تفسیر پہلے لکھی جا چکی ہے۔
(۱۵) ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون ۝ (۳ : ۱۶۰)
”اگر اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں تو اس کے بعد ایسا کون ہے جو تمہارا ساتھ دے، اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہیے۔“

(۱۶) الذین استجابوا للہ والرسول من بعد ما اصابھم القرح للذین احسنوا منھم واتقوا اجر عظیم ○ (۳ : ۱۷۲)

”جن لوگوں نے اللہ و رسول کے کہنے کو قبول کرلیا بعد اس کے کہ اُن کو زخم لگا تھا ان لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں ان کے لئے ثواب عظیم ہے۔“

(۱۷) انما ذلکم الشیطٰن یخوف اولیاءہ فلا تخافوھم وخافون ان کنتم مؤمنین ○ (۳ : ۱۷۵)

”اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ یہ شیطان ہے کہ اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم اُن سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرنا اگر تم ایمان والے ہو۔“

معلوم ہوا کہ دشمن سے سخت خطرہ کی حالت میں بھی حفاظت کی مصلحت سے کسی ممنوع کام کا ارتکاب جائز نہیں۔

(۱۸) یاایھا الذین اٰمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون ○ (۳ : ۲۰۰)

”اے ایمان والو! خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پورے کامیاب ہو۔“

(۱۹) ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل وبعثنا منھم اثنی عشر نقیبا ط وقال اللہ انی معکم ط لئن اقمتم الصلوٰۃ واٰتیتم الزکوٰۃ واٰمنتم برسلی وعزرتموھم واقرضتم اللہ قرضا حسنا لاکفرن عنکم سیاٰتکم ولادخلنکم جنٰت تجری من تحتھا الانھار فمن کفر بعد ذلک منکم فقد ضل سواء السبیل ○ (۵ : ۱۲)

”اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ہم نے اُن میں سے بارہ سردار مقرر کئے اور اللہ تعالیٰ نے یوں فرمادیا کہ میں تمہارے پاس ہوں اگر تم نماز کی پابندی رکھو گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے اور میرے سب رسولوں پر ایمان لاتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو گے تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دُور کردونگا اور ضرور تم کو ایسے باغوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص اس کے بعد بھی کفر کریگا تو وہ بیشک راہ راست سے دُور جا پڑا۔“

(۲۰) ومن یتول اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا فان حزب اللہ ھم الغٰلبون ○ (۵ : ۵۶)

”اور جو شخص اللہ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسول سے اور ایمان والوں سے سو اللہ کا گروہ بلاشک غالب ہے۔“

(۲۱) ولو انّهم اقاموا التوراة والانجيل وما اُنزل اليهم من ربّهم لاكلوا من فوقهم ومن تحت ارجلهم ط (۵ : ۶۶)

"اور اگر یہ لوگ تورات کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی اسکی پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے۔"

(۲۲) ولو انّ اهل القرىٰ اٰمنوا واتّقوا لفتحنا عليهم بركاتٍ من السّماء والارض ولكن كذّبوا فاخذنٰهم بما كانوا يكسبون ○ (۷ : ۹۶)

"اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے، لیکن انھوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔"

(۲۳) قال موسٰى لقومه استعينوا بالله واصبروا انّ الارض لله يورثها من يشاء من عباده ط والعاقبة للمتّقين ○ (۷ : ۱۲۸)

"موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو اور مستقل رہو یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں مالک بنا دیں اور اخیر کامیابی انہی کو ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔"

(۲۴) واورثنا القوم الّذين كانوا يستضعفون مشارق الارض ومغاربها الّتي بٰركنا فيها ط وتمّت كلمت ربّك الحسنٰى على بني اسرائيل بما صبروا ط ودمّرنا ما كان يصنع فرعون وقومه وما كانوا يعرشون ○ (۷ : ۱۳۷)

"اور ہم نے اُن لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے اُس سرزمین کے مشارق و مغارب کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں اُن کے صبر کی وجہ سے پورا ہوگیا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کردیا۔"

(۲۵) يٰاَيّها الّذين اٰمنوا اذا لقيتم فئة فاثبتوا واذكروا الله كثيرا لعلّكم تفلحون ○ واطيعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا ط انّ الله مع الصّٰبرين ○ (۸ : ۴۵، ۴۶)

"اے ایمان والو! جب تم کو کسی جماعت سے مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو ثابت قدم

رہو اور اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو اُمید ہے کہ تم کامیاب ہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور نزاع مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی اور صبر کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔"

دشمن کے مقابلہ میں ثبات قدم کا نسخہ ارشاد فرمایا "کثرت ذکر" اور ذکر اللہ کی روح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہو، اور تعلق مع اللہ معصیت سے مانع ہے۔ پھر آگے مزید تاکید کے لئے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تصریح بھی فرمادی علاوہ ازیں آپس میں تنازع سے منع فرمایا، اور دوسری جگہ رفع تنازع کا طریقہ یہ ارشاد فرمایا:

فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول (۴ : ۵۹)

یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو۔

(۲۶) وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک اللہ ط ھوالذی ایدک بنصرہ وبالمؤمنین ○ (۸ : ۶۲)

" اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہیں، وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے قوت دی۔"

(۲۷) یایھا النبی حرض المؤمنین علی القتال ط ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا من الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون ○ (۸ : ۶۵)

" اے نبی! آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے۔ اگر تم میں کے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہونگے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں کے سو آدمی ہونگے تو ایک ہزار کفار پر غالب آجائیں گے اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔"

(۲۸) الئٰن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا ط فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ ط واللہ مع الصٰبرین ○ (۸ : ۶۶)

" اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کردی اور معلوم کرلیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے سو اگر تم میں کے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہونگے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں ہزار ہونگے تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آجائیں گے اور اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہیں۔"

(٢٩) وان یریدوا خیانتک فقد خانوا اللہ من قبل فامکن منھم ط واللہ علیم حکیم ○ (٨ : ٧١)

"اور اگر یہ لوگ آپ کے ساتھ خیانت کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو اس سے پہلے انھوں نے اللہ کے ساتھ خیانت کی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو گرفتار کرا دیا، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں بڑی حکمت والے ہیں۔"

(٣٠) فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم ط ان اللہ یحب المتقین ○ (٩ : ٧)

"سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی اُن سے سیدھی طرح رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔"

(٣١) لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ○ (٩ : ٢٥)

"تم کو اللہ تعالیٰ نے بہت مواقع میں غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت پر غرّہ ہوگیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ دیکر بھاگ کھڑے ہوئے۔"

(٣٢) وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ ط واعلموا ان اللہ مع المتقین ○ (٩ : ٣٦)

"اور ان مشرکین سے سب لڑنا جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔ اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقین کا ساتھی ہے۔"

(٣٣) التّائبون العٰبدون الحٰمدون السّائحون الرّٰکعون السّٰجدون الاٰمرون بالمعروف والنّاھون عن المنکر والحٰفظون لحدود اللہ ط وبشّر المؤمنین ○ (٩ : ١١٢)

"وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے رکوع اور سجدہ کرنے والے نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بُری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدود کا خیال رکھنے والے اور ایسے مؤمنین کو آپ خوشخبری سُنا دیجیے۔"

(٣٤) یٰایّھا الّذین اٰمنوا قاتلوا الّذین یلونکم من الکفّار ولیجدوا فیکم غلظۃ ط

واعلموا انّ اللہ مع المتّقین ۝ (۹ : ۱۲۳)

”اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیئے، اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ متّقی لوگوں کے ساتھ ہے۔“

اس میں بھی حالتِ جہاد میں تقویٰ یعنی حدود اللہ سے تجاوز سے بچنے کا حکم فرمایا ہے۔

(۳۵) الا انّ اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون ۝ الّذین اٰمنوا وکانوا یتّقون ۝ لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدّنیا وفی الاٰخرۃ ط لاتبدیل لکلمٰت اللہ ط ذٰلک ھو الفوز العظیم ۝ (۱۰ : ۶۲ تا ۶۴)

”یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں، وہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز رکھتے ہیں، اُن کے لئے دُنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے اللہ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا یہ بڑی کامیابی ہے۔“

(۳۶) فاصبر انّ العاقبۃ للمتّقین ۝ (۱۱ : ۴۹)

”سو صبر کیجیۓ یقیناً نیک انجامی متقین ہی کے لئے ہے۔“

(۳۷) ویٰقوم استغفروا ربّکم ثمّ توبوا الیہ یرسل السّماء علیکم مدرارا ویزدکم قوّۃ الیٰ قوّتکم ولا تتولّوا مجرمین ۝ (۱۱ : ۵۲)

”اور اے میری قوم تم اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ پھر اس کی طرف متوجہ ہو وہ تم پر خوب بارشیں برسا دیگا اور تم کو اور قوت دیکر تمہاری قوت میں ترقی کر دیگا، اور مجرم رہ کر اعراض مت کرو۔“

(۳۸) انّہ من یتّق ویصبر فانّ اللہ لا یضیع اجر المحسنین ۝ (۱۲ : ۹۰)

”واقعی جو شخص گناہوں سے بچتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنیوالوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتا۔“

(۳۹) ثمّ انّ ربّک للّذین ھاجروا من بعد ما فتنوا ثمّ جاھدوا وصبروا انّ ربّک من بعدھا لغفورٌ رّحیم ۝ (۱۶ : ۱۱۰)،

”پھر بیشک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے کہ جنہوں نے مبتلائے کفر ہونے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور قائم رہے تو آپ کا رب ان کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے۔“

(۴۰) ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر انّ الارض یرثھا عبادی الصّٰلحون ۝ (۲۱ : ۱۰۵)
"اور ہم کتابوں میں لوحِ محفوظ کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے مالک میرے نیک بندے ہونگے۔"

(۴۱) انّ اللّٰہ یدافع عن الّذین اٰمنوا ط انّ اللّٰہ لا یحبّ کلّ خوّان کفور ۝ (۲۲ : ۳۸)
"بلاشبہہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے ہٹادے گا بے شک اللہ تعالیٰ کسی دغاباز کفر کرنے والے کو نہیں چاہتا۔"

(۴۲) الّذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الّا ان یقولوا ربّنا اللّٰہ ط ولولا دفع اللّٰہ النّاس بعضھم ببعض لھدّمت صوامع وبیع وصلوات ومسٰجد یذکر فیھا اسم اللّٰہ کثیرا ط ولینصرن اللّٰہ من ینصرہ ط انّ اللّٰہ لقویّ عزیز ۝ (۲۲ : ۴۰)
"جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک کا دوسرے سے زور نہ گھٹاتا رہتا تو نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہوگئے ہوتے، اور بیشک اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کرے گا جو کہ اللہ کی مدد کریگا، بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا غلبہ والا ہے۔"

(۴۳) انّما کان قول المؤمنین اذا دعوا الی اللّٰہ ورسولہ لیحکم بینھم ان یقولوا سمعنا واطعنا ط واولٰئک ھم المفلحون ۝ (۲۴ : ۵۱)
"مسلمانوں کا قول تو جبکہ ان کو اللہ کی اور اس کے رسول کی طرف بُلایا جاتا ہے صرف یہ ہے کہ وہ کہدیتے ہیں کہ ہم نے سُن لیا اور مان لیا، اور ایسے لوگ ہی فلاح پائیں گے۔"

(۴۴) ومن یطع اللّٰہ ورسولہ ویخش اللّٰہ ویتّقہ فاولٰئک ھم الفائزون ۝ (۲۴ : ۵۲)
"اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اُس کی مخالفت سے بچے بس ایسے ہی لوگ بامراد ہوں گے۔"

(۴۵) وعد اللّٰہ الّذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الّذین من قبلھم ولیمکننّ لھم دینھم الّذی ارتضی لھم ولیبدّلنّھم من بعد خوفھم امنا ط یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ط ومن کفر بعد ذٰلک فاولٰئک ھم الفٰسقون ۝ (۲۴ : ۵۵)
"تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطاء فرمائے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو

اُن کے لئے پسند کیا ہے اُس کو ان کے لئے قوّت دیگا اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل بامن کر دیگا، بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں، اور جو شخص اس کے بعد ناشکری کریگا تو یہ لوگ فاسق ہیں۔"

اس آیت کریمہ میں ایمان و اعمال صالحہ پر فتح و نصرت کا وعدہ ہے اور عمل صالح کی بنیاد ترک معصیت ہے، معصیت کی وجہ سے فتح اور نصرت ناکامی اور نامرادی سے بدل جاتی ہے، جسکا بیان اوپر گزر چکا ہے۔

(۴٦) یٰبنیّ اقم الصّلوٰة وأمر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علیٰ ما اصابک ط ان ذٰلک من عزم الامور ہ (۳۱ : ۱۷)

"بیٹا! نماز پڑھا کرو اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور بُرے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اُس پر صبر کیا کر، یہ ہمّت کے کاموں میں سے ہے۔"

نہی عن المنکر جہاد اکبر ہے، اس میں مصائب شدیدہ کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اسلئے صبر اور استقامت کا حکم فرمایا۔

(۴۷) ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین ہ انّھم لھم المنصورون ہ وانّ جندنا لھم الغٰلبون ہ (۳۷ : ۱۷۱ تا ۱۷۳)

"اور ہمارے خاص بندوں یعنی رسولوں کے لئے ہمارا یہ قول پہلے ہی سے مقرر ہو چکا ہے کہ بیشک وہی غالب کئے جائیں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے۔"

(۴۸) قل یٰعباد الّذین اٰمنوا اتّقوا ربّکم ط للّذین احسنوا فی ھٰذہ الدّنیا حسنة ط وارض اللہ واسعة ط انّما یوفّی الصّٰبرون اجرھم بغیر حساب ہ (۳۹ : ۱۰)

"آپ کہیئے کہ اے میرے ایمان والے بندو! تم اپنے رب سے ڈرتے رہو، جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے نیک صلہ ہے اور اللہ کی زمین فراخ ہے، مستقل رہنے والوں کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا۔"

(۴۹) انّا لننصر رسلنا والّذین اٰمنوا فی الحیٰوة الدّنیا ویوم یقوم الاشھاد ہ (۴۰ : ۵۱)

"ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس روز میں بھی جس میں کہ گواہی دینے والے کھڑے ہونگے۔"

(۵۰) ونجّینا الّذین اٰمنوا وکانوا یتّقون ہ (۴۱ : ۱۸)

"اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور ڈرتے تھے۔"

(۵۱) ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۝ (۴۶ : ۱۳)
”جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے سو ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہونگے“

(۵۲) یاایھا الذین اٰمنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم (۴۷ : ۷)
”اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کریگا اور تمہارے قدم جمادے گا“

(۵۳) ذٰلک بان اللہ مولی الذین اٰمنوا وان الکٰفرین لا مولیٰ لھم ۝ (۴۷ : ۱۱)
”یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں“

(۵۴) کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ط ان اللہ قوی عزیز ۝ (۵۸ : ۲۱)
”اللہ تعالیٰ نے یہ بات لکھدی ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے، بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا غلبہ والا ہے“

(۵۵) لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الاٰخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اٰباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم ط اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ ط ویدخلھم جنٰت تجری من تحتھا الانھٰر خٰلدین فیھا ط رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ط اولئک حزب اللہ ط الا ان حزب اللہ ھم المفلحون ۝ (۵۸ - ۲۲)
”جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں گو وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو، ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کردیا ہے اور انکو اپنے فیض سے قوت دی ہے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہونگی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہونگے، یہ لوگ اللہ کا گروہ ہے خوب سُن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے“

(۵۶) ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ۝ ویرزقہ من حیث لا یحتسب ط ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ط ان اللہ بالغ امرہ ط قد جعل اللہ لکل شیءٍ قدرا ۝ (۶۵ : ۲، ۳)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے، اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے: اللہ تعالیٰ نے ہر شے کا ایک انداز مقرر کر رکھا ہے۔"

(۵۷) ومن یتق اللہ یجعل لہٗ من امرہ یسرا ٥ (۶۵ : ۴)

"اور جو شخص اللہ سے ڈریگا اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی کر دیگا۔"

(۵۸) فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا ٥ یرسل السماء علیکم مدرارا ٥ و یمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنّٰت ویجعل لکم انھارا ٥ (۷۱ : ۱۰ تا ۱۲)

"اور میں نے کہا کہ تم اپنے رب سے گناہ بخشواؤ بیشک وہ بڑا بخشنے والا ہے، کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اولاد میں ترقی دیگا اور تمہارے لئے باغ لگا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بہا دیگا۔"

(۵۹) ربّ المشرق والمغرب لا الٰہ الا ھو فاتخذہ وکیلا ٥ (۷۳ : ۹)

"وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں تو اُسی کو اپنا کارساز بنالے۔"

(۶۰) وکذٰلک نولی بعض الظّٰلمین بعضًا بما کانوا یکسبون ٥ (۶ : ۱۲۹)

"اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلّط کرتے ہیں انکی بداعمالیوں کی وجہ سے۔"

(۶۱) قال ابن عباس رضی اللہ عنہما تفسیرھا ان اللہ اذا اراد بقوم شرا ولی علیھم شرارھم واذا اراد بقوم خیرا ولی علیھم خیارھم وفی بعض الکتب المنزلۃ افنی اعدائی باعدائی ثم افنیھم باولیائی (البحر المحیط ص ۲۲۲ ج ۴)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے لئے برائی مقدر فرماتے ہیں تو ان پر برے حکام مسلط فرما دیتے ہیں اور کسی قوم کی بھلائی چاہتے ہیں تو ان پر اچھے لوگوں کو حاکم بنا دیتے ہیں، اور بعض آسمانی کتابوں میں ہے میں اپنے دشمنوں کو اپنے دشمنوں کے ذریعہ تباہ کرتا ہوں، پھر ان کو اپنے دوستوں کے ہاتھوں۔"

(۶۲) قال مالک بن دینار قرأت فی الزبور انی انتقم من المنافقین بالمنافقین ثم انتقم من المنافقین

جمیعًا وذلك فی کتاب اللہ قوله تعالیٰ وکذٰلك نولی بعض الظّٰلمین بعضًا۔

وقد روی الحافظ ابن عساکر فی ترجمة عبد الباقی بن احمد من طریق سعید بن عبد الجبار الکرابیسی عن حماد بن سلمة عن عاصم عن ذر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه مرفوعًا من اعان ظالمًا سلطه اللہ علیه وھذا حدیث غریب وقال بعض الشعراء:

وما من ید الا ید اللہ فوقها

ولا ظالم الا سیبلی بظالم

ومعنی الاٰیة الکریمة کما ولینا ھؤلاء الخاسرین من الانس تلك الطائفة التی اغوتھم من الجن کذٰلك نفعل بالظالمین نسلط بعضھم علی بعض جزاء علی ظلمھم وبغیھم (تفسیر ابن کثیر ص ۱۷۶ ج ۲)

”مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میں نے زبور میں پڑھا ہے: میں منافقوں سے منافقوں کے ذریعہ انتقام لیتا ہوں پھر سب منافقوں سے انتقام لیتا ہوں، اور یہ کتاب اللہ میں بھی ہے وکذلك نولی بعض الظالمین بعضا،

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو کسی ظالم کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس ظالم کو اس پر مسلط فرما دیتے ہیں۔

اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں ان کے ظلم اور سرکشی کی سزا دینے کے لئے۔“

(۶۳) واخرج ابو الشیخ عن منصور بن ابی الاسود قال سألت الاعمش عن قوله وکذلك نولّی بعض الظالمین بعضا ما سمعتھم یقولون فیه قال سمعتھم یقولون اذا فسد الناس امر علیھم شرارھم (الدر المنثور ص ۴۶ ج ۳)

”اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے اکابر سے اس آیت کی تفسیر یہ سنی ہے کہ جب لوگ خراب ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ ان پر شریر لوگوں کو حاکم بنا دیتے ہیں۔“

(۶۴) واخرج ابن ابی حاتم وابو الشیخ عن مالك بن دینار مثل ما اخرج عنه ابن کثیر وقد مرّ نصه (حوالۂ بالا)

(۶۵) واخرج الحاکم فی التاریخ والبیھقی فی شعب الایمان من طریق یحیی بن ھاشم ثنا یونس بن ابی اسحٰق عن ابیه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کما تکونون

كذلك يؤمر عليكم قال البيهقي هذا منقطع ويحيى ضعيف (حوالۂ بالا)

"جیسے تم ہو گے ویسے ہی تم پر حاکم مسلط کئے جائیں گے۔"

(۶۶) ابوبكرة: كما تكونوا يولى عليكم او يؤمر عليكم (مسند الفردوس للديلمی ص۳۵۲ ج ۳)

"جیسے تم ہو گے ویسے ہی تم پر حاکم مسلّط کئے جائیں گے۔"

(۶۷) عن ابی اسحٰق السبیعی كما تكونوا كذلك يولى عليكم (شعب الایمان للبیهقی ص۲۳ ج۶)

"جیسے تم ہو گے ویسے ہی تم پر حاکم مسلّط کئے جائیں گے۔"

(۶۸) قال الامام السخاوی رحمه الله تعالى: حديث: كما تكونون يولى عليكم او يؤمر عليكم، الحاكم ومن طريقه الديلمي من حديث يحيى بن هاشم حدثنا يونس بن ابی اسحاق عن ابيه اظنه عن ابى بكرة مرفوعًا بهذا، ومن هذا الوجه اخرجه البيهقی فی السابع والاربعین بلفظ: يؤمر عليكم، بدون شك وبحذف ابى بكرة، وقال: انه منقطع وراويه يحيى فی عداد من يضع (المقاصد الحسنة ص ۳۲۶)

(۶۹) وله طريق اخرى فاخرجه ابن جميع فی معجمه والقضاعی فی مسنده من جهة الكرمانی بن عمرو حدثنا مبارك بن فضالة عن الحسن عن ابی بكرة بلفظ: يولى عليكم، بدون شك، وفى سنده الى مبارك مجاهيل۔

(۷۰) عند الطبرانی معناه من طريق عمر وكعب الاحبار والحسن فانه سمع رجلا يدعو على الحجاج فقال له: لا تفعل انكم من انفسكم اتيتم انا نخاف ان عزل الحجاج او مات ان يستولى عليكم القردة والخنازير فقد روى ان اعمالكم عمالكم وكما تكونون يولى عليكم وانشد بعضهم: بذنوبنا دامت بليتنا، والله يكشفها اذا تبنا، وفى المأثور من الدعوات: اللهم لا تسلط علينا بذنوبنا من لا يرحمنا، (المقاصد الحسنة ص ۳۲۶)

"حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو حجاج پر بد دُعاء کرتے سُنا، آپ نے فرمایا: ایسا مت کرو، تم خود اپنی بداعمالیوں سے اس کو لائے ہو، ہمیں خوف ہے کہ اگر حجاج معزول ہو جائے یا مر جائے تو تم پر بندر اور خنزیر حاکم بنا دیئے جائیں، روایت ہے:

"بے شک تمہارے اعمال تم پر حاکم بنائے جاتے ہیں، اور جیسے تم ہو گے ویسے ہی تم پر حاکم مسلط کئے جائیں گے، ہمارے گناہوں سے ہم پر مصیبتیں مسلط رہتی ہیں، ہم توبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ

ان مصائب سے نجات دیں گے، اور دعاء ماثور میں ہے: یا اللہ! ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہم پر ایسا حاکم مسلط نہ فرما جو ہم پر رحم نہ کرے۔"

(۷۱) واخرج البیہقی عن کعب الاحبار قال ان لکل زمان ملکا یبعثہ اللہ علی نحو قلوب اھلہ فاذا اراد صلاحھم بعث علیھم مصلحا واذا اراد ھلکتھم بعث علیھم مترفھم (الدر المنثور ص ۳ج۲۳۶)

"ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے قلوب کے حالات کے مطابق بادشاہ مسلط فرماتے ہیں، جب ان کی بھلائی چاہتے ہیں تو اچھا حاکم مقدر فرماتے ہیں اور ان کی ہلاکت چاہتے ہیں تو برا حاکم مسلط فرماتے ہیں۔"

(۷۲) واخرج البیہقی عن الحسن ان بنی اسرائیل سألوا موسی علیہ السلام فقالوا سل لنا ربک یبین لنا علم رضاہ عنا وعلم سخطہ فسألہ فقال یا موسی انبئھم ان رضای عنھم ان استعمل علیھم خیارھم وان سخطی علیھم ان استعمل علیھم شرارھم (حوالۂ بالا)

"اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: لوگوں کو بتادیں کہ ان سے میری رضا کی علامت یہ ہے کہ ان کے لئے اچھا حاکم مقدر کرتا ہوں اور میرے غضب کی علامت یہ ہے کہ ان پر برا حاکم مسلط کرتا ہوں۔"

(۷۳) واخرج البیہقی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال حدثت ان موسی اوعیسی قال یارب ما علامۃ رضاک عن خلقک قال ان انزل علیھم الغیث ابان زرعھم واحبسہ ابان حصادھم واجعل امورھم الی حلمائھم وفیئھم فی ایدی سمحائھم قال یا رب فما علامۃ السخط قال ان انزل علیھم الغیث ابان حصادھم واحبسہ ابان زرعھم واجعل امورھم الی سفھائھم وفیئھم فی ایدی بخلائھم (حوالۂ بالا)

"اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام سے فرمایا: مخلوق سے میری رضا کی علامت یہ ہے کہ میں کھیتی بونے کے وقت بارش برساتا ہوں اور کاٹنے کے وقت روک لیتا ہوں اور ان پر بردبار لوگوں کو حاکم بناتا ہوں، اور ان کی حاجات مالیہ سخی لوگوں کے سپرد کرتا ہوں، اور میرے غضب کی علامت یہ ہے کہ کھیتی کاٹنے کے وقت بارش برساتا ہوں اور بونے کے وقت روک لیتا ہوں اور ان پر احمق لوگوں کو حاکم بناتا ہوں اور ان کی حاجات مالیہ

بخیل لوگوں کے سپرد کرتا ہوں ۔"

(٧٤) قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ : واستدل بہ علی ان الرعیۃ اذا کانوا ظالمین فاللہ تعالیٰ یسلط علیھم ظالما مثلھم وفی الحدیث کما تکونوا یولی علیکم (روح المعانی ص٣٤ ج٨)

"حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں پر انہی جیسا ظالم حاکم مسلّط فرماتے ہیں، اور حدیث میں ہے کہ جیسے تم ہوگے تم پر ویسا ہی حاکم مسلّط کیا جائیگا۔"

(٧٥) عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ یقول انا اللہ لا الٰہ الا انا مالک الملوک وملک الملوک قلوب الملوک بیدی وان العباد اذا اطاعونی حولت قلوب ملوکہم علیہم بالرحمۃ والرأفۃ وان العباد اذا عصونی حولت قلوبھم بالسخطۃ والنقمۃ فساموھم سوء العذاب فلا تشغلوا انفسکم بالدعاء علی الملوک ولکن اشغلوا انفسکم بالذکر والتضرع کی اکفیکم ملوککم (حلیۃ ص٣٨٨ ج٢، مشکوٰۃ ص٣٢٣)

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، میرے بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں میں ان کے بادشاہوں کے دل ان کی طرف رحمت اور شفقت سے متوجہ کردیتا ہوں، اور بندے جب میری نافرمانی کرتے ہیں میں ان کی طرف بادشاہوں کے دل غصّہ اور انتقام سے متوجہ کردیتا ہوں، سو وہ ان کو سخت عذاب چکھاتے ہیں، اس لئے خود کو بادشاہوں پر بددُعاء میں مشغول نہ کرو بلکہ خود کو ذکر اللہ اور تضرّع میں مشغول کرو تاکہ میں تمہیں تمہارے بادشاہوں کے مظالم سے محفوظ رکھوں۔"

(٧٦) وکذا فی مجمع الزوائد بروایۃ الطبرانی (الاعتدال ص٨٤)

(٧٧) اذا اراد اللہ بقوم خیرا ولی علیھم حلماءھم وقضی بینھم علماؤھم وجعل المال فی سمحاءھم واذا اراد بقوم شرا ولی علیھم سفھاءھم وقضی بینھم جھالھم وجعل المال فی بخلاءھم (فر) عن مھران (ض) (الجامع الصغیر ص٧ ج١)

"جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی نیکی کی وجہ سے اس کی بھلائی چاہتے ہیں تو ان پر بردبار لوگوں کو حاکم بناتے ہیں، اور ان کے فیصلے علماء کرتے ہیں، اور مال سخی لوگوں کو دیتے ہیں، اور جب کسی قوم کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے لئے برائی مقدر فرماتے ہیں تو احمقوں کو ان پر حاکم بناتے ہیں

اوران کے فیصلے جاہل لوگ کرتے ہیں ، اور مال بخیل لوگوں کو دیتے ہیں ۔"

(۷۸) ان اللہ تعالیٰ اذا غضب علی امۃ لم ینزل بھا عذاب خسف ولا مسخ غلت اسعارھا ویحبس عنھا امطارھا ویلی علیھا اشرارھا ، ابن عساکر عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (الجامع الصغیر ص٦٦ ج ۱)

"بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر ناراض ہوتے ہیں اور ان پر زمین میں دھنسانے اور صورتیں مسخ کرنے کا عذاب نازل نہیں فرماتے تو ضرورت کی چیزوں کے نرخ گراں کر دیتے ہیں، اور بارشیں روک لیتے ہیں اور ان پر بُرے حکام کو مسلّط فرما دیتے ہیں ۔"

(۷۹) وفی مجمع الزوائد عن جابر رضی اللہ عنہ رفعہ ان اللہ عزوجل یقول انتقم ممن اغضب بمن اغضب ثم اصیر کلا الی النار، رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ احمد بن بکر البالسی ضعیف (الاعتدال ص٨٦)

"بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : جن لوگوں پر میرا غضب ہے میں ان سے انہی جیسے مغضوب لوگوں کے ذریعہ انتقام لیتا ہوں پھر سب کو جہنم میں پھینک دیتا ہوں ۔"

(۸۰) لا تسبوا الائمۃ وادعوا اللہ لہم بالصلاح فان صلاحہم لکم صلاح (طب) عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ (الجامع الصغیر ص١٩٩ ج ۲) "حکام کو گالیاں نہ دو ، ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے صلاحیت کی دُعاء کیا کرو ، کیونکہ ان کی صلاحیت سے تمہاری صلاحیت وابستہ ہے ۔"

(۸۱) لا تشغلوا قلوبکم بسب الملوک ولکن تقربوا الی اللہ تعالیٰ بالدعاء لہم یعطف اللہ قلوبہم علیکم، ابن النجار عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (الجامع الصغیر ص٢ ج ۲)

"اپنے دلوں کو بادشاہوں کو گالیاں دینے میں مشغول نہ کرو ، بلکہ ان کے لئے دعاء کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو ، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو تم پر مہربان فرما دیں گے ۔"

(۸۲) واخرج ابن ابی شیبۃ عن مالک بن مغول قال فی زبور داؤد علیہ السلام مکتوب انی انا اللہ لا الٰہ الا انا ملک الملوک قلوب الملوک بیدی فایما قوم کانوا علی طاعۃ جعلت الملوک علیہم رحمۃ وایما قوم کانوا علی معصیۃ جعلت الملوک علیہم نقمۃ لا تشغلوا انفسکم بسب الملوک ولا تتوبوا الیہم توبوا الیّ اعطف قلوبہم علیکم (الدر المنثور ص١٨٩ ج ۲)

"حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں لکھا ہے : بیشک میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہیں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، سو جو قوم میری فرمانبردار ہوتی ہے میں بادشاہوں کو ان پر رحمت بنا دیتا ہوں اور جو قوم نافرمان ہوتی ہے میں بادشاہوں کو ان پر عذاب بنا دیتا ہوں، خود کو بادشاہوں کو گالیاں دینے میں مشغول نہ کرو اور انکی طرف توجہ نہ کرو، میری طرف توجہ کرو میں انکے قلوب کو تم پر مہربان کر دونگا ۔"

(۸۳) عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ابغض المسلمون علماءهم واظهروا عمارة اسواقهم وتناكحوا على جمع الدراهم رماهم الله عز وجل باربع خصال بالقحط من الزمان والجور من السلطان والخيانة من ولاة الاحكام والصولة من العدو (مستدرک حاکم ص ۳۲۵ ج ۴)

”جب مسلمان اپنے علماء سے بغض رکھیں گے اور اپنے بازاروں کی عمارت کو ظاہر کریں گے اور مال جمع کرنے پر نکاح کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو چار قسم کے عذاب میں مبتلا کریں گے، قحط، بادشاہ کا ظلم، حکام کی خیانت، دشمنوں کے حملے۔“

(۸۴) اخرج عبد بن حمید عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر اوليسلطن الله عليكم شراركم ثم ليدعون خياركم فلا يستجاب لهم (الدر المنثور ص ۳۰۰ ج ۲)

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم نیک کاموں کا ضرور حکم کرتے رہو اور برے کاموں سے لازماً روکتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر بدترین لوگوں کو مسلط فرمادیں گے، پھر تمہارے نیک لوگ دعائیں کریں گے تو ان کی دعائیں قبول نہ ہونگی۔“

درمنثور اور جامع صغیر میں اس مضمون کی اور بھی بہت سی روایات ہیں۔

(۸۵) عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث طویل لا يحملنكم استبطاء الرزق ان تطلبوه بمعاصی الله فانه لا يدرك ما عند الله الا بطاعته رواه البغوی فی شرح السنة والبيهقی فی شعب الایمان۔

”تمہیں رزق میں تأخیر ناجائز ذرائع سے کمانے پر ہرگز برانگیختہ نہ کرے، کیونکہ اللہ کے خزانہ سے اس کو راضی کئے بغیر کچھ نہیں لیا جاسکتا۔“

(۸۶) عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من كانت الآخرة همه جعل الله غناه فی قلبه وجمع له شمله واتته الدنيا وهی راغمة ومن كانت الدنيا همه جعل الله فقره بين عينيه وفرق عليه شمله ولم يأته من الدنيا الا ما قدر له۔ رواه الترمذی۔

”جس کے قلب میں آخرت کی اہمیت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو غنا سے بھر دیتے ہیں،

اور اس کی حاجات، پوری فرماتے ہیں اور دنیا اس کے پاس ناک رگڑتی آتی ہے، اور جس کے دل میں دنیا کی اہمیت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو فقر و فاقہ سے خوفزدہ رکھتے ہیں اور اسکی حاجات پوری نہیں ہونے دیتے اور دنیا بھی اتنی ہی ملتی ہے جتنی مقدر ہے۔"

(۸۷) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال كنت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما فقال يا غلام احفظ الله يحفظك احفظ الله تجده تجاهك واذا سألت فاسأل الله واذا استعنت فاستعن بالله واعلم ان الامة لو اجتمعت على ان ينفعوك بشیء لم ينفعوك الا بشیء قد كتبه الله لك ولو اجتمعوا على ان يضروك بشیء لم يضروك الا بشیء قد كتبه الله عليك رفعت الاقلام وجفت الصحف رواه احمد والترمذی۔

"اللہ کے احکام کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کریگا، اللہ کے احکام کی حفاظت کر تو اللہ کو ہر حاجت میں سامنے پائے گا، اور سوال کر تو صرف اللہ سے اور مدد طلب کر تو صرف اللہ سے اور یقین رکھ کہ پوری دنیا ملکر تجھے کوئی نفع پہنچانا چاہے تو اس سے زیادہ نفع ہرگز نہیں پہنچا سکے گی جو اللہ نے تیری قسمت میں لکھا ہے، اور اگر پوری دنیا جمع ہوکر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو اس سے زیادہ نقصان ہرگز نہیں پہنچا سکے گی جو اللہ نے تیری تقدیر میں لکھا ہے، تقدیر کے قلم چل چکے اور نوشتہ دفتر خشک ہو چکے۔"

(۸۸) عن ابی هريرة رضی الله عنه ان النبی صلى الله عليه وسلم قال قال ربكم عز وجل لو ان عبيدی اطاعونی لاسقيتهم المطر بالليل واطلعت عليهم الشمس بالنهار ولما اسمعتهم صوت الرعد۔ رواه احمد۔

"اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں ان کو رات میں بارش سے سیراب کروں اور دن کو دھوپ نکال دوں اور ان کو بجلی کی آواز نہ سناؤں۔"

(۸۹) عن ابی ذر رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال انی لاعلم اٰية لو اخذ الناس بها لكفتهم ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب۔ رواه احمد وابن ماجة۔

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اس پر عمل کریں تو وہ ان کو کافی ہو جائے۔

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب ،

"جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ پیدا فرما دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔"

(٩٠) قال حنظلۃ الاسلمی بعث ابوبکر خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما الی اھل الردۃ وامرہ ان یقاتلھم علی خمس خصال فمن ترک واحدۃ من الخمس قاتلہ شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ واقام الصلٰوۃ وایتاء الزکٰوۃ وصیام شھر رمضان وحج البیت (خمیس ص ۲۰۵ ج ۲)

"حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرتدین کے ساتھ جہاد کے لئے لشکر پر امیر بنا کر بھیجا تو ان کو وصیت فرمائی :

"ان سے پانچ چیزوں پر قتال کریں، کلمۂ شہادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج۔"

یعنی جو شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے اس سے قتال کریں۔

(٩١) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں "اجنادین" میں رومیوں سے بہت زبردست جنگ ہوئی، اس میں قصۂ ذیل پیش آیا :

عن ابن اسحٰق لما تراءای العسکران بعث القلنقار رجلا عربیا فقال لہ ادخل فی ھؤلاء القوم فاقم فیھم یوما ولیلۃ ثم ائتنی بخبرھم فدخل فی الناس رجل عربی لا ینکر علیہ فاقام فیھم یوما ولیلۃ ثم اتاہ فقال لہ ماوراءک فقال لہ باللیل رھبان وبالنھار فرسان ولو سرق ابن ملکھم لقطعوا یدہ ولو زنی لرجم لاقامۃ الحق فیھم فقال لہ القلنقار لئن کنت صدقتنی لبطن الارض خیر من لقاء ھؤلاء علی ظھرھا ولوددت ان اللہ یخلی بینی وبینھم فلا ینصرنی علیھم ولا ینصرھم علیّ (خمیس ص ۲۳۵ ج ۲)

"رومیوں کے سپہ سالار نے ایک عربی شخص کو مسلمانوں کے حالات کی تحقیق کرنے کیلئے جاسوس بنا کر بھیجا اور اس سے کہا کہ ایک دن رات مسلمانوں کے لشکر میں رہ کر ان کے حالات کی خبر دے، چونکہ وہ عربی تھا اس لئے ان میں ایک دن رات بے تکلف رہا، اس نے واپس جا کر بتایا :

"یہ لوگ رات کو راہب ہیں اور دن میں شہسوار، یعنی رات بھر اللہ کے سامنے ناک رگڑتے ہیں اور دن بھر گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کرتے ہیں، اگر ان کے بادشاہ کا بیٹا بھی چوری کرے تو حمایت حق کے لئے اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیں اور زنا کرے تو اس کو بھی سنگسار کر دیں۔"

سپہ سالار نے کہا :

”اگر تو نے سچ کہا ہے تو ایسے لوگوں کے مقابلہ سے موت بہتر ہے۔“

(٩٢) فكتب الامراء الى ابى بكر وعمر رضى الله تعالىٰ عنهما يعلمونهما بما وقع من الامر العظيم فكتب اليهم ان اجتمعوا وكونوا جندا واحدا والقوا جنود المشركين فانتم انصار الله والله ناصر من نصره وخاذل من كفره ولن يؤتى مثلكم عن قلة ولكن من تلقاء الذنوب فاحترسوا منها (البداية والنهاية ص ٥ ج ٧)

”حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے امراء نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں ہرقل کی فوج کی زبردست کثرت وقوت کی خبر لکھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا:

”تم سب مل کر ایک لشکر بن جاؤ اور مشرکین کا مقابلہ کرو، تم اللہ تعالیٰ کے انصار ہو، اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبرداروں کی مدد فرماتے ہیں اور نافرمانوں کو ذلیل کرتے ہیں، تم قلت تعداد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوسکتے، لیکن معاصی میں مبتلا ہونے سے کثرت عدد کے باوجود مغلوب ہوگے، اس لئے معاصی سے بچو۔“

(٩٣) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ یرموک میں حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی کامیابیوں پر مبارکباد لکھی جس کے ساتھ یہ نصیحت بھی تحریر فرمائی:

ولا يدخلنك عجب فتخسر وتخذل واياك ان تدل بعمل فان الله تعالىٰ له المن وهو ولى الجزاء (خميس ص ٢٢٩ ج ٢)

”تمہارے اندر عجب وغرور ہرگز نہ آنے پائے، اس سے نقصان اٹھاؤ گے اور ذلیل ہوگے، اپنے کسی عمل پر ناز ہرگز نہ کرنا، بلاشبہہ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا احسان ہے اور وہی جزاء دینے والا ہے۔“

(٩٤) قال عمر لعتبة رضى الله تعالىٰ عنهما ۔۔۔۔ فانى اريد اوجهك الى ارض الهند ۔۔۔۔۔۔ فسر على بركة الله واتق الله ما استطعت واحكم بالعدل وصل الصلوٰة لوقتها واكثر ذكر الله (طبرى ص ٩٠ ج ٣)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر لشکر بناکر یہ وصیت فرمائی:

”حتی الامکان تقویٰ اختیار کرنا اور انصاف سے فیصلہ کرنا اور نماز کو وقت پر ادا کرنا اور ذکر اللہ کثرت سے جاری رکھنا۔“

(۹۵) فارسل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقدم علیہ فامرہ علی حرب العراق واوصاہ فقال :

یا سعد بن وهیب لا یغرنك من اللہ ان قیل خال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصاحب رسول اللہ فان اللہ عزوجل لا یمحوا السیئ بالسیئ ولکنہ یمحوا السیئ بالحسن فان اللہ لیس بینہ وبین احد نسب الا طاعتہ فالناس شریفهم ووضیعهم فی ذات اللہ سواء، اللہ ربهم وهم عبادہ یتفاضلون بالعافیۃ ویدرکون ما عندہ بالطاعۃ فانظر الامر الذی رأیت النبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم علیہ منذ بعث الی ان فارقنا فالزمہ فانہ الامر هذہ عظتی ایاك ان ترکتها ورغبت عنها حبط عملك وکنت من الخاسرین ولما اراد ان یسرحہ دعاہ فقال انی قد ولیتك حرب العراق فاحفظ وصیتی فانك تقدم علی امر شدید کریہ لا یخلص منہ الا الحق فعوّد نفسك ومن معك الخیر واستفتح بہ، واعلم ان لکل عادۃ عتادا فعتاد الخیر الصبر فالصبر الصبر علی ما اصابك اونابك یجتمع لك خشیۃ اللہ واعلم ان خشیۃ اللہ تجتمع فی امرین فی طاعتہ واجتناب معصیتہ وانما اطاعہ من اطاعہ ببغض الدنیا وحب الآخرۃ وعصاہ من عصاہ بحب الدنیا وبغض الآخرۃ وللقلوب حقائق ینشئها اللہ انشاء منها السر ومنها العلانیۃ فاما العلانیۃ فان یکون حامدہ وذامہ فی الحق سواء واما السر فیعرف بظهور الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ وبمحبۃ الناس فلا تزهد فی التحبب فان النبیین قد سألوا محبتهم وان اللہ اذا احب عبدا حببہ واذا ابغض عبدا بغضہ فاعتبر منزلتك عند اللہ تعالیٰ بمنزلتك عند الناس ممن یشرع معك فی امرك (طبری ص ۴ ج ۳، البدایۃ والنهایۃ ص ۳۵ ج ۷)

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عراق کی جنگ میں امیر لشکر بنا کر بھیجا تو ان کو یوں نصیحت فرمائی :

"اے سعد! اس پر غرور نہ کرنا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتے بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتے ہیں، اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی رشتہ نہیں، اس سے صرف بندگی کا معاملہ ہے، اس کے ہاں شریف و ذلیل سب برابر ہیں، باہم تفاوت مراتب ہے تو عافیت نفس اور گناہوں سے بچنے میں ہے، اس کے انعامات اس کی اطاعت سے حاصل ہوتے ہیں، حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی نبوت کے بعد سے وصال تک جو تم نے دیکھی ہے اس کو پیش نظر رکھنا اور اس کو مضبوط پکڑنا، یہ میری خاص نصیحت ہے اگر اس کو تم نے نہ مانا تو عمل ضائع ہوگا اور نقصان اٹھاؤ گے۔

تم ایک بہت سخت اور دشوار کام کے لئے بھیجے جارہے ہو جس کی ذمہ داریوں سے خلاصی اتباع حق کے سوا اور کسی صورت میں نہیں ہوسکتی، اس لئے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو بھلائی کا عادی بنانا۔

اللہ کا خوف کرنا اور اللہ کا خوف دو چیزوں میں مجتمع ہے، اس کی اطاعت میں اور اسکی معصیت سے اجتناب میں، اور اللہ کی اطاعت جس کو بھی نصیب ہوئی وہ دنیا سے بغض اور آخرت کی محبت سے نصیب ہوئی، اور جس نے بھی اللہ کی معصیت کی اس نے دنیا کی محبت اور آخرت سے بغض کی وجہ سے کی۔"

(۹۶) وحدث عن خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ من سمعہ یقول شھدت عشرین زحفا فلم ارقوما اصبر لوقع السیوف ولا اضرب بھا ولا اثبت اقداما من بنی حنیفۃ یوم الیمامۃ انا لما فرغنا من طلیحۃ الکذاب ولم تکن لہ شوکۃ قلت کلمۃ والبلاء موکل بالقول وما بنو حنیفۃ ما ھی الاکمن لقینا فلقینا قوما لیسوا یشبھون احدا ولقد صبروا لنا من حین طلعت الشمس الی صلاۃ العصر حتی قتل عدو اللہ (خمیس ص ۲۱۶ ج ۲)

"حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"جب ہم طلیحہ کذاب سے نبٹ کر فارغ ہوئے اور اس کی شوکت کچھ زیادہ نہ تھی اس کے بعد بنی حنیفہ کی طرف متوجہ ہوئے تو میری زبان سے ایک کلمۂ عجب نکل گیا، اور مصیبت گویائی کے ساتھ وابستہ ہے میں نے کہدیا:

بنی حنیفہ ہیں ہی کیا چیز؟ یہ بھی طلیحہ کی جماعت جیسے ہی ہیں جن سے ہم نبٹ چکے ہیں، مگر جب ہم بنی حنیفہ سے بھڑے تو ہم نے دیکھا کہ ان جیسی کوئی جماعت نہیں، طلوع آفتاب سے لے کر نماز عصر تک وہ برابر مقابلے میں ڈٹے رہے اس کے بعد ان کو شکست ہوئی۔"

منہ سے ایسا ایک کلمہ نکل جانے کا یہ اثر ہوا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ نصرت کیسے آسکتی ہے؟

(۹۷) قال سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ واللہ لینصرن اللہ ولیہ، ولیظھرن اللہ دینہ،

ولیھزمن اللہ عدوہ ان لم یکن فی الجیش بغی او ذنوب تغلب الحسنات
(البدایۃ والنھایۃ ص ٦٥ ج ۲)

"حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:
"اللہ کی قسم! اللہ اپنے دوستوں کی ضرور مدد کریگا اور اپنے دین کو ضرور غالب کرے گا اور اپنے دشمنوں کو ضرور مغلوب کریگا جب تک لشکر میں ظلم نہ ہوا اور نیکیوں پر گناہ غالب نہ ہوجائیں"۔
یہ پورا قصّہ آگے فتح مدائن کے بیان میں آرہا ہے۔

(۹۸) ونزل سعد رضی اللہ عنہ القادسیۃ واقام بھا شھرا لم یأتہ من الفرس احد فارسل سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاصم بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی میسان فطلب غنما او بقرا فلم یقدر علیھا وتحصن منہ من ھناک فاصاب عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رجلا بجانب اجمۃ فسألہ عن البقر والغنم فقال ما اعلم فصاح ثور من الاجمۃ کذب عدو اللہ ھا نحن! فدخل فاستاق البقر فاتی بھا العسکر، فقسمہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی الناس فاخصبوا ایاما، فبلغ ذلک الحجاج فی زمانہ فارسل الی جماعۃ فسألہم فشھدوا انھم سمعوا ذلک وشاھدوہ، فقال کذبتم، قالوا ذلک ان کنت شھدتھا وغبنا عنھا، قال صدقتم فما کان الناس یقولون فی ذلک، قالوا وانہ یستدل بھا علی رضی اللہ وفتح عدونا، فقال مایکون ھذا والجمع ابرار اتقیاء قالوا ما ندری ما اجنت قلوبھم فاما ما رأینا فما رأینا قط ازھد فی دنیا منھم ولا اشد بغضا لھا، لیس فیھم جبان ولا عار ولا غدار، وذلک یوم الاباقر (الکامل لابن الاثیر ص ۴۵۴ ج ۲)

"حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قادسیہ میں ایک ماہ قیام فرمایا لشکر کے پاس خورونوش کا سامان نہ رہا تو آپ نے حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میسان کی طرف بھیجا، انھوں نے لشکر کے خورونوش کے لئے کوئی گائے بکری تلاش کی مگر دستیاب نہ ہوئی، اہل فارس کا ایک چرواہا ایک بن کے پاس ملا، اس سے دریافت کیا کہ کوئی گائے بکری مل سکتی ہے؟ اس نے جھوٹ کہدیا کہ مجھے خبر نہیں۔ بن کے اندر سے ایک بیل نے آواز دی:
"کذب عدو اللہ ھا نحن"
"اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا، ہم یہاں موجود ہیں"
عاصم بن میں جاکر اس کو پکڑ لائے، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو لشکر پر

تقسیم کیا، لوگوں نے کئی دن خوب کھایا۔

حجاج بن یوسف کے زمانہ میں اس کے سامنے اس قصہ کا تذکرہ آیا، اس نے لوگوں کو بلاکر اس کی تصدیق کی، حجاج نے کہا:

"لوگ اس واقعہ سے متعلق کیا خیال کرتے تھے؟"

انھوں نے کہا:

"لوگ اس واقعہ سے اس پر استدلال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہیں اور فتوحات ان کے ہم رکاب ہیں۔"

حجاج نے کہا:

"یہ جب ہوسکتا ہے کہ پورا لشکر صالح و متقی ہو۔"

لوگوں نے کہا:

"لشکر کے دلوں کی بات تو ہمیں معلوم نہیں، لیکن ظاہر میں ہم نے جو کچھ دیکھا وہ یہ ہے کہ دنیا کے بارے میں ان سے زیادہ زاہد اور دنیا کے ساتھ ان سے زیادہ بغض رکھنے والا ہم نے کوئی نہیں دیکھا، ان میں کوئی بزدل اور کوئی شریر اور کوئی غدار نہ تھا۔"

(۹۹) وقد سأل (هرقل) رجلا ممن اتبعه كان قد اسر مع المسلمين، فقال اخبرني عن هؤلاء القوم، فقال اخبرك كأنك تنظر اليهم هم فرسان بالنهار رهبان بالليل، لا يأكلون في ذمتهم الا بثمن، ولا يدخلون الا بسلام، يقفون على من حاربوه حتى يأتوا عليه، فقال لئن كنت صدقتني ليملكن موضع قدمي هاتين

(البداية والنهاية ص۵۳ ج ۷، طبری ص۹۹ ج ۳)

ایک شخص مسلمانوں کی قید سے نکل کر ہرقل کے پاس پہنچا تو ہرقل نے اس سے مسلمانوں کے حالات دریافت کئے، اس نے کہا:

"یہ لوگ دن میں شہسوار ہیں رات میں راہب، ذمیوں سے بھی کوئی چیز بلا قیمت نہیں لیتے، ایک دوسرے سے جب بھی ملتے ہیں تو سلام کرتے ہیں، جنگ میں جب تک دشمن پر غالب نہیں آجاتے میدان نہیں چھوڑتے۔"

ہرقل نے کہا:

"اگر تو نے سچ بتایا ہے تو وہ اس جگہ کے مالک بن کر رہیں گے۔"

یہاں صرف وہ آیات واحادیث وآثار نقل کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے جو بلا قصد استقصار صرف سرسری توجہ سے ذہن میں آگئیں، ورنہ اس مضمون کی سب آیات واحادیث کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل ضخیم جلد بن جائے۔

ان میں سے بعض میں فوز وفلاح کے لئے صراحۃً شرطِ تقویٰ مذکور ہے اور بعض میں مقتضیات تقویٰ، یعنی ایمان باللہ، تعلق مع اللہ، توکل علی اللہ، صبر واستقامت وغیرہا۔

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے جن حضرات نے ہر فیصلہ اور ہر اقدام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو پیش نظر رکھا اور قادر مطلق کے قانون اور اس کی رضا جوئی کو ہر سیاست ومصلحت پر مقدم رکھا، اللہ تعالیٰ نے ہر مرحلہ اور ہر قدم پر ان کو فتح ونصرت سے ہمکنار وکامران فرمایا اور تمامتر اسباب ظاہرہ کے سراسر خلاف ایسے ذرائع سے مدد فرمائی جن کو اہل دنیا کی عقل ناممکن سمجھتی ہے، بطور مثال اس قسم کے چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں:

(۱) عن ابن المنکدر ان سفینۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخطأ الجیش بارض الروم او اسر فانطلق ھاربا یلتمس الجیش فاذا ھو بالاسد فقال یا ابا الحرث انا مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان من امری کیت وکیت فاقبل الاسد لہ بصبصۃ حتی قام الی جنبہ کلما سمع صوتا اھوی الیہ ثم اقبل یمشی الی جنبہ حتی بلغ الجیش ثم رجع الاسد، رواہ فی شرح السنۃ (مشکوٰۃ ص۵۴۵)

”حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روم میں لشکر سے بچھڑ گئے، یا قید سے چھوٹ کر بھاگے، اچانک ایک شیر سامنے آگیا، انھوں نے اس سے فرمایا:

”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں، لشکر سے بچھڑ گیا ہوں“

وہ شیر دُم ہلاتا ہوا ان کے ساتھ ہولیا، جہاں کہیں کوئی خطرہ کی آواز سنتا وہ اس طرف جھپٹتا، اس سے نمٹ کر پھر ان کے ساتھ چلنے لگتا، حتی کہ ان کو لشکر تک پہنچا کر واپس چلا گیا۔“

(۲) خلافت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں حضرت عقبۃ بن نافع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح افریقہ کے بعد مصالح جہاد کے پیش نظر وہاں ایک نیا شہر ”قیروان“ بسایا، اس شہر کی بنیاد کا قصہ یہ ہے:

فجمع عقبة حينئذ اصحابه وقال : ان اهل هٰذه البلاد قوم لاخلاق لهم، اذا عضهم السيف اسلموا واذا رجع المسلمون عنهم عادوا الى عادتهم ودينهم، ولست ارى نزول المسلمين بين اظهرهم رأيا، وقد رأيت ان ابنى ههنا مدينة يسكنها المسلمون، فاستصوبوا رأيه فجاؤوا الى موضع القيروان وهى فى طرف البر وهى اجمة عظيمة وغيضة لا يشقها الحيات من تشابك اشجارها، وقال انما اخترت هذا الموضع لبعده من البحر لئلا تطرقها مراكب الروم فتهلكها وهى فى وسط البلاد، ثم امر اصحابه بالبناء فقالوا :

هٰذه غياض كثيرة السباع والهوام فنخاف على انفسنا هنا، وكان عقبة مستجاب الدعوة فجمع من كان فى عسكره من الصحابة رضى الله تعالى عنهم وكانوا ثمانية عشر ونادى : ايتها الحشرات والسباع نحن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فارحلوا عنا فانا نازلون فمن وجدناه بعد قتلناه، فنظر الناس يومئذ الى امر هائل، كان السبع يحمل اشباله والذئب يحمل اجراءه والحية تحمل اولادها وهم خارجون اسرابا اسرابا فحمل ذلك كثيرا من البربر على الاسلام، ثم اختط دار الامارة واختط الناس حوله واقاموا بعد ذلك اربعين عاما لا يرون فيها حية ولا عقربا، (معجم البلدان ص ۴۲۰ ج ۴)

”حضرت عقبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے فوجیوں نے کہا :

”یہاں درندے اور سانپ بچھو وغیرہ موذی جانور بہت ہیں، اس لئے ہمیں یہاں ٹھہرنے میں خطرہ ہے۔“

حضرت عقبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لشکر سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جمع کیا جو اٹھارہ تھے، پھر اعلان کیا :

”اے زمین کے اندر رہنے والے موذی جانورو اور درندو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں، یہاں رہنا چاہتے ہیں، اس لئے تم یہاں سے چلے جاؤ، اس کے بعد تم میں سے جس کو بھی ہم پائیں گے قتل کر دیں گے۔“

سو لوگوں نے خوفناک منظر دیکھا کہ شیر، بھیڑیے اور سانپ اپنے بچوں کو اٹھائے غول در غول بھاگے جا رہے ہیں، یہ دیکھ کر دشمن کی قوم ”بربر“ کے بہت سے لوگ

مسلمان ہوگئے۔

اس کے بعد یہ حضرات وہاں چالیس سال رہے، اس عرصہ میں انھوں نے وہاں نہ کوئی سانپ دیکھا نہ بچھو۔"

③ ذکر فتح المدائن وملک کسریٰ:

لما فتح سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نھرشیر واستقربھا، وذلک فی صفۃ لم یجد فیھا احدًا ولاشیئًا مما یغنم، بل قد تحولوا بکما ھم الی المدائن ورکبوا السفن وضموا السفن الیھم، ولم یجد سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیئًا من السفن وتعذر علیہ تحصیل شیء منھا بالکلیۃ، وقد زادت دجلۃ زیادۃ عظیمۃ واسودّ ماؤھا، ورمت بالزبد من کثرۃ الماء بھا، واخبر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بان کسریٰ یزدجرد عازم علی اخذ الاموال والامتعۃ من المدائن الی حلوان، وانک ان لم تدرکہ قبل ثلاث فات علیک وتفارط الامر، فخطب سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ المسلمین علی شاطئ دجلۃ، فحمد اللہ واثنی علیہ وقال ان عدوکم قد اعتصم منکم بھذا البحر فلا تخلصون الیھم معہ، وھم یخلصون الیکم اذا شاؤا فینا وشونکم فی سفنھم، ولیس وراءکم شیء تخافون ان تؤتوا منہ، وقد رأیت ان تبادروا جھاد العدو بنیاتکم قبل ان تحصرکم الدنیا، الا انی قد عزمت علی قطع ھذا البحر الیھم، فقالوا جمیعًا: عزم اللہ لنا ولک علی الرشد فافعل، فعند ذلک ندب سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ الناس الی العبور ویقول: من یبدأ فیحمی لنا الفراض- یعنی ثغرۃ المخاضۃ من الناحیۃ الاخری- لیجوز الناس الیھم آمنین، فانتدب عاصم بن عمرو وذوالبأس من الناس قریب من ستمائۃ فأمّر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ علیھم عاصم بن عمرو فوقفوا علی حافۃ دجلۃ فقال عاصم: من ینتدب معی لنکون قبل الناس دخولا فی ھذا البحر فنحمی الفراض من الجانب الآخر؟ فانتدب لہ ستون من الشجعان المذکورین- والاعاجم وقوف صفوفًا من الجانب الآخر- فتقدم رجل من المسلمین وقد احجم الناس عن الخوض فی دجلۃ، فقال: اتخافون من ھذہ النطفۃ؟ ثم تلا قولہ تعالیٰ:

"وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتابًا مؤجلا-"

ثم اقحم فرسہ فیھا واقتحم الناس، وقد افترق الستون فرقتین اصحاب

الخيل للذكور: واصحاب الخيل الاناث، فلمّا رآهم الفرس يطفون على وجه الماء قالوا: ديوانا ديوانا، يقولون مجانين مجانين، ثم قالوا: والله ما تقاتلون انساً بل تقاتلون جنًا، ثم ارسلوا فرسانًا منهم فى الماء يلتقون اوّل المسلمين ليمنعوهم من الخروج من الماء، فامر عاصم بن عمرو اصحابه ان ليشرعوا لهم الرماح و ينوخوا الاعين، ففعلوا ذلك بالفرس فقلعوا عيون خيولهم، فرجعوا امام المسلمين لا يملكون كف خيولهم حتى خرجوا من الماء واتبعهم عاصم واصحابه فساقوا وراءهم حتّى طردوهم عن الجانب الآخر، ووقفوا على حافة الدجلة من الجانب الآخر ونزل بقية اصحاب عاصم من الستمائة فى دجلة فخاضوها حتّى وصلوا الى اصحابهم من الجانب الآخر فقاتلوا مع اصحابهم حتّى نفوا الفرس عن ذلك الجانب وكانوا يسمون الكتيبة الاولى كتيبة الاهوال، واميرها عاصم بن عمرو، والكتيبة الثانية الكتيبة الخرساء واميرها القعقاع بن عمرو، وهذا كله وسعد والمسلمون ينظرون الى ما يصنع هؤلاء الفرسان بالفرس، وسعد رضى الله تعالى عنه واقف على شاطئ دجلة، ثمّ نزل سعد ببقية الجيش، وذلك حين نظروا الى الجانب الآخر قد تحصن بمن حصل فيه من الفرسان المسلمين، وقد امر سعد رضى الله تعالى عنه المسلمين عند دخول الماء ان يقولوا:

”نستعين بالله ونتوكّل عليه، حسبنا الله ونعم الوكيل، ولاحول ولا قوّة الّا بالله العلىّ العظيم“

ثمّ اقتحم بفرسه دجلة واقتحم الناس لم يتخلّف عنه احد، فساروا فيها كأنما يسيرون على وجه الارض حتى ملؤا ما بين الجانبين، فلايرى وجه الماء من الفرسان والرجالة، وجعل الناس يتحدثون على وجه الماء كما يتحدثون على وجه الارض، وذلك لما حصل لهم من الطمانينة والامن، والوثوق بامر الله ووعده ونصره وتأييده، ولان اميرهم سعد بن ابى وقاص رضى الله تعالى عنه احد العشرة المشهود لهم بالجنة، وقد توفى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو عنه راض، ودعا له، فقال:

”اللّهم اجب دعوته، وسدد رميته“

والمقطوع به ان سعدًا دعا لجيشه هذا فى هذا اليوم بالسلامة والنصر، وقد رمى بهم فى هذا اليم فسدد هم الله وسلمهم، فلم يفقد من المسلمين رجل واحد غير ان رجلا واحدًا يقال له غرقدة البارقى، زل عن فرس له شقراء، فاخذ القعقاع بن عمرو بلجامها، واخذ بيد الرجل حتى عدله على فرسه، وكان من الشجعان، فقال:

"عجز النساء ان يلدن مثل القعقاع بن عمرو"

ولم يعدم للمسلمين شىء من امتعتهم غير قدح من خشب لرجل يقال له مالك بن عامر، كانت علاقته رثة فاخذه الموج فدعا صاحبه الله عزوجل، وقال:

"اللهم لا تجعلنى من بينهم يذهب متاعى"۔

فرده الموج الى الجانب الذى يقصدونه فاخذه الناس ثم ردوه على صاحبه بعينه، وكان الفرس اذا اعيا وهو فى الماء يقيض الله له مثل النشز المرتفع فيقف عليه فيستريح، وحتى ان بعض الخيل ليسير وما يصل الماء الى حزامها، وكان يومًا عظيما وامرًا هائلا، وخطبًا جليلا، وخارقًا باهرًا، ومعجزة لرسول الله صلى الله عليه وسلم خلقها الله لاصحابه لم ير مثلها فى تلك البلاد، ولا فى بقعة من البقاع، سوى قضية العلاء بن الحضرمى المتقدمة، بل هذا اجل واعظم، فان هذا الجيش كان اضعاف ذلك، قالوا: وكان الذى يساير سعد بن ابى وقاص فى الماء سلمان الفارسى، فجعل سعد رضى الله تعالى عنه يقول:

"حسبنا الله ونعم الوكيل، والله لينصرن الله وليه وليظهرن الله دينه، وليهزمن الله عدوه، ان لم يكن فى الجيش بغى او ذنوب تغلب الحسنات"

فقال له سلمان:

"ان الاسلام جديد، ذللت لهم والله البحور كما ذلل لهم البر، اما والذى نفس سلمان بيده ليخرجن منه افواجًا كما دخلوا افواجًا"

فخرجوا منه كما قال سلمان لم يغرق منهم احد، ولم يفقدوا شيئا۔

ولما استقل المسلمون على وجه الارض خرجت الخيول تنفض اعرافها صاهلة، فساقوا وراء الاعاجم حتى دخلوا المدائن، فلم يجدوا بها احدًا، بل قد اخذ كسرى اهله وما قدروا عليه من الاموال والامتعة والحواصل وتركوا ما عجزوا عنه من

الانعام والثیاب والمتاع، والآنیة والالطاف والادهان ما لایدری قیمته، وکان فی خزانة کسری ثلاثة آلاف الف الف الف دینار ثلاث مرات فاخذوا من ذلک ما قدروا علیه وترکوا ما عجزوا عنه وهو مقدار النصف من ذلک او ما یقاربه، فکان اول من دخل المدائن کتیبة الاهوال ثم الکتیبة الخرساء، فاخذوا فی سککها لا یلقون احدًا ولا یخشونه غیر القصر الابیض ففیه مقاتلة وهو محصن -

فلمّا جاء سعد رضی الله تعالیٰ عنه بالجیش دعا اهل القصر الابیض ثلاثة ایام علی لسان سلمان الفارسی، فلما کان الیوم الثالث نزلوا منه وسکنه سعد واتخذ الایوان مصلّی، وحین دخله تلا قوله تعالیٰ :

”کم ترکوا من جنات وعیون وزروع ومقام کریم، ونعمة کانوا فیها فاکهین کذلک واورثناها قومًا آخرین“

ثم تقدم الی صدره فصلی ثمان رکعات صلاة الفتح، وذکر سیف فی روایته انه صلاها بتسلیمة واحدة وانه جمع بالایوان فی صفر من هذه السنة فکانت اول جمعة جمعت بالعراق، وذلک لان سعدًا رضی الله تعالیٰ عنه نوی الاقامة بها، وبعث الی العیالات فانزلهم دور المدائن واستوطنوها، حتی فتحوا جلولاء وتکریت والموصل، ثم تحولوا الی الکوفة بعد ذلک کما سنذکره، ثم ارسل السرایا فی اثر کسری یزدجرد فلحق بهم طائفة فقتلوهم وشردوهم واستلبوا منهم اموالا عظیمة، واکثر ما استرجعوا من ملابس کسری وتاجه وحلیه، وشرع سعد رضی الله تعالیٰ عنه فی تحصیل ما هنالک من الاموال والحواصل والتحف مما لا یقوم ولا یحد ولا یوصف کثرة وعظمة، وقد روینا انه کان هناک تماثیل من جص فنظر سعد رضی الله تعالیٰ عنه الی احدها واذا هو یشیر باصبعه الی مکان، فقال سعد: ان هذا لم یوضع هکذا سدیً فاخذوا ما یسامت اصبعه فوجدوا قبالتها کنزًا عظیما من کنوز الاکاسرة الاوائل، فاخرجوا منه اموالا عظیمة جزیلة، وحواصل باهرة وتحفًا فاخرة واستحوذ المسلمون علی ما هنالک اجمع مما لم یر احد فی الدنیا اعجب منه، وکان فی جملة ذلک تاج کسری وهو مکلل بالجواهر النفیسة التی تحیر الابصار، ومنطقته کذلک وسیفه وسواره وقباؤه وبساط ایوانه، وکان مربعًا ستون ذراعا فی مثلها من کل جانب، والبساط

مثله سواء، وهو منسوج بالذهب واللآلئ والجواهر الثمينة، وفيه مصور جميع ممالك كسرى، بلاده بانهارها وقلاعها، واقاليمها، وكنوزها، وصفة الزروع والاشجار التي في بلاده، فكان اذا جلس على كرسي مملكته ودخل تحت تاجه، وتاجه معلق بسلاسل الذهب، لانه كان لا يستطيع ان يقله على رأسه لثقله، بل كان يجيء فيجلس تحته ثم يدخل رأسه تحت التاج وسلاسل الذهب تحمله عنه، وهو يستره حال لبسه، فاذا رفع الحجاب عنه خرت له الامراء سجودا۔ وعليه المنطقة والسواران والسيف والقباء المرصع بالجواهر فينظر في البلدان واحدة واحدة، فيسأل عنها ومن فيها من النواب، وهل حدث فيها شيء من الحوادث؟ فيخبره بذلك ولاة الامور بين يديه۔ ثم ينتقل الى الاخرى، وهكذا حتى يسأل عن احوال بلاده في كل وقت لا يهمل امر المملكة، وقد وضعوا هذا البساط بين يديه تذكارا له بشأن الممالك وهو اصلاح جيد منهم في امر السياسة فلما جاء قدر الله زالت تلك الايدي عن تلك الممالك والاراضي وتسلمها المسلمون من ايديهم قسرا، وكسروا شوكتهم عنها واخذوها بامر الله صافية ضافية، ولله الحمد والمنة

(البداية والنهاية ص۶۴ ج ۷، طبری ص۱۱۹ ج ۳)

”کسریٰ تک پہنچنے میں دریائے دجلہ حائل تھا، امیر لشکر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انتہائی کوشش کے باوجود کوئی کشتی نہ مل سکی، ادھر دجلہ میں بہت زبردست طوفان بپا تھا، بہت ہولناک موجوں کے تصادم سے دریا جھاگ پھینک رہا تھا، پانی بالکل سیاہ نظر آرہا تھا، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دجلہ کے کنارے پر اپنے لشکر سے خطاب فرمایا، پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی پھر فرمایا :

”دشمن تک پہنچنے کے لئے اس دریا کو عبور کئے بغیر کوئی راستہ نہیں، میں نے اس سمندر کو قطع کرکے دشمن تک پہنچنے کا فیصلہ کرلیا ہے“

پورے لشکر نے اس فیصلہ کا پرجوش خیر مقدم کیا، آپ نے حکم دیا :

”دریا میں گھوڑے ڈالدو“

دشمن نے یہ منظر دیکھا تو چلانے لگے : ”دیوانے دیوانے“

پھر آپس میں کہنے لگے :

"تم انسانوں سے قتال نہیں کر رہے، تمہارے مقابلہ میں جنات ہیں۔"

دریا میں گھوڑے اُتارتے وقت حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کو یہ کلمات کہنے کا حکم دیا:

"نستعین باللہ ونتوکل علیہ، حسبنا اللہ ونعم الوکیل، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"

پھر آپ نے دریا میں گھوڑا ڈال دیا، ساتھ ہی پورے لشکر نے بھی بے دھڑک دریا میں اپنے گھوڑے ڈال دیئے، ایک شخص نے دریا میں گھوڑا ڈالتے وقت کہا:

"اس نطفہ سے ڈرتے ہو؟"

پھر اس نے یہ آیت پڑھی:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا (۳-۱۴۵)

"اور اللہ کے حکم کے بغیر کسی شخص کو موت آنا ممکن نہیں، اسکی معین میعاد لکھی رہتی ہے۔"

دریا میں ایسے اطمینان سے باہم باتیں کرتے جا رہے تھے جیسے زمین پر چل رہے ہوں، اگر کوئی گھوڑا تھک جاتا تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے دریا میں ٹیلہ بلند فرما دیتے، وہ اس پر رُک کر تازہ دم ہو کر پھر دریا میں چلنے لگتا، دریا کے سفر میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے تھے:

"حسبنا اللہ ونعم الوکیل، واللہ لینصرن اللہ ولیہ، ولیظہرن اللہ دینہ، ولیہزمن اللہ عدوہ، ان لم یکن فی الجیش بغی اوذنوب تغلب الحسنات۔"

"اللہ کی قسم! اللہ اپنے دوستوں کی ضرور مدد کرے گا اور اپنے دین کو ضرور غالب کریگا اور اپنے دشمنوں کو ضرور مغلوب کرے گا جب تک لشکر میں ظلم نہ ہوا اور نیکیوں پر گناہ غالب نہ ہو جائیں۔"

اللہ تعالیٰ کی مدد سے پورا لشکر صحیح سلامت دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا، گھوڑے دریا سے نکلے تو پھریریاں لیکر اپنی گردنوں کے بال جھاڑ رہے تھے اور مستی سے ہنہنا رہے تھے۔

لشکر مدائن میں داخل ہوا تو اس کو بالکل خالی پایا، کسریٰ اپنی فوج سمیت وہاں سے بھاگ گیا تھا، مسلمانوں نے بے حد وحساب بے بہا خزانے پائے۔"

سیاست اسلامیہ ـــــــــ ۴۶

وبعث ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ العلاء الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی البحرین الی اهل الردّة ، وفی حیاة الحیوان بعث العلاء الحضرمی الی البحرین فسلکوا مفازة وعطشوا عطشا شدیدا حتی خافوا الهلاك فنزل وصلی رکعتین ثم قال یاحلیم یا علیم یا علی یا عظیم اسقنا فجاءت سحابة کأنها جناح طائر فقعقعت علیهم وامطرت حتی ملؤا الآنیة وسقوا الرکاب قال ثم انطلقنا حتی اتینا دارین والبحر بیننا وبینهم وفی روایة اتینا علی خلیج من البحر ما خیض فیه قبل ذلك الیوم ولا خیض بعد فلم نجد سفنا وکان المرتدون قد احرقوا السفن فصلی رکعتین ثم قال یاحلیم یا علیم یا علی یا عظیم اجزنا ثم اخذ بعنان فرسه ثم قال جوزوا بسم اللہ ، قال ابوهریرة رضی اللہ عنہ فمشینا علی الماء فواللہ ما ابتل لنا قدم ولا خف ولا حافر وکان الجیش اربعة آلاف ، وفی روایة وکان البحر مسیرة یوم وسخرهجر ، وفی الاکتفاء سار العلاء الحضرمی الی الخط حتی نزل علی الساحل فجاءه نصرانی فقال له ما لی ان دللتك علی مخاضة تخوض منها الخیل الی دارین قال وما تسألنی قال اهل بیت بدارین قال هم لك فخاض به وبالخیل الیهم فظهر علیهم عنوة وسبی اهلها ثم رجع الی عسکره ، وقال ابراهیم بن ابی حبیبة حبس لهم البحر حتی خاضوا الیهم وجاوزه العلاء واصحابه مشیا علی ارجلهم وکانت تجری فیه السفن قبل ثم جرت فیه بعد فقاتلهم فاظفره اللہ بهم وسلموا له ما کانوا منعوا من الجزیة التی صالحهم علیها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویروی انه کان للعلاء بن الحضرمی ومن کان معه جؤار الی اللہ تعالیٰ فی خوض هذا البحر فاجاب اللہ دعاءهم وفی ذلك یقول عفیف بن المنذر وکان شاهدا معهم ؎

الم تر ان اللہ ذلل بحره ۔۔۔ وانزل بالکفار احدی الجلائل

دعانا الذی شق البحار فجاءنا ۔۔۔ باعظم من فلق البحار الاوائل

(خمیس ص ۲۲۱ ج ۲)

”حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرتدین سے جہاد کے لئے حضرت علاء حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر لشکر بنا کر بحرین کی طرف بھیجا ، ایک خشک میدان پر گزر ہوا ، لوگ پیاس کی شدت کی وجہ سے ہلاکت کے قریب پہنچ گئے ، حضرت علاء رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اُترے دو رکعتیں پڑھیں ، پھر یہ دُعا کی :

"یاحلیم یاعلیم یاعلیّ یاعظیم اسقنا"

ایک نہایت معمولی سا بادل اٹھا اور فوراً اس زور سے برسا کہ سب نے پیا، برتنوں کو بھر لیا سواریوں کو پلایا، یہاں سے نبٹ کر دشمن کے تعاقب کے لئے دارین کا قصد کیا، وہاں پہنچنے کے لئے سمندر کو عبور کرنا پڑتا تھا، سمندر الیسا زبردست تھا کہ اس میں کبھی بھی کوئی نہ اس سے پہلے داخل ہوسکا نہ بعد، مرتدین نے کشتیاں بھی جلاڈالی تھیں تاکہ مسلمان ان کا تعاقب نہ کرسکیں حضرت علاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو رکعتیں پڑھ کر دعاء کی:

"یاحلیم یاعلیم یاعلیّ یاعظیم اجزنا"

پھر گھوڑے کی باگ پکڑ کر سمندر میں کود پڑے اور لشکر سے فرمایا:

"اللہ کا نام لے کر کود جاؤ"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"ہم پانی پر چل رہے تھے، اللہ کی قسم! نہ ہمارا قدم بھیگا نہ موزہ بھیگا نہ گھوڑوں کے سُم بھیگے اور چار ہزار کا لشکر تھا"

بعض روایات میں ہے کہ یہ سمندر ایک دن کی مسافت تھا۔

عفیف بن منذر اس جہاد میں شریک تھے انھوں نے اس بارے میں دو شعر کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

"کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ نے سمندر کو مطیع کردیا، اور کفار پر کتنی سخت مصیبت نازل کی۔

ہم نے اس پاک ذات کو پکارا جس نے بنی اسرائیل کے لئے سمندر کو ساکن کردیا تھا، اس نے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل سے بھی زیادہ اعانت کا معاملہ فرمایا"

⑤ اوپر نمبر ۲۸ میں بیل کا قصّہ

اللہ تعالیٰ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واضح ارشادات اور مذکورہ واقعات سے ثابت ہوا کہ کامیابی کا صحیح طریقہ صرف یہی ہے کہ سیاست میں صرف مشروع وجائز طریقے اختیار کئے جائیں، پھر اگر صورۃً کامیابی نہ بھی ہوئی تو حقیقی کامیابی یعنی رضائے الٰہی تو بہرحال حاصل ہے، اور انسان مکلف بھی اسی کا ہے کہ جائز اسباب اختیار کرے اور نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ پھر خواہ غالب ہو یا مغلوب، ظاہراً کامیاب ہو یا ناکام بہرصورت عند اللہ کامیاب ہے۔

حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی کافر نے اچانک نیزہ مارا، خون کا فوارہ پھوٹ پڑا، آپ نے ہاتھ میں خون لیکر چہرے پر ملا اور فرمایا: فزت ورب الکعبۃ، "رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا"۔

دیکھئے بظاہر ناکام ہونے کے باوجود خود کو کامیاب سمجھ رہے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

ومن یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل او یغلب فسوف نؤتیہ اجرا عظیما (۴-۷۴)

قل ھل تربصون بنا الا احدی الحسنیین ط (۹-۵۲)

ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعدا علیہ حقا فی التوراۃ والانجیل والقراٰن ط (۹-۱۱۱)

ان نصوص میں ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے جہاد کرتے ہیں ظاہراً کامیاب ہوں یا ناکام دونوں صورتوں میں بشارتیں ہیں اس لئے کہ اصل مقصد یعنی رضائے الٰہی حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور حدود کی پابندی اور ان کے قوانین پر استقامت کی صورت میں زندہ رہیں یا مرجائیں بہرصورت کامیابی ہی کامیابی ہے ؎

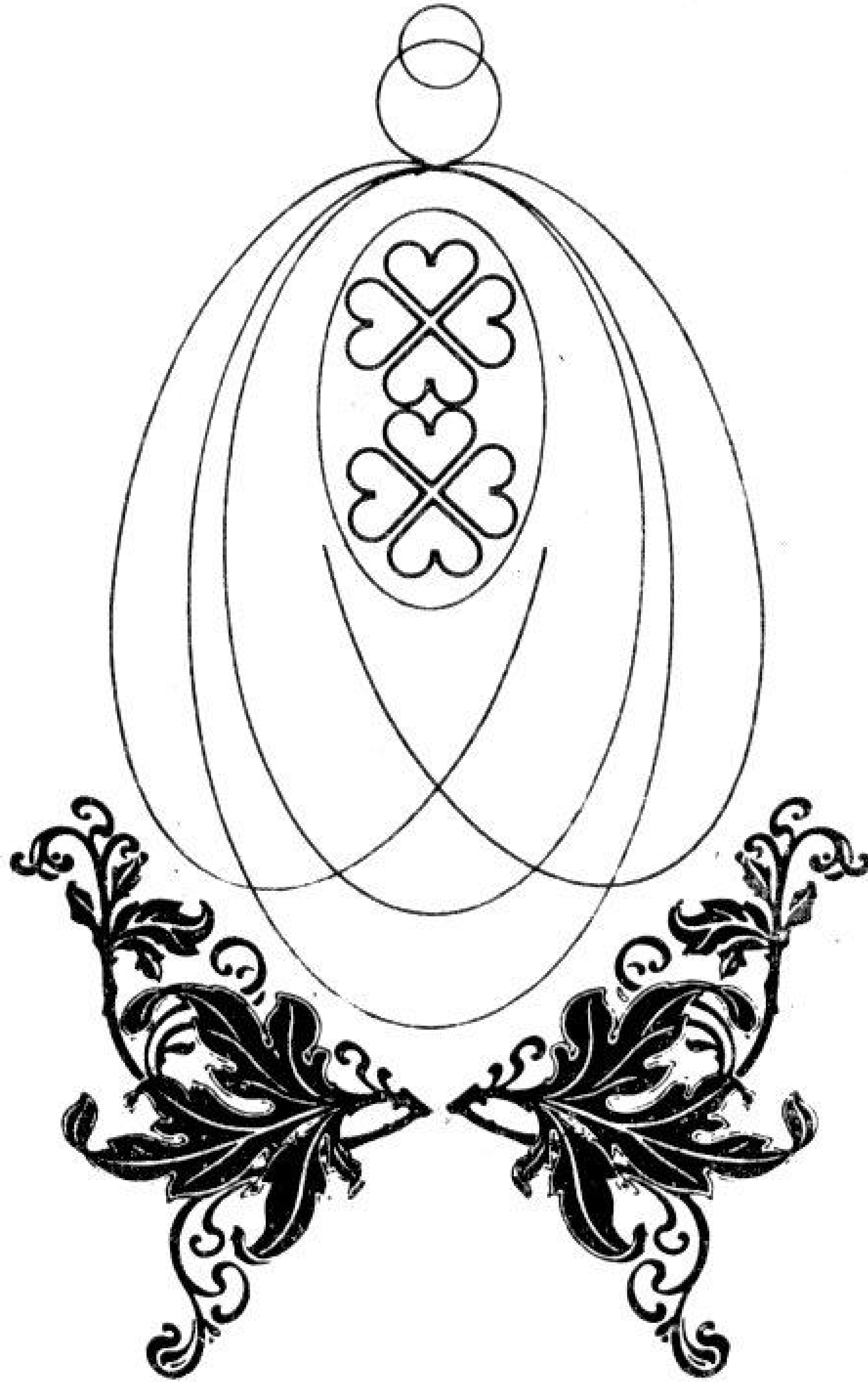
زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو ؛ دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

قرآن مجید میں جگہ جگہ فلاح وفوز کی بشارتیں اور کامیابی کے تمغے صرف ان لوگوں کو عطا کئے گئے ہیں جو ہر حال میں اپنے مالک کی بیان فرمودہ حدود پر قائم رہتے ہیں۔ اولٰئک ھم المفلحون — اولٰئک ھم الفائزون — قد افلح المؤمنون۔ الآیات — ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت۔ الآیۃ

اس قسم کی متعدد آیات میں ہر حالت میں فرمانبردار بندوں کو کامیاب بتایا گیا ہے خواہ بظاہر وہ ناکام ہی کیوں نہ ہوں۔ اصل کامیابی رضائے مالک کی تحصیل ہے جو صرف اسکی اطاعت اور ترک معصیت ہی سے حاصل ہوسکتی ہے، اگر ظاہری کامیابی ہی کو مقصد سمجھ لیا جائے تو اس پر لازم آئیگا کہ معاذ اللہ! بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کامیاب نہیں ہوئے اسلئے کہ ان کو حکومت نہیں ملی، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض نبی ایسے بھی گزرے ہیں کہ ان پر صرف ایک شخص ایمان لایا اور بعض پر ایک شخص بھی ایمان نہیں لایا، اور قرآن کریم میں کئی مقامات میں تصریح ہے کہ بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل

کر دیا گیا، تو کیا معاذ اللہ! یہ سب ناکام رہے؟ ہرگز نہیں، بس کامیابی کے معنی یہ ہیں کہ تحصیل رضائے مولیٰ کی خاطر اس کے بتائے ہوئے قواعد و ضوابط پر ثابت قدم رہے وفقنا اللہ الجمیع لما یحب ویرضیٰ، وھو العاصم من جمیع الفتن، ولہ الحمد اوّلا وآخرا۔

۲۴ رمضان ۹۷ ہجری



حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے سیاسی افکار

تحریر مولانا محمد تقی عثمانی

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ سے اللہ تعالیٰ نے دین کے ہر شعبے میں جو عظیم خدمات لیں اُن کی نظیر ماضی کی کئی صدیوں میں ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ مسلمانوں کی دینی ضرورت کا شاید ہی کوئی موضوع ایسا ہو جس پر حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کا کوئی مفصّل یا مختصر کام موجود نہ ہو۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف، مواعظ اور ملفوظات اپنے دَور کی دینی ضروریات پر مشتمل ہیں اور زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں دین کی تعلیمات کو انھوں نے کسی نہ کسی شکل سے واضح کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔

اس وقت میرے پیشِ نظر حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے سیاسی افکار کی تشریح و توضیح ہے۔ اگرچہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت کسی بھی حیثیت سے کوئی سیاسی شخصیت نہیں تھی اور نہ سیاست آپ کا خصوصی موضوع تھا، لہٰذا آپکی کوئی تصنیف خالصۃً سیاست کے موضوع پر موجود نہیں ہے، لیکن چونکہ اسلام کے احکام دین کے دوسرے شعبوں کی طرح سیاست سے بھی متعلق ہیں اس لئے اسلامی احکام کی تشریح و وضاحت کے ضمن میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے سیاسی احکام پر بھی اپنی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات میں مختصر مگر جامع بحثیں فرمائی ہیں جن میں اسلامی احکام کی توضیح کے ساتھ ساتھ عہدِ حاضر کے دوسرے سیاسی نظاموں اور سیاست کے میدان میں پائی جانے والی فکری اور عملی گمراہیوں پر بھی بھرپور تبصرے شامل ہیں۔ اس مقالے میں انہی بحثوں کا ایک ایسا مطالعہ مقصود ہے جس کے ذریعے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے بیان کے مطابق سیاست کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا ایک واضح تصوّر اُبھر کر سامنے آسکے۔

آج کی دُنیا میں جو سیاسی نظام عملاً قائم ہیں، ان کے کیے ہوئے تصوّرات لوگوں

کے دل و دماغ پر اس طرح چھائے ہوئے ہیں کہ ان کے اثرات سے اپنی سوچ کو آزاد کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے، ان سیاسی نظاموں نے کچھ چیزوں کو اچھا اور کچھ کو بُرا قرار دیکر اپنے ان نظریات کا پروپیگنڈا اتنی شدت کے ساتھ کیا ہے کہ لوگ اس کے خلاف کچھ کہنے یا کرنے کا تصوّر بھی نہیں کرسکتے۔ اوّل تو اس لئے کہ پروپیگنڈے کی مہیب طاقتوں نے ذہن ہی ایسے بنا دیئے ہیں کہ انھوں نے ان نظریات کو ایک مُسلّم سچائی کے طور پر قبول کرلیا ہے، اور دوسرے اس لئے کہ اگر کوئی شخص عقلی طور پر ان نظریات سے اختلاف بھی رکھتا ہو تو ان کے خلاف کچھ بولنا دُنیا بھر کی ملامت اور طعن وتشنیع کو دعوت دینے کے مترادف ہے، لہٰذا وہ خاموشی ہی میں عافیت سمجھتا ہے۔

اس بنا پر جب آج کی دُنیا میں اسلام کی سیاسی تعلیمات کی تشریح کی جاتی ہے تو اچھے اچھے لوگ، جن میں بہت سے علماء بھی داخل ہیں، اپنے ذہن کو زمانے کے ان فیشن ایبل تصوّرات سے آزاد نہیں کرپاتے، اور اس کے نتیجے میں جب وہ اسلام کے مطلوب سیاسی ڈھانچے کی تفصیلات بیان کرتے ہیں تو ان تصوّرات کو مُستعار لے کر اس ڈھانچے میں فِٹ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں، اس طرح اس نازک موضوع پر التباس اور خلط مبحث کی اتنی تہیں چڑھتی چلی گئی ہیں کہ حقیقتِ حال چھُپ کر رہ گئی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ سے اللہ تعالیٰ نے چودہویں صدی میں دین کی تجدید کا عظیم الشان کام لیا، اور یہ کام وہی شخص کرسکتا ہے جس پر قرآن وسُنّت اور مآخذِ شریعت کا پختہ رنگ اس طرح چڑھا ہوا ہو کہ کوئی دوسرا رنگ اس پر نہ چڑھ سکے۔ ایسا شخص زمانے کو جانتا ضرور ہے، لیکن قبول وہی بات کرتا ہے جو اس پختہ رنگ کے مطابق ہو۔ وہ اپنی آنکھیں پوری طرح کھُلی رکھتا ہے، لیکن گرد وپیش میں ہونے والے پروپیگنڈے کے شور وشغب سے مرعوب نہیں ہوتا۔ اور اگر بالفرض ساری دُنیا کسی ایک سمت میں چلی جائے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی توفیقِ خاص سے اُسی بات پر ڈٹا رہتا ہے جو مآخذ شریعت کی رُو سے سچّی اور کھری ہو اور اس کے اظہار میں کوئی مرعوبیت یا شرم یا مخلوق کا خوف اس کے آڑے نہیں آتا۔

سیاست کے معاملے میں بھی حکیم الامت قدس سرہٗ نے دین کی صراطِ مستقیم پر اسی ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا، اور اس دَور میں جب بہت سے باطل نظریات کی آمیزش نے

سیاست کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو ڈھندلا کر دیا تھا، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص سے ان تعلیمات کو اپنی صحیح شکل و صورت میں پیش کیا اور پروپیگنڈے کے کسی شور و شغب سے مرعوب نہیں ہوئے۔

چونکہ آجکل کی سیاست (جس میں وہ سیاست بھی داخل ہے جس کا مقصد اسلام کا نفاذ بتایا جاتا ہے) ایک خاص رُخ پر چل رہی ہے، اور اس میں بعض باتوں کو اُصولِ موضوعہ کے طور پر اس طرح مسلّم سمجھ لیا گیا ہے کہ ان کے خلاف کا تصوّر ہی ذہنوں میں نہیں آتا، اسلئے حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہ سیاسی افکار ان سیاسی ذہنوں کو یقیناً اچنبھے محسوس ہوں گے جو بنیادی طور پر مغربی اندازِ سیاست سے متأثر ہیں لیکن حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہ افکار آپ کے ذاتی افکار نہیں ہیں، بلکہ ان کی بنیاد قرآن و سُنّت اور خلافت راشدہ کے طرزِ عمل پر ہے اور اُنکے پیچھے نقلی اور عقلی دلائل کی مضبوط طاقت ہے، اس لیے ان کا مطالعہ اور ان پر ٹھنڈے دل اور غیر جانبدار ذہن سے غور کرنا ضروری ہے تاکہ حقیقت حال واضح ہو سکے۔

حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے سیاسی افکار کو میں تین حصّوں میں منقسم کر کے پیش کرنا چاہتا ہوں:

(۱) اسلام میں سیاست کا مقام۔

(۲) اسلام کا نظامِ حکومت اور حکومت کے فرائض۔

(۳) اسلام میں سیاسی جدّوجہد کا طریق کار۔

(۱) اسلام میں سیاست کا مقام:

سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ دین میں سیاست کا مقام کیا ہے؟ اور دین میں ایک صحیح سیاسی نظام کے قیام کی اہمیت کس درجے میں ہے؟ عیسائیت کا یہ باطل نظریہ بہت مشہور ہے۔

"قیصر کا حق قیصر کو دو، اور کلیسا کا حق کلیسا کو۔"

جس کا حاصل یہ ہے کہ مذہب کا سیاست میں کوئی عمل دخل نہیں ہے، اور مذہب و سیاست دونوں کا دائرہ عمل مختلف ہے، دونوں کو اپنے اپنے دائرے میں ایک دوسرے کی مداخلت کے بغیر کام کرنا چاہیئے، دین و سیاست کی تفریق کا یہی نظریہ عہدِ حاضر میں ترقی کر کے "سیکولرزم" کی شکل اختیار کر گیا جو آج کے نظامہائے سیاست میں مقبول ترین نظریہ سمجھا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اسلام میں اس نظریئے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اسلام کی تعلیمات چونکہ ہر شعبۂ زندگی سے متعلق ہیں جن میں سیاست بھی داخل ہے، اس لئے اسلام میں سیاست کو دین و مذہب سے بے تعلق رکھنے کا کوئی جواز موجود نہیں ہے۔

چنانچہ عہدِ حاضر میں بہت سے مسلمانوں نے عیسائیت اور سیکولرزم کے اس باطل نظریئے کی پُرزور تردید کی، اور یہ ثابت کیا کہ سیاست کو دین سے الگ نہیں کیا جا سکتا، بقولِ اقبال مرحوم ع

جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

لیکن سیکولرزم اور دین و سیاست کی تفریق کے اس نظریئے کی پُرزور تردید کرتے ہوئے بہت سے مسلمان مفکرین اور اہلِ قلم سے ایک نہایت باریک غلطی واقع ہوگئی جو دیکھنے میں بڑی باریک اور معمولی تھی، لیکن اس کے اثرات بہت دُور رس تھے۔ اس باریک غلطی کو ہم مختصر لفظوں میں بیان کرنا چاہیں تو اسے اس طرح تعبیر کر سکتے ہیں کہ انھوں نے "سیکولرزم" کی تردید کے جوش میں سیاست کو اسلامی بنانے کے بجائے اسلام کو سیاسی بنا دیا، کہنا یوں تھا:

"سیاست کو دین سے الگ نہ ہونا چاہیئے"۔

لیکن کہا یوں:

"دین کو سیاست سے الگ نہیں ہونا چاہیئے"۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کے بہت سے احکام سیاست و حکومت سے متعلق ضرور ہیں اور ایمان کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ہر مسلمان اسلام کے دوسرے احکام کی طرح ان احکام پر بھی بقدر استطاعت عمل کرنے اور کرانے کی کوشش کرے، حاکم کا فرض ہے کہ وہ اسلامی احکام کو نافذ کرے اور انہی احکام کے مطابق حکومت کرے اور عوام کا فرض ہے کہ وہ شرعی احکام کے مطابق ایسی حکومت کے قیام کی کوشش اور اگر وہ قائم ہو جائے تو اس کی اطاعت کریں۔

لیکن عہد حاضر کے بعض مفکرین اور مصنفین، جنہوں نے سیکولرزم کی تردید میں کام کیا، تردید کے جوش میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ انھوں نے سیاست اور حکومت کو اسلام کا مقصودِ اصلی، اس کا حقیقی نصب العین اور بعثتِ انبیاء علیہم السلام کا

مطمحِ نظر، بلکہ انسان کی تخلیق کا اصل ہدف قرار دیدیا اور اسلام کے دوسرے احکام مثلاً عبادات وغیرہ کو نہ صرف ثانوی حیثیت دیدی، بلکہ انھیں اسی مقصودِ اصلی یعنی "سیاست" کے حصول کا ایک ذریعہ اور اس کی تربیت کا ایک طریقہ قرار دیدیا۔

اس انتہا پسندی کا پہلا زبردست نقصان تو یہ ہوا کہ اسکے نتیجے میں دین کی مجموعی تصویر اور اسکی ترجیحات کی ترتیب (ORDER OF PRIORITY) اُلٹ کر رہ گئی، جو چیز وسیلہ تھی وہ مقصد بن کر ہمہ وقت دل و دماغ پر چھا گئی، اور جو مقصد تھا وہ ایک غیر اہم وسیلہ بن کر پس منظر میں چلا گیا، چنانچہ اس طرزِ فکر کے تحت ذہن کچھ اس طرح کا بن گیا کہ ایک مسلمان کا اصل مقصدِ زندگی سیاست اور حکومت کی اصلاح ہونا چاہیئے، کام وہی کام ہے جو اس راستے میں انجام دیا جائے، قربانی وہی قربانی ہے جو اس راہ میں پیش کی جائے، اور مثالی انسان وہی انسان ہے جس نے اس کام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا کر دن رات اس کے لئے وقف کر رکھے ہوں۔ اور دین کے دوسرے شعبوں مثلاً طاعات وعبادات، زہد وتقویٰ، اصلاحِ نفس اور خشیت وانابت وغیرہ کی نہ صرف یہ کہ کوئی خاص اہمیت باقی نہ رہی بلکہ جو شخص ان کاموں میں مشغول ہو اسکے بارے میں یہ تصوّر قائم کر دیا گیا کہ گویا وہ مبادی میں اُلجھا ہوا ہے اور دین کے بنیادی مقاصد سے دُور ہے۔

دوسرا نقصان یہ ہوا کہ جب اسلام کا مقصدِ اصلی سیاست وحکومت قرار پایا، اور عبادات وغیرہ کے احکام کی حیثیت محض وسیلے کی ہو گئی تو یہ ایک بدیہی بات ہے کہ کبھی کبھی وسائل کو مقصد پر قربان بھی کرنا پڑتا ہے، اور مقصد کے حصول کے لئے اگر کبھی کسی وسیلے میں کچھ اونچ نیچ یا کمی بیشی بھی ہو جائے تو وہ گوارا کر لی جاتی ہے۔ لہٰذا مذکورہ انتہا پسندی کے نتیجے میں شعوری یا غیر شعوری طور پر اس بات کی بڑی گنجائش پیدا ہو گئی کہ سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے عبادات وغیرہ کے احکام میں کوئی کمی کوتاہی بھی ہو جائے تو وہ قابلِ ملامت نہیں، کیونکہ وہ ایک بڑے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہوئی ہے۔

سیاست کو دین کا ایک شعبہ نہیں، بلکہ دین کا مقصودِ اصلی قرار دینے کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے تجارت ومعیشت بھی دین کا ایک شعبہ ہے، اس حیثیت

سے دین کے بہت سے احکام تجارت و معیشت سے بھی متعلق ہیں بلکہ کسب حلال کے بہت سے فضائل بھی احادیث میں وارد ہوئے ہیں، اب اگر ان فضائل کے پیش نظر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ دین کا اصل مقصد ہی تجارت و معیشت اور کسب حلال ہے تو یہ بات اتنی غلط ہوگی کہ اس پر دلائل قائم کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

بعینہ اسی طرح سیاست اس معنی میں دین کا ایک شعبہ ضرور ہے کہ دین کے بہت سے احکام اس سے متعلق ہیں اور اسکے بہت سے فضائل بھی قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں لیکن ان فضائل کی بنیاد پر اسکو دین کا مقصود اصلی قرار دینا ایسی ہی غلطی ہے جیسے تجارت و معیشت کو دین کا اصل نصب العین قرار دینا۔

لیکن چودہویں صدی ہجری کے آغاز میں جب سے مسلمانوں میں مغربی استعمار سے آزاد ہونے کی تحریکات شروع ہوئیں، اُسوقت سے وہ انتہا پسندانہ طرزِ فکر عام ہوتا گیا جس میں سیاست کو "خلافت فی الارض" اور "حکومتِ الٰہیہ" وغیرہ کے عنوانات سے دین کا بنیادی مقصد قرار دے لیا گیا۔ طرز فکر کی اس غلطی نے مسلمانوں میں اتنی آہستگی سے اپنی جگہ بنائی کہ اچھے اچھے لوگوں کو یہ احساس نہ ہوسکا کہ ان کے فکر و عمل کا کانٹا تبدیل ہوگیا ہے۔ "سیاسی استقلال" کی ضرورت و اہمیت اس درجہ ذہنوں پر چھائی ہوئی تھی کہ اس باریک مگر دُور رس غلطی پر غور کر کے "دین میں سیاست" کا صحیح مقام متعین کرنے کی فرصت ہی نہ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تصور بعض حضرات نے شعوری طور پر اختیار کیا اور بعض نے غیر شعوری طور پر، اور تحریکات کے اجتماعی عمل نے اس پر ایسی مہر ثبت کر دی کہ اچھے اچھے اہلِ علم کو بھی کانٹے کی اس تبدیلی کا احساس نہ ہوسکا۔

اس ماحول میں احقر کے علم کے مطابق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس باریک غلطی کو دوٹوک لفظوں میں واضح فرمایا اور قرآن و سنت کے دلائل سے ثابت کیا کہ دین میں سیاست کا صحیح مقام کیا ہے؟

حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ۔

"وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین کی حکومت عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔"

اس سے واضح ہے دیانات مقصود بالذات ہیں، اور سیاسیات و جہاد مقصودِ اصلی نہیں، بلکہ اقامتِ دیانات کا وسیلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیانت اور احکامِ دیانت تو انبیاء علیہم السلام کو مشترک طور پر سب کو دیئے گئے اور سیاسیات و جہاد سب کو نہیں دیا گیا، بلکہ جہاں ضرورت و مصلحت سمجھی گئی حکومت دی گئی ورنہ نہیں۔ وسائل کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ ضرورت ہی کے لئے دیئے جاتے ہیں۔

شاید کسی کو یہ شبہہ ہو کہ دوسری آیات میں تو اسکے خلاف مضمون موجود ہے جس سے دیانت کا وسیلہ ہونا اور تمکین فی الارض اور سیاست کا مقصود ہونا سمجھ میں آرہا ہے اور وہ یہ ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ۔

"تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے قوت دیگا۔"

یہاں ایمان و عملِ صالح کو شرط قرار دیا جا رہا ہے تمکین فی الارض کی، جس سے تمکین و سیاست کا مقصود اصلی ہونا لازم آتا ہے۔

سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں ایمان اور عمل صالح پر تمکین و شوکت کا وعدہ کیا گیا ہے اور بطور خاصیت کے شوکت کا دین پر مرتب ہونا ذکر فرمایا گیا ہے، پس دین پر سیاست و قوت موعود ہوئی لیکن موعود کا مقصود ہونا ضروری نہیں، ورنہ آیت کریمہ:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ۔

"اور اگر یہ لوگ تورات کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی (یعنی قرآن) اس کی پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے۔"

جس میں اقامتِ تورات و انجیل و قرآن، یعنی عمل بالقرآن پر وسعتِ رزق کا وعدہ کیا گیا ہے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ دین سے یہ مقصود ہے؟ بلکہ دین پر موعود ہے کہ دیندار بھوکا ننگا نہیں رہ سکتا، پس موعود کا مقصود ہونا ضروری نہیں۔ یہاں بھی ایمان و عملِ صالح پر شوکت و قوّت اور سیاست وغیرہ موعود ہیں جو بطور خاصیت اس پر مرتب ہوں گی، نہ کہ مقصود جو اسکی غایت کہلائے۔

بہرحال! واضح ہوا کہ سیاست و دیانت میں سیاست وسیلہ ہے اور دیانت مقصود اصلی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیاست کسی درجے میں بھی مطلوب نہیں، بلکہ اس کا درجہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ خود مقصود اصلی نہیں اور دیانت خود مقصودِ اصلی ہے۔"
(اشرف السوانح جلد ۴ (خاتمۃ السوانح) ص ۲۹،۲۸ طبع ملتان)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک صفحے کی اس مختصر مگر انتہائی پُرمغز اور جامع تقریر میں اللہ تعالیٰ کی توفیقِ خاص سے موضوع کو اسقدر واضح فرمادیا ہے کہ اس میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہا جس کا خلاصہ یہ ہے:

"نہ وہ سیکولر نظریہ درست ہے کہ سیاست وحکومت میں دین کا کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہیئے، اور نہ یہ خیال صحیح ہے کہ دین کا اصلی مقصد سیاست وحکومت ہے، واقعہ یہ ہے کہ دین کا اصل مقصد بندے کا اپنے اللہ سے تعلق قائم کرنا ہے جسکا مظاہرہ عبادات و طاعات کے ذریعے ہوتا ہے۔ سیاست وحکومت بھی اسی مقصد کی تحصیل کا ایک ذریعہ ہے جو نہ بجائے خود مقصد ہے اور نہ اقامتِ دین کا مقصد اس پر موقوف ہے، بلکہ وہ حصولِ مقاصد کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے۔

لہٰذا اسلام میں وہی سیاست وحکومت مطلوب ہے جو اس مقصد میں مُمِدّ و معاون ہو، اس کے برعکس جو سیاست اس مقصد کو پورا کرنے کے بجائے دین کے اصل مقاصد میں کتر بیونت کرکے انھیں مجروح کرے، وہ اسلامی سیاست نہیں ہے خواہ اس کا نام "اسلامی" رکھدیا گیا ہو۔"

(۲) اسلام کا نظامِ حکومت:

قرونِ وسطیٰ میں یورپ کے اندر جو شخصی حکومتیں عام طور سے رائج رہی ہیں وہ مطلق العنان بادشاہتیں تھیں جن میں بادشاہ کی زبان قانون کی حیثیت رکھتی تھی اور اس

پر کوئی قانونی قدغن عائد نہیں ہوتی تھی۔ اس مطلق العنان حکمرانی کے نتیجے میں ظلم وستم اور ناانصافیوں کا بازار گرم رہا، اس لئے اس کے خلاف یورپ میں شدید ردِ عمل ہوا۔ "شخصی حکومت" کو بذات خود نہایت معیوب سمجھا جانے لگا اور اسکی جگہ "جمہوریت" کو ایک مثالی طرزِ حکومت کے طور پر پیش کیا گیا، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ شخصی حکومتیں ختم ہوگئیں اور ان کی جگہ جمہوری نظامِ حکومت وجود میں آیا، بیشتر ملکوں میں جمہوریت قائم کی گئی، یہانتک کہ جمہوریت کو ایک ایسا فیشن ایبل نظامِ حکومت سمجھا جانے لگا جو سیاست میں عدل وانصاف اور حق وصداقت کا ضامن ہے۔ چنانچہ گزشتہ (ہجری) صدی سے لے کر اب تک جتنی سیاسی تحریکیں اُٹھی ہیں، اُن کے ذہن میں "جمہوریت" کی حیثیت (معاذاللہ) ایک ایسے "کلمہ طیبہ" کی ہوگئی ہے جس کے بغیر آج کے دور میں سیاست کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

دُنیا بھر پر چھائے ہوئے اس پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عہد حاضر میں جو سیاسی جماعتیں اسلام کا نام لے کر اُٹھی ہیں، ان کی اکثریت بھی نہ صرف یہ کہ جمہوریت کو ایک مُسلّم اُصول قرار دے کر آگے بڑھی ہے، بلکہ انھوں نے بھی اپنے مقاصد میں جمہوریت کے قیام کو سرِفہرست رکھا ہے اور خود اپنی جماعت کو بھی جمہوری ڈھانچے پر تعمیر کیا ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں یہ دعوے بھی بکثرت کئے گئے ہیں کہ جمہوریت اسلام کے عین مطابق ہے بلکہ اسلام نے جمہوریت ہی کی تعلیم دی ہے، کسی نے بہت احتیاط کی تو یہ کہدیا کہ جمہوریت کے جو اجزاء اسلام کے خلاف ہیں، ہم ان کے قائل نہیں ہیں، لہٰذا ہماری جمہوریت "اسلامی جمہوریت" ہے۔

یہ تصوّرات ہمارے دَور میں اسقدر مشہور ہوگئے ہیں کہ ان کے خلاف کچھ سوچنا یا کہنا دنیا بھر کی لعنت وملامت کو اپنے سر لینے کے مترادف ہے، اور اگر ایسے ماحول میں کوئی شخص جمہوری حکومت کے بجائے شخصی حکومت کی حمایت کرے تو ایسا شخص تو آج کی سیاسی فضا میں تقریباً کلمہ کفر کہنے کا مرتکب سمجھا جانے لگا ہے۔

لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور خالص دین کی دعوت وتجدید کے لئے منتخب فرمایا ہو، وہ زمانے پر چھائے ہوئے تصوّرات اور خوشنما نعروں سے مرعوب ومتأثر نہیں ہوتا، بلکہ ہر حال میں حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیتا ہے چنانچہ حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے کبھی ایک لمحے کے لئے بھی یہ تسلیم نہیں فرمایا کہ اسلام نے جمہوریت کی تعلیم دی ہے یا جمہوریت اسلام کے عین مطابق ہے۔ اس کے بجائے انھوں نے اپنے متعدد مواعظ و ملفوظات و تصانیف میں جمہوریت پر نہایت جاندار تنقیدیں کی ہیں اور اپنے دینی نقطۂ نظر سے اس کی خرابیوں کو واضح فرمایا ہے۔

عام طور سے جمہوریت کے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں صرف اتنا خیال رہا کہ مطلق العنان بادشاہت کے مقابلے میں یہ نظام عوام کو آزادیٔ اظہار رائے عطا کرتا ہے اور حکمرانوں پر ایسی پابندیاں عائد کرتا ہے جن کے ذریعے وہ بے مہار نہ ہوسکیں۔ اور چونکہ اسلام نے "مشاورت" کا حکم دیا ہے، اس لئے "جمہوریت" کو "مشاورت" کے ہم معنیٰ سمجھ کر لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ "جمہوریت" عین اسلام ہے۔ حالانکہ بات اتنی سادہ نہیں ہے، درحقیقت "جمہوری نظامِ حکومت" کے پیچھے ایک مستقل فلسفہ ہے جو دین کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں چل سکتا، اور جس کے لئے سیکولرزم پر ایمان لانا تقریباً لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

جمہوریت کی حقیقت واضح کرنے کے لئے یہ جملہ مشہور ہے:

"IT IS A GOVERNMENT OF THE PEOPLE BY THE PEOPLE FOR THE PEOPLE"

جمہوریت عوام کی حکومت کا نام ہے جو عوام کے ذریعے اور عوام کے فائدے کے لئے قائم ہوتی ہے۔

لہٰذا "جمہوریت" کا سب سے پہلا رُکنِ اعظم یہ ہے کہ اس میں عوام کو حاکمِ اعلیٰ تصوّر کیا جاتا ہے اور عوام کا ہر فیصلہ جو کثرتِ رائے کی بُنیاد پر ہوا ہو وہ واجب اور ناقابلِ تنسیخ سمجھا جاتا ہے۔ کثرتِ رائے کے اس فیصلے پر کوئی قدغن اور کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ اگر دستورِ حکومت عوامی نمائندوں کے اختیارِ قانون سازی پر کوئی پابندی بھی عائد کر دے (مثلاً یہ کہ وہ کوئی قانون قرآن و سُنّت کے یا بنیادی حقوق کے خلاف نہیں بنائے گی) تو یہ پابندی اس لئے واجب التعمیل نہیں ہوتی کہ یہ عوام سے بالاتر کسی اتھارٹی نے عائد کی ہے۔ یا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے

جسے ہر حال میں ماننا ضروری ہے، بلکہ صرف اس لئے واجب التعمیل سمجھی جاتی ہے کہ یہ پابندی خود کثرتِ رائے نے عائد کی ہے۔ لہٰذا اگر کثرتِ رائے کسی وقت چاہے تو اسے منسوخ بھی کر سکتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جمہوریت نے کثرتِ رائے کو (معاذ اللہ) خدائی کا مقام دیا ہوا ہے کہ اس کا کوئی فیصلہ رَد نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اسی بنیاد پر مغربی ممالک میں بد سے بدتر قوانین کثرتِ رائے کے زور پر مسلسل نافذ کئے جاتے رہے ہیں، اور آج تک نافذ کئے جا رہے ہیں۔ زنا جیسی بدکاری سے لے کر ہم جنسی جیسے گھناؤنے عمل تک کو اسی بنیاد پر سندِ جواز عطا کی گئی ہے، اور اس طرزِ فکر نے دنیا کو اخلاقی تباہی کے آخری سرے تک پہنچا دیا ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے کثرتِ رائے کے اس جمہوری فلسفے پر جا بجا تبصرے فرما کر اس کی کمزوری کو واضح کیا ہے۔

قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

”اور اگر آپ زمین والوں کی اکثریت کی اطاعت کریں گے تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے۔“

کثرتِ رائے کو معیارِ حق قرار دینے کے خلاف اس سے زیادہ واشگاف اعلان اور کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن زمانے پر چھائے ہوئے نظریات سے مرعوب ہو کر مسلمانوں میں بھی یہ خیال تقویت پا گیا کہ جس طرف کثرتِ رائے ہوگی وہ بات ضرور حق ہوگی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے اپنی تالیفات اور مواعظ و ملفوظات میں بہت سے مقامات پر اس پھیلی ہوئی غلطی کی تردید فرمائی ہے، ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

”آجکل یہ عجیب مسئلہ نکلا ہے کہ جس طرف کثرتِ رائے ہو وہ بات حق ہوتی ہے، صاحبو! یہ ایک حد تک صحیح ہے، مگر یہ بھی معلوم ہے کہ رائے سے کس کی رائے مراد ہے؟ کیا ان عوام کالانعام کی؟ اگر انہی کی رائے مراد ہے تو کیا وجہ کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کی رائے

سیاست اسلامیہ ———— ٦١

پر عمل نہیں کیا، ساری قوم ایک طرف رہی اور حضرت ہود علیہ السلام ایک طرف۔ آخر انھوں نے کیوں توحید کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار نہ کی؟ کیوں تفریقِ قوم کا الزام سر لیا؟ اسی لئے کہ وہ قوم جاہل تھی، اُس کی رائے جاہلانہ رائے تھی۔"

(فضائل العلم والخشیۃ ص ۳۰ و معارف حکیم الامت ص ۶۱۷)

مطلب یہ ہے کہ عوام کی کثرت رائے کبھی معیار حق نہیں ہو سکتی، کیونکہ عوام میں اکثریت عموماً بے علم یا کم علم لوگوں کی ہوتی ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

"مولانا محمد حسین الٰہ آبادی نے سید احمد خان سے کہا تھا کہ آپ لوگ جو کثرتِ رائے پر فیصلہ کرتے ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ حماقت کی رائے پر فیصلہ کرتے ہو، کیونکہ قانون فطرت یہ ہے کہ دنیا میں عقلاء کم ہیں اور بیوقوف زیادہ، تو اس قاعدے کی بناء پر کثرت رائے کا فیصلہ بیوقوفی کا فیصلہ ہوگا۔" (تقلیل الاختلاط مع الانام صہ ۱۲ و معارف حکیم الامت صہ ۶۲۶)

ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

"(غزوہ اُحد میں) اُن پچاس آدمیوں میں جو پہاڑ کی گھاٹی پر متعین تھے، اختلاف ہوا، بعض نے کہا کہ ہمارے بھائیوں کو فتح حاصل ہوگئی ہے، اب ہم کو گھاٹی پر رہنے کی ضرورت نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس غرض کے لئے ہم کو یہاں متعین کیا تھا وہ غرض حاصل ہو چکی، اس لئے حکمِ قرار بھی ختم ہو گیا، اب یہاں سے ہٹنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصود کی مخالفت نہ ہوگی، اور ہم نے اب تک جنگ میں کچھ حصہ نہیں لیا تو کچھ ہم کو بھی کرنا چاہیے۔ ہمارے بھائی کفار کا تعاقب کر رہے ہیں، ہم کو مال غنیمت جمع کر لینا چاہیے، بعض نے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما دیا تھا کہ بدون میری اجازت کے یہاں سے نہ ہٹنا۔ اس لئے ہم کو بدون آپ کی اجازت کے ہرگز نہ ہٹنا چاہیے، مگر پہلی رائے والوں نے نہ مانا اور چالیس آدمی گھاٹی سے ہٹ کر مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے،

یہ اُن سے اجتہادی غلطی ہوئی اور گھاٹی پر صرف دس آدمی اور ایک افسر انکے رہ گئے۔
اس واقعہ میں کثرت رائے غلطی پر تھی اور قلت رائے صواب پر تھی،
جو لوگ کثرتِ رائے کو علامتِ حق سمجھتے ہیں۔ وہ اس سے سبق حاصل کریں۔"
(ذم النسیان ص ۱۲، معارف حکیم الامت ص ۶۱۸)

اسی وعظ میں آگے چل کر حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے کثرت رائے کی لازمی حقانیت کے خلاف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرزِ عمل کی مثال بھی دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو انکے خلاف آپ نے جہاد کا ارادہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت بیشتر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے یہ تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ جہاد نہ کیا جائے، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی رائے پر قائم رہے اور اسی کے مطابق فیصلہ بھی ہوا اور بعد میں سب لوگوں نے یہ اعتراف کیا کہ صائب رائے یہی تھی۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے کثرتِ رائے کو معیارِ حق قرار دینے کے نظریئے پر شرعی اور عقلی دونوں قسم کے دلائل سے تنقید فرمائی ہے اور سادہ سادہ لفظوں میں ایسے حقائق بیان فرما دیئے ہیں کہ جب بھی کوئی شخص ٹھنڈے دل سے غور کریگا اسی نتیجے تک پہنچے گا۔ چنانچہ جدید علم سیاست کے بعض حقیقت پسند ماہرین نے بھی "جمہوریت" کے ان نقائص کو تسلیم کیا ہے۔ ایک مشہور ماہر سیاسیات ایڈمنڈ بورک (BURKE) لکھتا ہے:

"اکثریت کے فیصلے کو تسلیم کرنا کوئی فطرت کا قانون نہیں ہے، کم تعداد بعض اوقات زیادہ مضبوط طاقت بھی ہو سکتی ہے، اور اکثریت کی حرص و ہوس کے مقابلے میں اسکے اندر زیادہ معقولیت بھی ہو سکتی ہے، لہٰذا یہ مقولہ:
"اکثریت کے فیصلے کو قانون بننا چاہیئے"
اس میں افادیت اور پالیسی کی بھی اتنی ہی کمی ہے جتنی حقانیت کی" [1]

---

[1] Quoted by A. Appadorai, The Substance of Politics, Oxford University Press 9th ed. 1961 p. 133.

حکیم الامت قدس سرہٗ ایک اور وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں :

"اوّل تو کثرتِ رائے میں احمقوں کو جمع کیا جاتا ہے، ان کی کثرت تو حماقت ہی کی طرف ہوگی، پھر ان سے بھی پہلے اپنی رائے منوائی جاتی ہے اور سبق کی طرح پڑھا دیا جاتا ہے کہ ہم یوں کہیں گے تم یُوں کہدینا، جیسے وکیل گواہوں کو پڑھایا کرتے ہیں، اب وہ کثرت کیا خاک ہوتی"

(وعظ "الانسار" مأخوذ از اصلاح المسلمین ص ۵۱۰ مطبوعہ ادارۂ اسلامیات، لاہور)

بعض جمہوریت پرست لوگوں نے حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس تبصرے کو ایک سطحی تبصرہ قرار دینے کی کوشش کی ہے اور بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ یہ ایک ایسے بزرگ کا تبصرہ ہے جن کا میدان علمِ سیاست نہیں تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی نگاہ اپنی گوشہ نشینی کے باوجود زمانے کی دُکھتی ہوئی رگوں پر ہوتی تھی۔ ان کا اصل مأخذ قرآن وسُنت تھے اور وحی کی اسی روشنی نے اُنھیں وہ نورِ فراست عطاء فرمادیا تھا جس کے ذریعے وہ ان مسائل کو انتہائی سادگی سے بیان فرما گئے ہیں جن کو لوگوں نے ایک مستقل فلسفہ بنا رکھا ہے، چنانچہ یہ تبصرہ بھی اسی فراستِ ایمانی کا نتیجہ تھا علمِ سیاست بیشک آپ کا اصل میدان نہیں تھا، لیکن جو سچائی وحی کے نور سے معلوم ہوئی ہو اُسے رسمی علوم کی حاجت نہیں ہوتی۔

لیکن اس علمِ سیاست کے وہ ماہرین بھی جنھوں نے پروپیگنڈے سے ذرا آزاد ہوکر سوچنے کی کوشش کی ہے وہ بھی بالآخر اسی نتیجے تک پہنچے ہیں۔

ڈاکٹر اے اپادورائے برصغیر میں اپنی سیاسی تصانیف کی وجہ سے خاصے مشہور ہیں وہ "جمہوریت" کے تعارف اور اسکی کامیابی کی شرائط پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"جمہوریتوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہ شرائط (جن کے وجود پر جمہوریت کی کامیابی موقوف ہے) شاذونادر ہی پوری ہوئی ہیں عملی اعتبار سے جمہوریت دراصل جہالت کی حکمرانی کا نام ہے۔ اس کی ساری توجہ کمیّت اور تعداد (QUANTITY) پر رہتی ہے۔ کیفیت (QUALITY) پر نہیں۔ اس میں ووٹ گنے جاتے ہیں انھیں تولا نہیں جاتا۔ شہریوں کی بہت بڑی تعداد اب بھی حکومت کو اپنے بنیادی وظائفِ زندگی میں سے نہیں سمجھتی، چنانچہ

اس کو حکومت سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوتی، وہ کام کرتی اور کھیلتی رہتی ہے اپنے پیشہ ورانہ اور فنی کاموں کو انجام دیتی رہتی ہے، ہل چلاتی، بیج بوتی، فصلیں کاٹتی اور انھیں بیچتی رہتی ہے، اور یہ بھول جاتی ہے کہ وہ دراصل ملک کی حاکم ہے۔ جمہوریت میں یہ حقیقی خطرہ موجود ہے کہ شہریوں کی ایسی ذہنی تربیت نہیں ہو پاتی جس کے ذریعہ وہ ان مسائل کے حقیقی مفہوم کا ادراک کر سکیں جو انتخابات کے موقع پر ان کے سامنے فیصلے کیلئے آتے ہیں لہٰذا وہ طبقاتی جذبات اور نعروں سے گمراہ ہو سکتے ہیں۔ سر ہنری مین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جمہوریت کبھی بھی اکثریت کی حکمرانی کی نمائندگی نہیں کر سکتی، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ عوام تو محض اپنے لیڈروں کی آراء کو تسلیم کرتے ہیں۔" [۱]

مغرب کے مشہور مؤرخ اور فلسفی کارلائل کا یہ اقتباس علم سیاست میں کافی شہرت پا گیا ہے۔

Surely, of all "rights of man", this right of the ignorant man to be guided by the wiser, to be, gently or forcibly, held in the true course by him, is the indisputablest. Nature herself ordains it from the first, society struggles towards perfection by enforcing and accomplishing it more and more . . . . In Rome and Attens, as elsewhere if you look practical we shall find that it was not by loud voting and debating of many, but by wise inright and order-ing of a few that the word war done. So is it ever, so will it ever be".

"انسانی حقوق" میں یقینی طور پر جاہل افراد کا یہ حق سب سے زیادہ غیر متنازع ہے کہ عقل مند افراد انکی رہنمائی کریں اور انھیں نرمی سے یا طاقت کے ذریعہ سیدھے راستے پر رکھیں، فطرت کا شروع سے یہی حکم ہے اسی حکم کو نافذ کر کے اور اسکی زیادہ سے زیادہ تکمیل کر کے ہی سوسائٹی کمال تک پہنچنے کی جدوجہد کرتی ہے۔

---

[۱] A. Appadorai, op cit p. 133

اگر ہم عملی نقطۂ نظر سے دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ روم اور ایتھنز میں دوسرے مقامات کی طرح بلند آواز سے رائے شماری کرنے اور بہت سے لوگوں کے بحث مباحثے کے ذریعے نہیں بلکہ گنے چُنے افراد کے حکم سے کام چلتا تھا، یہ بات ہمیشہ سے سچ رہی ہے، لہٰذا آئندہ بھی یہی بات سچ رہے گی۔"[۵۱]

شخصی حکومت:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے جمہوریت پر تنقید فرماتے ہوئے کئی مقامات پر اس کے مقابلے میں "شخصی حکومت" کی حمایت فرمائی ہے۔ آج کے جمہوریت پرست دور میں شخصی حکومت کی حمایت کلمۂ کفر کی طرح نشانۂ ملامت سمجھی جاتی ہے۔ لیکن اس کے بنیادی سبب دو ہیں۔ ایک یہ کہ جمہوریت کی حمایت میں پروپیگنڈا اس قدر زور شور کے ساتھ کیا گیا ہے کہ کسی مخالف نظام حکومت پر سنجیدگی کے ساتھ سوچنے پر ہی ذہن آمادہ نہیں ہوتے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ "شخصی حکومت" کا نام آتے ہی ذہن ان مطلق العنان بادشاہوں کیطرف چلا جاتا ہے جن کی زبان قانون کی حیثیت رکھتی تھی اور ان پر کوئی بالاتر پابندی عائد نہ تھی، یا پھر اس نام سے اُن فاشی حکمرانوں کا تصور آجاتا ہے جن کے نزدیک حکومت کی بنیاد محض زور زبردستی پر تھی۔ حالانکہ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ "شخصی حکومت" سے وہ "مثالی اسلامی حکمران" مراد لیتے ہیں جسے "امیر المؤمنین" یا خلیفۂ وقت کہا جاتا ہے۔

اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ دنیا میں جو غیر اسلامی شخصی حکومتیں رائج رہی ہیں ان کی خرابیوں اور مفاسد کے اسباب مندرجۂ ذیل ہیں:

(۱) اُن "شخصی حکومتوں" کی بنیاد بادشاہتوں میں عموماً خاندانی وراثت پر تھی اور فاشزم کے فلسفے میں صرف "قوت" پر، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو قوی ہو وہ کمزور پر حکومت کا حق لیکر آیا ہے۔

لہٰذا ان شخصی حکومتوں کے قیام میں سنجیدہ غور و فکر اور مناسب انتخاب کا کوئی قابلِ ذکر کردار نہیں تھا۔

---

[۵۱] Chartism (1839) as quoted by Appadorai, op cit p. 128.

(۲) ان شخصی حکمرانوں کے لئے کوئی ایسی لازمی صفاتِ اہلیت ضروری نہیں تھیں جن کے بغیر وہ حکمرانی کے منصب تک نہ پہنچ سکتے ہوں۔

(۳) یہ شخصی حکومتیں عموماً ایسے آسمانی قوانین کی پابند نہیں تھیں جو اُن کے فیصلوں کو لگی بندھی حدود میں محدود رکھ سکیں۔

لہٰذا قانون ساز وہ خود تھے اور مطلق العنان ہونے کی بناء پر ان کی زبان قانون بن گئی تھی۔

(۴) ان حکومتوں میں کوئی ایسا لازمی ادارہ موجود نہیں تھا جو انکے اقدامات، ان کے صادر کئے ہوئے احکام اور ان کے بنائے ہوئے قوانین کو کسی لگے بندھے معیار پر پرکھ سکتا اور ان کی طرف سے آسمانی قانون کی خلاف ورزی، اپنی حدودِ اختیار سے تجاوز یا کسی ظلم وستم کی صورت میں ان کے اقدامات کی تلافی کر سکتا۔

یہ تھے وہ اسباب جن کی بناء پر شخصی حکومتوں میں لوگوں کے حقوق پامال ہوئے اور انسان انسان کا غلام بن گیا، ورنہ اگر یہ خرابیاں موجود نہ ہوں تو بیشتر ماہرین سیاست اس بات پر متفق ہیں کہ شخصی حکومت میں بذات خود کوئی خرابی نہیں، وہ جمہوریت کے مقابلے میں کہیں زیادہ کامیاب اور عوام کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے، یہانتک کہ رُوسو نے بھی یہ اعتراف کیا ہے:

"حکومت کا بہترین اور سب سے فطری انتظام یہ ہے کہ عقلمند ترین انسان کو کثرت پر حکومت کرنی چاہیئے، بشرطیکہ اس بات کی ضمانت مل جائے کہ وہ اس کثرت کے مفاد کے لئے حکومت کریں گے، نہ کہ اپنے مفاد کے لئے" [۱]

کارلائل لکھتا ہے:

"کسی بھی ملک میں وہاں کے قابل ترین آدمی کو دریافت کر لو، پھر اُسے اُٹھا کر اطاعت کے اعلیٰ ترین مقام پر رکھدو اور اس کی عزّت کرو۔ اس طرح تم اس ملک کے لئے ایک مکمل حکومت دریافت کر لوگے، پھر بلیٹ بکس ہو،

---

[۱] Roussian, The Social Contract, bk 111, Ch. V. as quoted by Appadorai, op cit p. 127

یا پارلیمنٹ میں ہونے والی فصاحت و بلاغت یا رائے شماری یا دستور سازی یا کسی بھی قسم کی کوئی اور مشینری، اس حکومت میں کوئی بہتر اضافہ نہیں کرسکے گی، یہ ایک مکمل ریاست ہوگی اور وہ ملک ایک مثالی ملک ہوگا۔“ [۵۱]

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ جس ”شخصی حکومت“ کو اسلام کا تقاضا قرار دے رہے ہیں وہ شخصی حکومت کی مذکورہ بالا خرابیوں سے خالی ہے، وہ اس معنیٰ میں بیشک ”شخصی حکومت“ ہے کہ اس میں جمہوری انداز کی پارلیمنٹ مختارِ کل نہیں ہے اور اختیاراتِ حکومت بڑی حد تک ”خلیفہ“ یا ”امیر المؤمنین“ کی ذات میں مرکوز ہیں۔

لیکن سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس ”خلیفہ“ یا ”امیر المؤمنین“ کا تعین وراثت یا قوت کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ اہلِ حل وعقد کے انتخاب کے ذریعے ہوتا ہے اور اس انتخاب کے لئے ”خلیفہ“ میں کچھ معیاری اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے جن کے بغیر اہلِ حلّ و عقد کے لئے کسی شخص کا انتخاب جائز نہیں۔ ان اوصاف میں علمی قابلیت کے علاوہ کردار کی اعلیٰ ترین پختگی اور رائے کی اصابت بھی داخل ہے۔

آجکل کی جمہوریتوں میں سربراہ کے انتخاب کے لئے عموماً نہ کوئی قابلیت شرط ہوتی ہے، نہ کردار وعمل کی کوئی خوبی۔ لیکن ”خلیفہ“ کے لئے اسلام میں نہایت کڑی شرائط تجویز فرمائی گئی ہیں اور اہلِ حلّ وعقد کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ ان شرائط کا مکمل اطمینان حاصل کرنے کے بعد خلیفہ کا انتخاب کریں۔

پھر یہ خلیفہ بھی جو اعلیٰ ترین علمی اور عملی اوصاف کا حامل ہے مطلق العنان قانون ساز نہیں ہوتا، بلکہ قرآن وسنت اور اجماعِ اُمّت کا پابند ہوتا ہے، دوسرے الفاظ میں اسلامی حکومت قانون وضع نہیں کرتی، بلکہ ایک ایسے آسمانی قانون کی بنیاد پر وجود میں آتی اور اسی کو نافذ کرتی ہے جو کائنات کی اعلیٰ ترین اتھارٹی کا بنایا ہوا ہے اور قرآن و سنت کی صورت میں محفوظ ہے۔

ہاں قرآن وسنت کے دائرے میں رہتے ہوئے انتظامی قوانین اور احکام جاری کرنا حکومت کے اختیار میں ہوتا ہے لیکن اس کے لئے بھی اس پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ اس قسم کے اقدامات کے لئے اہلِ شوریٰ سے مشورہ لے، اس مشورے کا مقصد

[۵۱] G. N. Sabine, A History of Political Theory p. 764 (Appadorai p. 122).

یہ نہیں ہے کہ وہ لازمی طور پر کثرتِ رائے کی پابندی کرے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مسئلے کے تمام پہلو سامنے آجائیں اور ان کو مدِّ نظر رکھنے کے بعد وہ اپنی بہترین قابلیت اور اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر خود فیصلہ کرے۔

اس کے علاوہ سربراہِ حکومت کا ہر اقدام، اس کا ہر حکم اور اس کا بنایا ہوا ہر قانون چونکہ قرآن وسنت کے تابع ہوتا ہے لہٰذا اگر کسی وقت یہ سربراہ قرآن وسنت کے احکام سے تجاوز کرے یا عدل وانصاف کے خلاف کوئی کام کرے تو قاضی کی عدالت سے اس کے خلاف چارۂ کار حاصل کرنا ہر ادنیٰ شہری کا ناقابلِ تنسیخ حق ہوتا ہے۔

اس نظامِ حکومت کی تمام تفصیلات کو بیان کرنا اس مقالے کی حدود سے باہر ہے، لیکن یہاں بتلانا صرف یہ تھا کہ حکیم الامت قدس سرہٗ نے اسلام میں جس "شخصی حکومت" کا تذکرہ فرمایا ہے اس میں قدیم بادشاہتوں اور جدید فاشی حکمرانوں اور ڈکٹیٹروں کی خرابی کے بنیادی اسباب موجود نہیں ہیں۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے جمہوریت اور شخصی حکومت پر اپنے متعدد مواعظ اور ملفوظات میں تبصرہ فرمایا ہے جن میں سے غالباً سب سے جامع اور مفصّل بحث اس وعظ میں فرمائی ہے جو "تقلیل الاختلاط مع الأنام" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس کے چند مختصر اقتباسات ذیل میں پیش خدمت ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ جمہوری سلطنت کے حامی ہیں وہ بھی شخصیت ہی کے حامی ہیں، مگر شخص کبھی حقیقی ہوتا ہے، کبھی حکمی، فلسفہ کا مسئلہ ہے کہ مجموعہ بھی شخص واحد ہے۔ مگر وہ واحد حکمی ہے حقیقی نہیں، تو یہ لوگ جس پارلیمنٹ کے فیصلوں کا اتباع کرتے ہیں اس میں گو بظاہر بہت سے آدمی ہوتے ہیں مگر مجموعہ مل کر پھر شخص واحد ہے، کیونکہ جو قانون پاس ہوتا ہے وہ سب کی رائے سے مل کر پاس ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ میں بھی ہر شخص آزاد نہیں کہ جو رائے دیدے وہی پاس ہوجایا کرے، اگر ایسا بھی ہوتا جب بھی کسی قدر آدمی کا دعویٰ صحیح ہوتا، مگر وہاں تو پارلیمنٹ کے بھی ہر شخص کی انفرادی رائے معتبر نہیں، بلکہ اجتماعی رائے معتبر ہے اور اجتماعی رائے پھر شخصی رائے ہے، کیونکہ مجموعہ مل کر واحد حکمی ہوجاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہم شخصِ واحدِ حقیقی کے حامی ہیں اور تم شخصِ واحد حکمی کے حامی ہو۔ جمہوریت کے حامی تو

تم بھی نہ رہے، جمہوریت اور آزادی کامل تو جب ہوتی جب ہر شخص اپنے فعل میں آزاد ہوتا، کوئی کسی کا تابع نہ ہوتا، نہ ایک بادشاہ کا، نہ پارلیمنٹ کے دس ممبروں کا، یہ کیا آزادی ہے کہ تم نے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کو پارلیمنٹ کے دس ممبروں کی رائے کا تابع بنا دیا، ہم تو ایک ہی کا غلام بناتے تھے تم نے دس کا غلام بنا دیا، تم ہی فیصلہ کرلو کہ ایک کا غلام ہونا اچھا ہے یا دس بیس کا غلام ہونا؟ ظاہر ہے کہ جس شخص پر ایک کی حکومت ہو وہ اس سے بہتر ہے جس پر دس بیس کی حکومت ہو۔

یہ حاصل ہے جمہوری سلطنت کا کہ رعایا کی غلامی سے تو اسے بھی انکار نہیں مگر وہ یہ کہتی ہے کہ تم دس بیس کی غلامی کرو اور ہم یہ کہتے ہیں کہ صرف ایک کی غلامی کرو۔"

آگے ارشاد فرماتے ہیں:

"نظامِ عالم بدون اس کے قائم نہیں ہو سکتا کہ مخلوق میں بعض تابع ہوں بعض متبوع ہوں، آزادئ مطلق سے فساد برپا ہوتے ہیں، اس لئے یہاں آکر ان کو اپنے دعویٰ آزادی سے ہٹنا پڑتا ہے اور شریعت کو کبھی اپنے دعویٰ سے ہٹنا نہیں پڑتا، کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے تابعیت و متبوعیت کی حامی ہے وہ تو آزادی کا سبق سکھاتی ہی نہیں، اوّل ہی دن سے نبی کے اتباع کا حکم دیتی ہے جس سے تمام مخلوق کو ایک کا تابع کر دیا، بلکہ اگر کسی وقت خدا تعالیٰ نے ایک زمانے میں دو نبی بھی ایک قوم کی طرف ارسال کئے ہیں تو ان میں بھی ایک تابع تھے دوسرے متبوع تھے، چنانچہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام ایک زمانہ میں دو نبی تھے، جو بنی اسرائیل اور قوم قبط کی طرف مبعوث ہوئے تھے، مگر ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام متبوع تھے حضرت ہارون علیہ السلام تابع تھے، دونوں برابر درجہ میں نہ تھے اور یہ تابعیت محض ضابطہ کی تابعیت نہ تھی بلکہ واقعی تابعیت تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام پر پوری حکومت رکھتے تھے، وہ ان کی مخالفت نہ کرسکتے تھے۔"

سیاستِ اسلامیہ ــــــــ ۷۰

مزید ارشاد فرماتے ہیں :

”غرض اسلام میں جمہوری سلطنت کوئی چیز نہیں۔ اسلام میں محض شخصی حکومت کی تعلیم ہے اور جن مفاسد کی وجہ سے جمہوری سلطنت قائم کی گئی ہے وہ سلطنت شخصی میں تو محتمل ہی ہیں اور جمہوری میں متیقن ہیں شخصی سلطنت میں یہ خرابیاں بیان کی جاتی ہیں کہ اس میں ایک شخص کی رائے پر سارا انتظام چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ جو چاہے کرے، حالانکہ ممکن ہے کہ کسی وقت اسکی رائے غلط ہو۔ اس لئے ایک شخص کی رائے پر سارا انتظام نہ چھوڑنا چاہیئے، بلکہ ایک جماعت کی رائے سے کام ہونا چاہیئے۔

میں کہتا ہوں کہ جس طرح شخصی سلطنت کے بادشاہ کی رائے میں کبھی غلطی کا احتمال ہے اسی طرح جماعت کی رائے میں بھی غلطی کا احتمال ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ ایک شخص کی رائے ہمیشہ غلط ہوا کرے اور دس کی رائے ہمیشہ صحیح ہوا کرے۔ بلکہ ایسا بھی بکثرت ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کا ذہن وہاں پہنچتا ہے جہاں ہزاروں آدمیوں کا ذہن نہیں پہنچتا،

ایجادات عالم میں رات دن اس کا مشاہدہ ہوتا ہے، کیونکہ جتنی ایجادات ہیں وہ اکثر ایک ایک شخص کی عقل کا نتیجہ ہیں، کسی نے کچھ سمجھا کسی نے کچھ سمجھا، ایک نے تار برقی کو ایجاد کیا، ایک نے ریل کو ایجاد کیا، تو موجد اکثر ایک شخص ہوتا ہے اور اس کا ذہن وہاں پہنچتا ہے جہاں صدہا ہزارہا مخلوق کا ذہن نہیں پہنچتا۔

علوم میں بھی یہ امر مشاہد ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کسی مضمون کو اس طرح صحیح حل کرتا ہے کہ تمام شراح و محشین کی تقریریں اس کے سامنے غلط ہو جاتی ہیں۔

تو جماعت کی رائے کا غلط ہونا بھی محتمل ہے، اب بتلایئے :

”اگر کسی وقت بادشاہ کی رائے صحیح ہوئی اور پارلیمنٹ کی رائے غلط ہوئی تو عمل کس پر ہوگا؟“

جمہوری سلطنت میں کثرت رائے سے فیصلہ ہوتا ہے، بادشاہ اپنی رائے

سیاست اسلامیہ ——— ۷۱

سے فیصلہ نہیں کرسکتا، بلکہ کثرت رائے سے مغلوب ہوکر غلط رائے کی موافقت پر مجبور ہوتا ہے اور شخصی سلطنت میں بادشاہ اپنی رائے پر ہر وقت عمل کرسکتا ہے، اور جمہوری میں اگر کثرت رائے غلطی پر ہوئی تو صحیح رائے پر عمل کرنے کی کوئی صورت نہیں، سب مجبور ہیں غلط رائے کی موافقت پر، اور یہ کتنا بڑا ظلم ہے۔ اس لئے یہ قاعدہ کلیہ غلط ہے:

"کثرتِ رائے پر فیصلہ کیا جائے۔"

بلکہ قاعدہ یہ ہونا چاہیئے:

"صحیح رائے پر عمل کیا جائے خواہ وہ ایک ہی شخص کی رائے ہو۔"

مزید آگے ارشاد فرماتے ہیں:

"دوسرے جو لوگ کثرت رائے پر فیصلہ کا مدار رکھتے ہیں وہ بادشاہ کو تنہا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں دیتے، وہ پہلے ہی سے اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا بادشاہ ایسا ضعیف الرائی ہے کہ اس کی تنہا رائے قابل اعتبار نہیں، اور وہ نااہل ہے، تو واقعی جو لوگ اپنے بادشاہ کو ایسا سمجھتے ہیں ہم ان سے گفتگو نہیں کرتے، ان کو جمہوریت مبارک ہو۔ ایسا نااہل بادشاہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو شخصی سلطنت کا بادشاہ بنایا جائے۔ اسلام میں جو شخصی سلطنت کی تعلیم ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی حکم ہے: "اے اہل حل وعقد، اور اے جماعتِ عقلاء! بادشاہ ایسے شخص کو بناؤ، جو اتنا صاحب الرائی ہو کہ اگر کبھی اس کی رائے سارے عالم کے بھی خلاف ہو تو یہ احتمال ہو سکے کہ شاید اسی کی رائے صحیح ہو۔ اور جس کی رائے میں اتنی درایت نہ ہو اس کو ہرگز بادشاہ نہ بناؤ۔"

اب بتلاؤ:

"جس کی رائے اتنی رزین ہو کہ سارے عالم کے مقابلے میں بھی اسکی رائے کے صائب ہونے کا احتمال ہو وہ حکومت شخصی کے قابل ہے یا نہیں"؟

یقیناً قابل ہے بشرطیکہ اہل حل وعقد انتخاب میں خیانت نہ کریں۔

بس ہم شخصی سلطنت کے اس لئے حامی ہیں کہ ہم بادشاہ کو رزین العقل، صاحب الرائی سمجھتے ہیں اور تم کثرت رائے کے اس لئے حامی ہو کہ تم اپنے بادشاہ

کو ضعیف الرأی اور نا اہل سمجھتے ہو، تو ایسے شخص کو بادشاہ بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے جس کے لئے ضم ضمیمہ کی ضرورت ہو؟ بلکہ پہلے ہی سے بادشاہ ایسے شخص کو بناؤ جو ضم ضمیمہ کا محتاج نہ ہو۔ مستقل الرأی ہو۔ اور اگر تم بھی اپنے بادشاہ کو مستقل الرأی، صائب العقل، رزین سمجھتے ہو تو پھر کثرت رائے پر فیصلہ کا مدار رکھنا اور کامل العقل کو ناقصین کی رائے کا تابع بنانا ظلم ہے جس کا حماقت ہونا بدیہی ہے۔

بعض لوگوں کو یہ حماقت سوجھی کہ وہ جمہوری سلطنت کو اسلام میں ٹھونسنا چاہتے ہیں اور دعوی کرتے ہیں کہ اسلام میں جمہوریت ہی کی تعلیم ہے اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ

مگر یہ بالکل غلط ہے، ان لوگوں نے مشورہ کی دفعات ہی کو دفع کر دیا اور اسلام میں مشورہ کا جو درجہ ہے اس کو بالکل نہیں سمجھا۔ اسلام میں مشورہ کا درجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ تم اپنے شوہر سے رجوع کرلو۔

قصہ یہ ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے باندی تھیں اور اسی حالت میں ان کا نکاح ایک شخص سے جن کا نام مغیث تھا ان کے آقا نے کر دیا تھا۔ جب وہ آزاد ہوئیں تو قانون اسلام کے مطابق انکو یہ اختیار دیدیا گیا کہ جو نکاح حالت غلامی میں ہوا تھا اگر چاہیں اس کو باقی رکھیں، اگر چاہیں فسخ کر دیں۔ اصطلاح شریعت میں اس کو اختیار عتق کہتے ہیں، اس اختیار کی بناء پر حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نکاح سابق کو فسخ کر دیا، لیکن ان کے شوہر کو ان سے بہت محبت تھی۔ وہ صدمۂ فراق میں مدینہ کی گلی کوچوں میں روتے پھرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر رحم آیا اور حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ نے فرمایا:

"اے بریرہ! کیا اچھا ہو کہ اگر تم اپنے شوہر سے رجوع کرلو۔"

تو وہ دریافت فرماتی ہیں:

"یا رسول اللہ! یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ کی ایک فرد ہے؟ اگر حکم ہے تو بسر وچشم منظور ہے گو مجھ کو تکلیف ہی ہو۔"

آپ نے فرمایا:

"حکم نہیں صرف مشورہ ہے"۔

حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صاف عرض کر دیا:

"اگر مشورہ ہے تو میں اس کو قبول نہیں کرتی۔"

لیجئے! اسلام میں یہ درجہ ہے مشورہ کا، کہ اگر نبی اور خلیفہ بدرجہ اولیٰ رعایا کے کسی آدمی کو کوئی مشورہ دیں تو اس کو حق ہے کہ مشورہ پر عمل نہ کرے اور یہ محض ضابطہ کا حق نہیں، بلکہ واقعی حق ہے، چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ پر عمل نہ کیا تو حضور ان سے ذرا بھی ناراض نہ ہوئے اور نہ حضرت بریرہ کو کچھ گناہ ہوا، نہ ان پر کچھ عتاب ہوا۔ سو جب اُمت اور رعایا اپنے نبی یا بادشاہ کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے اسلام میں مجبور نہیں تو نبی یا خلیفہ رعایا کے مشورہ سے کیونکر مجبور ہو جائے گا کہ رعایا جو مشورہ دیں اسی کے موافق عمل کرے اس کے خلاف کبھی نہ کرے۔

پس شاورھم فی الامر سے صرف یہ ثابت ہوا کہ حکام رعایا سے مشورہ کر لیا کریں، یہ کہاں ثابت ہوا کہ ان کے مشورہ پر عمل بھی ضرور کیا کریں، اور اگر کثرت رائے بادشاہ کے خلاف ہو جائے تو وہ کثیرین کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہے۔

اور جب تک یہ ثابت نہ ہو اس وقت تک شاورھم فی الامر سے جمہوریت ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی۔ جب اسلام میں ایک معمولی آدمی بھی بادشاہ کے مشورہ پر مجبور نہیں ہوتا تو تم بادشاہ کو رعایا کے مشورہ پر کیونکر مجبور کرتے ہو؟ آخر اس کی کوئی دلیل بھی ہے یا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے؟ اور ہمارے پاس حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دلیل موجود ہے کہ کسی کے مشورہ پر عمل کرنا ضروری نہیں، خواہ نبی

ہی کا مشورہ کیوں نہ ہو۔

اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر حکام رعایا سے مشورہ لیں تو وہ ان کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے ہرگز مجبور نہیں ہیں، بلکہ عمل خود اپنی رائے پر کریں، خواہ وہ دنیا بھر کے مشورہ کے خلاف کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اسی آیت میں آگے ارشاد ہے:

فاذا عزمت فتوکل علی اللہ:

کہ مشورہ کے بعد جب آپ ارادہ کسی بات کا کریں تو خدا پر بھروسہ کرکے اس پر عمل کریں، یہاں اِذَا عَزَمْتَ صیغۂ واحد ہے، معلوم ہوا کہ عزم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مستقل تھے۔ اسی طرح آپ کا نائب یعنی سلطان بھی عزم میں مستقل ہے۔ اگر عزم کا مدار کثرت رائے پر ہوتا تو اذا عزمت نہ فرماتے، بلکہ اس کے بجائے:

اذا عزم اکثرکم فتوکلوا علی اللہ۔

فرماتے،

پس جس آیت سے یہ لوگ جمہوریت پر استدلال کرتے ہیں اس کا اخیر جزو خود ان کے دعوے کی تردید کررہا ہے۔ مگر ان کی حالت یہ ہے،

حفظت شیئا و غابت عنك اشیاء۔

کہ ایک جزو کو دیکھتے ہیں اور دوسرے جزو سے آنکھیں بند کرلیتے ہیں۔

دوسرے اس آیت میں صرف حکام کو یہ کہا گیا ہے کہ وہ رعایا سے مشورہ کرلیا کریں۔ رعایا کو تو یہ حق نہیں دیا گیا کہ از خود استحقاقاً حکام کو مشورہ دیا کرو۔ چاہے وہ مشورہ لیں یا نہ لیں اہل مشورہ ان کو مشورہ سننے پر مجبور کرسکیں۔ چنانچہ شریعت میں:

اشیروا الحکام وھو حقکم علیھم۔

کہیں نہیں کہا گیا، جب رعایا کو از خود مشورہ دینے کا کوئی حق بدرجۂ لزوم نہیں تو پھر اسلام میں جمہوریت کہاں ہوئی؟ کیونکہ جمہوریت میں تو پارلیمنٹ کو از خود رائے دینے کا حق ہوتا ہے، چاہے بادشاہ ان

سے رائے لے یا نہ لے۔"

(تقلیل الاختلاط مع الانام ص ۹ تا ۱۷، واشرف الجواب ط۳۰۱ تا ۳۱۰ مطبوعہ ملتان و معارف حکیم الامت ص۶۲۰ تا ۶۳۰)

حکمرانی ایک ذمہ داری ہے نہ کہ حق:

پھر غیر اسلامی شخصی حکومتوں میں اور اسلام کی شخصی حکومت میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ غیر اسلامی معاشروں میں "شخصی حکومت" ایک "حق" (PRINILEGE) یا ایک فائدہ (ADVANTAGE) ہے، اسی لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حق کس کو ملے؟ اور کس کو نہ ملے؟ اور اسی لئے لوگ از خود اس کے حصول کے لئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام میں یہ ایک "امانت" یا ایک "ذمہ داری" ہے جو حکمران کے لئے اسباب عیش فراہم کرنے کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ کندھے پر دنیا و آخرت کا ایک زبردست بوجھ سوار کرنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا یہ از خود کوشش کر کے حاصل کرنے کی چیز نہیں ہے بلکہ ایسی چیز ہے جس سے انسان اپنی استطاعت کی حد تک جتنا بھاگ سکے اتنا ہی بہتر ہے۔ اسی لئے اسلام میں اس شخص کو "حکومت" کے لئے نا اہل قرار دیا گیا ہے جو خود اس کا طلب گار ہو، چنانچہ اسلامی سیاست میں "امیدواری" (CANDIDATURE) کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

حکومت کے فرائض:

لہٰذا جس شخص کو بھی یہ ذمہ داری سونپی جائے اُسے اِس نقطۂ نظر کے ساتھ اُسے سنبھالنا ہے کہ "حکومت" بذاتِ خود مقصود نہیں جس سے ہر حال میں چمٹے رہنا ضروری ہو، بلکہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے، لہٰذا اگر کبھی حکومت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں تعارض ہوگا تو وہ بلا تأمل اپنی حکومت کو اللہ کی خوشنودی پر قربان کر دوں گا۔ اس سلسلے میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

"یاد رکھو! سلطنت مقصود بالذات نہیں، بلکہ اصل مقصود رضائے حق ہے اگر ہم سے خدا راضی نہ ہو تو ہم سلطنت کی حالت میں فرعون ہیں، اور لعنت ہے ایسی سلطنت پر جس سے ہم فرعون کے مشابہ ہوں۔ اگر سلطنت مقصود بالذات

ہوتی تو فرعون، ہامان، نمرود، شداد بڑے مقرب ہونے چاہئیں، حالانکہ وہ مردود ہیں۔ معلوم ہوا کہ سلطنت وہی مطلوب ہے جس میں رضائے حق بھی ساتھ ساتھ ہو، اور جس سلطنت میں رضائے حق نہ ہو وہ وبالِ جان ہے اگر ہم سے خدا راضی ہو تو ہم پاخانہ اُٹھانے پر راضی ہیں، اور اسی حالت میں ہم بادشاہ ہیں۔

آخر حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ کیا تمہارے نزدیک پاگل تھے؟ ان کو تو سلطنت ملی ہوئی تھی، پھر کیوں چھوڑی؟ محض اس لئے کہ مقصود میں خلل واقع ہوتا تھا، معلوم ہوا کہ سلطنت خود مقصود نہیں، بلکہ مقصود دوسری چیز ہے کہ اگر اس میں خلل واقع ہونے لگے تو اس وقت ترکِ سلطنت ہی سلطنت ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ ہر فن کے امام ہیں، حدیث میں ثقہ اور محدث ہیں، اور فقہاء میں فقیہ، اور صوفیہ میں تو امام ہیں، ان کو کوئی پاگل نہیں کہہ سکتا، جو ان کو پاگل کہے وہ خود پاگل ہے۔ پھر دیکھو تو انھوں نے کیا کیا؟ جب رضائے حق میں سلطنت کو مزاحم دیکھا تو بادشاہت پر لات مار کر الگ ہوگئے۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سلطنت مُضر مقصود نہ تھی تو ان کو اجازت دی گئی کہ منصبِ خلافت کو قبول کریں، اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مُضر مقصود تھی تو ان کے لئے حکم ہے:

لا تلین مال یتیم و لا تقضین بین اثنین۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ سلطنت خود مقصود نہیں، بلکہ مقصود رضائے حق ہے، اگر سلطنت سے مقصود میں خلل واقع ہو تو اس وقت اس سے منع کیا جائے گا۔" (تقلیل الاختلاط مع الانام ص۱۲۶ ج۲، اشرف الجواب ص۴۵۵، ۴۵۶ ج۲)

لہٰذا اسلامی حکمران کا فریضہ ہے کہ وہ حکومت کو رضائے الٰہی کا وسیلہ بنانے کے لئے اسلامی احکام پر عمل اور ان کے نفاذ کے لئے اپنی جان توڑ کوشش صرف کرے، ورنہ اس کی حکومت بیکارِ محض اور اس کا حکومت سے چمٹا رہنا ناجائز و حرام ہے۔ لہٰذا اس کا یہ فرض ہے کہ انتہائی جزرسی کے ساتھ اپنے اقدامات

کا جائزہ لیتا رہے، اور شریعت کے معاملے میں ادنیٰ غفلت کو گوارا نہ کرے حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

”سلطنتیں جو گئی ہیں میرے نزدیک چھوٹی چیزوں کے اہتمام کی غفلت ہی سے گئی ہیں، کیونکہ چھوٹی چھوٹی جزئیات کی طرف سے جو غفلتیں ہوتی رہتی ہیں وہ سب مل کر ایک بہت بڑا مجموعہ غفلتوں کا ہو جاتا ہے جو آخر میں رنگ لاتا ہے اور زوال سلطنت کا موجب ہوتا ہے، نیز جب چھوٹی چھوٹی باتوں کا اہتمام نہیں ہوتا تو غفلت کی عادت پڑ جاتی ہے، پھر بڑے بڑے اُمور میں بھی غفلت ہونے لگتی ہے، اور وہ براہِ راست مُخل ہے سلطنت کی ۔“ (اصلاح المسلمین ص ۱۷۹ بحوالہ الافاضات حصہ ہفتم ملفوظ ۲۵۹)

مسلمان حاکم کا فرض جس طرح یہ ہے کہ وہ خود انصاف کے خلاف کوئی کام نہ کرے اسی طرح اس کا فرض یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کو بھی ظلم نہ کرنے دے حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

”حاکم تنہا اپنی احتیاط سے نجات نہیں پا سکتا، بلکہ اس کا انتظام بھی اس کے ذمے ہے کہ متعلقین بھی ظلم نہ کرنے پائیں، جس کی صورت یہ ہے کہ عام طور سے اشتہار دیدے کہ میرے یہاں رشوت کا بالکل کام نہیں، اس لئے اگر میرے عملے میں بھی کوئی شخص کسی سے رشوت مانگے تو ہرگز نہ دے، بلکہ ہم سے اس کی اطلاع کرے، پھر اطلاع کے بعد جس نے ایسی حرکت کی ہو اس سے رقم واپس کرائے اور کافی سزا دے ......
نیز حُکّام کو یہ بھی چاہیئے کہ لوگوں کے تعلقات براہِ راست اپنے سے رکھیں کسی شخص کو واسطہ نہ بنائیں، کیونکہ یہ واسطے بہت ستم ڈھاتے ہیں۔ اگر کہو کہ صاحب! یہ تو بڑا مشکل ہے، تو حضرت! حکومت کرنا آسان نہیں، یہ منہ کا نوالہ نہیں ہر وقت جہنم کے کنارے پر ہے ۔“

(انفاس عیسٰی ص ۳۳۷ جلد ا باب ۴)

اسلامی حکومت میں حکمران اور علماء کے درمیان تقسیم کار کیا ہونی چاہیئے؟ اس کے بارے میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں دو شانیں تھیں، شانِ نبوّت اور شانِ سلطنت، اس کے بعد خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی دونوں کے جامع تھے، مگر اب یہ دونوں شانیں دو گروہ پر تقسیم ہوگئیں، شانِ نبوت کے مظہر علماء ہیں اور شانِ سلطنت کے مظہر سلاطینِ اسلام، اب اگر یہ سلاطین علماء سے استغناء کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شان سے اعراض لازم آتا ہے، اور اگر علماء سلاطین کی مخالفت کرتے ہیں تو اس سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ایک شان سے اعراض لازم آتا ہے، اب صورت دونوں کے جمع کرنے کی یہ ہے کہ سلاطین سے تو میں یہ کہتا ہوں:

"وہ اپنی حدود میں کوئی حکم اس وقت تک نافذ نہ کریں جب تک علماءِ حق سے استفتاء نہ کرلیں"

اور علماء سے یہ کہتا ہوں:

"وہ نفاذ کے بعد اس پر کاربند ہوں"

"اگر یہ دونوں شانیں جو حضور صلی اللہ ہی کی ہیں اس طرح جمع ہوجائیں تو مسلمانوں کی بہبود اور فلاح کی صورت نکل آئے، اور ان کی ڈوبتی ہوئی کشتی ساحل پر جالگے، ورنہ اللہ ہی حافظ ہے"

(اصلاح المسلمین ۵۳۶)

مباحات کے دائرے میں رہتے ہوئے حکمراں کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ عقلمند اور تجربہ کار لوگوں سے مشورہ لیتا رہے، لیکن مشورے کے بعد جب کسی جانب رجحان ہوجائے اور اللہ کے بھروسے پر اس کے مطابق فیصلہ کردے تو تمام لوگوں پر اس کی اطاعت واجب ہے خواہ ان کی رائے کے خلاف ہو، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"سلطان کو چاہیئے کہ ہمیشہ عقلاء سے رائے لیتا رہے، بدون رائے لئے بہت سی باتیں نظر سے غائب رہتی ہیں، اور یہ مشورہ اور رائے تو مطلوب ہے مگر یہ مخترعہ متعارفہ جمہوریت محض گھڑا ہوا ڈھکوسلہ ہے، بالخصوص ایسی

جمہوری سلطنت جو مسلم اور کافر ارکان سے مرکب ہو وہ تو غیر مسلم ہی سلطنت ہوگی، ایسی سلطنت اسلامی سلطنت نہ کہلائے گی۔"

اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر سلطان کے مشورہ لینے کے وقت اہل شوریٰ میں اختلاف رائے ہو جائے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ سلطان کی رائے سے اختلاف کرنا مذموم تو نہیں، اس پر فرمایا:

"جو اختلاف حکمت اور مصلحت اور تدین و خیر خواہی پر مبنی ہو وہ مذموم نہیں، مگر اس کی بھی ایک حد ہے، یعنی یہ اختلاف اسی وقت تک جائز ہے جب تک مشورہ کا درجہ رہے، مگر بعد نفاذ اختلاف کرنا یا خلاف کرنا مذموم ہے، نفاذ کے بعد تو اطاعت ہی واجب ہے۔"

(الافاضات الیومیۃ ص۱۱۱، ۱۱۲ جلد ۳ ملفوظ ۲۵۲)

یہ درحقیقت اس آیتِ قرآنی کی توضیح ہے جس میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ -

"اور ان سے معاملے میں مشورہ کرو، اور جب کوئی عزم کر لو تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔"

③ اقامتِ دین کے لئے سیاسی جدّوجہد کا شرعی مقام اور اسکی حدود

تیسرا موضوع جس پر اس مقالے میں حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے ارشادات پیش کرنے مقصود ہیں یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ایک صحیح اسلامی حکومت کے قیام اور غیر اسلامی طاقتوں کے شر سے دفاع کے لئے جدّوجہد کریں؟ اگر ضروری ہے تو اس جدوجہد کی حدود کیا ہونی چاہئیں؟ اس موضوع پر حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مستقل رسالہ "الروضۃ الناضرۃ فی المسائل الحاضرۃ" کے نام سے تحریر فرمایا ہے، جس میں اصولی طور پر سیاسی جدوجہد کی شرعی حیثیت کو بھی واضح فرمایا ہے اور اپنے زمانے کے سیاسی حالات کے بارے میں اپنی رائے بھی ظاہر فرمائی ہے۔ یہ رسالہ مختصر مگر بہت پرمغز اور جامع ہے۔ لیکن چونکہ اہل علم کے لئے لکھا گیا ہے، اس لئے اس میں علمی اور اصطلاحی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ اس میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"مدافعت کفار کی مطلقاً اہلِ اسلام سے، اور خصوص سلطنتِ اسلامیہ سے جس میں خلافت وغیر خلافت، اور جس میں سلطنتِ اسلامیہ واقعیہ و سلطنتِ اسلامیہ مزعومۂ کفار سب داخل ہیں، پھر خصوص شعائر اسلام سے جن میں مقاماتِ مقدسہ، بالخصوص حرمین شریفین بھی داخل ہیں، سب مسلمانوں پر فرض ہے، کبھی علی العین، کبھی علی الکفایۃ علی اختلاف الاحوال،

مگر اس کی فرضیت کے کچھ شرائط ہیں جو کتبِ فقہ میں مذکور ہیں،

منجملہ ان کے ایک شرط استطاعت بھی ہے، اور استطاعت سے مراد استطاعتِ لغویہ نہیں استطاعتِ شرعیہ ہے، جس کو اس حدیث نے صاف کر دیا ہے:

عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ الحدیث، رواہ مسلم (مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف)

ظاہر ہے کہ استطاعت باللسان ہر وقت حاصل ہے، پھر اس کے انتفاء کی تقدیر کب متحقق ہوگی؟ اس سے ثابت ہوا کہ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ اس میں ایسا خطرہ نہ ہو جس کی مقاومت بظنِ غالب عادۃً ناممکن ہو۔

اسی طرح ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس دفاع کے بعد اس سے زیادہ شر میں مبتلا نہ ہو جائیں، مثلاً کفار کی جگہ کفار ہی مسلط ہوں یا مرکب کافر و مسلم سے، کہ مجموعہ تابع اخس کے ہوتا ہے، کیونکہ اس صورت میں غایت ہی مفقود ہے، اور وہ اخلاء الارض من الفساد ہے، اور قاعدہ ہے:

الشیء اذا خلا عن الغایۃ انتفی۔

اور اگر ایسا خطرہ ہو تو پھر وجوب تو ساقط ہو جائے گا، باقی جواز، اس میں تفصیل ہے، بعض صورتوں میں جواز بھی نہیں، بعض میں جواز بلکہ استحباب بھی ہے۔ اور مدار بناء جواز و عدم جواز یا استحباب کا اجتہاد اور رائے پر ہے۔ پس اس میں دو اختلاف کی گنجائش ہے۔

ایک علمی کہ واقعات سے ایک شخص کے نزدیک عدم جواز کی بناء

متحقق ہے اور دوسرے کے نزدیک جواز یا استحباب کی۔
دوسرا عملی کہ باوجود بنا رجواز یا استحباب پر متفق ہونے کے ایک نے بنار پر عدم وجوب رخصت پر عمل کیا، دوسرے نے بنار بر استحباب عزیمت پر عمل کیا۔ ایک کو دوسرے پر ملامت کرنے کا حق نہیں۔
اور اگر کسی مقام پر تسلط مسلمان ہی کا ہو، مگر وہ مسلمان کافر سے سالمت رکھتا ہو تو اس کو تسلطِ کافر کہنا محلِّ تأمل ہے۔"
(افاداتِ اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ص۱۰)

خلاصہ :

اگر استطاعت ہو اور کسی بڑے مفسدے کا اندیشہ نہ ہو تو یہ جدّ وجہد واجب ہے کبھی علی العین اور کبھی علی الکفایۃ۔
لیکن اگر کسی بڑے مفسدے کا اندیشہ ہو یا استطاعت نہ ہو تو واجب نہیں، لیکن مختلف حالات میں جائز یا مستحب ہو سکتی ہے اور اس کے تعین میں اہلِ علم کی آراء بھی مختلف ہو سکتی ہیں اور یہ اختلافِ آراء اگر اخلاص کے ساتھ ہو تو نہ مذموم ہے نہ اس میں کسی کو دوسرے پر ملامت کرنے کا حق ہے۔
لیکن چونکہ دین کا مقصودِ اصلی سیاست نہیں، بلکہ دیانات اور ان کے ذریعے رضائے حق کا حصول ہے، جیساکہ مقالے کے آغاز میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کے الفاظ میں اس کی تفصیل عرض کی جا چکی ہے، اس لئے ہر قسم کی سیاسی جدّ وجہد شرعی احکام کے دائرے میں رہ کر ہونی چاہیئے۔ سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے دین کے کسی معمولی سے معمولی حکم یا تقاضے کو بھی قربان کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب جدوجہد کرنے والا پورے اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ صرف دینِ حق کی سربلندی اور باری تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی نیت سے یہ جدّوجہد کر رہا ہو اور محض جاہ و جلال کا حصول اس کا مطمحِ نظر نہ ہو اور وہ شدید نفسانی تقاضوں کے باوجود اپنے آپ کو شریعت کے تابع رکھنے پر قادر ہو، ورنہ سیاست ایسا خارزار ہے جس میں قدم قدم پر نام و نمود اور جاہ و مال کے فتنے پیدا ہوتے ہیں، نفس و شیطان کی تاویلات انسان پر یلغار کرتی ہیں اور بسا اوقات وہ ان تمام محرکات سے

مغلوب ہو کر اُسی راستے پر چل پڑتا ہے جس پر دنیا جا رہی ہے، اور رفتہ رفتہ اسکی سیاست اسلامی سیاست کے بجائے لادینی سیاست ہو کر رہ جاتی ہے۔

سیاسی جد و جہد اور تزکیۂ اخلاق :

لہٰذا اس جد و جہد کی شرط اوّل یہ ہے کہ انسان کے اعمال و اخلاق کا تزکیہ ہو چکا ہو۔ اور اس کے جذبات و خیالات اعتدال کے سانچے میں ڈھل چکے ہوں یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تیئیس سالہ عہدِ نبوت میں ابتدائی تیرہ سال اس طرح گزرے ہیں کہ نہ ان میں کوئی جہاد ہے نہ حکومت و ریاست ہے، نہ کسی قسم کی سیاسی جد و جہد ہے، کوئی اگر مارتا اور اذیتیں دیتا ہے تو اس کے جواب میں بھی ہاتھ اُٹھانے کی اجازت نہیں اور اس کے بجائے مسلسل صبر کی تعلیم و تلقین کی جا رہی ہے، یہ تیرہ سال تعلیم و تربیت اور تزکیۂ اخلاق کے سال ہیں، مجاہداتِ نفس کی اس بھٹی سے گزرنے کے بعد جب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اخلاق و اعمال صیقل ہو چکے تو اس کے بعد مدنی زندگی میں حکومت و سیاست اور جہاد و قتال کا سلسلہ شروع ہوا ہے

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"دیکھئے اس کی تائید میں ایک باریک نکتہ بتلاتا ہوں وہ یہ کہ مسلمانوں کو مکہ میں رہتے ہوئے قتال کی اجازت نہیں ہوئی مدینہ میں پہنچ کر اجازت ہوئی، اس کی کیا وجہ ہے؟ ظاہر بیں یہ سمجھتے ہیں کہ قلتِ جماعت و قلتِ اسباب اس کا سبب تھا۔

یہ خلاف تحقیق ہے، کیونکہ مدینہ ہی میں پہنچ کر کیا جماعت بڑھ گئی تھی؟ کفار کا پھر بھی غلبہ تھا۔ مدینہ کی تمام جماعت تمام عرب کے مقابلے میں کیا چیز تھی؟ بلکہ اگر یہ دیکھا جائے کہ تمام کفارِ عالم کے مقابلے میں یہ اجازت ہوئی تھی، تب تو مدینہ کیا سارا عرب بھی قلیل تھا اسی طرح مدینہ پہنچ کر سامان میں کیا زیادتی ہو گئی تھی؟ ..... نصوص سے خود معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کفار کے مقابلے میں اکثر مواقع میں اس قدر کم ہوتی تھی کہ ملائکہ کا جوڑ لگایا جاتا تھا.... اور یہ صورت ملائکہ کی مکہ میں رہتے ہوئے بھی ممکن تھی مگر پھر بھی اس صورت

کو اختیار کرکے وہاں اجازت نہ دی گئی، تو اس کی کوئی اور وجہ بتلانی چاہیئے
اہل ظاہر اس کی شافی وجہ نہیں بتلا سکتے۔

محققین نے فرمایا ہے کہ اصل بات یہ تھی کہ مکہ میں عام مسلمانوں کے اندر اخلاق حمیدہ اخلاص وصبر و تقویٰ کامل طور پر راسخ نہ ہوئے تھے، اس وقت اگر اجازت قتال کی ہو جاتی تو سارا مقابلہ جوشِ غضب اور انتقام للنفس کے لئے ہوتا، محض اخلاص اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے نہ ہوتا اور اس حالت میں وہ اس قابل نہ ہوتے کہ ملائکہ کی جماعت سے ان کی امداد کی جاوے اور حمایت الٰہی ان کے شاملِ حال ہو۔ چنانچہ آیتِ مذکورہ میں بَلٰۤی اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا کی شرط بتلا رہی ہے کہ حمایتِ الٰہی اسی وقت متوجہ ہوتی ہے جبکہ مسلمان صبر و تقویٰ میں راسخ ہوں، (اور تقویٰ کے معنی ہیں: احتراز عما نہی اللہ عنہ وامتثال ما امر بہ جس میں اخلاص اور احتراز عن الریاء وعن شائبۃ النفس بھی داخل ہے) اور مدینہ میں پہنچ کر یہ اخلاق راسخ ہو گئے تھے۔ مہاجرین کو مکہ میں رہنے کی حالت میں کفار کی ایذاء پر صبر کرنے سے نفس کی مقاومت سہل ہو گئی نیز قوت غضب نفسانی ضعیف بلکہ زائل ہو گئی تھی۔

پھر ہجرت کے وقت جب انھوں نے اپنے وطن، اہل وعیال اور مال و دولت سب پر خاک ڈال دی تو ان کی محبتِ الٰہی کامل ہو گئی، اور محبت دنیا ان کے قلب سے بالکل نکل گئی۔ انصار مدینہ نے مہاجرین کے ساتھ جو سلوک کیا اس سے ان کے قلوب بھی محبتِ الٰہی سے لبریز اور محبت دنیا سے پاک ہو گئے تھے، چنانچہ انصار نے خوش خوش ان حضرات کو اپنے مکانات و اموال میں شریک کرنا چاہا۔

غرض واقعۂ ہجرت سے مہاجرین و انصار دونوں کا امتحان ہو گیا جس میں وہ کامل اُترے۔ اس کے بعد ان کو اجازت قتال دی گئی کہ اب جو کچھ کریں گے محض خدا کے لئے کریں گے جوشِ غضب اور خواہش

انتقام اور شفاء غیظِ نفس کے لئے کچھ نہ کریں گے اس وقت یہ اس قابل ہونگے کہ حمایتِ الٰہی ان کا ساتھ دے اور ملائکہ رحمت ان کی مدد کریں۔
چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ وہ جو کچھ کرتے تھے خدا کے لئے کرتے تھے حتیٰ کہ مثنوی میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی کو معرکہ قتال میں پچھاڑا اور ذبح کا ارادہ کیا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ اُس کم بخت نے آپکے چہرۂ مبارک پر تھوکا۔ اب چاہیئے تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو فوراً ہی ذبح کر ڈالتے، مگر تھوکنے کے بعد آپ فوراً اس کے سینے پر سے کھڑے ہو گئے۔ اور فوراً اسے چھوڑ دیا۔ وہ یہودی بڑا متعجب ہوا، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی کہ اگر آپ نے مجھ کو کافر سمجھ کر قتل کرنا چاہا تھا تو تھوکنے پر کیوں رہا کر دیا؟
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:
"بات یہ ہے کہ اوّل جب میں نے تجھ پر حملہ کیا تو اس وقت بجز رضائے حق کے مجھے کچھ مطلوب نہ تھا۔ اور جب تو نے مجھ پر تھوکا تو مجھے غصہ اور جوشِ انتقام پیدا ہوا، میں نے دیکھا کہ اب میرا تجھے قتل کرنا محض خدا کے لئے نہ ہوگا بلکہ اس میں نفس کی بھی آمیزش ہوگی اور میں نے نہ چاہا کہ نفس کے لئے کام کر کے اپنے عمل کو ضائع کروں اس لئے تجھے رہا کر دیا۔"
وہ یہودی فوراً مسلمان ہو گیا اور سمجھ گیا کہ واقعی یہی مذہب حق ہے جس میں شرک سے اس درجہ نفرت دلائی گئی ہے کہ کوئی کام نفس کے لئے نہ کرو۔ بلکہ محض خدا کے لئے ہر کام کرو۔ دوستی اور دشمنی میں بھی نفس کی آمیزش سے روکا گیا ہے۔
اب ہماری یہ حالت ہے کہ جو لوگ خدمت اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جو نفس کے واسطے کام کرتے ہیں، اپنے ذرا ذرا سے کارناموں کو اچھالتے اور اخباروں میں شائع کرتے ہیں۔ احکامِ الٰہی کی پروا نہیں کرتے۔ بس ان کا مقصود یہ ہے کہ کام ہونا چاہیئے خواہ

شریعت کے موافق ہو یا مخالف، چندہ میں جائز وناجائز کی پروا نہیں، صرف میں حلال وحرام کا خیال نہیں، پھر حمایت الٰہی ان کے ساتھ کیونکر ہو؟ بلکہ اب تو یہ کہا جاتا ہے کہ میاں مسئلہ مسائل کو ابھی رہنے دو اس وقت تو کام کرنا چاہیئے، بعد کو مسئلہ مسائل دیکھے جائیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان صاحبوں کو یہ خبر نہیں کہ مسئلہ مسائل کے بغیر تو مسلمان کو نہ دنیوی فلاح ہوسکتی ہے نہ اُخروی، اور سب سے زیادہ اخلاص نیت کی ضرورت ہے جس کا یہاں صفر ہے۔"

(وعظ محاسن اسلام در مجموعہ مواعظ محاسن اسلام ص۲۸۰ مطبوعہ ملتان)

یہ بات مشہور ہے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ ہندوستان کی سیاسی تحریکات سے الگ رہے، اس دوران ایک صاحب نے یہ پیش کش کی کہ ہم آپکو امیر المؤمنین بناتے ہیں آپ ہماری قیادت فرمائیے۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پیش کش کا مناسب جواب دینے کے بعد فرمایا:

"سب سے پہلے جو امیر المؤمنین ہو کر حکم دوں گا وہ یہ ہوگا کہ دس برس تک سب تحریک اور شور وغل بند۔ ان دس سالوں میں مسلمانوں کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی۔ جب یہ قابل اطمینان ہوجائیں گے تب مناسب حکم دوں گا۔"

(الافاضات الیومیہ ص۶۷ ج۳ ملفوظ ۸۹ ملقب بہ تدبیر الفلاح)

اگر ہم حقیقت پسندی سے اپنے حالات کا جائزہ لیں تو محسوس ہوگا کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے اس اقتباس میں ہماری دُکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھدیا ہے اگر آج ہماری سیاست کی بیل منڈھے نہیں چڑھتی تو اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم مکّی زندگی کے تیرہ سال کی چھلانگ لگاکر پہلے ہی دن سے مدنی زندگی کا آغاز کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو اخلاقی اور روحانی اعتبار سے تیار کئے بغیر اصلاح قوم کا جھنڈا لے کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ جھنڈا کس طرح پکڑا جاتا ہے؟ نہ ہمیں یہ پتہ ہے کہ اسے سربلند رکھنے کا طریقہ کیا ہے؟ نہ ہم نے اس کام کی کوئی تربیت حاصل کی ہے۔ بس ہم نے کچھ دوسری قوموں کو اپنے سیاسی مقاصد کے

حصول کے لئے جھنڈا اُٹھائے دیکھا تو انہی کی نقّالی ہم نے بھی شروع کردی، نتیجہ یہ ہے کہ ہماری سیاسی جدوجہد کا طرز و انداز، ہماری کوششوں کا طریق کار، ہماری اختیار کی ہوئی تدبیریں تقریباً سب کی سب وہ ہیں جو ہم نے دوسری قوموں سے مستعار لی ہیں اور ان کو شریعت کی کسوٹی پر صحیح طریقے سے پرکھے بغیر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جب ان طریقوں سے لادینی سیاست کامیاب ہوسکتی ہے تو اسلامی سیاست بھی کامیابی کی منزل تک پہنچ سکتی ہے۔ حالانکہ اسلامی سیاست کو لادینی سیاست پر قیاس کرنا کھجور کے درخت کو کنویں پر قیاس کرنے کے مترادف ہے۔

سیاسی تدبیریں:

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اپنی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات میں جا بجا اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلامی سیاست میں صرف مقصد کا نیک اور شریعت کے موافق ہونا کافی نہیں، بلکہ اس کے طریق کار اور اس کی تدبیروں کا بھی شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ شریعت کے احکام کو پس پشت ڈالکر اور ان کی خلاف ورزی کرکرکے اسلامی حکومت قائم کرے گا تو وہ ایسی خام خیالی میں مبتلا ہے جس کا نتیجہ محرومی کے سوا کچھ نہیں۔ اگر اس طرح کوئی حکومت اس نے قائم کر بھی لی تو وہ اسلامی حکومت نہیں، بلکہ اسلامی حکومت کا دھوکہ ہوگا۔

جیسا کہ مقالے کے آغاز میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ناقابلِ انکار دلائل کے ساتھ گزر چکا ہے اسلام میں سیاست و حکومت بذاتِ خود مقصود نہیں، بلکہ اصل شریعت کی اتباع اور اس کے نتیجے میں رضائے حق کا حصول ہے، اس لئے یہ طرزِ فکر اسلام کے دائرے میں نہیں کھپ سکتا کہ اسلامی حکومت کے قیام کی جدّوجہد میں اسلام کے بعض احکام کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے اور اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے جزوی شرعی احکام کی قربانی دی جاسکتی ہے۔ اس کے بجائے مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ شرعی احکام کے دائرے میں رہ کر جدوجہد کرے اور ہر اس طریقے سے اپنا دامن بچائے جس سے کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو، مسلمان کی کامیابی کا راز اتباعِ شریعت میں ہے۔ اسی پر نصرتِ الٰہی کا وعدہ ہے لہٰذا کامیابی اِن شاء اللہ اسی طریقے سے ہوگی۔ اور اگر بالفرض کسی شرعی حکم کی پابندی کی وجہ

سے ظاہراً کوئی کامیابی حاصل نہ ہوسکے، تب بھی مسلمان اس سے زیادہ کا مکلف نہیں، نہ اس ناکامی کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے اور نہ اس سے آخرت میں اس ناکامی پر بازپرس ہوگی۔ اگر وہ شریعت کے فرمان پر چل رہا ہے تو وہ پوری طرح کامیاب اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر کا مستحق ہے اور اس کی زندگی کا اصل مقصد پوری طرح حاصل ہے۔

لہٰذا سیاسی جدوجہد کے دوران ہر تدبیر اور ہر اقدام کے بارے میں یہ اطمینان کرلینا ضروری ہے کہ وہ شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا ناجائز؟ کسی تدبیر کو اختیار کرنے کے لئے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ اس تدبیر کا موجودہ سیاست کی دنیا میں رواجِ عام ہے یا وہ سیاسی تحریکوں میں بہت مؤثر ثابت ہوئی ہے، اور اسے آج کی سیاست میں ناگزیر سمجھا جاتا ہے۔

اگر وہ اُصولِ شرعیہ کے اعتبار سے جائز نہ ہو، یا شرعی مفاسد پر مشتمل ہو تو خواہ موجودہ سیاست کے علمبردار اسے کتنا ہی ضروری کیوں نہ سمجھتے ہوں، اسے ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ سیاست مقصود نہیں، شریعت کی اطاعت مقصود ہے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حالات میں ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکباز صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مؤثر سے مؤثر تدبیریں صرف اس لئے چھوڑ دیں کہ وہ شریعت کے خلاف تھیں۔

غزوۂ بدر کے موقع پر جب حق و باطل کا پہلا فیصلہ کن معرکہ درپیش تھا، اور تین سو تیرہ بے سروسامان صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اتنی بڑی طاقت سے ٹکر لینے جارہے تھے تو ایک ایک شخص کی بڑی قدر و قیمت تھی اور قدرتی طور پر نفری میں تھوڑا سا اضافہ بھی کامیابی میں مؤثر ہوسکتا تھا، اس موقع پر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جاں نثار صحابی اور ان کے والد نے لشکر میں شامل ہونا چاہا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس بنا پر جہاد میں

شامل ہونے سے روک دیا کہ آتے وقت اُنھیں کفار نے گرفتار کر لیا تھا، اور اس وعدے پر چھوڑا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کریں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جہاد کی شرکت سے روکتے ہوئے فرمایا :

نفی لہم بعہدہم ونستعین اللہ تعالیٰ علیہم۔

ہم ان سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کریں گے اور انکے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں گے۔

(صحیح مسلم ص ۱۰۶، ج ۲، سیر اعلام النبلاء ص ۳۶۲، ۳۶۳ ج ۲ والاصابۃ ص ۲۲۳ ج ۲)

اسی غزوے میں ایک نہایت تجربہ کار مشرک شخص نے جو اپنی بہادری اور جنگجوئی میں مشہور تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑائی میں شامل ہونا چاہا، لیکن یہ حق و باطل کا پہلا معرکہ تھا اور اس پہلے معرکے میں کسی کافر کی مدد لینا اسلام کو گوارا نہ تھا۔ چنانچہ اسوقت حکم یہی تھا کہ کافروں سے مدد نہ لی جائے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی لڑائی میں شامل کرنے سے انکار فرما دیا اور ارشاد فرمایا :

ارجع، فلن استعین بمشرك

میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہ لوں گا۔

(جامع ترمذی، کتاب السیر باب فی اہل الذمۃ یغزون مع المسلمین)

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مقام تو بہت بلند ہے۔ بعد کے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اسی اصول پر ہمیشہ کاربند رہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رومیوں سے جنگ بندی کا معاہدہ تھا اس کی مدت ختم ہونے سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فوجیں سرحد پر ڈال دیں اور مدت کے ختم ہوتے ہی حملہ کر دیا۔ رومی لوگ بے خبری میں تھے اس لئے پسپا ہونے شروع ہو گئے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاتحانہ آگے بڑھتے رہے، اتنے میں حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے پہنچے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک کر انھیں ایک حدیث سُنائی جس کی رُو سے یہ حملہ شرعاً جائز نہیں تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ حملہ چونکہ جنگ بندی ختم ہونے کے بعد

ہوا ہے اس لئے یہ عہد شکنی میں داخل نہیں ہے۔ لیکن حدیث سنتے ہی کوئی تاویل کرنے کے بجائے اپنے پورے لشکر کے ساتھ واپس لوٹ گئے۔

(جامع ترمذی، ابواب السیر، باب ماجاء فی الغدر)

جو سالارِ لشکر اپنی کامیاب تدبیر کے بعد فتح کے نشے میں آگے بڑھ رہا ہو، اس کے لئے اپنی یلغار کو روکنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ مفتوحہ علاقہ بھی واپس کردے۔ لیکن مقصد چونکہ سیاست وحکومت نہیں، اطاعتِ شریعت تھا، اس لئے تدبیر کے ناجائز ہونے کا علم ہوتے ہی اس ساری تدبیر سے دستبردار ہوگئے۔

غرض ہماری تاریخ ایسی درخشاں مثالوں سے بھری پڑی ہے جن میں مسلمانوں نے مؤثر سے مؤثر تدبیر کے لئے بھی شریعت کی ادنیٰ خلاف ورزی گوارا نہیں کی بلکہ اسے ترک کردیا۔

لہٰذا اسلامی سیاست میں جدوجہد کی تدبیروں کا شرعًا جائز ہونا ضروری ہے لیکن آج کل عمومًا سیاسی جدوجہد کے دوران یہ پہلو نظروں سے بالکل اوجھل ہوجاتا ہے جو تدبیریں لادینی سیاست کے علمبردار اختیار کئے ہوئے ہیں اور جن کا رواج عام ہوچکا ہے انہیں یہ دیکھے بغیر اختیار کرلیا جاتا ہے کہ یہ تدبیریں اپنے تمام لوازم کے ساتھ جائز بھی ہیں یا نہیں؟ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے سیاسی جدوجہد کے کئی مروّجہ طریقوں پر شرعی نقطۂ نظر سے بحث فرمائی ہے اور ان کے شرعی حکم کو واضح فرمایا ہے۔

بائیکاٹ اور ہڑتال کا شرعی حکم:

مثلاً حکومت سے اپنے مطالبات منوانے کے لئے آج کل ہڑتالوں کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، اگر بات صرف اس حد تک ہوتی کہ لوگ اپنی خوشی سے احتجاجًا کاروبار بند کردیں تو دوسرے مفاسد کی عدم موجودگی میں اسے ایک مباح تدبیر کہا جاسکتا تھا۔ چنانچہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بائیکاٹ یا نان کوآپریشن، یہ شرعاً افرادِ جہاد میں سے نہیں، دلائل میں ملاحظہ کیا جائے، بلکہ مستقل تدابیر مقاومت کی ہیں جو فی نفسہ مباح ہیں۔

(الروضۃ الناضرۃ، افادات اشرفیہ درمسائل سیاسیہ ص ۱۰)

لیکن ایسی ہڑتال جو لوگوں نے کلّیۃً اپنی خوشی سے کی ہو، آج عملاً دنیا میں اس کا وجود نہیں ہے، اکثر و بیشتر تو لوگوں کو ان کی خواہش اور رائے کے برخلاف ہڑتال میں حصّہ لینے پر مجبور کیا جاتا ہے، اگر کوئی حصّہ نہ لے تو اس کو جسمانی اور مالی اذیتیں دیجاتی ہیں، سنگباری اور آتشزنی تو ہڑتال کا لازمی حصّہ بن گئے ہیں۔ سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کرکے لوگوں کے لئے اپنی ضرورت سے چلنا پھرنا مسدود کر دیا جاتا ہے۔ چلتی ہوئی گاڑیوں پر پتھراؤ ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ اس قسم کی ایذا رسانیوں کے خوف سے اپنا کاروبار بند رکھتے ہیں اور جو ضرورت مند شخص باہر نکلنے پر کسی وجہ سے مجبور ہو وہ ہر وقت جانی و مالی نقصان کے خطرے میں رہتا ہے اور بسا اوقات کوئی نہ کوئی بے گناہ مارا جاتا ہے، بعض مرتبہ مریض علاج کو ترس ترس کر رخصت ہو جاتے ہیں اور بہت سے غریب لوگ فاقہ کشی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

یہ تمام باتیں ہڑتال کا ایسا لازمی حصّہ بن کر رہ گئی ہیں کہ ان کے بغیر کسی "کامیاب ہڑتال" کا تصوّر نہیں ہو سکتا، ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں شرعاً حرام و ناجائز ہیں اور جو چیز ان حرام و ناجائز باتوں کا لازمی سبب بنے وہ کیسے جائز ہو سکتی ہے؟

لہٰذا حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے ہڑتال کے مروّجہ طریقوں کو شرعاً ناجائز قرار دیا ہے۔

تحریکاتِ خلافت کے زمانے میں "ترکِ موالات" کے جو طریقے اختیار کئے گئے تھے انمیں ہڑتال بھی داخل تھی۔ ترکِ موالات کے تحت یہ تحریک چلائی گئی تھی کہ برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے۔ چنانچہ اہلِ تحریک نے ایسی دکانوں پر جو برطانوی مصنوعات فروخت کرتی تھیں رضاکار مقرر کر دیئے تھے جو لوگوں کو جس طرح ممکن ہو وہاں سے خریداری کرنے سے روکتے تھے، اگر خرید چکے ہوں تو ان کو واپسی پر مجبور کرتے تھے، نیز دکانداروں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ ایسی اشیاء اپنی دکانوں میں نہ رکھیں۔ اگر وہ نہ مانیں تو ان کو نقصان پہنچاتے تھے خواہ اس دکاندار کے پاس کوئی اور ذریعۂ معاش نہو اور اس تجارت کے بند کرنے سے اسکے اہل و عیال پر فاقوں کی نوبت آجائے۔ حضرت ان طریقوں کا شرعی حکم بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

یہ واقعہ بھی متعدد گناہوں پر مشتمل ہے،

ایک مباح فعل کے ترک پر مجبور کرنا کیونکہ بجز بعض خاص تجارتوں کے سب اشیاء کی خرید و فروخت کا معاملہ اہلِ حرب تک کے ساتھ

بھی جائز ہے چہ جائیکہ معاہدین کے ساتھ۔

دوسرے بعد اتمام بیع کے واپسی پر مجبور کرنا اور زیادہ گناہ ہے کیونکہ بدون قانون خیار کے یہ واپسی بھی شرعاً مثل بیع کے ہے جس میں تراضی متعاقدین شرط ہے۔

تیسرے نہ ماننے والوں کو ایذار دینا، جو ظلم ہے،

چوتھے اہل وعیال کو تکلیف پہنچانا کہ یہ بھی ظلم ہے،

پانچویں اگر اس کو واجب شرعی بتلایا جاوے تو شریعت کی تغییر و تحریف ہونا ......"

اس کے بعد حضرت ہڑتال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اسمیں بھی وہی خرابیاں ہیں جو نمبر ۳ میں مذکور ہوئیں، اور اگر ان احتجاجات مذکورہ میں شرکت نہ کرنے پر ایذار جسمانی کی بھی نوبت آجائے تو یہ گناہ ہونے میں اضرار مالی سے بھی اشد اور منافی اقتضائے اسلام ہے پھر ان مقاطعات پر مجبور کرنے میں یہ جابرین خود اپنے تسلیم کردہ قانونِ حریت کے بھی خلاف کر رہے ہیں۔ ورنہ کیا وجہ کہ اپنی آزادی تو کوشش کریں، اور دوسروں کی آزادی کو سلب کریں۔"

(معاملۃ المسلمین - افادات اشرفیہ ص ۲۷، ۲۸)

اس کے علاوہ حضرت رحمہ اللہ تعالی نے ہڑتال ہی کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ "تلیین العرائک" کے نام سے لکھا ہے، جس کا اصل موضوع تو تعلیمی اداروں میں طلبہ کی ہڑتال ہے۔ لیکن اس میں مطلق ہڑتال کے بارے میں بھی اصولی بحثیں آگئی ہیں۔ اس رسالے کا حاصل بھی یہی ہے کہ ہڑتال کا مروجہ طریق کار شریعت کے خلاف اور ناجائز ہے۔ (ملاحظہ ہو امداد الفتاوی ص ۲۰۱ ج ۶)

بھوک ہڑتال:

اسی طرح مطالبات منوانے کے لئے ایک طریقہ بھوک ہڑتال کا بھی اختیار کیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا گیا تھا:

"اگر کوئی گرفتار ہو جائے اُن میں سے بعضے لوگ جیل جانے میں مقاطعہ

جوعی کرتے ہیں یہانتک کہ مرجاتے ہیں اور قوم میں ان کی مدح کی جاتی ہے۔"

حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا شرعی حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا :

"اس کا خودکشی اور حرام ہونا ظاہر ہے۔

قال اللہ تعالیٰ : ولا تقتلوا انفسکم ،

وفی الھدایۃ کتاب الاکراہ ، فیأثم کما فی حالۃ المخمصۃ ،

وفی العنایۃ : فامتناعہ عن التناول کامتناعہ من تناول الطعام الحلال حتی تلفت نفسہ اوعضوہ ، فکان اٰثما۔الخ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جان بچانا اس درجہ فرض ہے کہ اگر حالتِ اضطرار میں اندیشہ مرجانے کا ہو اور مردار کھانے سے جان بچ سکتی ہو تو اسکا نہ کھانا اور جان دیدینا معصیت ہے، چہ جائیکہ طعام حلال کا ترک اور اس فعل کی مدح کرنے میں تو اندیشۂ کفر ہے کہ صریح تکذیب ہے شریعت کی کہ شریعت جس فعل کو مذموم کہتی ہو یہ اس کو محمود کہتا ہے۔"

(افادات اشرفیہ درمسائل سیاسیہ ص ۲۸، ۲۹، نمبر۶)

ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں :

"یہ (بھوک ہڑتال) خودکشی کے مترادف ہے۔ اگر موت واقع ہوجائیگی تو وہ موت حرام ہوگی۔" (الافاضات الیومیۃ ص ۳۰ ج ۳ ملفوظ نمبر۱۴)

پبلسٹی کے مروّجہ ذرائع :

آج کی سیاست میں پبلسٹی اور پروپیگنڈے کو بھی نہایت اہم مقام حاصل ہے اور اس سلسلے میں عموماً مغربی سیاست کے ایک مشہور نمائندے گوئبلز کے اس مقولے پر عمل کیا جاتا ہے :

"جھوٹ اتنی شدت کے ساتھ بولو کہ دنیا اُسے سچ جان لے"

آج کل کی حکومتیں ہوں یا لادینی سیاسی جماعتیں وہ تو اس اصول پر عمل کرتی ہی ہیں لیکن بسا اوقات اسلام کے لئے سیاسی جدوجہد کرنے والے حضرات بھی چھائے ہوئے ماحول سے متأثر ہو کر پبلسٹی اور پروپیگنڈے کے مروّجہ ذرائع کو

استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ان کے جائز و ناجائز ہونے کی طرف یا تو دھیان نہیں جاتا یا پھر وہی نظریہ کارفرما ہوتا ہے کہ سیاست کی اصلاح ایک بلند مقصد ہے اور اس کے حصول کے لئے چھوٹے چھوٹے اُمور کی قربانی دی جاسکتی ہے۔

غلط بیانی تو حرام ہے ہی لیکن سیاسی مخالفین کی بلاوجہ غیبت، ان کے خلاف ناجائز بدگوئی، ان پر بہتان و افترا اور تحقیق کے بغیر افواہیں پھیلانا، یا ان پر تحقیق کے بغیر یقین کرنا یہ سب وہ باتیں ہیں جو ہماری سیاسی تحریکات میں شعوری یا غیر شعوری طور پر داخل ہوگئی ہیں اور ان کی وجہ سے افتراق و انتشار، پارٹی بندیوں اور فتنہ و فساد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے اپنی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات میں اس طریق کار پر بھی تنقید فرمائی ہے اور ایسی سیاسی تدبیروں کو ناجائز اور واجب الترک قرار دیا ہے جو ان مفاسد پر مشتمل ہوں۔

اسی طرح جلسے جلوس بھی پبلسٹی اور اپنے نقطۂ نظر کو عوام تک پہنچانے کا اہم ذریعہ سمجھے جاتے ہیں، لیکن ان میں بھی بعض اوقات احکام شرعیہ کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے، اس کے بارے میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جب کوئی تدبیر تدابیر منصوصہ کے خلاف اختیار کی جاوے گی، اس کو تو ممنوع ہی کہا جاوے گا۔ خصوص جبکہ وہ فعل عبث یا مضر بھی ہو تو اس کی حرمت میں پھر کیا شبہہ ہوسکتا ہے؟ وہاں تو الضرورات تبیح المحظورات کا شبہہ بھی نہیں ہوسکتا۔ مثلاً ہڑتالیں ہیں، جلوس ہیں، ان میں وقت کا ضائع ہونا، روپے کا صرف ہونا، حاجت مند لوگوں کو تکلیف ہونا، نمازوں کا ضائع ہونا، کھلے مفاسد ہیں تو یہ افعال کیسے جائز ہوسکتے ہیں؟

"ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر نیت امدادِ حق کی ہو؟

تو فرمایا:

ان باتوں سے حق کو کوئی امداد نہیں پہنچتی، دوسرے نامشروع فعل نیت سے مشروع نہیں ہوجاتا" (الافاضات الیومیہ ص ۱۳۶ ج ۵، ملفوظ نمبر ۲ ۱۵)

مروّجہ سیاسی تدابیر کے بارے میں ایک اور موقع پر آپ نے اپنا نقطۂ نظر واضح فرمایا ہے، آپ سے پوچھا گیا تھا:

”جتھے (حکومت کے) مقابلے کے لئے جاتے ہیں اور گرفتار ہوتے ہیں، خاموش مقابلہ کرتے ہیں، اگر حکومت کی طرف سے تشدد بھی ہو تب بھی جواب نہیں دیا جاتا۔ ان صورتوں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

”عقلی دو ہی احتمال ہیں، یا تو مقابلے کی قوت ہے، یا قوت نہیں، اگر قوت ہے تو گرفتار ہونے کے کیا معنی؟ مقابلہ کرنا چاہئے۔ اور جب مقابلہ نہیں کرسکتے تو یہ صورت عدم قوت کی ہے، جیساکہ ظاہر ہے، تو عدم قوت کی حالت میں قصداً ایسی صورت اختیار کرنے کی کہ خود ضرب و حبس میں مبتلا ہو شریعت اجازت نہیں دیتی، بلکہ بجائے ایسے مخترع مقابلے کے مکارہ (ناگوار امور) پر صبر سے کام لینا چاہیئے۔ خلاصہ یہ کہ اگر قوت ہے مقابلہ کرو، اگر قوت نہیں صبر کرو، ان دو صورتوں کے علاوہ تیسری کوئی صورت منقول نہیں۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں:

اس وقت سب سے بڑی وجہ ناکامی کی یہی ہوئی کہ مسلمانوں کے سر پر کوئی بڑا نہیں، نہ مسلمانوں کی قوت کسی مرکز پر جمع ہے اور نہ ہوسکتی ہے جب تک کہ بالاتفاق ایک کو بڑا نہ بنالیں۔ اگر امام ہو تو سب کام ٹھیک ہوسکتے ہیں۔ اس کے حکم سے میدان میں جاویں، اگر جان بھی جاتی رہے تو کوئی حرج نہیں اور یہ کیا کہ بیٹھے بیٹھے جاکر قتل ہوجاویں، یہ کوئی انسانیت ہے؟ اصل بات وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ خیر القرون میں دو ہی صورتیں تھیں کہ قوت کے وقت مقابلہ، اور عدم قوت کے وقت صبر۔ اس کے سوا سب من گھڑت تدابیر ہیں۔ اس لئے ان میں خیر و برکت نہیں ہوسکتی، اور جب خیر و برکت نہ ہو اور مسلمان ظاہراً کامیاب بھی ہوجائیں تو اس کامیابی پر کیا خوشی جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف

تدابیر اختیار کر کے کامیابی حاصل کی جاوے، اور حسّی کامیابی کا ہو جانا تو کوئی کمال کی بات نہیں۔ اس لئے کہ ایسی کامیابی کافروں کو بھی ہو جاتی ہے، اور مسلمانوں کی اصل کامیابی تو وہ ہے کہ چاہے غلامی ہو مگر خدا راضی ہو، اور اگر حکومت ہوئی اور ان کی مرضی کے خلاف ہوئی، وہ راضی نہ ہوئے تو فرعون کی حکومت اور تمہاری حکومت میں کیا فرق ہوا؟ بس ان کے راضی کرنے کی فکر کرو، ان سے صحیح معنوں میں تعلق جوڑو، اسلام اور احکامِ اسلام کی پابندی کرو۔ ان بتوں کا اتباع تو بہت دن کر کے دیکھ لیا، اب خدا کے سامنے سر رکھ کر اور اس سے اپنی حاجت اور ضروریات مانگ کر بھی دیکھ لو کہ کیا ہوتا ہے؟"

(الافاضات الیومیۃ ص ۱۶۸، ۱۶۹ ج ۵ ملفوظ نمبر ۱۹۰)

حکومت کے ساتھ طرزِ عمل:

اسلام نے اپنے احکام میں اصل زور اس بات پر دیا ہے کہ ہر حالت میں احکامِ شریعت کی اتباع کی جائے، اگر حاکم وقت کی طرف سے خلاف شرع اُمور کا حکم دیا جائے تو اس کی اطاعت واجب نہیں۔ بلکہ جب تک اِکراہ کی شرعی حالت متحقق نہ ہو شریعت کے احکام پر عمل ضروری ہے، اس راستے میں جتنی تکلیفیں پیش آجائیں ان پر صبر کرنا چاہیے کہ وہ موجب اجر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی حاکم شریعت کے خلاف کام کر رہا ہے تو اُسے راہِ راست پر لانے کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کی شرائط کے ساتھ انجام دینا بھی ضروری ہے اور ضرورت کے وقت اس کے سامنے اظہارِ حق بھی جسے حدیث میں "افضل الجہاد" قرار دیا گیا ہے۔ یہ تمام کام شریعت کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں بشرطیکہ شرعی حدود میں ہوں اور پیش نظر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور دینِ حق کی تبلیغ و نصرت ہو، محض اپنی بہادری جتانا، لوگوں سے داد حاصل کرنا یا خود طلب اقتدار پیش نظر نہ ہو۔

لیکن آج کی سیاسی فضاء میں یہ معاملہ بھی شدید افراط و تفریط کا شکار ہے جو لوگ "حزبِ اقتدار" سے وابستہ یا حکومت کے طرفدار ہوتے ہیں، وہ ہر حال میں حکومت کی تعریفوں کے پُل باندھے رکھتے ہیں اور اس کے ہر جائز و ناجائز فعل کی

تائید و حمایت کرتے ہیں۔ حکومت کے ناجائز یا ظالمانہ اقدامات کو کھلی آنکھوں دیکھتے ہیں پھر بھی خاموش رہتے ہیں اور ان کی تاویلات تلاش کرتے رہتے ہیں جو صریح مداہنت ہے، اور بعض لوگ تو ان ناجائز اقدامات کی حمایت کے لئے تحریف دین تک سے دریغ نہیں کرتے۔

اور دوسری طرف جو لوگ "حزب اختلاف" سے وابستہ یا حکومت کے مخالف ہیں، وہ "حکومت کی مخالفت" کو بذاتِ خود ایک مقصد بنا لیتے ہیں۔ اور اسے سیاسی فیشن کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ خاص طور پر یہ بات اپنے فرائض منصبی میں سے سمجھتے ہیں کہ وہ حکومت کی ہر بات میں کیڑے نکالیں اور اس کی کسی اچھائی کا اعتراف نہ کریں۔ اس طرز عمل کا مقصد بسا اوقات حق کی نصرت کے بجائے حکومت کو بدنام کر کے اپنے اقتدار کا راستہ ہموار کرنا اور عوام سے بہادری کی داد حاصل کرنا ہوتا ہے۔

عوام میں بھی حکام کو وقت بے وقت بُرا بھلا کہنے اور انہیں گالیاں تک دینے کا رواج عام ہو چکا ہے۔ جلوسوں میں سربراہان حکومت کو "کتا" اور "سور" تک بنا کر ان کے خلاف ہائے ہائے کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ مجلسوں میں ایک مشغلے کے طور پر حکام کا ذکر کر کے ان کی بُرائیاں کی جاتی ہیں جو کسی معقول وجہ کے بغیر ہونے کی وجہ سے غیبت میں تو داخل ہیں ہی، بعض اوقات افترا، اور بہتان کی حدود میں بھی داخل ہو جاتی ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ فاسق و فاجر حکمرانوں کو بُرا کہنا غیبت میں داخل نہیں۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے اس طرزِ عمل پر بھی تنقید فرمائی ہے حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"حجاج بن یوسف اس اُمت کا سب سے بڑا ظالم مشہور ہے، مگر کسی بزرگ کی مجلس میں ایک شخص نے اس پر کوئی الزام لگایا اور غیبت کی تو انھوں نے فرمایا کہ وہ اگرچہ ظالم و فاسق ہے مگر حق تعالیٰ کو اس سے کوئی دشمنی نہیں وہ جس طرح دوسرے مظلوموں کا انتقام حجاج سے لے گا اسی طرح اگر کوئی حجاج پر ظلم کریگا تو اس سے بھی انتقام لیا جائے گا۔"

(مجالس حکیم الامت ص ۹۲، ملفوظات رمضان ۱۳۴۸ھ)

اس کے علاوہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر یہ بات واضح فرمائی ہے کہ کسی ضرورت کے بغیر حکام کی علی الاعلان اہانت شرعاً پسندیدہ بھی نہیں ہے فرماتے ہیں :

"سلاطینِ اسلام کی علی الاعلان اہانت میں ضرر ہے جمہور کا، ہیبت نکلنے سے فتن پھیلتے ہیں، اس لئے سلاطینِ اسلام کا احترام کرنا چاہئے"

(انفاس عیسٰی ص ۳۷۵ ج ۱ - باب ۴)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ بات درحقیقت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی شرح ہے جو حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے :

من اراد ان ینصح لذی سلطان بامر فلا یبد له علانیة ولکن لیأخذ بیده فیخلوا به فان قبل منه فذاك والا کان قد ادّی الذی علیه ،

"جو شخص کسی صاحبِ اقتدار کو کسی بات کی نصیحت کرنا چاہے تو اس نصیحت کو علانیہ ظاہر نہ کرے بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لیجائے اگر وہ اس کی بات قبول کرلے تو بہتر ورنہ اس نے اپنا فرض ادا کردیا"۔

(مجمع الزوائد ص ۲۲۹ ج ۵ - بحوالہ مسند احمد و رجالہ ثقات)

ایک اور وعظ میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

"بعض لوگ بعض مصائب سے تنگ ہو کر حکام وقت کو برا بھلا کہتے ہیں، یہ بھی علامت ہے بے صبری کی، اور پسندیدہ تدبیر نہیں، اور حدیث شریف میں اس کی ممانعت بھی آئی ہے، فرماتے ہیں :

"لا تسبوا الملوك"

یعنی بادشاہوں کو برا مت کہو، ان کے قلوب میرے قبضے میں ہیں میری اطاعت کرو، میں ان کے دلوں کو تم پر نرم کردوں گا"۔

(وعظ الصبر ص ۳۶، ماخوذ از اصلاح المسلمین ص ۵۲۲)

جس حدیث کی طرف حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے وہ مختلف

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مختلف الفاظ میں مروی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کے یہ الفاظ مروی ہیں :

"لا تشغلوا قلوبکم بسبّ الملوك، ولٰکن تقرّبوا الی الله تعالیٰ بالدّعاء لهم یعطف الله قلوبهم علیکم"

"اپنے دل بادشاہوں کو بُرا بھلا کہنے میں مشغول نہ کرو۔ بلکہ انکے حق میں دعاء کرکے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو، اللہ تعالیٰ انکے دلوں کو تمہاری طرف متوجہ فرمادیں گے۔

(کنز العمال ص ۲ ج ۶ حدیث ۹ء بحوالۂ ابن النجّار)

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ منقول ہیں :

ان الله یقول : انا الله لا الٰه الّا انا، مالك الملك وملك الملوك قلوب الملوك بیدی، وإن العباد اذا اطاعونی حوّلت قلوب ملوکهم علیهم بالرأفة والرحمة، وان العباد اذا عصونی حوّلت قلوبهم علیهم بالسخط والنقمة، فساموهم سوء العذاب فلا تشغلوا انفسکم بالدّعاء علی الملوك، ولکن اشغلوا انفسکم بالذکر والتضرع اکفکم ملوککم۔

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں مالک الملک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں اور بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے دلوں کو ان کی طرف رحمت و رافت سے متوجہ کر دیتا ہوں، اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے دلوں کو ان کے خلاف ناراضی اور عذاب کے ساتھ متوجہ کر دیتا ہوں، چنانچہ وہ انھیں بدترین اذیتیں پہنچاتے ہیں۔ لہٰذا تم بادشاہوں کو بددعائیں دینے میں مشغول نہ ہو، بلکہ اپنے آپ کو ذکر اور دعاء و تضرع میں مشغول رکھو، میں تمہارے بادشاہوں کے معاملے میں تمہاری مدد کروں گا"۔

(مجمع الزوائد ص ۲۴۹ ج ۵ بحوالہ، طبرانی، وفیہ ابراہیم بن راشد، وہو متروک)

اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں :

لا تسبّوا الائمۃ وادعوا اللہ لھم بالصّلاح فان صلاحھم لکم صلاح ۔

”ائمہ (سربراہانِ حکومت) کو بُرا بھلا نہ کہو، بلکہ ان کے حق میں نیکی کی دعا کرو۔ کیونکہ ان کی نیکی میں تمہاری بھلائی ہے“

(السراج المنیر للعزیزی ص ۴۱۱ ج ۴، وقال: اسنادہ حسن)

بہرصورت! حکام کو بلاضرورت بُرا کہنے کو مشغلہ بنالینا شرعاً پسندیدہ نہیں ہے اگر وہ اتنے بُرے ہوں کہ ان کے خلاف خروج (بغاوت) جائز ہو تو پھر شرعی احکام کے مطابق خروج کیا جائے (جس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ آگے آرہی ہے) لیکن بدگوئی کو شیوہ بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ غیبت کے نقصان کے علاوہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بدگوئی کے ایک اور نقصان کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے، اور وہ یہ کہ حکومت کی فی الجملہ ہیبت امن وامان کے قیام کے لئے ضروری ہے اور جب یہ ہیبت دلوں سے اُٹھ جائے تو اس کا لازمی نتیجہ مجرموں کی بے باکی کی صورت میں نکلتا ہے، ملک میں بدامنی پھیلتی ہے اور اس کا نقصان پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔

حکومت کے غیر شرعی قوانین اور اقدامات کیخلاف چارۂ کار

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہڑتال، بھوک ہڑتال اور احتجاج کی مروجہ بیشتر صورتوں کو درمیان سے نکال دیا جائے تو موجودہ حکومتوں کے غیر شرعی قوانین اور اقدامات کے خلاف اُمّت کے پاس چارۂ کار کیا رہ جاتا ہے؟ کیا موجودہ حکومتوں کو اس طرح آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ اسلامی احکام کو پامال کرتی رہیں؟ لوگوں کو اسلام اور اسلامی تعلیمات سے برگشتہ کرنے کیلئے حکومت کی پوری مشینری کو استعمال کرتی رہیں؟ تعلیم گاہوں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ غیر اسلامی نظریات کی ترویج جاری رہے، اور جو مسلمان دین پر عمل کرنا چاہتے ہیں وہ زبانی وعظ ونصیحت کے سوا کچھ نہ کریں؟ جبکہ آج کل کی حکومتوں کا تجربہ ہے کہ وہ زبانی وعظ ونصیحت کو درخور اعتنا نہیں سمجھتیں اور جب تک ان پر احتجاج

کا دباؤ نہ ڈالا جائے اس وقت تک وہ کسی مطالبے کو عموماً تسلیم نہیں کرتیں۔

اس سوال کا جواب حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی روشنی میں یہ ہے کہ مغربی سیاست کے رواجِ عام کے سبب ہمارے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ احتجاج کا طریقہ ہڑتالوں، جلوسوں اور مظاہروں ہی میں منحصر ہے، حالانکہ ایک مسلمان کو احتجاج کا طریقہ بھی خود اپنے دین کے احکام ہی سے لینا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اگر حکومت کے یہ غیر اسلامی اقدامات اس حد تک پہنچ جاتے ہیں جہاں حکومت کے خلاف خروج (مسلح بغاوت) جائز ہوجائے وہاں تو خروج کے احکام جاری ہوں گے (جن کی کچھ تفصیل آگے آرہی ہے) لیکن جہاں خروج جائز نہ ہو وہاں وعظ ونصیحت کے علاوہ مسلمانوں کے پاس احتجاج کا ایک طریقہ ایسا ہے جو بڑی بڑی حکومتوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرسکتا ہے اور وہ طریقہ ہے:

لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق

"خالق کی نافرمانی کرکے کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں"۔

اور یہ طریقہ خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے ثابت ہوتا ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خذوا العطاء ما دام عطاء، فاذا صار رشوۃ علی الدین فلا تأخذوہ ولستم بتارکیہ یمنعکم الفقر والحاجۃ الا ان رحا الاسلام دائرۃ فدوروا مع الکتاب حیث دار، الا ان الکتاب والسلطان سیفترقان فلا تفارقوا الکتاب، الا انہ سیکون علیکم امراء یقضون لانفسہم مالا یقضون لکم فان عصیتموھم قتلوکم، وان اطعتموھم اضلوکم، قالوا: یارسول اللہ کیف نصنع؟ قال: کما صنع اصحاب عیسی ابن مریم نشروا بالمناشیر وحملوا علی الخشب، موت فی طاعۃ اللہ خیر من حیاۃ فی معصیۃ اللہ۔

"تنخواہ اس وقت تک لو جب تک وہ تنخواہ رہے، لیکن اگر وہ دین

(فروشی) کے اوپر رشوت بن جائے تو نہ لو، اور تم فقر اور حاجت کے خوف سے اسے چھوڑ دو گے نہیں، خوب سن لو کہ اسلام کی چکی چل چکی ہے لہٰذا قرآن جہاں بھی جائے تم اس کے ساتھ جاؤ۔ خبردار! قرآن اور اقتدار دونوں الگ الگ ہو جائیں گے، ایسے میں تم قرآن کا ساتھ نہ چھوڑنا، یاد رکھو کہ تم پر کچھ ایسے امراء آئیں گے جو اپنے حق میں وہ فیصلے کریں گے جو تمہارے حق میں نہیں کریں گے۔ اگر تم نے ان کی خلاف ورزی کی تو وہ تمہیں قتل کر دینگے اور اگر تم نے انکی اطاعت کی تو وہ تمھیں گمراہ کر دینگے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم ایسے میں کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہی کرو جو عیسی ابن مریم علیہما السلام کے ساتھیوں نے کیا، ان کو آروں سے چیر دیا گیا، اور لکڑیوں پر سولی چڑھایا گیا، اللہ کی اطاعت میں موت آجائے تو وہ اللہ کی نافرمانی میں زندگی گزارنے سے بہتر ہے"۔

(مجمع الزوائد ص ٢٣٨ ج ٥ بحوالۂ طبرانی، قال الهیثمی: یزید بن مرثد لم یسمع من معاذ والوضین بن عطاء وثقه ابن حبان وغیره وضعفه جماعة وبقية رجاله ثقات)

اس حدیث نے واضح فرمادیا کہ اگر کبھی حکومت وقت کی طرف سے ایسے احکام جاری کئے جائیں جو اللہ کی کتاب کے صراحۃً خلاف ہوں (جن میں اسلام کے تمام قطعی اور منصوص احکام داخل ہیں) تو ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ ان احکام کے بجائے اللہ کے حکم کی پابندی کرے، یہ طریق کار جہاں انفرادی طور پر اور اخروی نجات کا راستہ ہے وہاں اس میں اجتماعی اصلاح کی بھی زبردست صلاحیت ہے کیونکہ اب اگر عوام میں یہ عام دینی شعور پیدا کر دیا جائے کہ وہ خالص اپنے دینی جذبے سے حکومت کے غیر اسلامی احکام کی تنفیذ میں حصہ دار بننے سے ہاتھ روک لیں تو ایک حکومت پر اس سے بڑے کسی دباؤ کا تصور نہیں کیا جا سکتا، غور فرمائیے کہ اگر مسلمان اپنے دینی شعور کے تحت یہ فیصلہ کر لیں کہ وہ بینکوں کے سودی کھاتوں میں رقمیں نہیں رکھوائیں گے۔ ملازمین یہ طے کر لیں کہ وہ سودی بینکوں کی ملازمت چھوڑ دیں گے اور تجار یہ طے کر لیں کہ وہ کسی بینک سے سود پر قرض نہیں لیں گے۔ تو کیا یہ سودی نظام ایک دن باقی رہ سکتا ہے؟ اگر مسلمان جج یہ طے کر لیں کہ وہ کسی غیر اسلامی قانون کے تحت فیصلہ نہیں کریں گے۔ اور اسکے لئے ملازمت چھوڑنی پڑے تو چھوڑ دیں گے وکلاء یہ طے کر لیں کہ وہ کسی غیر اسلامی قانون کے تحت کسی مقدمے کی پیروی نہیں کریں گے

خواہ انھیں کتنے مالی فوائد سے ہاتھ دھونے پڑیں تو کیا یہ غیر اسلامی قوانین عوام کے سروں پر مسلّط رہ سکتے ہیں؟ اگر مسلمان سرکاری ملازمین یہ عزم کرلیں کہ وہ حکومت کے کسی غیر اسلامی اقدام کی تنفیذ میں حصہ دار بننا گوارا نہیں کریں گے اور اگر انھیں ایسا کرنا پڑا تو وہ ملازمت سے مستعفی ہو جائیں گے تو کیا یہ غیر اسلامی اقدامات باقی رہ سکتے ہیں۔؟

احتجاج کے مروّجہ طریقوں کے مقابلے میں اس تجویز میں صرف یہ خرابی ہے کہ یہ مغربی سیاست کے ٹکسال سے ڈھل کر نہیں نکلی اس لئے ذہنوں کے لئے اجنبی اور نامانوس ہے لیکن اگر اس تجویز پر ٹھیک ٹھیک عمل کرلیا جائے تو اس میں ملک کا نظام بدلنے کی پوری صلاحیت موجود ہے اور یہ مروّجہ تدابیر کے مفاسد سے بھی خالی ہے ہاں اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ نفاذ اسلام کی جد و جہد کرنے والوں کے دل میں خدا کا خوف، آخرت کی فکر، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس اور اتباع شریعت کی لگن موجود ہو۔ اور وہ پہلے اپنی ذات پر اسلامی احکام کے نفاذ کے لئے تیار رہوں۔

اس کے برعکس مروّجہ طریق کار لوگوں کو اس لئے آسان معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں اپنی ذات پر اسلام کی کوئی پابندی عائد کرنے کی کوئی شرط نہیں ہے، جس شخص کی ذاتی زندگی اسلام کی بنیادی تعلیمات تک سے خالی ہو، وہ بھی نفاذ اسلام کا جھنڈا بلند کر کے سڑکوں پر نعرے لگا سکتا ہے، اس طریق کار میں "اسلامی جذبے" کے اظہار کے لئے ایک دن ہڑتال میں حصہ لے لینا کافی ہے۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد دکانوں اور دفتروں میں بیٹھ کر خالص غیر اسلامی معاملات اپنے ہاتھوں سے طے کئے جا رہے ہوں تو اس سے اس جد و جہد پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سوال یہ ہے کہ جو لوگ خود اپنی ذاتی زندگی پر اسلامی احکام نافذ نہ کر سکتے ہوں وہ کیسے یہ توقع کر سکتے ہیں کہ نفاذ اسلام کے لئے ان کی جد و جہد اور ان کے مطالبات پورے ہو جائیں گے؟ اس عظیم کام کے لئے اتنی شرط تو ہونی چاہیے کہ جو لوگ اس جد و جہد کا بیڑا اٹھائیں کم از کم وہ تو اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالے ہوئے ہوں اور اس راہ میں جان و مال اور جذبات و مفادات کی قربانی پیش کرنے کا عزم رکھتے ہوں۔ اگر یہ بنیادی شرط ہی مفقود ہے تو نفاذ اسلام کی جد و جہد کی حیثیت و اہمیت ایک بے جان اور سطحی شورش سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

حکومت کے خلاف خروج :

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کو شدید جُرم قرار دیا ہے اور باغی کی سزا موت قرار دی ہے۔ چنانچہ اس بات پر فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے۔

حکومت عادلہ کے خلاف بغاوت کس وقت جائز ہوتی ہے؟ اس مسئلے میں فقہاء اُمت نے کافی مفصّل بحثیں کی ہیں، یہ بات تو احادیث سے واضح ہے کہ اگر حکمراں سے کفر بواح (واضح کفر) کا صدور ہو جائے تو اسکے خلاف بغاوت بالکل برحق ہے لیکن اگر اس سے فسق و فجور سرزد ہو تو اس صورت میں عموماً فقہاء رحمہم اللہ بغاوت کو جائز نہیں کہتے کیونکہ حدیث میں صرف کفر بواح کی صورت میں بغاوت کی اجازت دی گئی ہے۔

لیکن دوسری طرف بعض احادیث کے کچھ الفاظ اس کے خلاف بھی نظر آتے ہیں جن سے حکمران کے فسق کی صورت میں خروج کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اسی بنا پر بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارتیں بھی کچھ متضاد سی نظر آتی ہیں۔ خود راقم الحروف کو اس مسئلے میں ایک مدت تک بہت اشکال رہا، اور کوئی منقح بات سامنے نہیں آئی۔

لیکن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے اس موضوع پر ایک نہایت جامع مفصّل اور مدلّل رسالہ تحریر فرمایا ہے جو امداد الفتاوی کی پانچویں جلد میں "جزل الکلام فی عزل الامام" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع کی تمام احادیث اور فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال کو یکجا جمع کر کے اس مسئلے کو اتنا منقح فرما دیا ہے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر بحث احقر کی نظر سے نہیں گزری، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسئلے کی تمام صورتوں کا تجزیہ فرما کر ہر صورت کا حکم احادیث اور فقہی حوالوں کے ذریعے واضح فرمایا ہے۔

حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حکمران کے غیر اسلامی اقدامات کی چند صورتیں ہیں اور ہر صورت کا حکم جدا ہے۔

(۱) حکمران کا فسق اسکی ذات کی حد تک محدود ہو، مثلاً شراب نوشی وغیرہ، اس کا حکم یہ ہے :

"اگر بدون کسی فتنے کے آسانی سے جدا کر دینا ممکن ہو، جُدا کر دیا جائے، اگر فتنے

کا اندیشہ ہو صبر کیا جائے .... اور اگر نہی عن العزل کی صورت میں اس پر کوئی خروج کرے تو عامۂ مسلمین پر اس کی نصرت واجب ہے خاص کر جب امام حکم بھی کرے، لقولہ فی العبارۃ السادسۃ فاذا خرج جماعۃ مسلمون" الخ

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا فسق دوسروں تک متعدی ہو یعنی لوگوں کا مال ناحق طریقے سے لینے لگے، لیکن اس میں اشتباہ جواز کا بھی ہو سکتا ہو۔ جیسے مصالح سلطنت کے نام سے ٹیکس وغیرہ وصول کرنے لگے۔ اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اس میں اس کی اطاعت ہی واجب ہے خروج جائز نہیں۔

(۳) ایسا مالی ظلم کرے جس میں جواز کا شبہہ بھی نہ ہو بلکہ صریح ظلم ہو، اسکا حکم یہ ہے:
"اپنے اوپر سے ظلم کا دفع کرنا، اگرچہ قتال کی نوبت آجائے .... اور صبر بھی جائز ہے۔ بلکہ غالباً اولیٰ ہے ...."

(۴) لوگوں کو معصیتوں پر مجبور کرے، مگر اس کا منشأ دین کا استخفاف یا کفر و معصیت کی پسندیدگی نہ ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر اکراہ کے وہ احکام جاری ہونگے جو فقہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ لیکن خروج جائز نہ ہوگا۔

(۵) لوگوں کو معصیت پر مجبور کرے، اور اس کا منشأ دین کا استخفاف یا کفر و معصیت کی پسندیدگی ہو تو یہ کفر ہے،
یا اگرچہ فی الحال تو اکراہ کا منشأ استخفاف وغیرہ نہ ہو لیکن اکراہ عام بشکل قانون ایسے طور پر ہو کہ ایک مدت تک اس پر عام عمل ہونے سے فی المآل ظن غالب ہو کہ طبائع میں استخفاف پیدا ہو جاویگا تو ایسا اکراہ بھی بحکم کفر ہے اور ان تمام صورتوں میں وہی حکم ہوگا جو کفر بواح کا ہے اور جو چھٹی صورت میں آرہا ہے۔

(۶) نعوذ باللہ! کافر ہو جائے، اس کا حکم یہ ہے:
"معزول ہو جاوے گا اور اگر جدا نہ ہو تو بشرطِ قدرت جدا کر دینا علی الاطلاق واجب ہے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ وہ کفر متفق علیہ ہو اور جس طرح اسکا کفر ہونا قطعی ہو اسی طرح اس کا صدور بھی یقینی ہو، مثل رؤیت عین کے نہ کہ محض روایات ظنیہ کے درجے میں،
کما دل علیہ قولہ علیہ السلام الا ان تروا

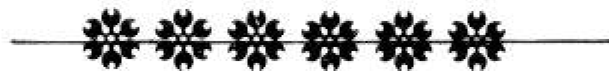
المراد به رؤیة العین بدلیل تعدیته الی مفعول واحد"۔
کسی امر موجب کفر کی دلالت علی الکفر یا اس امر موجب کفر کا ثبوت قرائن مقامیہ یا مقالیہ کے اختلاف سے مختلف فیہ ہو سکتا ہے۔ اور خود قطعیت بھی کبھی مختلف فیہ ہو سکتی ہے، اسی طرح کبھی اجماع مختلف فیہ ہو سکتا ہے ...... اس صورت میں ہر عامل اپنے عمل میں معذور ہو گا۔
اسی طرح ایک اور صورت میں بھی رائے کے اختلاف میں مساغ ہے وہ یہ کہ عبارتِ خامسہ میں تعارضِ مصالح کے وقت اخف المضرتین کے تحمل کا حکم کیا گیا ہے تو ممکن ہے کہ دو شخصوں کا اجتہاد مضراتِ مختلفہ کے اخف و اشد ہونے میں مختلف ہو۔ وبه ینحل کثیر من الاشکالات من اختلاف جماعات الثقات فی مثل هٰذه المقامات۔
(امداد الفتاویٰ ص ۱۲۰۔ ج ۵)

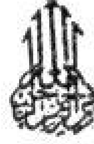
پھر جن صورتوں میں خروج کی اجازت یا وجوب بیان کیا گیا ہے ان میں شرط یہ ہے کہ خروج کے لئے مناسب قوت موجود ہو۔ اور اس کے نتیجے میں کسی اور بدتر حکمران کے مسلط ہو جانے یا کسی غیر مسلم طاقت کے قبضہ جما لینے کا اندیشہ نہ ہو۔

یہاں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کا نہایت اجمالی خلاصہ پیش کیا گیا ہے ورنہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہر صورت کے حکم کو حدیث اور فقہ کے دلائل سے مبرہن فرمایا ہے اور تمام ممکنہ شبہات کا ازالہ بھی فرمایا ہے۔ اہلِ علم کے لئے یہ رسالہ نہایت مفید اور اطمینان بخش ہے۔

فهٰذا آخر ما اردنا ایراده فی هٰذه العجالة وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمین والصلاة والسلام علی سیدنا ومولانا محمد النبی الامین وعلی اٰله واصحابه اجمعین،

(ماہنامہ "البلاغ" شعبان و رمضان ۱۴۱۰ ہجری)





وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ
(القرآن)

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ در مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید
فرنگ آئین جمہوری نہاد ست
رسن از گردن دیوے کشاد ست

رفع النقاب
عن
وجہ الانتخاب

- جمہوریت اسلامیہ
- عورت کی سربراہی کی حرمت کے بارے میں

اکابر علماء کا متفقہ فیصلہ ———

○ قرآن ○ حدیث ○ فقہ ○ عقل ○ اجماع امت

کتبہ فاروقی

رفع النقاب

مندرجات :

کتبہ فاروقی

جمہوریت اِسلامیہ

سوال : اسلام میں طرزِ حکومت شاہی ہے یا جمہوری؟ اگر جمہوری ہے تو طریقِ انتخاب کیا ہے ؟

اسلامی جمہوریت میں مسلمانوں کا سربراہ کیسے منتخب کیا جاتا ہے؟ کیا مرد اور عورت سب کو رائے دہی کا حق ہے یا صرف مردوں کو؟ اور کیا صرف اربابِ عقول اور سمجھدار لوگوں سے رائے لی جائے یا سب سے، سمجھدار اور بے سمجھ چرواہوں اور بے وقوفوں سے بھی؟ جیساکہ آجکل کے ریفرنڈم کا طرزِ عمل ہے، غرض جن لوگوں کو اپنا خلیفہ منتخب کرنے میں کوئی سمجھ نہیں کہ کون اہلیّت رکھتا ہے، کیا ان سے بھی رائے لی جائے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

اسلام کا طرزِ حکومت جمہوری ہے، جمہوریّت اسلامیہ اور جمہوریتِ مروجہ میں دو قسم کا فرق ہے۔

(۱) جمہوریت مروجہ میں سربراہ مملکت خود مختار نہیں ہوتا بلکہ مقننہ کے فیصلہ کا پابند ہوتا ہے اور جمہوریت اسلامیہ میں امیر المؤمنین خود مختار ہوتا ہے، اہم اُمور میں اہلِ حل وعقد سے مشورہ کے بعد جو اس کی رائے میں صواب ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے، شوریٰ کے فیصلہ کا پابند نہیں،

قال اللّٰہ تعالیٰ وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکّل علی اللّٰہ (۳ - ۱۵۹)

(۲) جمہوریت مروجہ میں ہر کس وناکس کو رائے دہی کا حق ہے مگر جمہوریت اسلامیہ میں انتخاب خلیفہ کا حق صرف اہلِ حل وعقد کو ہے۔

اہلیتِ حل وعقد کے لئے پانچ شرائط ہیں۔

(۱) عقائد اسلام میں رسوخ ومضبوطی۔

(۲) ذکورۃ۔ (۳) علمِ دین میں رسوخ۔

(۴) تقویٰ وتصلب فی الدین۔

(۵) ملکی حالات وسیاساتِ حاضرہ میں بصیرتِ تامّہ۔

دلائل :

(۱) قال اللہ تعالیٰ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ (۴-۸۳)

جب عمومی مسائل کے لئے اہلِ حل وعقد کی طرف رجوع کا حکم ہے تو خلافت جیسے اہم واعظم مسئلہ کے لئے عوام کالانعام کی طرف رجوع کی کیسے اجازت دی جا سکتی ہے؟

(۲) وقال تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ (۴-۵۹)

اس آیت میں اُولی الامر کی دو تفسیریں کی گئی ہیں :

(۱) حکام۔ (۲) اہلِ حل وعقد۔

پہلی آیت میں اُولی الامر سے اہلِ حل وعقد ہی متعین ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ دوسری آیت میں بھی یہی تفسیر راجح ہے۔

جب عام معاملات میں اہلِ حل وعقد کی اطاعت کا حکم ہے تو انتخاب امیر جیسے اہم مسئلہ میں بطریق اولیٰ ان کی اطاعت فرض ہوگی۔

(۳) وقال تعالیٰ وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللّٰہ ؕ (۶-۱۱۶)

(۴) وقال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (۴-۵۸)

اس سے جیسے یہ ثابت ہوا کہ امیر ایسے شخص کو منتخب کرنا فرض ہے جس میں امارت کی اہلیت ہو، اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ عوام پر یہ فرض ہے کہ انتخاب امیر کا مسئلہ خود طے کرنے کی بجائے ایسے اہلِ حل وعقد کے سپرد کریں جن میں انتخاب کی اہلیت ہو۔

(۵) نصوص شرعیہ کے علاوہ عقل کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ انتخاب امیر ہر کس و ناکس کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے کمال عقل کی ضرورت ہے اور علم دین و تقویٰ کے بغیر عقل کامل نہیں ہو سکتی۔

شرائط امیر :

امیر کے لئے اہلیت حل وعقد کی شرائط مذکورہ کے علاوہ چھٹی شرط یہ

بھی ہے کہ صاحب ہمت و شجاعت ہو۔

طریق انتخاب امیر:

اسلام میں انتخاب امیر کے تین طریقے ہیں:

① بیعت اہل حل وعقد، کما وقع لسیدنا ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

② استخلاف، خلیفۂ وقت چند اہل حل وعقد سے مشورہ کر کے کسی کے بارے میں وصیت کر دے کہ میرے بعد یہ خلیفہ ہوگا، جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان، عبد الرحمٰن بن عوف، سعید بن زید، اسید بن حضیر اور مہاجرین و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے دوسرے اہل حل وعقد سے مشورہ کر کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرمایا۔

روی ابن الاثیر رحمہ اللہ تعالیٰ ان ابا بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما مرض دعا عبد الرحمٰن یعنی ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال لہ اخبرنی عن عمر بن الخطاب، فقال عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما تسألنی عن امر الا وانت اعلم بہ منی، قال ابوبکر وان، فقال عبد الرحمٰن ھو واللہ افضل من رأیك فیہ ثم دعا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال اخبرنی عن عمر، فقال انت اخبرنا بہ، فقال علی ذلك یا ابا عبد اللہ، فقال عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللّٰھم علمی بہ ان سریرتہ خیر من علانیتہ وان لیس فینا مثلہ، فقال ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرحمك اللہ واللہ لو ترکتہ ما عدوتك، وشاور معھما سعید بن زید ابا الاعور واسید بن حضیر وغیرھما من المھاجرین والانصار رضی اللہ تعالیٰ عنھم، فقال اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللّٰھم اعلمہ الخیرۃ بعدك یرضی للرضی ویسخط للسخط الذی یسر خیر من الذی یعلن ولن یلی ھذا الامر احد اقوی علیہ منہ (اسد الغابۃ ص۱۶۸ ج۴)

بذریعۂ استخلاف انعقاد خلافت کی شرائط:

استخلاف ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفصیل مذکور سے ثابت ہوا کہ بذریعۂ استخلاف انعقاد خلافت کے لئے تین شرائط ہیں:

(۱) خلیفۂ اوّل میں خلافت کی سب شروط موجود ہوں۔
(۲) خلیفۂ ثانی بھی سب شروط خلافت کا مستجمع ہو۔
(۳) خلیفۂ اوّل نے خلیفۂ ثانی کے انتخاب میں اہل حل وعقد سے مشورہ کیا ہو۔
(۴) شوریٰ، خلیفۂ وقت چند اہل حل وعقد کی شوریٰ متعین کرکے یہ وصیت کردے کہ میرے بعد یہ لوگ اتفاق رائے سے اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کریں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی چھ رکنی شوریٰ متعین فرمائی، اس کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا،

رواہ الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عن عمرو بن میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولفظہ قال (عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ما اجد احق بھذا الامر من ھؤلاء النفر او الرھط الذین توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو عنھم راض فسمی علیا وعثمان والزبیر وطلحۃ وسعدا وعبدالرحمٰن ابن عوف، وقال ویشھدکم عبداللہ بن عمر ولیس لہ من الامر شیء کھیئۃ التعزیۃ لہ فان اصابت الامرۃ سعداً فھو ذاک والافلیستعن بہ ایکم ما امر فانی لم اعزلہ من عجز ولا خیانۃ (وبعد اسطر) فلما فرغ من دفنہ اجتمع ھؤلاء الرھط فقال عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجعلوا امرکم الی ثلثۃ منکم، قال الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد جعلت امری الیٰ علی فقال طلحۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد جعلت امری الیٰ عثمان وقال سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد جعلت امری الی عبدالرحمٰن بن عوف فقال لہ عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایکما تبرأ من ھذا الامر فنجعلہ الیہ واللہ علیہ والاسلام لینظرن افضلھم فی نفسہ فاسکت الشیخان رضی اللہ تعالیٰ عنھما فقال عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ افتجعلونہ الیّ واللہ علیّ ان لا آلو عن افضلکم قالا نعم فاخذ بید احدھما فقال لک قرابۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والقدم فی الاسلام ما قد علمت

فاللہ علیک لئن امرتك لتعدلن ولئن امرت عثمان لتسمعن ولتطیعن ثم خلا بالآخر فقال له مثل ذٰلك فلما اخذ المیثاق قال ارفع یدیك یا عثمان فبایعه فبایع له علیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وولج اهل الدار فبایعوه (صحیح البخاری ص ۵۲۵ ج ۱)

انتخاب امیر کے یہی تین طریقے ہیں، البتہ انعقادِ خلافت کا ایک چوتھا طریقہ استیلاء وتغلب بھی ہے، یعنی خلیفۂ وقت کی موت کے بعد کوئی شخص جبرًا وقہرًا مسلّط ہوجائے تو اس کی خلافت منعقد ہوجائے گی، اس لئے اس کی اطاعت واجب ہے۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) یہ شخص شروط خلافت کا مستجمع ہو اور لوگوں کو صلح وحسن تدبیر سے مائل کرے، کوئی ناجائز اقدام نہ کرے۔ یہ قسم جائز ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اسی طرح منعقد ہوئی تھی۔

(۲) اس شخص میں شروطِ خلافت نہ ہوں، اور اپنے مخالفین کو قتال اور دوسرے ناجائز حربوں سے تابع کرے، یہ جائز نہیں، ایسا شخص فاسق اور سخت گنہگار ہے، مگر اس کے باوجود اس کے تسلط کے بعد اسکی اطاعت واجب ہے بشرطیکہ اسکا حکم خلاف شرع نہو۔ اسکی مخالفت اور اسے معزول کرنے کی کوشش کرنا جائز نہیں۔

قال الامام ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ انعقاد خلافت بچہار طریق واقع شود:

طریق اوّل بیعت اہل حل وعقد ست از علماء وقضاۃ وامراء ووجوہ ناس کہ حضور ایشاں میسّر شود واتفاق اہل حل وعقد جمیع بلاد اسلام شرط نیست زیرا کہ آں ممتنع ست وبیعت یکدوکس فائدہ ندارد زیرا کہ حضرت عمر در خطبہ آخر فرمودہ اند فمن بایع رجلا علی غیر مشورة من المسلمین فلا یبایع ہو والذی بایعہ تغرة ان یقتلا وانعقاد خلافت حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بطریق بیعت بودہ است۔

طریق دوم استخلاف خلیفہ است مستجمع شروط را یعنی خلیفۂ عادل بمقتضائی نصح مسلمین شخصی را از میان مستجمعین شروط خلافت اختیار کند وجمع نماید مردمان را ونص کند باستخلاف وی ووصیت نماید باتباع وی۔ پس این شخص میان سائر مستجمعین خصوصیتی پیدا کند وقوم را لازم ست کہ ہماں شخص را خلیفہ سازند، انعقاد خلافت حضرت فاروق رضی اللہ

تعالیٰ عنہ بہمیں طریق بود۔

طریق سوم شوریٰ ست وآں آنست کہ خلیفہ شائع گرداند خلافت را درمیان جمعی از مستجمعین شروط وگوید از میان ایں جماعہ ہرکرا اختیار کنند خلیفہ او باشد پس بعد موت خلیفہ تشاور کنند ویکی را معین سازند واگر برائے اختیار شخصی را یا جمعی را معین کند اختیار ہماں شخص یا ہماں جمع معتبر باشد، وانعقاد خلافت ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہمیں طریق بود کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت را درمیان شش کس شائع ساختند وآخرہا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ برائے تعیین خلیفہ مقرر شد ووی حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ را اختیار نمود۔

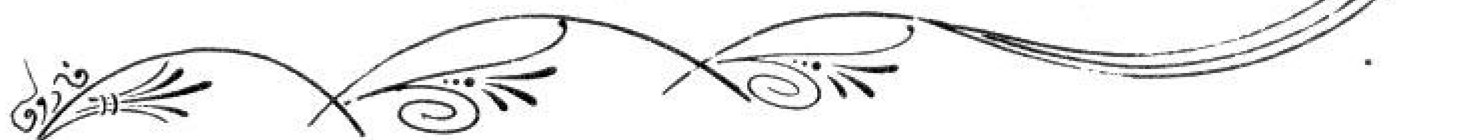
طریق چہارم استیلاء ست چوں خلیفہ بمیرد وشخصی متصدی خلافت گردد بغیر بیعت و استخلاف وہمہ را برخود جمع سازد بایتلاف قلوب یا بقہر ونصب قتال خلیفہ شود ولازم گردد بر مردماں اتباع فرمان او درآنچہ موافق شرع باشد، وایں دو نوع ست:

یکی آنکہ مستولی مستجمع شروط باشد وصرف منازعین کند بصلح وتدبیر از غیر ارتکاب محرمی، وایں قسم جائز ست ورخصت، وانعقاد خلافت معاویۃ بن ابی سفیان بعد حضرت مرتضیٰ و بعد صلح امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہمیں نوع بود۔

دیگر آنکہ مستجمع شروط نباشد وصرف منازعین کند بقتال وارتکاب محرم وآں جائز نیست و فاعل آں عاصی ست لیکن واجب ست قبول احکام او چوں موافق شرع باشد، واگر عمال او اخذ زکوٰۃ کنند از ارباب اموال ساقط شود وچوں قاضی او حکم نماید نافذ گردد حکم او، ہمراہ او جہاد می تواں کرد، وایں انعقاد بنا بر ضرورت ست زیرا کہ در عزل او افنائی نفوس مسلمین وظہور حرج ومرج شدید لازم می آید وبیقین معلوم نیست کہ ایں شداید مفضی شود بصلاح یا نہ، یحتمل کہ دیگری بدتر از اول غالب شود، پس ارتکاب فتن کہ قبح او متیقن بہ ست چرا باید کرد برائے مصلحتے کہ موہوم ست ومحتمل، وانعقاد خلافت عبد الملک بن مروان واول خلفائے بنی عباس بہمیں نوع بود (ازالۃ الخفاء ص ۵ مقصد اول)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

٦ ذی الحجہ ۹۹ھ



رفع النقاب ــــــــ ۸

عورت کی سربراہی —— اکابر علماء کا فیصلہ

تحریر: مولانا محمد رفیع عثمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

قرآن وسنت کے واضح ارشادات کی بناء پر یہ بات چودہ سو سال سے فقہاء امت میں مسلّمہ اور غیر متنازعہ چلی آئی ہے کہ کسی اسلامی حکومت میں سربراہی کے منصب کی ذمہ داریاں کسی خاتون کو سونپی نہیں جا سکتیں۔ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مراتب الاجماع" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اُن مسائل کو جمع فرمایا ہے جن پر امت کا اجماع و اتفاق رہا ہے۔ اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں:

واتفقوا ان الامامۃ لاتجوز لامرأۃ (مراتب الاجماع لابن حزم ص ۱۲۶)

"اس بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ حکومت کی سربراہی کا منصب کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے۔"

اس اجماع کی بنیاد قرآن وسنت کے بہت سے دلائل پر ہے جنھیں ہم صراحت کی ترتیب سے ذیل میں پیش کرتے ہیں:

(۱) صحیح بخاری وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد متعدد صحیح سندوں سے مروی ہے:

لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ (صحیح البخاری کتاب المغازی باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی کسری وقیصر حدیث نمبر ۴۴۲۵، وکتاب الفتن باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر، حدیث نمبر ۷۰۹۹)

"وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جو اپنے معاملات کی ذمہ داری کسی عورت کے سپرد کردے۔"

اسی حدیث میں یہ بھی صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب ایران کے باشندوں نے ایک عورت کو اپنا سربراہ بنالیا تھا۔ لھذا یہ حدیث عورت کو سربراہ بنانے کے عدم جواز پر واضح دلیل ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا کانت امراؤکم خیارکم و اغنیاؤکم سمحاءکم و امورکم شوری بینکم فظهر الارض خیر لکم من بطنها، و اذا کانت امراؤکم شرارکم و اغنیاؤکم بخلاءکم و امورکم الی نساءکم فبطن الارض خیر لکم من ظهرها (جامع الترمذی ابواب الفتن ص ۵۲ ج ۲)

"جب تمہارے حکام تم میں بہترین لوگ ہوں، اور تمہارے دولت مند لوگ تم میں سے سخی لوگ ہوں، اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہوں تو زمین کی پشت تمہارے لئے اس کے پیٹ سے بہتر ہے، اور جب تمہارے حکام تم میں بدترین لوگ ہوں، تمہارے دولت مند لوگ تم میں کے بخیل لوگ ہوں، اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے سپرد ہو جائیں تو زمین کا پیٹ تمہارے لئے اس کی پشت سے بہتر ہوگا۔"

یہ حدیث بھی اس قدر واضح ہے کہ اس کی کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔

(۳) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کہیں بھیجا تھا، وہاں سے کوئی شخص فتح کی خوشخبری لے کر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کی خوشخبری سُنکر سجدے میں گر گئے، اور سجدے کے بعد پیغام لانے والے سے تفصیلات معلوم فرمانے لگے، اُس نے تفصیلات بیان کیں:

فکان فیما حدثه من امر العدو کانت تلیهم امرأة فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم هلکت الرجال حین اطاعت النساء (مستدرک الحاکم ص ۲۹۱ ج ۴ کتاب الادب باب سجدة الشکر)

"ان تفصیلات میں اس نے دشمن کے بارے میں یہ بھی بتایا کہ ان کی سربراہی ایک عورت کر رہی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر فرمایا: "جب مرد عورتوں کی اطاعت کرنے لگیں تو وہ تباہ و برباد ہیں۔"

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح الاسناد قرار دیا ہے، اور حافظ ذہبی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔

(۴) قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ ،
(سورۃ النساء)

”مرد عورتوں پر قوّام (نگراں، حاکم) ہیں بوجہ اس فضیلت کے جو اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر دی ہے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر قوّامیت کا مقام مرد کو دیا ہے۔ اگرچہ براہِ راست یہ آیت خانگی اُمور سے متعلق معلوم ہوتی ہے، لیکن اوّل تو آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس کو خانگی اُمور کے ساتھ خاص کرتا ہو، دوسرے یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جس صنف کو اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے سے گھر کی ذمہ داری نہیں سونپی، اسکو تمام گھروں کے مجموعے اور پورے ملک کی سربراہی کی ذمّہ داری کیسے سونپی جا سکتی ہے؟ لہٰذا یہ آیت اگر عبارۃ النص کے طور پر نہیں تو دلالۃ النّص کے طور پر یقیناً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو کسی اسلامی ملک کا سربراہ نہیں بنایا جا سکتا۔

⑤ سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے عورت کا دائرہ عمل واضح طور سے بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے:

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی ،

”اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو، اور پچھلی جاہلیت کی طرح بن سنور کر باہر نہ جاؤ۔“

اس آیت میں واضح طور سے بتا دیا گیا ہے کہ عورت کی اصل ذمّہ داری اس کے گھر کی ذمّہ داری ہے، اسے باہر کی جد و جہد سے یکسو ہو کر اپنے گھر کی اصلاح اور اپنے گھرانے کی تربیت کا فریضہ انجام دینا چاہئے جو درحقیقت پوری قوم اور معاشرے کی بنیاد ہے۔ لہٰذا گھر سے باہر کی کوئی ذمّہ داری (استثنائی حالات کو چھوڑ کر) بحیثیتِ اصول کسی عورت کو نہیں سونپی جا سکتی۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ خطاب خاص طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے لئے ہوا تھا، ہر عورت اس کی مخاطب نہیں ہے۔ لیکن یہ بات اس قدر بدیہی طور پر غلط ہے کہ اس کی تردید کے لئے کسی طویل بحث کی ضرورت نہیں۔ اوّل تو قرآن کریم نے اس جگہ ازواج مطہرات کو خطاب فرماتے ہوئے بہت سی باتوں کی تاکید

فرمائی ہے، مثلاً یہ کہ وہ تقویٰ اختیار کریں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں، فحش باتوں سے بچیں، وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں کوئی ہوش مند یہ کہہ سکے کہ یہ حکم صرف ازواج مطہرات کے لئے ہے، کسی دوسری عورت کے لئے نہیں ہے، جب یہ سارے احکام تمام عورتوں کے لئے ہیں تو گھر میں قرار سے رہنے کا یہ ایک حکم ہی ازواج مطہرات کے ساتھ کیوں مخصوص ہے؟

دوسرے، اس بات میں کون مسلمان شک کر سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اپنی علمی اور عملی صلاحیتوں کے لحاظ سے اُمّت کی افضل ترین خواتین تھیں اور پوری اُمت کی مائیں تھیں، اگر اسلام میں سیاست و حکومت اور معیشت و اقتصاد کی ذمہ داری کسی خاتون کو سونپنا جائز ہوتا تو ان مقدس خواتین سے زیادہ کوئی خاتون اس ذمہ داری کے لئے مناسب نہیں ہو سکتی تھی۔ جب قرآنِ کریم نے اُن کو ایسی ذمہ داریاں لینے سے منع کر کے **انھیں صرف** گھر کی حد تک محدود رہنے کا حکم دیا تو پھر کون عورت ایسی ہو سکتی ہے جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ جس وجہ سے ازواجِ مطہرات کو گھر میں قرار سے رہنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ وجہ اس میں موجود نہیں ہے۔

(۶) سورۂ احزاب میں قرآن کریم نے عورت کا جو دائرہ کار بیان فرمایا ہے اسی کی تشریح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس طرح فرمائی ہے:

والمرأة راعیة علی اهل بیت زوجها وولده وهی مسئولة عنهم

(صحیح البخاری کتاب الاحکام باب ۱، حدیث نمبر ۷۱۳۸، وکتاب الجمعة باب الجمعة فی القری والمدن حدیث نمبر ۸۹۳، مزید دیکھئے حدیث نمبر ۲۴۰۹، ۲۵۵۴، ۲۵۵۸، ۲۷۵۱، ۵۱۸۸، ۵۲۰۰)

"اور عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کی اولاد پر نگراں ہے، اور وہی اس کی ذمہ دار ہے۔"

اس حدیث میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ عورت کی ذمّہ داری گھر کے نظام کی دیکھ بھال، اولاد کی تربیت اور خانگی اُمور کا انتظام ہے۔ اس کو گھر سے باہر کی کوئی ذمہ داری نہیں سونپی گئی۔

(۷) اسلام میں "حکومت کی سربراہی" اور "نماز کی امامت" دونوں اس درجہ

لازم و ملزوم ہیں کہ "حکومت کی سربراہی" کو بھی شریعت کی اصطلاح میں "امامت" ہی کہا جاتا ہے، اور "امام" کا لفظ جس طرح نماز پڑھانے والے کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح "سربراہِ حکومت" کو بھی امام کہا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث میں بہت سے مقامات پر سربراہِ حکومت کو اسی لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ امامت کے دونوں معنی میں اس طرح فرق کرتے ہیں کہ نماز کی امامت کو "امامتِ صغریٰ" (چھوٹی امامت) اور حکومت کی سربراہی کو "امامتِ کبریٰ" (بڑی امامت) کہتے ہیں۔

ادھر یہ بات طے شدہ ہے اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ عورت نماز میں مردوں کی امامت نہیں کر سکتی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو چھوٹے درجے کی امامت کی ذمہ داری نہیں سونپی، تو بڑے درجے کی امامت اس کو کیسے سونپی جا سکتی ہے؟

اسلام میں نماز کا حکومت کی سربراہی سے کس قدر گہرا تعلق ہے؟ اس کا اندازہ چند مندرجۂ ذیل امور سے لگایا جا سکتا ہے:

(الف) زمین کے کسی حصے پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد مسلمان حکمران کا سب سے پہلا فریضہ "اقامتِ صلوٰۃ" کو قرار دیا گیا ہے، ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ،

"وہ لوگ کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔"

(ب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم تک، بلکہ اس کے بعد بھی صدیوں تک یہ متواتر عمل جاری رہا ہے کہ جس مجمع میں سربراہِ حکومت موجود ہو، اس میں نماز کی امامت وہی کرتا ہے۔ چنانچہ تمام مکاتبِ فکر کے فقہاء اس پر متفق ہیں کہ نماز کی امامت کا سب سے پہلا حق مسلمان سربراہِ حکومت کو پہنچتا ہے، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرضِ وفات کی وجہ سے مسجد میں آنے سے معذور ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جگہ نماز کی امامت کے لئے مقرر فرمایا، اور اس سے

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہی سمجھا کہ ان کو "امامتِ صغریٰ" سپرد کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد "امامتِ کبریٰ" یعنی حکومت کی سربراہی کے لئے بھی سب سے زیادہ اہل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ماغضبنا الا لانا قد اخرنا عن المشاورة وانا نری ابابکراحق الناس بها بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وانہ لصاحب الغار، وثانی اثنین، وانا نعلم بشرفه وکبرہ، ولقد امرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالصلوۃ بالناس وھو حی (مستدرك الحاکم ص ٦٦ ج ٣ وقال صحیح علی شرط الشیخین، واقرہ الذھبی)

"ہماری ناگواری کی وجہ صرف یہ تھی کہ ہمیں مشورے میں شریک نہیں کیا گیا، ورنہ ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سربراہی کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غار کے ساتھی ہیں، دو میں سے دوسرے ہیں، ہم ان کے شرف اور عظمت سے واقف ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زندگی میں ان کو نماز کی امامت کا حکم دیا تھا"

(ج) سربراہِ حکومت کے لئے امامتِ نماز کا استحقاق شریعت میں اس درجہ اہمیت رکھتا ہے کہ نمازِ جنازہ کی امامت میں سربراہِ حکومت کو مرنے والے کے ورثاء پر بھی فوقیت دی گئی ہے، اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر نمازِ جنازہ میں سربراہِ حکومت موجود ہو تو نماز کی امامت کا پہلا حق اس کا ہے، اس کے بعد ورثاء کا۔

ان تمام احکام سے یہ بات واضح ہے کہ اسلام میں حکومت کی سربراہی کے ساتھ نماز کی امامت کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ اسلام میں کسی ایسے سربراہ کا تصوّر نہیں کیا جاسکتا جو کسی بھی حالت میں امامتِ نماز کا اہل نہ ہو، اور عورت خواہ تقویٰ اور طہارت کے کتنے بلند مقام پر فائز ہو، چونکہ نماز میں مردوں کی امامت نہیں کرسکتی، اس لئے اس کو امامتِ کبریٰ یا حکومت کی سربراہی کی ذمہ داری بھی نہیں سونپی جاسکتی۔

(۸) اسلام کے تمام احکام میں یہ بات قدرِ مشترک کے طور پر واضح طور سے نظر آتی ہے کہ عورت کو ایک ایسی "متاعِ پوشیدہ" قرار دیا گیا ہے جس کا بلاضرورت مجمعِ عام

میں آنا کسی بھی حالت میں پسند نہیں کیا گیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشّيطان (جامع الترمذی ابواب النکاح حدیث نمبر ۱۱۸۳)

"عورت پوشیدہ چیز ہے، چنانچہ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے۔"

اسی لئے عورت کو پردے کا حکم دیا گیا ہے، اور عام مسلمانوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ:

واذا سألتموهنّ متاعًا فاسئلوهنّ من وراء حجاب (سورة الاحزاب)

"اور جب تم ان سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔"

اسلام کے وہ بہت سے احکام و شعائر جن کی بجا آوری گھر سے باہر نکلنے پر موقوف ہے، ان سے خواتین کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً جمعہ کی نماز کتنی فضیلت کی چیز ہے، اور مردوں کو اس میں شامل ہونے کی کس قدر تاکید قرآن و حدیث میں آئی ہے لیکن ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ:

الجمعة حقّ واجب على كل مسلم فى جماعة الّا اربعة عبد مملوك او امرأة او صبى او مريض (سنن ابوداؤد باب الجمعة للمملوك والمرأة حدیث نمبر ۱۰۶۷)

"جمعہ ایک ایسا فریضہ ہے جس کو جماعت کے ساتھ انجام دینا ہر مسلمان پر واجب ہے، سوائے چار آدمیوں کے: ایک غلام جو کسی کے زیر ملکیت ہو، دوسرے عورت، تیسرے بچہ، چوتھے بیمار"

اس حدیث میں جمعہ جیسے اسلامی شعار سے عورت کو مستثنیٰ قرار دیدیا گیا ہے۔

اسی طرح عام حالات میں ہر مسلمان کا یہ حق بتایا گیا ہے کہ اس کے انتقال کے موقع پر دوسرے مسلمان اس کے جنازے کے ساتھ قبرستان تک جائیں۔ لیکن خواتین کو اس حکم سے بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ حضرت امّ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

نهينا عن اتّباع الجنائز (صحیح بخاری ص ۱۷۰ ج ۱ باب اتباع النساء الجنازة)

"ہمیں جنازوں کے پیچھے جانے سے منع کیا گیا۔"

اسی طرح عورت کو تنہا سفر کرنے سے منع کیا گیا، اور تاکید کی گئی کہ وہ کسی محرم کے بغیر سفر نہ کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاٰخر ان تسافر سفرا یکون ثلاثۃ ایام فصاعدا الا ومعها ابوها او اخوها او زوجها او ابنها او ذو محرم منها (جامع الترمذی کتاب النکاح باب کراهیۃ ان تسافر المرأۃ وحدها، حدیث نمبر ۱۱۶۹)

"جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ تین دن (کی مسافت کا) یا اس سے زائد کا کوئی سفر کرے، الّا یہ کہ اس کا باپ یا بھائی یا شوہر یا بیٹا یا کوئی اور محرم اس کے ساتھ ہو۔"

یہاں تک کہ حج جیسا مقدس فریضہ جو اسلام کے چار ارکان میں سے ایک ہے، اس کی ادائیگی کے لئے بھی محرم کا ساتھ ہونا شرط ہے، اور عورت کا تنہا سفر حج پر جانا کسی کے نزدیک جائز نہیں، ایسی صورت میں اس پر سے حج کی ادائیگی ساقط ہو جاتی ہے۔ مرتے وقت تک ایسا محرم نہ ملے تو حج نہ کرے، البتہ حج بدل کی وصیت کر جائے۔

جہاد اسلام کے ارکان میں سے کتنا اہم رکن ہے؟ اور اس کے فضائل سے قرآن و حدیث بھرے ہوئے ہیں، لیکن چونکہ یہ گھر سے باہر کا کام ہے، اس لئے جہاد کا فریضہ بھی خواتین سے ساقط کر دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بعض احادیث میں مروی ہے:

لیس علی النساء غزو ولا جمعۃ ولا تشییع جنازۃ (مجمع الزوائد ص ۱۷۰ ج ۲ بحوالہ طبرانی وفیہ مجاهیل والفتح الکبیر للنبهانی ص ۶۱ ج ۳)

"عورتوں پر نہ جہاد فرض ہے، نہ جمعہ، نہ جنازہ کے پیچھے جانا۔"

یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جہاد کے شوق کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال فرمایا کہ:

یغزو الرجال ولا تغزو النساء،

"مرد جہاد کرتے ہیں عورتیں جہاد نہیں کرتیں"؟

اس پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی کہ :

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (جامع الترمذی کتاب التفسیر سورۃ النساء حدیث نمبر ۳۰۱۱ و مسند احمد ص ۳۲۲ ج ۶)

"اور ان چیزوں کی تمنا نہ کرو جن میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

یہ واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض خواتین جہاد میں زخمیوں کی مرہم پٹی وغیرہ کے لئے ساتھ گئی ہیں، لیکن کہنا یہ ہے کہ اوّل تو ان پر جہاد باقاعدہ فرض نہیں کیا گیا، دوسرے ان کو باقاعدہ لڑائی میں شامل نہیں کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

وقد کان یغزو بھن فیداوین الجرحی ویحذین من الغنیمۃ واما بسہم فلم یضرب لھن (صحیح مسلم کتاب الجہاد باب النساء الغازیات حدیث نمبر ۴۶۴۸)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو جہاد میں لے جاتے، اور وہ زخمیوں کا علاج کرتیں، اور انھیں مال غنیمت میں سے کچھ بطور انعام دیا جاتا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے مال غنیمت کا باقاعدہ حصہ نہیں لگایا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں اگرچہ خواتین کو رات کے وقت مسجدِ نبوی میں آکر باجماعت نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی، لیکن اس اجازت کے ساتھ ہی یہ فرمادیا تھا کہ :

وبیوتھن خیر لھن (سنن ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب خروج النساء الی المساجد حدیث نمبر ۵۶۷، ۵۶۸)

"اور ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔"

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے لئے گھر میں تنہا نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے، جبکہ مردوں کے لئے سخت عذر کے بغیر مسجد کی جماعت ترک کرنا جائز نہیں، بلکہ عورتوں کے بارے میں یہاں تک فرمایا کہ :

صلاۃ المرأۃ فی بیتہا افضل من صلاتہا فی حجرتہا، وصلاتہا فی مخدعہا افضل من صلاتہا فی بیتہا (سنن ابوداؤد، حدیث نمبر ۵۷۰)

"عورت کا کمرے میں نماز پڑھنا برآمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور اندرونی کمرے میں نماز پڑھنا بیرونی کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔"

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ:

(الف) عورت پر جمعہ واجب نہیں۔

(ب) عورت کے لئے بغیر محرم کے سفر جائز نہیں۔

(ج) عورت پر تنہا ہونے کی صورت میں حج کی ادائیگی فرض نہیں، مرتے دم تک محرم نہ ملے تو حج بدل کی وصیت کرے۔

(د) عورت پر جہاد فرض نہیں۔

(ہ) عورت کے ذمے جماعت سے نماز پڑھنا واجب نہیں۔

(و) عورت کا گھر میں تنہا نماز پڑھنا باہر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

اب غور کرنے کی بات ہے کہ جس دین نے عورت کے تقدس اور اس کی حرمت کی حفاظت کے لئے جگہ جگہ اتنا اہتمام کیا ہے کہ اس کے لئے دین کے اہم ترین ارکان اور شعائر کو بھی اس کے حق میں ساقط کر دیا ہے، اس کے بارے میں یہ کیسے تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ وہ ملک و قوم کی اہم ترین ذمہ داری عورت کو سونپ کر اُسے نہ صرف پورے ملک بلکہ پوری دُنیا کے سامنے لا کھڑا کرے گا، اور اسے وہ تمام کام اجتماعی طور پر سونپ دیگا جن کی ذمہ داری اس پر انفرادی طور سے بھی نہیں عائد ہوتی۔

⑨ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے لیکر خلافتِ راشدہ بلکہ خلافت راشدہ کے بعد بھی صدیوں تک خلیفہ اور سربراہِ حکومت کا انتخاب اُمّت کا اہم ترین سیاسی مسئلہ بنا رہا، ایک خلیفہ کے بعد دوسرے خلیفہ کے انتخاب کے وقت ہر موقع پر بہت سی تجویزیں سامنے آئیں۔ اس دَور میں بیشمار ایسی خواتین موجود تھیں جو اپنے علم و فضل، تقدّس و تقویٰ اور عقل و خرد کے لحاظ سے ممتاز مقام کی حامل تھیں،

لیکن نہ صرف یہ کہ کبھی کسی خاتون کو سربراہِ حکومت نہیں بنایا گیا، بلکہ کوئی ادنیٰ درجے کی تجویز بھی ایسی سامنے نہیں آئی کہ فلاں خاتون کو سربراہ مقرر کر دیا جائے، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس سلسلے میں قرآن و سنت کے احکام اس درجہ واضح تھے کہ کبھی کسی مسلمان کے دل میں عورت کو سربراہ بنانے کا کوئی خیال تک نہیں آیا، اور آ بھی کیسے سکتا تھا جبکہ اسلام میں کسی ایسے سربراہ کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا جو:

- کسی بھی حالت میں کبھی نماز کی امامت نہ کر سکے۔
- جس کا جماعت سے نماز پڑھنا پسندیدہ نہ ہو۔
- جو اگر کبھی جماعت میں شامل ہو تو اسے تمام مردوں کے پیچھے کھڑا ہونا پڑے۔
- جس پر ہر مہینے چند روز ایسے گزرتے ہوں جب اس کے لئے مسجد میں داخل ہونا بھی جائز نہیں۔
- جس پر جمعہ فرض نہ ہو۔
- جس کے لئے کسی جنازے کے ساتھ جانا جائز نہ ہو۔
- جو بغیر محرم کے سفر نہ کر سکے۔
- جو تنہا حج نہ کر سکے۔
- جس پر جہاد فرض نہ ہو۔
- جس کی گواہی آدھی گواہی سمجھی جائے۔
- جس کے لئے بلا ضرورت گھر سے نکلنا جائز نہ ہو۔
- جس کا نان و نفقہ شادی سے پہلے باپ پر اور شادی کے بعد شوہر پر واجب ہو۔
- اور حد یہ ہے کہ جسے اپنے گھر میں بھی سربراہی کا منصب حاصل نہ ہو۔

قرآنِ کریم کی رُو سے تو یہ واضح ہے ہی، لیکن آزادئ نسواں کا ڈھنڈورا پیٹنے والے اس دَور میں بھی کوئی ایسا معاشرہ روئے زمین پر ہمارے علم میں نہیں ہے جہاں شوہر کے ہوتے ہوئے عورت کو "سربراہِ خاندان" قرار دیا گیا ہو۔

اجماعِ اُمّت:

قرآن و سُنّت کے مذکورہ بالا دلائل کی وجہ سے اب تک چودہ صدیوں کے ہر دَور میں

اُمّتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ اسلام میں سربراہِ حکومت کی ذمہ داری کسی عورت کو نہیں سونپی جا سکتی۔ اور اجماعِ اُمت شریعت کی ایک مستقل دلیل ہے۔

اجماع کے ثبوت کے لئے اس تحریر کے شروع میں ہم علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ کا اقتباس پیش کر چکے ہیں، انھوں نے جو کتاب صرف اجماعی مسائل کی تحقیق کے لئے لکھی ہے، اس میں فرمایا ہے کہ:

واتفقوا علی ان الامامۃ لاتجوز لامرأۃ

"تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ حکومت کی سربراہی کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے"

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے باخبر عالم نے "نقد مراتب الاجماع" کے نام سے علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ کتاب پر ایک تنقید لکھی ہے، اور بعض ان مسائل کا ذکر فرمایا ہے جنھیں علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اجماعی قرار دیا ہے، لیکن علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق وہ اجماعی نہیں ہیں، بلکہ ان میں کسی نہ کسی کا اختلاف موجود ہے۔ اس کتاب میں بھی انھوں نے عورت کی سربراہی کے مسئلے میں علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں کیا (نقد مراتب الاجماع لابن تیمیۃ ص ۱۲۶)

ان حضرات کے علاوہ جن علماء و فقہاء اور اسلامی سیاست کے ماہرین نے اسلام کے سیاسی نظام پر کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے ہر ایک نے اس مسئلے کو ایک متفقہ مسئلے کے طور پر ذکر کیا ہے۔

علامہ ماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اسلامی سیاست کا اہم ترین مأخذ سمجھی جاتی ہے اس میں انھوں نے حکومت کی سربراہی تو کجا، عورت کو وزارت کی ذمہ داری سونپنا بھی ناجائز قرار دیا ہے، بلکہ انھوں نے وزارت کی دو قسمیں کی ہیں، ایک وزارتِ تفویض جس میں پالیسی کا تعین بھی وزیر کا کام ہوتا ہے، اور دوسری وزارتِ تنفیذ جو پالیسی کا تعین نہیں کرتی، بلکہ طے شدہ پالیسی کو نافذ کرتی ہے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ وزارتِ تنفیذ میں اہلیت کی شرائط وزارتِ تفویض کے مقابلے میں کم ہیں، اس کے باوجود وہ عورت کو وزارتِ تنفیذ کی ذمہ داری سونپنا بھی جائز قرار نہیں دیتے، وہ لکھتے ہیں:

واما وزارۃ التنفیذ فحکمھا اضعف وشروطھا اقل .... ولا

یجوز ان تقوم بذلك امرأة وان كان خبرها مقبولا لما تضمنه معنی الولایات المصروفة عن النساء لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما افلح قوم اسندوا امرهم الی امرأة ولان فیها من طلب الرأی وثبات العزم ما تضعف عنه النساء ومن الظهور فی مباشرة الامور ما هو علیهن محظور (الاحکام السلطانیة للماوردی ص ۲۵ تا ۲۷ والاحکام السلطانیة لابی یعلی ص ۳۱)

"جہاں تک وزارت تنفیذ کا تعلق ہے، وہ نسبتہً کمزور ہے، اور اسکی شرائط کم ہیں.... لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی عورت اس کی ذمہ دار بنے اگرچہ عورت کی خبر مقبول ہے، کیونکہ یہ وزارت ایسی ولایتوں پر مشتمل ہے جن کو (شریعت نے) عورتوں سے الگ رکھا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو قوم اپنے معاملات کسی عورت کے سپرد کرے وہ فلاح نہیں پائے گی" نیز اس لئے بھی کہ وزارت کے لئے جو اصابتِ رائے اور اولوالعزمی درکار ہے، عورتوں میں اس کے لحاظ سے ضعف پایا جاتا ہے، نیز اس وزارت کے فرائض انجام دینے کے لئے ایسے انداز سے لوگوں کے سامنے ظاہر ہونا پڑتا ہے جو عورتوں کے لئے شرعاً ممنوع ہے"

اسلام کے سیاسی نظام پر دوسرا اہم مأخذ امام ابویعلی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، انھوں نے بھی اپنی کتاب میں لفظ بہ لفظ یہی عبارت تحریر فرمائی ہے۔

امام الحرمین علامہ جُوینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے سیاسی نظام پر بڑے معرکے کی کتابیں لکھی ہیں، وہ نظام الملک طوسی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے نیک نام حاکم کے زمانے میں تھے، اور انہی کی درخواست پر انھوں نے اسلام کے سیاسی احکام پر اپنی مجتہدانہ کتاب "غیاث الامم" تحریر فرمائی ہے، اس میں وہ سربراہِ حکومت کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن الصفات اللازمة المعتبرة الذكورة والحرية ونحيزة العقل والبلوغ ولا حاجة الى الاطناب فی نصب الدلالات علی اثبات هذه الصفات (غیاث الامم للجوینی ص ۸۲ مطبوعہ قطر)

"اور جو لازمی صفات سربراہ کے لئے شرعاً معتبر ہیں، ان میں سے اس کا مذکر ہونا، آزاد ہونا اور عاقل و بالغ ہونا بھی ہے، اور ان شرائط کو ثابت کرنے کے لئے تفصیلی دلائل پیش کرکے طول دینے کی ضرورت نہیں۔"

یہی امام الحرمین رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی ایک دوسری کتاب "الارشاد" میں تحریر فرماتے ہیں:

واجمعوا ان المرأة لایجوزان تکون اماما وان اختلفوا فی جواز کونها قاضیة فیما یجوز شهادتها فیه (الارشاد فی اصول الاعتقاد لامام الحرمین الجوینی ص ۳۵۹ وص ۴۲۷ طبع مصر)

"اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عورت کے لئے سربراہ حکومت بننا جائز نہیں، اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ جن اُمور میں اس کی گواہی جائز ہے ان میں وہ قاضی بن سکتی ہے یا نہیں۔"

علامہ قلقشندی رحمہ اللہ تعالیٰ ادب و انشاء اور تاریخ و سیاست کے امام سمجھے جاتے ہیں، انہوں نے اسلام کے اصولِ سیاست پر جو کتاب لکھی ہے، اس میں انھوں نے سربراہِ حکومت کی چودہ صفاتِ اہلیت بیان کی ہیں، ان شرائط کے آغاز ہی میں وہ فرماتے ہیں:

الاول: الذکورة ..... والمعنی فی ذلك ان الامام لایستغنی عن الاختلاط بالرجال والمشاورة معهم فی الامور والمرأة ممنوعة من ذلك ولان المرأة ناقصة فی امر نفسها حتی لا تملك النكاح فلا تجعل الیها الولایة علی غیرها،

"پہلی شرط مذکر ہونا ہے، اور اس حکم کی حکمت یہ ہے کہ سربراہِ حکومت کو مردوں کے ساتھ اختلاط اور ان کے ساتھ مشوروں وغیرہ کی ضرورت پیش آتی ہے اور عورت کے لئے یہ باتیں ممنوع ہیں، اس کے علاوہ عورت اپنی ذات کی ولایت میں بھی کمزور ہے، یہاں تک کہ وہ نکاح کی ولی نہیں بن سکتی، لہٰذا اس کو دوسروں پر بھی ولایت نہیں دی جا سکتی۔"

امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ پانچویں صدی ہجری کے مشہور مفسر، محدث اور فقیہ ہیں،

وہ تحریر فرماتے ہیں :

اتفقوا علی ان المرأۃ لا تصلح ان تکون اماما.... لان الامام یحتاج الی الخروج لاقامۃ امر الجہاد والقیام بامور المسلمین..... والمرأۃ عورۃ لا تصلح للبروز (شرح السنۃ للبغوی ص ۷۷ ج ۱۰ باب کراہیۃ تولیۃ النساء طبع بیروت سنہ ۱۴۰۳ھ)

"اس بات پر اُمّت کا اتفاق ہے کہ عورت سربراہ حکومت نہیں بن سکتی..... کیونکہ امام کو جہاد کے معاملات انجام دینے اور مسلمانوں کے اُمور نمٹانے کے لئے باہر نکلنے کی ضرورت پڑتی ہے، اور عورت پوشیدہ رہنی چاہئے، اس کا مجمع عام میں ظاہر ہونا درست نہیں۔"

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وهذا نص فی ان المرأۃ لا تکون خلیفۃ ولا خلاف فیہ (احکام القرآن لابن العربی ص ۱۴۴۵ ج ۳ سورۃ النمل)

"اور یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہوسکتی، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔"

علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی تفسیر میں ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ اقتباس نقل کرکے اس کی تائید کی ہے اور بتایا ہے کہ اس مسئلے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ (تفسیر القرطبی ص ۱۸۳ ج ۱۳ سورۃ النمل)

اور امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

الرابع الذکوریۃ فلا تنعقد الامامۃ لامرأۃ وان اتصفت بجمیع خلال الکمال وصفات الاستقلال (فضائح الباطنیۃ للغزالی ص ۱۸۰ مأخوذ از عبد اللہ الدمیجی، الامامۃ العظمیٰ ص ۲۴۵)

"سربراہی کی چوتھی شرط مذکر ہونا ہے، لہٰذا کسی عورت کی امامت منعقد نہیں ہوتی، خواہ وہ تمام اوصافِ کمال سے متصف ہو، اور اس میں استقلال کی تمام صفات پائی جاتی ہوں۔"

عقائد و کلام کی تقریباً تمام کتابیں امامت و سیاست کے احکام سے بحث کرتی ہیں، اور سب نے مذکر ہونے کی شرط کو ایک اجماعی شرط کے طور پر ذکر کیا ہے۔ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

یشترط فی الامام ان یکون مکلفا حرا ذکرا عدلا۔ (شرح المقاصد ص ۲۷۷ ج ۲)

"سربراہِ حکومت کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ عاقل بالغ ہو، آزاد ہو، مذکر ہو، اور عادل ہو۔"

فقہاء و محدثین اور اسلامی سیاست کے علماء کے یہ چند اقتباسات محض مثال کے طور پر پیش کر دیئے گئے ہیں، ورنہ جس کتاب میں بھی اسلام میں سربراہی کی شرائط بیان کی گئی ہیں، وہاں مذکر ہونے کو ایک اہم شرط کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، اگر کسی نے یہ شرط ذکر نہیں کی تو اس بناء پر کہ یہ عاقل و بالغ ہونے کی شرط کی طرح اتنی مشہور و معروف شرط تھی کہ اُسے باقاعدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، ورنہ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

عہد حاضر کے بعض محققین جنہوں نے اسلامی سیاست کے موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کے سربراہ بننے کے عدم جواز پر اُمت کا اجماع ہے چند اقتباسات ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد منیر عجلانی لکھتے ہیں:

لا نعرف بین المسلمین من اجاز خلافۃ المرأۃ فالاجماع فی ھذہ القضیۃ تام لم یشذ عنہ احد (عبقریۃ الاسلام فی اصول الحکم ص ۷۰ مطبوعہ دار النفائس بیروت ۱۴۰۵ھ)

"ہمیں مسلمانوں میں کوئی ایسا عالم معلوم نہیں ہے جس نے عورت کی خلافت کو جائز کہا ہو، لہٰذا اس مسئلے میں مکمل اجماع ہے جس کے خلاف کوئی شاذ قول بھی موجود نہیں۔"

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین الریس نے اسلام کے سیاسی احکام پر بڑی تحقیق کے ساتھ مبسوط کتاب لکھی ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں:

اذا کان قد وقع بینهم خلاف فیما یتعلق بالقضاء فلم یرو عنهم خلاف فیما یتعلق بالامامة، بل الکل متفق علی انه لایجوزان یلیها امرأة (النظریات السیاسیة الاسلامیة ص۲۹۴ مطبوعہ دار التراث القاہرۃ سنہ ۱۹۷۶ء)

"اگرچہ فقہاء کے درمیان قضاء کے بارے میں تو اختلاف ہوا ہے (کہ عورت قاضی بن سکتی ہے یا نہیں) لیکن حکومت کی سربراہی کے بارے میں کوئی اختلاف مروی نہیں، بلکہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ کسی عورت کا سربراہی کے منصب پر فائز ہونا جائز نہیں۔"

ڈاکٹر ابراہیم یوسف مصطفیٰ عجو لکھتے ہیں:

مما اجمعت علیه الامة علی ان المرأة لایجوز لها ان تلی رياسة الدولة (تعلیق تهذیب الرياسة وترتیب السیاسة للقلعی ص۸۲)

"اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ عورت کے لئے ریاست کی سربراہی سنبھالنا جائز نہیں۔"

عبد اللہ بن عمر بن سلیمان الدمیجی لکھتے ہیں:

من شروط الامام ان یکون ذکرا ولاخلاف فی ذلک بین العلماء (الامامة العظمی عند اهل السنة ص۲۴۳)

"سربراہِ حکومت کی شرائط میں یہ بات داخل ہے کہ وہ مذکر ہو اور اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔"

عہدِ حاضر کے مشہور مفسرِ قرآن علامہ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

من شروط الامام الاعظم کونه ذکرا ولاخلاف فی ذلک بین العلماء (اضواء البیان فی تفسیر القرآن بالقرآن ص ۶۵ ج ۱)

"امام اعظم (سربراہ حکومت) کی شرائط میں اس کا مذکر ہونا بھی داخل ہے اور اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

اگر اس موضوع پر تاریخ اسلام کے ائمہ مفسرین، فقہاء، محدثین، متکلمین اور اہلِ فکر و دانش کی تمام عبارتیں جمع کی جائیں تو یقیناً ان سے ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے،

لیکن یہ چند مثالیں یہ بات ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ اس مسئلے پر علماءِ اسلام کے درمیان اب تک چودہ صدیوں میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔

حافظ ابن جریر طبری کا مسلک :

ہمارے زمانے میں بعض لوگوں نے مشہور مفسرِ قرآن حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف غلط طور سے یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ عورت کی سربراہی کے جواز کے قائل ہیں، لیکن کوئی بھی شخص امام ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ کا کوئی اپنا اقتباس پیش نہیں کرتا۔ اُن کی تصانیف میں سے تفسیر جامع البیان تیس جلدوں میں چھپی ہوئی موجود ہے، اس میں سے کہیں کوئی ایک فقرہ بھی کوئی اب تک نہیں دکھا سکا جس سے ان کا یہ موقف معلوم ہوتا ہو، خود ہم نے بھی ان کی تفسیر کے ممکنہ مقامات پر دیکھا، لیکن اس میں کہیں کوئی ایسی بات نہیں ملی۔

اس کے علاوہ ان کی ایک کتاب "تہذیب الآثار" کی بھی کچھ جلدیں شائع ہوچکی ہیں، اس میں بھی کوئی ایسی بات نہیں مل سکی۔

واقعہ یہ ہے کہ بعض علماء نے اُن کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ وہ عورت کو قاضی بنانے کے جواز کے قائل ہیں، بعض لوگوں نے اس بات کو غلط طور پر سربراہی کے جواز کے عنوان سے نقل کر دیا ہے۔ چنانچہ قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں :

وھذا نصّ فی ان المرأۃ لاتکون خلیفۃ ولاخلاف فیہ ونقل عن محمّد بن جریر الطبریؔ امام الدین انہ یجوز ان تکون المرأۃ قاضیۃ ولم یصح ذلک عنہ و لعلہ کما نقل عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ انھا انما تقضی فیما تشھد فیہ ولیس بان تکون قاضیۃ علی الاطلاق ولا بان یکتب لھا منشور بانّ فلانۃ مقدّمۃ علی الحکم الا فی الدماء والنکاح وانما ذلک کسبیل التحکیم او الاستبانۃ فی القضیۃ الواحدۃ (احکام القرآن لابن العربی ص ۱۴۴۵ ج ۳)

"اور یہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس بات پر نص ہے

کہ عورت خلیفہ نہیں ہوسکتی، اور اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک عورت کا قاضی ہونا جائز ہے، لیکن اس مذہب کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مذہب ایسا ہی ہوگا جیسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ عورت ان معاملات میں فیصلہ کرسکتی ہے جس میں وہ شہادت دے سکتی ہے۔ اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ علی الاطلاق قاضی بن جائے، اور نہ یہ مطلب ہے کہ اس کو قاضی کے منصب پر مقرر کرنے کا پروانہ دیا جائے، اور یہ کہا جائے کہ فلاں عورت کو قصاص اور نکاح کے معاملات کے سوا دوسرے اُمور میں قاضی بنایا جارہا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو کسی مسئلے میں ثالث بنالیا جائے، یا کوئی ایک مقدمہ جزوی طور پر اس کے سپرد کردیا جائے۔"

امام ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس وضاحت سے مندرجۂ ذیل اُمور سامنے آتے ہیں:

(۱) سربراہی کا مسئلہ علیحدہ ہے، اور قاضی بننے کا مسئلہ علیحدہ۔

(۲) سربراہی کے مسئلے میں امام ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ سمیت تمام علماء کا اتفاق ہے کہ عورت سربراہ نہیں بن سکتی۔

(۳) امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ سے قاضی بننے کا جواز منقول ہے، لیکن ان کی طرف اس قول کی نسبت بھی درست نہیں۔

(۴) امام ابو حنیفہ یا ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ سے عورت کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کا جو جواز منقول ہے، وہ اس کو باقاعدہ قاضی بنانے سے متعلق نہیں ہے بلکہ جزوی طور سے بطور ثالث کوئی انفرادی قضیہ نمٹانے سے متعلق ہے۔

بہرکیف! اگر فقہاء کے درمیان کوئی تھوڑا بہت اختلاف ہے تو وہ عورت کے قاضی بننے کے بارے میں ہے، سربراہِ حکومت بننے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں، چنانچہ امام الحرمین جُوینی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

والذكورة لاشك فى اعتبارها ومن جوّز من العلماء تولّى المرأة

للقضاء فیما یجوز ان تکون شاھدۃ فیہ احال انتصاب المرأۃ للامامۃ فانّ القضاء قد یثبت مختصًا والامامۃ یستحیل فی وضع الشرع ثبوتہا علی الاختصاص (غیاث الامم للجوینی ص ۸۲ و ۸۳)

"سربراہی کے لئے مذکر ہونے کی شرط میں کوئی شک نہیں ہے، اور جن علماء نے اُن معاملات میں عورت کے قاضی بننے کو جائز کہا ہے جن میں عورت گواہ بن سکتی ہے وہ بھی سربراہی کے لئے عورت کی تقرری کو ناممکن قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ قضاء کے بارے میں تو یہ ممکن ہے کہ اس کی حدودِ اختیار کو کچھ معاملات کے ساتھ خاص کر دیا جائے لیکن حکومت کی سربراہی کو شرعی اصول کے مطابق کچھ محدود معاملات کے ساتھ خاص کرنا ممکن نہیں۔"

ملکۂ بلقیس کا واقعہ:

ہمارے دَور میں بعض لوگ عورت کی سربراہی کا جواز ملکۂ بلقیس کے اُس واقعے سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں جو قرآن کریم نے سورۂ نمل میں بیان فرمایا ہے۔ لیکن یہ بات بالکل ناقابلِ فہم ہے کہ قرآن کریم کے بیان کردہ اس واقعے سے عورت کے سربراہِ حکومت بننے کا جواز کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟ قرآن کریم نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ یہ ملکہ اُن غیر مسلموں کی سربراہ تھی جو سورج کی پرستش کیا کرتے تھے۔ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس بارے میں جو خبر دی وہ قرآن کریم کے بیان کے مطابق یہ تھی:

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ،

"میں نے اس کو اور اس کی قوم کو پایا ہے کہ وہ اللہ کے بجائے سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔"

اس سے واضح ہے کہ وہ ایک سورج پرست قوم کی ملکہ تھی اور خود بھی سورج کی پرستش کرتی تھی، اور ظاہر ہے کہ اگر ایک کافر قوم نے کسی عورت کو اپنا سربراہ بنایا ہوا ہو تو وہ قرآن و سنّت کے واضح ارشادات کے مقابلے میں مسلمانوں کے لئے

کیسے دلیل بن سکتی ہے ؟ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس کو ملکہ تسلیم کرکے اپنی حکومت اس کے حوالے کردی ہوتی تب تو یہ بات ثابت ہوتی کہ کم از کم حضرت سلیمان علیہ السّلام کی شریعت میں عورت سربراہ بن سکتی تھی، لیکن قرآن کریم نے واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ اس کے نام جو خط بھیجا وہ قرآن کریم کے مبارک الفاظ میں یہ تھا :

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ،

"کہ تم میرے مقابلے میں سر نہ اُٹھاؤ، اور میرے پاس فرمانبردار بن کر آجاؤ ۔"

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اس کی حکومت کو نہ صرف یہ کہ تسلیم نہیں فرمایا، بلکہ اُس کو اپنے زیرِ نگیں آنے کا حکم دیا، اور پھر اسی پر بس نہیں، آپ نے اس کا بھیجا ہوا تحفہ بھی قبول نہیں کیا، بلکہ اسے واپس کرا دیا، حالانکہ دو سربراہوں کے درمیان تحائف کا تبادلہ ایک معمول کی بات ہوتی ہے ۔

قرآنِ کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اُس کا تخت بھی اُٹھوا کر منگوا لیا، اور اس کی ہیئت بھی بدل ڈالی۔ یہاں تک کہ جب ملکۂ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں آئیں تو قرآن کریم کے بیان کے مطابق انھوں نے کہا کہ :

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سورۃ النمل : ۴۴)

"پروردگار ! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کے آگے جُھک گئی ۔"

بس یہ ہے وہ واقعہ جو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے۔ اور بلقیس کے اسی جملے پر قصّے کا اختتام ہوگیا ہے، جو بھی شخص اس واقعے کو قرآن کریم میں دیکھے گا وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے ملکۂ بلقیس کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا، اس کو اپنا فرمانبردار بن کر حاضر ہونے کا حکم دیا، اور بالآخر اس کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا، اور خود ملکۂ بلقیس نے بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پہنچنے کے بعد اپنی فرمانبرداری کا اعلان کر دیا ۔

اس واقعے میں کہیں دُور دُور کوئی ایسا شائبہ بھی نہیں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اس کی حکومت کو جائز قرار دیا تھا، یا اسے تسلیم فرمایا تھا۔

بعض لوگ کچھ اسرائیلی روایات پیش کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے ان سے نکاح کرکے انھیں واپس یمن بھیج دیا تھا، لیکن یہ قطعی طور پر غیر مستند روایت ہے، کسی بھی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہے۔ اس معاملے میں تاریخی روایتیں بہت متضاد ہیں، بعض میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے نکاح کرکے انھیں اپنے پاس رکھا، بعض میں ہے کہ انھیں شام بھیج دیا، بعض میں ہے کہ یمن لوٹا دیا، بعض میں ہے کہ ان کا نکاح ہمدان کے بادشاہ سے کر دیا۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ تمام غیر مستند روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

لم یرد فیہ خبر صحیح لا فی انہ تزوجھا ولا فی انہ زوّجھا
(تفسیر قرطبی ص ۲۱۰ و ۲۱۱ ج ۱۳)

"اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے، نہ اس بارے میں کہ انھوں نے بلقیس سے نکاح کیا، اور نہ اس بارے میں کہ کسی اور سے اسکا نکاح کرایا۔"

جب ملکۂ بلقیس کے اسلام کے بعد کے واقعات کسی بھی صحیح تاریخی روایت سے ثابت نہیں ہیں تو صاف اور سیدھا راستہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ قرآن کریم نے جتنا واقعہ بیان فرمایا ہے صرف اتنے واقعے پر ہی ایمان رکھا جائے، اور ظاہر ہے کہ اس واقعے میں ملکۂ بلقیس کی سلطنت کے بقاء کا نہیں بلکہ فرمانبردار ہو جانے کا ذکر ہے، اسے اسلام کے بعد سربراہ بنانے کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا اس واقعے سے عورت کی سربراہی پر استدلال کا کوئی ادنیٰ جواز موجود نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور جنگ جمل :

بعض لوگ عورت کی سربراہی پر جنگ جمل کے واقعے سے استدلال کرکے کہتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس جنگ کی قیادت کی تھی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کبھی خلافت یا حکومت کی سربراہی کا دعوٰی نہیں کیا، نہ ان کے ساتھیوں میں سے کسی کے حاشیۂ خیال میں یہ بات تھی کہ

ان کو خلیفہ بنایا جائے، ان کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینا قرآن کریم کے احکام کے مطابق ضروری ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت تمام ازواج مطہرات حج کے لئے مکہ مکرمہ آئی ہوئی تھیں، حضرت عائشہ اور دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے شروع میں یہ چاہا کہ وہ واپس مدینہ طیبہ پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قصاص لینے پر آمادہ کریں۔ لیکن بہت سے لوگوں نے یہ رائے دی کہ پہلے بصرہ جاکر وہاں کے لوگوں کی حمایت حاصل کی جائے۔ دوسری تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے تو بصرہ جانے سے انکار کر دیا، اور فرمایا کہ ہم مدینہ منورہ کے سوا کہیں اور نہیں جائیں گے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان حضرات کی رائے سے متأثر ہوگئیں اور بصرہ روانہ ہوگئیں (البدایۃ والنهایۃ ص ۲۳۰ ج ۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقصد جنگ کرنا بھی نہیں تھا، بلکہ جب آپ بصرہ جارہی تھیں تو راستے میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا، رات کے وقت وہاں کتے بھونکنے لگے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کونسی جگہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ مقام "حوأب" ہے، "حوأب" کا نام سنتے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چونک اٹھیں، انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یاد آگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے ایک دن فرمایا تھا:

کیف باحداکن تنبح علیھا کلاب الحوأب (مسند احمد ج ٦ ص ۵۲ و ۹۷، ومستدرک حاکم ص ۱۲۰ ج ۳، وصححہ الحاکم ووافقہ الذھبی، وقال الحافظ فی الفتح ۱۳ : ۴۵ : سندہ علی شرط الصحیح، وصححہ ابن کثیر فی البدایۃ ص ۲۱۲ ج ٦)

"تم میں سے ایک کا اس وقت کیا حال ہوگا جب اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حوأب کا نام سُنکر آگے بڑھنے سے انکار کر دیا، اور اپنے ساتھیوں سے اصرار کیا کہ مجھے واپس لوٹا دو اور ایک دن ایک رات وہیں ٹھہری رہیں، لیکن بعض حضرات نے کہا کہ آپ چلی چلیں، آپ کی وجہ سے مسلمانوں

کے دو گروہوں میں صلح ہو جائے گی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ کسی نے آپ کے سامنے تردید بھی کی کہ یہ جگہ حوأب نہیں ہے (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۳۱ ج ۷)

اس طرح جو مقدر میں تھا وہ پیش آیا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سفر دوبارہ شروع فرما دیا، بصرہ پہنچ کر بھی جب آپ سے آنے کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا:

ای بنیّ ! الاصلاح بین الناس

"بیٹے ! میں لوگوں کے درمیان صلح کرانے آئی ہوں"

ان تمام باتوں سے واضح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقصد نہ کوئی سیاست تھی نہ حکومت، نہ وہ جنگ کرنا چاہتی تھیں، بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے جائز مطالبے کی تقویت اور اس سلسلے میں مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے خالص دینی مقاصد آپ کے پیش نظر تھے۔

اس کے باوجود چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواتین کے مسلّمہ دائرۂ کار سے قدرے باہر نکل کر اجتماعی معاملات میں دخل دیا تھا، اس لئے صحابۂ کرام اور خود دوسری امّہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہنّ کو آپ کا یہ اقدام پسند نہ آیا اور متعدد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کو خطوط لکھے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس موقع پر آپ کو ایک بڑا اثر انگیز خط لکھا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

عن ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی عائشۃ امّ المؤمنین فانی احمد الیک اللہ الذی لا الٰہ الا ھو، اما بعد، إنّکِ سُدّۃ بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامتہ وحجاب مضروب علی حرمتہ قد جمع القرآن ذیلک فلا تندحیہ وسکّر خفارتک فلا تبتذلیھا فاللہ من وراء ھذہ الامۃ، ولو علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان النساء یحتملن الجھاد عھد الیک، اما علمت انہ قد نھاک عن الفراطۃ فی البلاد فان عمود الدین لا یثبت بالنساء ان مال، ولا یراب بھن ان انصدع، جھاد النساء غض الاطراف وضم الذیول وقصد الوھازۃ، ما کنتِ قائلۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو عارضک ببعض ھذہ الفلوات ناصّۃ قعودًا

من منهل الى منهل؟ وغدًا تردين على رسول الله صلى الله عليه وسلم واقسم لو قيل لى يا ام سلمة ادخلى الجنة لاستحييت ان القى رسول الله صلى الله عليه وسلم هاتكة حجابًا ضربه علیّ فاجعليه سترك، ووقاعة البيت حصنك، فانك انصح ما تكونين لهٰذه الامة ما قعدت عن نصرتهم (العقد الفريد ص ٦٦ ج ٥ مطبوع دار الباز مكة المكرمة)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام سلمہ کی طرف سے ام المؤمنین عائشہ کے نام: میں آپ سے اُس اللہ کی حمد کرتی ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ امابعد۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے درمیان ایک دروازہ ہیں، آپ وہ پردہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر ڈالا گیا ہے، قرآن نے آپ کے دامن کو سمیٹا ہے، آپ اسے پھیلائیے نہیں، اور آپ کی حرمت کی حفاظت کی ہے آپ اس کی بے قدری نہ کریں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا کہ خواتین پر جہاد کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے تو وہ آپ کو اس کی وصیت کرتے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو شہروں میں آگے بڑھنے سے روکا تھا؟ اس لئے اگر دین کا ستون متزلزل ہونے لگے تو وہ عورتوں سے کھڑا نہیں ہوسکتا اور اگر اس میں شگاف پڑنے لگے تو عورتوں سے اس کا بھراؤ ممکن نہیں، عورتوں کا جہاد یہ ہے کہ وہ نگاہیں نیچی رکھیں، دامنوں کو سمیٹیں، اور چھوٹے قدموں سے چلیں۔ آپ جن صحراؤں میں ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ تک اپنی اونٹنی دوڑا رہی ہیں، اگر وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سامنے آجائیں تو آپ کے پاس ان سے کہنے کو کیا ہوگا؟ کل آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا ہے۔ اور میں قسم کھاتی ہوں کہ اگر مجھ سے کہا جائے کہ امّ سلمہ! جنت میں چلی جاؤ، تب بھی مجھے اس بات سے حیا آئے گی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حالت میں ملوں کہ جو پردہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر ڈالا تھا اُسے میں چاک کرچکی ہوں، لہٰذا آپ اُس کو

اپنا پردہ بنائیے، اپنے گھر کی چار دیواری کو اپنا قلعہ سمجھئے، کیونکہ جب تک آپ اپنے گھر میں رہیں گی، اس امت کی سب سے بڑی خیر خواہ ہوں گی،،

امّ المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس مکتوب کے ایک ایک لفظ سے دین کا وہ پاکیزہ مزاج ٹپک رہا ہے جس نے عورت کو حرمت و تقدیس کا اعلیٰ ترین مقام عطا فرمایا ہے، اور جس کے آگے تمام سیاسی مناصب اور دنیوی شان و شوکت ہیچ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کسی بات کا انکار نہیں کیا، بلکہ ان کی نصیحت کو اصولی طور پر قبول فرمایا، اور اس کی یہ کہہ کر قدردانی فرمائی کہ:

فما اقبلنی لوعظک واعرفنی لحق نصیحتک

"میں آپ کی نصیحت کو خوب قبول کرتی ہوں، اور آپ کے حقِ نصیحت سے اچھی طرح باخبر ہوں"

البتہ اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

ولنعم المطلع مطلع فرقت فیہ بین فئتین متشاجرتین من المسلمین

"وہ موقف بہت اچھا موقف ہے جس کے ذریعے میں مسلمانوں کے دو جھگڑتے ہوئے گروہوں کے درمیان حائل ہوسکوں"

جس سے صاف واضح ہے کہ نہ وہ حکومت کی سربراہی چاہتی ہیں، نہ جہاد ان کے پیش نظر ہے، نہ کوئی سیاسی قیادت مقصود ہے، بلکہ پیش نظر دو فریقوں کے درمیان صلح کرانا ہے۔ اور اسی میں بھی وہ فرماتی ہیں:

فان اقعد ففی غیر حرج وان امض فالی ما لاغنی لی عن الازدیاد منہ (العقد الفرید ص ۶۶ ج ۵)

"اب اگر میں بیٹھ گئی تب بھی کوئی حرج نہیں، اور اگر میں آگے بڑھی تو ایک ایسے کام کے لئے آگے بڑھوں گی جس کو مزید انجام دینے کے سوا میرے لئے کوئی چارہ نہ رہے"

اتنی احتیاط کے باوجود وہ زمانہ فتنے کا تھا، دشمنوں کی سازشیں سرگرمی

سے کام کر رہی تھیں، جن کا واحد مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو باہم لڑایا جائے، چنانچہ جو کچھ مقدر میں تھا وہ پیش آکر رہا، جنگِ جمل ہوئی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُس مقام پر پہنچ چکی تھیں جہاں سے واپس نہ آسکیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انھیں گھر سے باہر کی اس محدود ذمہ داری اُٹھانے سے روکا۔ چنانچہ حضرت زید بن صوحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک خط میں لکھا:

سلام علیك، اما بعد: فانّك امرت بامر وامرنا بغیرہ امرت ان تقرّی فی بیتك وامرنا ان نقاتل النّاس حتی لا تکون فتنۃ فترکت ما امرت بہ وکتبت تنھیننا عما امرنا بہ والسلام، (العقد الفرید ص ۶۷ ج ۵)

"سلام کے بعد، آپ کو ایک کام کا حکم دیا گیا ہے، اور ہمیں دوسرے کام کا، آپ کو حکم ہے کہ گھر میں قرار سے رہیں، اور ہمیں حکم ہے کہ ہم لوگوں سے اس وقت تک لڑیں جب تک فتنہ باقی رہے، آپ نے اپنے کام کو چھوڑ دیا اور ہمیں اس کام سے روک رہی ہیں جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔"

پھر بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی، خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعد میں اپنے اس فعل پر انتہائی ندامت کا اظہار فرماتی رہی ہیں، چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولا ریب ان عائشۃ ندمت ندامۃ کلّیۃ علی مسیرھا الی البصرۃ وحضورھا یوم الجمل وما ظنّت ان الامر یبلغ ما بلغ (سیر اعلام النبلاء للذھبی ص ۱۷۷ ج ۲)

"اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بصرہ کے سفر اور جنگِ جمل میں حاضری پر کلّی طور سے نادم ہوئیں، ان کا گمان یہ نہیں تھا کہ بات وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک پہنچی۔"

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا کہ "تم نے مجھے اس سفر میں جانے سے کیوں منع نہیں کیا؟" حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: "میں نے دیکھا کہ ایک صاحب (یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) آپ کی رائے پر غالب آگئے ہیں۔" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا: "بخدا، اگر تم مجھے روکدیتے تو میں نہ نکلتی۔" (نصب الرایہ للزیلعی ص ۷۰ ج ۴)

پھر جنگِ جمل اور اس کے سفر پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ندامت کا عالم یہ تھا کہ جب تلاوتِ قرآن کریم کے دوران وہ سورۂ احزاب کی اس آیت پہ پہنچتیں جس میں اللہ تعالیٰ نے خواتین کو یہ حکم دیا ہے کہ:

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ

"اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو"

تو اس قدر روتی تھیں کہ آپ کی اوڑھنی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔

اذا قرأت هذه الآية وقرن في بيوتكن بكت حتى تبل خمارها

(طبقات ابن سعد ص ۸۰ ج ۸، وسیر اعلام النبلاء ص ۱۷۷ ج ۲)

اور ندامت کی انتہا یہ ہے کہ شروع میں آپ کی خواہش یہ تھی کہ آپ کو خود اپنے گھر میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جائے، لیکن جنگِ جمل کے بعد آپ نے یہ ارادہ ترک کردیا۔ قیس بن ابی حازم راوی ہیں کہ:

قالت عائشة رضي الله تعالى عنها وكانت تحدث نفسها ان تدفن في بيتها مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وابي بكر فقالت اني احدثت بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم حدثا ادفنوني مع ازواجه فدفنت بالبقيع (مستدرك الحاكم ص ٦ ج ٤ قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ووافقه الذهبي)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دل میں یہ سوچتی تھیں کہ انھیں ان کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ دفن کیا جائے، لیکن بعد میں انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے، اب مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواجِ مطہرات کے ساتھ دفن کرنا، چنانچہ انھیں بقیع میں دفن کیا گیا۔"

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تعنی بالحدیث مسیرھا یوم الجمل فانھا ندمت ندامة کلیة و تابت من ذلك علی انھا ما فعلت ذلك الا متأولة قاصدة للخیر (سیر اعلام النبلاء ص ۱۹۳ ج ۲)

"بدعت سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مراد جنگ جمل میں ان کا جانا تھا، اس لئے کہ وہ اپنے اس عمل پر کُلّی طور سے نادم تھیں، اور اس سے توبہ کر چکی تھیں، باوجودیکہ ان کا یہ اقدام اجتہاد پر مبنی تھا اور ان کا مقصد نیک تھا۔"

ان تمام واقعات سے واضح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہ کبھی حکومت کی سربراہی کی خواہش یا دعویٰ کیا، نہ کسی نے یہ تجویز پیش کی کہ ان کو سربراہ بنایا جائے، نہ ان کا مقصد کسی باقاعدہ جنگ کی قیادت تھی، وہ صرف ایک قرآنی حکم کے نفاذ اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے لئے نکلی تھیں، لیکن دشمنوں کی سازش نے ان کے اس سفر کو بالآخر ایک جنگ کی شکل دیدی، لیکن چونکہ ان کا مشن فی الجملہ ایک محدود سیاسی حیثیت کا حامل تھا، اس لئے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اسکو پسند نہیں کیا، اور وہ خود بھی اس پر بے انتہاء نادم ہوئیں، یہانتک کہ اس ندامت کی بناء پر روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تدفین کو بھی پسند نہیں فرمایا۔

اب خود انصاف سے فیصلہ کر لیا جائے کہ:

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے جس اقدام کو بالآخر خود غلط سمجھا، اُس پر روتی رہیں، اور اُس پر ندامت کی وجہ سے تدفین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونے سے بھی شرمائیں، اُس عمل سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے؟ اور استدلال بھی سربراہی کے جواز پر جس کا تصور بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حاشیۂ خیال میں نہیں گزرا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک تحریر :

ہمارے زمانے میں بعض حضرات نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کی ایک تحریر بھی عورت کی سربراہی کے جواز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو امداد الفتاوی میں شائع ہوئی ہے، جس میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث "لن یفلح قوم ولّوا امرھم امرأۃ" کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ جمہوری حکومت اس وعید کے تحت داخل نہیں ہے۔

لیکن حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تحریر کی حقیقت سمجھنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی پوری امت کے علماء کی طرح اسی بات کے قائل ہیں کہ عورت کو اسلامی حکومت کی سربراہ بنانا جائز نہیں ہے، چنانچہ امداد الفتاوی کی اسی تحریر میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ :

"حضرات فقہاء نے امامت کبریٰ (حکومت کی سربراہی) میں ذکورۃ (مرد ہونے) کو شرطِ صحت، اور قضا میں گو شرطِ صحت نہیں، مگر شرط صون عن الاثم فرمایا ہے۔" (امداد الفتاوی ص ۹۲ ج ۵)

نیز حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر میں اس مسئلے کو مزید وضاحت کے ساتھ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :

"اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے، پس بلقیس کے قصہ سے کوئی شبہہ نہ کرے۔ اول تو یہ فعل مشرکین کا تھا۔ دوسرے اگر شریعتِ سلیمانیہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرعِ محمدی میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں۔" (بیان القرآن ص ۸۵ ج ۸ سورۃ النمل)

نیز حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "احکام القرآن" کا جو حصہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ سے لکھوایا ہے، اس میں بھی ملکۂ بلقیس کے واقعے کے تحت یہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اور خود حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے اس استدلال کو رد کیا ہے کہ قرآن کریم نے بلقیس کا واقعہ بیان کر کے اس پر کوئی نکیر نہیں کی۔ (احکام القرآن للمفتی محمد شفیع ص ۲۹ ج ۳)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ان عبارتوں سے واضح ہے کہ وہ علمائے امت کی

طرح اسی بات کے قائل ہیں کہ عورت کو سربراہِ حکومت بنانا شرعاً جائز نہیں ہے۔ البتہ سوال یہ پیدا ہوا کہ اگر کسی جگہ اس شرعی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کسی عورت کو سربراہ بنا دیا گیا ہو، تو کیا ایسی جگہ کے لوگوں پر وہ وعید صادق آئے گی جو حدیث میں بیان کی گئی ہے کہ ایسی قوم فلاح نہیں پا سکتی؟ اس کے جواب میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر حکومت عام ہو اور تام ہو۔ جیسا کہ شخصی سلطنتوں میں ہوتا ہے (یا جیسا کہ خلافتِ اسلامی میں ہوتا ہے) اور اس کا سربراہ عورت کو بنا دیا جائے۔ تو بیشک اس پر حدیث کی یہ وعید صادق آئے گی۔ لیکن اگر حکومت جمہوری انداز کی ہو تو عدمِ فلاح ضروری نہیں جس کی وجہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی کہ:

"راز اس میں یہ ہے کہ حقیقت اس حکومت کی محض مشورہ ہے، اور عورت اہل ہے مشورہ کی" (امداد الفتاویٰ ص ۹۲ ج ۵)

اس سے صاف واضح ہے کہ عورت کی "حقیقی حکومت" کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ ناجائز بلکہ موجبِ عدمِ فلاح بھی قرار دے رہے ہیں، لہٰذا اصل مسئلے کی حد تک ان کا موقف وہی ہے کہ عورت سربراہِ حکومت نہیں ہو سکتی، البتہ جمہوری حکومت کے بارے میں انھوں نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ وہ حقیقۃً حکومت ہے ہی نہیں، بلکہ محض مشورہ ہے۔

لہٰذا حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر کا سارا دار و مدار اس بات پر ٹھہرا کہ جمہوری حکومت واقعۃً حکومت ہے یا محض مشورہ ہے؟ اور یہ سوال شرعی حکم کا نہیں، بلکہ واقعے کا ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمہوری حکومت کے سربراہ کے بارے میں یہ سمجھا کہ حقیقۃً وہ سربراہ نہیں ہوتا، بلکہ پارلیمنٹ کا ایک رکن ہونے کی حیثیت میں اس کی بات محض ایک مشورے کی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ اسی تحریر میں وہ فرماتے ہیں:

"کسی عورت کی سلطنت جمہوری ہو کہ اس میں والیٔ صوری درحقیقت والی نہیں بلکہ ایک رکنِ مشورہ ہے، اور والیٔ حقیقی مجموعہ مشیروں کا ہے (امداد الفتاویٰ ص ۹۲ ج ۵)

اس فقرے سے ایک بار پھر واضح ہو گیا کہ وہ عورت کی سربراہی کے ناجائز اور موجبِ عدمِ فلاح ہونے کو تسلیم فرماتے ہیں۔ اور اس مسئلے سے انھیں کوئی اختلاف نہیں، لیکن

جمہوری حکومت کے سربراہ کو وہ اپنی معلومات کے مطابق حقیقی سربراہ نہیں سمجھ رہے یہ اختلاف اصل مسئلے میں نہیں، بلکہ جمہوری حکومت کی حقیقت میں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ پارلیمانی نظام میں وزیر اعظم اگرچہ پارلیمنٹ کا ایک رکن ہونے کی حیثیت میں محض ایک رکنِ مشورہ ہے، لیکن اس کی دو حیثیتیں اور ہیں جن کی موجودگی میں اُس کو محض ایک "رکنِ مشورہ" قرار دینا ممکن نہیں ہے۔ پہلی حیثیت تو یہ ہے کہ وہ ملک کی انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے۔ اور اپنی اس حیثیت میں وہ آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے مکمل طور سے خود مختار ہے، یہاں تک کہ اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ پوری کابینہ کے مشورے کو رد کر کے وہ کام کرے جو اس کی رائے کے مطابق ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ جمہوری نظام میں ریاست کے تین کام الگ الگ کر دئے گئے ہیں، ایک کام قانون سازی ہے جو مقننہ یعنی پارلیمنٹ کے سپرد ہے، دوسرا کام ملک کا انتظام چلانا ہے جو انتظامیہ کے سپرد ہے، اور تیسرا کام تنازعات کا فیصلہ ہے جو عدلیہ کے سپرد ہے، اب ریاست کے ان تین اداروں، مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ میں سے لفظ "حکومت" کا اطلاق انتظامیہ ہی پر ہوتا ہے۔ مقننہ اور عدلیہ ریاست (STATE) کے ذیلی ادارے ضرور ہیں، لیکن "حکومت" (GOVERNMENT) کا حصہ نہیں ہیں۔ حکومت صرف انتظامیہ ہی کو کہا جاتا ہے، اور وزیر اعظم اس انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے، اُسے آئین کے دائرے میں رہتے ہوئے کاروبارِ حکومت چلانے کا مکمل اختیار حاصل ہے، نہ وہ ہر چیز کو مقننہ کے مشورے کے لئے پیش کرتا ہے، نہ کر سکتا ہے، نہ اس کا پابند ہے۔ اہم انتظامی فیصلے وہ کابینہ میں رکھتا ضرور ہے، لیکن کابینہ کی رائے کا پابند نہیں ہے، بلکہ کابینہ کے اجلاس میں اس کا فیصلہ حتمی حیثیت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے با اختیار شخص کو محض "رکنِ مشورہ" نہیں کہا جا سکتا۔

مقننہ کی حد تک بیشک وہ ایک "رکنِ مشورہ" ہے، لیکن پارلیمانی پارٹیوں کے مروّجہ نظام میں اس کی ایک اور حیثیت ہے جس نے اسے مقننہ میں بھی محض "رکنِ مشورہ" نہیں رہنے دیا، اور وہ حیثیت یہ ہے کہ وہ پارلیمنٹ میں برسرِ اقتدار اکثریتی پارٹی کا لیڈر اور قائدِ ایوان ہوتا ہے، لہٰذا پارلیمنٹ میں اس کی رائے محض ایک شخصی رائے نہیں ہوتی، بلکہ بسا اوقات ایوان کی اکثریت کی نمائندگی کرتی ہے۔ بالخصوص اگر وہ اپنی جماعت کے ارکان پارلیمنٹ کے لئے جماعت کی طرف سے کوئی ہدایت جاری کر دے تو اس کی جماعت کے تمام ارکان

اسی ہدایت کے مطابق اسمبلی میں ووٹ دینے کے پابند ہیں۔ پارلیمانی اصطلاح میں اس ہدایت کو جماعتی کوڑا (PARTY WHIP) کہا جاتا ہے، یعنی اس کوڑے کو حرکت میں لانے کے بعد تمام ارکانِ جماعت پارلیمنٹ میں وہی رائے دینے پر مجبور ہیں جس کے لئے وہ کوڑا حرکت میں لایا گیا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جو شخص یہ کوڑا حرکت میں لاتا ہو، اس کو محض ایک "رکنِ مشورہ" نہیں کہا جا سکتا۔ اس لحاظ سے مقننہ میں بھی وزیرِ اعظم کی حیثیت محض ایک "رکنِ مشورہ" کی نہیں، بلکہ قائدِ جماعت اور قائدِ ایوان کی ہوتی ہے، اور عملاً وہ دوسروں کے مشورے پر کم اور دوسرے اس کے مشورے پر زیادہ چلتے ہیں۔

اگرچہ نظریاتی اعتبار سے صدرِ مملکت ریاست کا سربراہ ہوتا ہے، اور وزیرِ اعظم انتظامیہ کا، لیکن پارلیمانی نظام میں صدرِ مملکت کی حیثیت زیادہ تر نمائشی ہوتی ہے اور اصل اختیارات وزیرِ اعظم ہی کے پاس ہوتے ہیں، اس لئے دنیا بھر کے نزدیک وزیرِ اعظم ہی کو اصل سربراہ سمجھا جاتا ہے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ عورت کی سربراہی کو ہرگز جائز نہیں سمجھتے جس کے لئے ان کی صریح تحریریں موجود ہیں، البتہ سوال یہ تھا کہ جمہوری حکومت کی سربراہی حقیقی سربراہی ہے یا نہیں؟ اس سوال کا تعلق شریعت کی تحقیق سے نہیں بلکہ مروجہ جمہوری نظام کی تحقیق سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا اصل موضوع شریعت کی تحقیق تھا۔ عہدِ حاضر کے سیاسی نظاموں کی تحقیق حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا موضوع نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ پارلیمانی نظام کے وزیرِ اعظم کے سلسلے میں جو حقائق اوپر بیان کئے گئے ہیں، اگر وہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے سامنے لائے جاتے تو وہ اپنی اس رائے پر ضرور نظرِ ثانی فرماتے کہ وہ محض ایک رکنِ مشورہ ہے۔

تاریخ کی بعض مثالیں:

بعض لوگ عورت کی سربراہی کے جواز میں بعض تاریخ کی مثالیں پیش کرتے ہیں کہ فلاں فلاں مواقع پر فلاں عورت برسرِ اقتدار رہی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ تاریخ میں جائز و ناجائز ہر قسم کے واقعات ہوئے ہیں، یہ واقعات دین میں کوئی سند نہیں ہیں، سند قرآن و سنت ہیں، لہٰذا اگر کہیں اِکّا دُکّا کچھ واقعات عورت کی سربراہی کے پیش آئے ہیں تو ان کی بنیاد

پر قرآن وسنت کے واضح احکام اور دلائل کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ پھر ان اِکّا دُکّا واقعات کی اکثریت ایسی ہے جہاں مسلمانوں نے ایسی حکومت کو گوارا نہیں کیا، یہاں تک کہ وہ حکومت ختم ہوگئی، اور ان حکومتوں کے دَور میں بھی کہیں نہیں ملتا کہ کسی فقیہ یا عالم نے عورت کی سربراہی کے جواز کا فتویٰ دیا ہو۔

اسی ضمن میں بعض لوگ مس فاطمہ جناح کے صدارتی اُمیدوار بننے کو سند میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن ملک کا کوئی عالم ہمارے علم میں نہیں ہے جس نے اس اقدام کی حمایت کرتے ہوئے یہ کہا ہو کہ عورت حکومت کی سربراہ ہو سکتی ہے، لہٰذا اس واقعے کو دلیل میں پیش کرنا خلطِ مبحث کے سوا کچھ نہیں۔

(اس وقت بھی علماء نے عورت کی سربراہی کے عدم جواز کا فتویٰ شائع کیا تھا، رشید احمد)

تمام مکاتبِ فکر کے پاکستانی علماء کا فیصلہ:

بہرکیف! عورت کی سربراہی کا ناجائز ہونا ایک ایسا مسلمہ مسئلہ ہے جو قرآن وسنت کے واضح ارشادات اور اجماعِ اُمت پر مبنی ہے۔ اُمت کے کسی ایک فقیہ یا عالم نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔

اسی لئے ۱۹۵۱ء میں جب پاکستان کے تمام مکاتبِ فکر کے علماء نے کراچی میں آئینی مسائل پر اجتماع منعقد کیا جس میں دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث، جماعتِ اسلامی اور شیعہ تمام مدرسہ ہائے خیال کے چوٹی کے ۳۳ حضرات موجود تھے اور وہ مشہور متفقہ بائیس نکات طے کئے جو انکے نزدیک پاکستان کے آئین کے لئے بنیادی اہمیت رکھتے تھے، تو ان میں بارہواں نکتہ یہ تھا:

"رئیسِ مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین، صلاحیت اور اصابتِ رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔"

ان بائیس نکات پر پاکستان کے ہر مکتبِ فکر کے تمام علماء متفق ہیں، اور آج تک ان میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔

لہٰذا کسی اسلامی حکومت میں عورت کو سربراہ بنانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اور اگر کہیں ایسا ہو جائے تو مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ جلد از جلد سربراہی کی تبدیلی کے لئے ممکنہ کوششوں کو بروئے کار لائیں۔ واللہ سبحانہ الموفق — محمد رفیع عثمانی

رشید احمد ولی حسن سلیم اللہ

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

العزيز من العبد الرشيد :

دلائل المنع :

(۱) وللرجال عليهن درجة (۲-۲۲۸)

(۲) وزاده بسطة فى العلم والجسم (۲-۲۴۷)

(۳) اومن ينشؤا فى الحلية وهو فى الخصام غير مبين (۴۳-۱۸)

(۴) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما رأيت من ناقصات عقل ودين اذهب للب الرجل الحازم من احداكن (بخارى ص۴۴ ج۱)

دلائل الجواز :

(۱) قال الامام الكاسانى رحمه الله تعالىٰ : اما المرأة والصبى العاقل فلا يصح منهما اقامة الجمعة لانهما لايصلحان للامامة فى سائر الصلوات ففى الجمعة اولى الا ان المرأة اذا كانت سلطانا فامرت رجلا صالحا للامامة حتى صلى بهم الجمعة جاز لان المرأة تصلح سلطانا او قاضيا فى الجملة فتصح امامتها-

(بدائع الصنائع ص۲۶۲ ج۱)

(۲) وقال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ : اما سلطنتها فصحيحة وقد ولى مصر امرأة تسمى شجرة الدر جارية الملك الصالح بن ايوب (البحر الرائق ص۶ ج۲)

الجواب :

ان عبارات میں صلاح وصحت سے نفاذ مراد ہے، جواز مراد نہیں، مطلب یہ ہے کہ عورت کو سلطان بنانا ناجائز ہے معہذا اس نے ناجائز ذرائع سے تسلط حاصل کرلیا تو اسکی سلطنت نافذ ہوجائے گی-

الامثلة :

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : اسمعوا واطيعوا وان استعمل عبد حبشى كأن راسه زبيبة (بخارى ص۹۶ ج۱)

قال الامام الكرمانى رحمه الله تعالىٰ : فان قلت كيف يكون العبد واليا وشرط الولاية الحرية ؟ قلت : بان يوليه بعض الائمة او يغلب على البلاد بشوكته-

(شرح الكرمانى لصحيح البخارى ص۷۶ ج۵)

(۲) وقال الامام ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ : طریق چہارم استیلاء ست .... واین دونوع ست یکی آنکہ مستولی مستجمع شروط باشد ..... دیگر آنکہ مستجمع شروط نباشد وصرف منازعین کند بقتال وارتکاب محرم وآں جائز نیست وفاعل آں عاصی ست لیکن واجب ست قبول احکام او چوں موافق شرع باشد، واگر عمال او اخذ زکوۃ کنند از ارباب اموال ساقط شود، وچوں قاضی او حکم نماید نافذ گردد حکم او، ہمراہ او جہاد می تواں کرد، وایں انعقاد بنا برضرورت ست زیرا کہ در عزل او فنائی نفوس مسلمین وظہور حرج و مرج شدید لازم می آید وبیقین معلوم نیست کہ ایں شداید مفضی شود بصلاح یا نہ، بحتمل کہ دیگری بدتر از اول غالب شود، پس ارتکاب فتن کہ قبح او متیقن بہ ست چرا باید کرد برائی مصلحتی کہ موہوم ست ومحتمل، وانعقاد خلافت عبدالملک بن مروان واول خلفائی بنی عباس بہمیں نوع بود (ازالۃ الخفا ص ٥ مقصد اوّل)

(۳) وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ : والمرأۃ تقضی فی غیر حد و قود وان اثم المولی لھا لخبر البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ (رد المحتار ص ۳۹۵ ج ۴)

وکذا قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ (البحر الرائق ص ٥ ج ۷)

(۴) فاسق کو امام بنانا جائز نہیں معہذا اس کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز صحیح ہے۔

النظائر :

ولھذہ المسألۃ نظائر کثیرۃ مثلاً :

(۱) البیع الفاسد موجب للملک۔

(۲) حرمۃ المصاھرۃ تثبت بالزنا۔

(۳) السفر یترتب علیہ الاحکام ولو کان للمعصیۃ۔

(۴) یقع الطلاق علی الحائض مع کونہ منھیا عنہ۔

(٥) یقع الطلقات الثلاث دفعۃ مع کونہ بدعیا۔

(٦) لحوق النجاسۃ مع حرمتہ مطھر۔

دلائل الجواز کو بوجوہ ذیل نفاذ مع عدم الجواز پر محمول کرنا ضروری ہے :

(١) عدم الجواز نصوص الشرع، قرآن، حدیث، فقہ اور اجماع سے ثابت ہے۔

(٢) دلیل ثانی میں سلطنت شجرۃ الدر سے استدلال کیا گیا ہے جس کے تسلط کو ناجائز قرار دے کر اسے معزول کر دیا گیا تھا، کما سیأتی۔

(٣) البحر الرائق میں اسی دلیل ثانی سے تین سطر پہلے یہ حکم مذکور ہے: فکانت اھلا للقضاء (فی غیر حد وقود) لکن یأثم المولی لھا للحدیث لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ رواہ البخاری (البحر الرائق ص ۵ ج ۷)

(٤) قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرائط صحۃ الجمعۃ والثانی السلطان ولو متغلبا او امرأۃ فیجوز امرھا باقامتھا لا اقامتھا، قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اعلمان المرأۃ لا تکون سلطانا الا تغلبا لما تقدم فی باب الامامۃ من اشتراط الذکورۃ فی الامام، فکان علی الشارح ان یقول ولو امرأۃ ای ولو کان ذلک المتغلب امرأۃ ح، والمراد بالمتغلب من فقد فیہ شروط الامامۃ وان رضیہ القوم (رد المحتار ص ۷۵۰ ج ۱)

(٥) بدائع میں دلیل اول سے کچھ قبل سلطنت عبد کا ذکر ہے ونصہ: واما العبد اذا کان سلطانا فجمع بالناس او امر غیرہ جاز (بدائع الصنائع ص ۲۶۱ ج ۱) اس پر اجماع ہے کہ عبد سلطان نہیں ہو سکتا، لہٰذا یہاں بالاتفاق عبد متغلب مراد ہے۔ جس کی سلطنت ناجائز ہونے کے باوجود نافذ ہے، اس سے ثابت ہوا کہ آگے اسی موقع پر ان المرأۃ تصلح سلطانا میں بھی صلاحیت سے نفاذ بلا جواز مراد ہے۔

(٦) دلیل اول میں فامرت رجلا صالحا للامامۃ میں بالاتفاق ایسا شخص مراد ہے جس کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز صحیح ہو جائے، یہ ضروری نہیں کہ اسے امام بنانا بھی جائز ہو، اس سے ثابت ہوا کہ آگے ان المرأۃ تصلح سلطانا میں بھی نفاذ مراد ہے جواز مراد نہیں۔

(٧) امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان تحقیق کے مطابق اس حقیقت کو دلائل سے ثابت فرمایا ہے کہ عورت کی قضاء کا نفاذ مع عدم الجواز ہے، ونصہ:

والجواب ان ماذکر غایۃ ما یفید منع ان تستقضی وعدم حلہ والکلام فیما لو ولیت واثم المقلد بذلک او حکمھا خصمان فقضت قضاء موافقا لدین

الله اکان ینفذ ام لا؟ لم ینتهض الدلیل علی نفیه بعد موافقتہ ما انزل الله الا ان یثبت شرعاً سلب اهلیتها ولیس فی الشرع سوا نقصان عقلها و معلوم انه لم یصل الی حد سلب ولایتها بالکلیة الا تری انها تصلح شاهدة و ناظرة فی الاوقاف و وصیة علی الیتامی و ذلک النقصان بالنسبة والاضافة ثم هو منسوب الی الجنس فجاز فی الفرد خلافه الا تری الی تصریحهم بصدق قولنا الرجل خیر من المرأة مع جواز کون بعض افراد النساء خیراً من بعض افراد الرجال ولذلک النقص الغریزی نسب صلی الله علیه وسلم لمن یولیهن عدم الفلاح فکان الحدیث متعرضا للمولین ولهن بنقص الحال وهذا حق لکن الکلام فیما لو ولیت فقضت بالحق لماذا یبطل ذلک الحق؟ (فتح القدیر ص ۴۸۶ ج ۵)

(۸) اعلاء السنن میں بھی اس حقیقت کو ایسا محقق بیان فرمایا ہے کہ اس کے دلائل تقریباً دو صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں (اعلاء السنن ص ۲۶، ۲۷ ج ۱۵)

اعلاء السنن کی اس بحث میں متعدد دلائل سے یہ ثابت کرنے کے بعد کہ فقہ حنفی میں اس موقع پر "جواز" سے "نفاذ مع الاثم" مراد ہے۔ آخر میں اپنے اس دعوی "جواز بمعنی نفاذ" یا بالفاظ دیگر "نفاذ بلا جواز" پر واقعۂ جمل سے استدلال کیا ہے جو صحیح نہیں، اس لئے کہ یہاں امارت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قطعاً کوئی تصور تک بھی نہیں تھا، نہ ہی کسی قسم کی جنگ وغیرہ کا کوئی خیال تھا۔ صرف مطالبہ قصاص کو تقویت دینے کے لئے آپ سے تائید حاصل کرنا مقصود تھا جس کی تفصیل "متفقہ فیصلہ" میں گزر چکی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس اقدام کو بھی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پسند نہیں فرمایا اور اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وعید لن یفلح قوم الخ میں داخل سمجھ کر ناجائز قرار دیا۔ جب مطالبہ قصاص میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شمولیت میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاں کوئی جواز نہ تھا تو آپ کی امارت کے تصور کا کیا جواز ہو سکتا تھا؟

علاوہ ازیں نفاذ مع عدم الجواز تسلیم کر لینے اور اسے دلائل سے ثابت کرنے کے بعد اس استدلال کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ حضرت عائشہ اور آپ کے ہمخیال صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے معاذ اللہ! ناجائز کام کر کے ارتکاب معصیت کیا ہے۔ حاشا و کلا، واللہ یعلم

انّہم بریئون من ذلك، رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہ ،

بعض ملحدین نے امارت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ثابت کرنے کے لئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے :

انّما جعلها بمنزلۃ الملكۃ التی یأتمر بامرھا ویطیعها (منہاج السنۃ ص۱۹۵ ج۲)

اس استدلال سے امارت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ثابت ہونے کی بجائے مستدل ملحد کی انتہائی جہالت اور کھلی خیانت کا ثبوت ملتا ہے، منہاج السنّۃ کی پوری عبارت درج ذیل ہے :

فان طلحۃ والزبیر کانا معظمین عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موافقین لها مؤتمرین بامرھا وھما وھی من ابعد الناس عن الفواحش والمعاونۃ علیها، فان جاز للرافضی ان یقدح فیهما بقوله بای وجه یلقون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع ان الواحد منا لو تحدث مع امرأۃ غیرہ حتی اخرجها من منزلها وسافر بها الیٰ اٰخرہ، مع ان ذلك انما جعلها بمنزلۃ الملكۃ التی یأتمر بامرھا ویطیعها ولم یکن اخراجها لمظان الفاحشۃ الخ (حوالۂ بالا)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلے بے حیا رافضی کی اس حیا سوز بکواس کو نقل کیا ہے کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ناجائز طریقہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے ساتھ لے گئے تھے، پھر اس بے حیا رافضی کو جواب دیا ہے کہ ان دونوں حضرات کے قلوب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عظمت سے معمور تھے اور ملکہ کی طرح آپ کی عظمت و اطاعت کرتے تھے۔

اس میں اثبات امارت مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ام المؤمنین ہونے کی وجہ سے ان کے قلوب میں آپ کی عظمت اور اطاعت کا جذبہ تھا، اگر اثبات امارت مقصود ہوتا تو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ امارۃ المرأۃ کے جواز کے قائل ہوتے، حالانکہ وہ اسے ناجائز قرار دیتے ہیں، اور ان مسائل میں شمار کرتے ہیں جن پر پوری امت کا اجماع ہے، جس کی تفصیل "متفقہ فیصلہ" میں عنوان "اجماعِ امت" کے تحت گزر چکی ہے۔

آپ کے دادا امام عبدالسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی منتقی الاخبار میں "باب المنع من ولایۃ المرأۃ والصبی الخ" مستقل باب لکھا ہے اور اسے احادیث سے ثابت کیا ہے (نیل الاوطار ص۲۷۳ ج۸)

شجرۃ الدر :

اس سے عورت کی سلطنت کے جواز پر استدلال بدووجہ باطل ہے :

(١) دنیا میں ہروہ قول وعمل جونصوص شرع کے خلاف ہو مردود ہے۔

(٢) یہ بہت مکار عورت تھی، اس نے ملک صالح کی وفات کے بعد اس کے بیٹے کو مکروفریب کے ذریعہ بہت دردناک طریقہ سے قتل کرواکر ٢ صفر سنہ ٦٤٨ھ کو حکومت پر تسلط قائم کرلیا، امراء اور عوام کو خوش کرنے کے لئے ان پر دولت کی بارش برسادی، بڑے بڑے وظائف اور بڑی بڑی جاگیریں دے کر ان کے منہ بند کردیئے۔

بغداد میں خلیفۂ وقت ابوجعفر مستنصر باللہ کو علم ہوا تو اس نے مصر کے امراء کو بہت ڈانٹا، اس مکار عورت کو معزول کرنے کا حکم دیا اور لکھا :

"اگر تمہارے پاس سلطنت کا اہل کوئی مرد باقی نہیں رہا تو ہم کوئی مرد بھیجدیں؟
کیا تم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں سُنا :
"جو قوم اپنے معاملات کسی عورت کے سپرد کردے وہ ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی""۔

خلیفہ کی دھمکی وصول ہونے پر یہ خبیث عورت خود ہی سلطنت سے دستبردار ہوگئی، اس طرح اس کی حکومت کی کل مدت دو ماہ سے بھی کم تھی (فوات الوفیات لابن شاکر الکتبی ص ٢٦٤ ج ١، اعلام النساء ص ٢٨٦ ج ٢، مرآۃ الجنان للیافعی ص ١٢٧ ج ٤)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد
٤ شعبان سنہ ١٤٠٩ھ

الحاق :

اس تحریر کے بعد علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارتِ ذیل کے بارے میں استفسار موصول ہوا :

ومذهب الجمهور ان المرأة لا تلي الامارة ولا القضاء واجازه

الطبری وھی روایۃ عن مالك رحمہ اللہ تعالیٰ، وعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ تلی الحکم فیما تجوز فیہ شہادۃ النساء (ارشاد الساری ص ۲۶۰ ج ۴)

طبری اور امام رحمہما اللہ تعالیٰ کے اقوال کی تشریح " منقفۃ فیصلہ " میں قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ سے یوں نقل کی جا چکی ہے :

"وھذا نص فی ان المرأۃ لا تکون خلیفۃ ولا خلاف فیہ ونقل عن محمد بن جریر الطبری امام الدین انہ یجوز ان تکون المرأۃ قاضیۃ ولم یصح ذلك عنہ ولعلہ کما نقل عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ انہا انما تقضی فیما تشہد فیہ ولیس بان تکون قاضیۃ علی الاطلاق ولا بان یکتب لہا منشور بان فلانۃ مقدمۃ علی الحکم الا فی الدماء والنکاح وانما ذلك کسبیل التحکیم اوالاستبانۃ فی القضیۃ الواحدۃ" (احکام القرآن لابن العربی ص ۱۴۴۵ ج ۳)

رہی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت، سو اس کی جستجو کے لئے کتب مالکیہ میں سے درج ذیل چودہ مشہور و مستند کتب کا مراجعہ کیا گیا :

(۱) المدونۃ الکبری للامام مالك رحمہ اللہ تعالیٰ ۔
(۲) المنتقی شرح موطأ الامام مالك رحمہ اللہ تعالیٰ ۔
(۳) بدایۃ المجتہد للامام ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ ۔
(۴) اقرب المسالك الی مذہب الامام مالك رحمہ اللہ تعالیٰ ۔
(۵) الشرح الصغیر علی اقرب المسالك ۔
(٦) حاشیۃ العلامۃ الصاوی رحمہ اللہ تعالیٰ علی الشرح الصغیر ۔
(۷) مختصر العلامۃ الخلیل رحمہ اللہ تعالیٰ ۔
(۸) الشرح الکبیر لمختصر العلامۃ الخلیل رحمہ اللہ تعالیٰ ۔
(۹) حاشیۃ العلامۃ الدسوقی رحمہ اللہ تعالیٰ علی الشرح الکبیر ۔
(۱۰) شرح منح الجلیل علی مختصر العلامۃ الخلیل رحمہ اللہ تعالیٰ ۔
(۱۱) تسہیل منح الجلیل علی مختصر العلامۃ خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ ۔
(۱۲) جواہر الاکلیل شرح مختصر العلامۃ الشیخ خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ ۔

(۱۳) التاج والاکلیل لمختصر خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۱۴) مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ۔

کتب مذکورہ میں سے کسی میں بھی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے جواز قضاء المرأۃ کی کوئی روایت نہیں، مدوّنہ کتاب القضاء میں قضاء المرأۃ کی بحث ہی نہیں، بقیہ تیرہ کتابوں میں عدم جواز بلکہ اس سے بھی بڑھ کر عدم نفاذ اور وجوب فسخ کی تصریح ہے۔ البتہ مؤخر الذکر کتاب "مواہب الجلیل" میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلمیذ امام ابن القاسم رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت جواز نقل کر کے اس کا محمل بھی وہی قرار دیا ہے جو قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے طبری اور امام رحمہما اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب اقوال کا قرار دیا ہے، اب ان کتابوں سے متعلقہ عبارات پیش کی جاتی ہیں:

(۱) قال الامام الباجی رحمہ اللہ تعالیٰ:

"فاما صفاتہ (القضاء) فی نفسہ فاحداھا ان یکون ذکرا بالغا الی قولہ فاما اعتبار الذکورۃ فحکی القاضی ابومحمد وغیرہ انہ مذھب مالک، ودلیلنا ما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لن یفلح قوم اسندوا امرھم الی امرأۃ، ودلیلنا من جھۃ المعنی انہ امر یتضمن فصل القضاء فوجب ان تنافیہ الانوثۃ کالامامۃ، قال القاضی ابوالولید ویکفی فی ذلک عندی عمل المسلمین من عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نعلم انہ قدم لذلک فی عصر من الاعصار ولا بلد من البلاد امرأۃ کما لم یقدم للامامۃ امرأۃ واللہ اعلم واحکم۔" (المنتقی ص ۱۸۲ ج ۵)

(۲) وقال الامام ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ:

"فاما الصفات المشترطۃ فی الجواز فان یکون حرا مسلما بالغا ذکرا عاقلا عدلا۔" (بدایۃ المجتھد ص ۴۵۴ ج ۲)

(۳) وقال العلامۃ احمد الدردیر رحمہ اللہ تعالیٰ:

"شرط القضاء عدالۃ وذکورۃ" (اقرب المسالک)

(۴) وقال فی الشرح:

"ای شرط صحتہ، فلا یصح من انثی ولا خنثی" (الشرح الصغیر)

(۵) وقال العلامۃ احمد الصاوی رحمہ اللہ تعالیٰ:
"ای ولا ینفذ حکمھا" (الشرح الصغیر ص ۱۸۷ ج ۴)
(٦) وقال العلامۃ خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ:
"اھل القضاء عدل ذکر" (مختصر العلامۃ خلیل)
(۷) وقال العلامۃ احمد الدردیر رحمہ اللہ تعالیٰ:
"ذکر محقق لا انثی ولا خنثی" (الشرح الکبیر)
(۸) وقال العلامۃ الدسوقی رحمہ اللہ تعالیٰ:
"(قولہ لا انثی ولا خنثی) ای فلا یصح تولیتھما للقضاء ولا ینفذ حکمھما" (الشرح الکبیر ص ۱۲۹ ج ۴)
(۹) وقال الشیخ محمد علیش رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح قول العلامۃ خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ (اھل القضاء عدل ذکر فطن مجتھد ان وجد والا فامثل مقلد):
"(الثامن) صفات القاضی المطلوبۃ فیہ ثلاثۃ اقسام شروط فی صحۃ تولیتہ وشروط فی دوامھا وشروط فی کمالھا، اشار المصنف الی الاولی بقولہ عدل الی قولہ فامثل مقلد -
(ذکر) فلا تصح تولیۃ امرأۃ لحدیث البخاری لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ" (منح الجلیل ص ۱۳۸ ج ۴)
(۱۰) والشیخ المذکور لم یتعرض لھذا فی حاشیتہ علی شرحہ المذکور فکأنہ قررہ مرۃ ثانیۃ-
(۱۱) وقال الشیخ صالح عبد السمیع: "(ذکر) فلا تصح تولیۃ امرأۃ لحدیث البخاری لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ" (جواھر الاکلیل ص ۲۲۱ ج ۲)
(۱۲) وقال العلامۃ المواق رحمہ اللہ تعالیٰ:
"اھل القضاء عدل ذکر ابن رشد القضاء خصال مشترطۃ فی صحۃ الولایۃ وھی ان یکون ذکرا حرا مسلما بالغا عاقلا واحدا فھذہ ستۃ خصال لا یصح ان یولی القضاء الا من اجتمعت فیہ فاولی من لم تجتمع

فیلم تنعقد له الولایة وان انخرم شیء منها بعد انعقاد الولایة سقطت الولایة" (التاج والاکلیل علی هامش مواهب الجلیل ص ۸۷ ج ۶)

(۱۳) وقال الامام الحطاب رحمه الله تعالیٰ فی شرح قول العلامة خلیل رحمه الله تعالیٰ اهل القضاء عدل ذکر فطن مجتهد ان وجد والا فامثل مقلد) :

"واعلم ان صفات القاضی المطلوبة فیه علی ثلاثة اقسام (الاول) شرط فی صحة التولیة وعدمه یوجب الفسخ (والثانی) ما یقتضی عدمه الفسخ وان لم یکن شرطا فی صحة التولیة (الثالث) مستحب ولیس بشرط فاشار المؤلف الی الاوّل بقوله اهل القضاء عدل الی قوله والا فامثل مقلد (ذکر) ش قال فی التوضیح وروی ابن ابی مریم عن ابی القاسم جواز ولایة المرأة، قال ابن عرفة قال ابن زرقون اظنه فیما تجوز فیه شهادتها، قال ابن عبد السلام لا حاجة لهذا التأویل لاحتمال ان یکون ابن القاسم قال کقول الحسن والطبری باجازة ولایتها القضاء مطلقا (قلت) الاظهر قول ابن زرقون لان ابن عبد السلام قال فی الرد علی من شذ من المتکلمین فقال الفسق لا ینافی القضاء ما نصه وهذا ضعیف جدا لان العدالة شرط فی قبول الشهادة والقضاء اعظم حرمة منها (قلت) فجعل ما هو مناف للشهادة مناف للقضاء فکما ان النکاح والطلاق والعتق والحدود لا تقبل فیها شهادتها فکذلک لا یصح فیها قضاؤها انتہی" (مواهب الجلیل ص ۸۷ ج ۶)

یہ روایت مؤولہ صرف قضاء کے بارے میں ہے، عورت کی ولایت بالاجماع جائز نہیں، خلیفہ ابوجعفر مستنصر باللہ نے شجرۃ الدرّ کو سلطنتِ صغریٰ یعنی ذیلی حکومت کی بھی اجازت نہ دی اور اسے مار بھگایا، جس کی تفصیل بعنوان "شجرۃ الدرّ" گزر چکی ہے، جب عورت ذیلی امارت کی اہل نہیں تو امارتِ عظمیٰ کی اہل کیسے ہوسکتی ہے؟

قال الامام ابن رشد رحمه الله تعالیٰ :

"قال عبد الوهاب ولا اعلم بینهم اختلافا فی اشتراط الحریة، فمن ردّ قضاء المرأة شبهه بقضاء الامامة الکبری وقاسها ایضا علی العبد لنقصان حرمتها ومن اجاز حکمها فی الاموال فتشبیها بجواز شهادتها فی الاموال، ومن رأی حکمها نافذا فی کل شیء قال ان الاصل هو ان کل من یأتی منه الفصل بین الناس فحکمه جائز الا ما خصه الاجماع من الامامة الکبری" (بدایة المجتهد ص ۴۵۵ ج ۲) فقط والله تعالیٰ اعلم

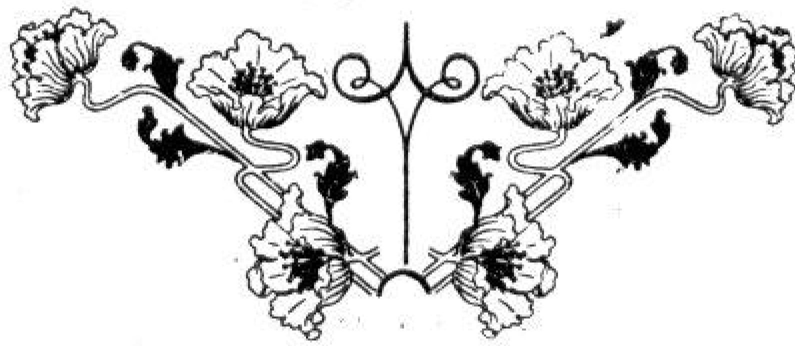
عبرت: جو عورت اس تحریر کا باعث بنی اسکی حکومت صرف بیس ماہ بمشکل چل سکی جو بہت ہی بُرے انجام اور انتہائی ذلت پر ختم ہوئی۔

رشید احمد
۱۶ رمضان ۱۴۰۹ھ

كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (۵۸:۲۱)

غلبۂ اسلام

کیا اسلام بزورِ شمشیر پھیلا؟



افاضہ

حضرت فقیہ العصر دامت برکاتہم

تحریر

حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

غلبہ اسلام

کیا اسلام بزورِ شمشیر پھیلا؟

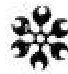
دشمنانِ اسلام کی طرف سے اسلام کے خلاف مسلسل یہ پروپیگنڈا کیا جارہا ہے:

"اسلام دُنیا میں بزورِ شمشیر جبر و اکراہ کے ذریعہ پھیلایا گیا ھے"

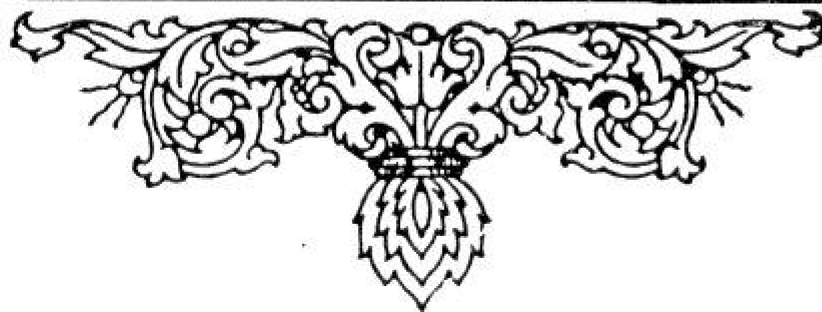
زیرِ نظر تحریر

میں

اس تلبیسِ ابلیس کا مختصر مگر نہایت جامع جواب ہے



فاروقی



کیا اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ؟

سوال : اعداءِ اسلام بالخصوص مستشرقین کی طرف سے یہ عام پروپیگنڈا ہے کہ دنیا میں اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے، کیا اس میں کچھ حقیقت کا عنصر بھی ہے یا محض مخالفین کا پروپیگنڈا ہے ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اسلام دشمنی نے ان لوگوں کو اندھا بہرا کر دیا ہے ورنہ پروپیگنڈے سے پہلے اتنا سوچ لیتے کہ مسلمان ہونے کا مطلب ہے دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو قبول کر لینا، اگر کوئی شخص دل سے مسلمان ہونے کی بجائے صرف زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ شریعت کی اصطلاح میں منافق ہے، منافقین کا گروہ عام کفار کی بنسبت بدترین اور خطرناک گروہ تھا جسے قرآن نے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار کی وعید سنائی ہے، تاریخ گواہ ہے کہ اس مارِ آستین نے اسلام کو عام کفار کی بنسبت کہیں زیادہ نقصان پہنچایا ہے، اب سوچا جائے کہ جبر کر کے کسی کافر کو زبانی ہی کلمہ پڑھایا جا سکتا ہے، اس کے دل سے تو کفر نہیں نکالا جا سکتا، ان معترضین کے بقول گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بزورِ شمشیر عام کفار کو منافق بنا کر مزید ان سے دشمنی مول لی، بھلا اس سے کیا فائدہ ؟ غرض بزورِ شمشیر کسی کو مسلمان بنانا از روئے عقل و نقل ممکن ہی نہیں اور یہ پروپیگنڈا گورخر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، مگر اس پروپیگنڈے کے پیچھے شاطر فرنگی کا یہ ابلیسی اصول کارفرما ہے :

"جھوٹ بولو اور اتنا بولو کہ دنیا اسے سچ باور کرنے لگے۔"

اس لئے ہم اس پروپیگنڈا کی سطحیت اور اس کا کھوکھلا پن قدرے تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔

○ یہ جھوٹ مستشرقین نے گھڑا ہے، وہی اسے مسلسل ہوا دے رہے ہیں، اگر

اس میں رتی برابر بھی وزن ہوتا تو ان کے اسلاف (کفار مکہ) اس سے کبھی نہ چوکتے، حالانکہ انھوں نے اسلام کے خلاف ہر حربہ استعمال کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر، ساحر، کاہن، کذاب، مفتری غرض سب کچھ کہا مگر یہ جھوٹ انکے حاشیۂ خیال میں بھی نہ آیا یا آیا بھی ہو تو آپ اپنی تردید کے مترادف سمجھ کر اس کی اشاعت کی ہمت نہ کر سکے۔

○ اگر جبر واکراہ سے لوگوں کو مسلمان بنایا گیا تو اشاعتِ اسلام میں اتنا طویل اور صبر آزما عرصہ کیوں صرف ہوا؟ شمشیر وسنان کے ذریعہ تو سالوں کا کام دنوں بلکہ گھنٹوں میں نمٹایا جا سکتا ہے، آخر کیا وجہ ہے کہ تیرہ سال کے طویل عرصہ میں صرف گنتی کے افراد ہی مسلمان ہوئے۔

○ اگر کہا جائے کہ مکہ مکرمہ میں تلوار اُٹھانے کی اجازت نہ تھی تو پوچھا جا سکتا ہے کہ مدینہ منورہ میں جبری کارروائی سے کیا چیز مانع تھی؟ یہاں تو اسلامی ریاست قائم ہو گئی، جاں نثاروں کی فوج بھی میسر آگئی، حالانکہ دُنیا جانتی ہے کہ آخر وقت تک مدینہ منورہ کی بھی پوری آبادی مسلمان نہ ہوئی، اس مرکز اسلام میں یہودی، مشرک، منافق سب ہی رہتے رہے۔

○ معترض بتائیں کہ جبر کس ذریعہ سے کیا گیا؟ مال و دولت، جاہ و اقتدار یا کسی دوسرے دنیوی مفاد کا چکما دیکر؟ تیرہ سال تک تو مسلمان خود حد درجہ مظلوم کس مپرسی کے عالم میں تھے، ان کے پاس ان چیزوں کا دُور دُور تک کہیں گزر نہ تھا، ہجرت کے بعد کا ابتدائی دَور بھی دَورِ ابتلا تھا، البتہ ۸ھ کے بعد فتوحات کا دَور شروع ہوا، مگر وہ بھی اس شان سے کہ دُور دراز سے قبائل عرب خود آ آ کر حلقہ بگوش اسلام ہوتے، اس دور کے مسلمانوں میں نامور امراء عرب، حکام و سلاطین اور رؤساء و اغنیاء شامل ہیں، یہ لوگ کس کی تلوار سے مسلمان ہوئے؟ اسلام لانے کے بعد یہ حضرات اپنے علاقوں سے زکوٰۃ و صدقات جمع کر کے بارگاہ نبوت میں پیش کرتے، لینے کی بجائے دوسروں پر مال نچھاور کرتے، یہ کیسا جبر ہے؟

○ بہر قیمت دنیا کو داخلِ اسلام ہونے پر مجبور کیا جاتا تو جزیہ مقرر کرنیکا کیا مقصد تھا؟ حالانکہ عین ان حالات میں جبکہ اسلام کی ترقی عروج پر تھی لاکھوں کروڑوں افراد اسلامی ملکوں میں قلیل سا سالانہ جزیہ دیکر امن وعیش کی زندگی گزار رہے تھے، اس پر مستزاد عورتوں، بچوں، غلاموں، معذوروں اور تنگدست لوگوں کے علاوہ گوشہ نشین راہبوں کو بھی جزیہ ادا کرنے سے مستثنیٰ رکھا گیا، ایسی مخلوق کو جبراً مسلمان بنانا کیا مشکل تھا؟

ﮧ اسلام لانے والے لوگوں کا بھی ایک سرسری نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس جھوٹ کی قلعی کھل جاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیٰوۃ طیبہ میں اسلام لانے والے کچھ تو متوسط طبقہ کے لوگ تھے مگر اکثر صحابہ اونچے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے یا پھر مملوک صعلوک اور ما تحت افراد تھے، پہلی قسم میں حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، خالد بن ولید، عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سرِ فہرست ہیں۔

اس طبقہ کے بہت سے حضرات تو خود جابر و قاہر اور زور آور تھے، مسلمان ہونے سے پہلے اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے، اگر فرض کیا جائے کہ ان حضرات نے داخل اسلام ہونے کے بعد لوگوں پر جبر کیا تو بتایا جائے کہ خود ان جابرین پر کس نے جبر کیا تھا ؟

اور دوسرا طبقہ تو مسلمان ہونے کے بعد مسلسل تیرہ برس تک مشق ستم بنا رہا، ان میں حضرت بلال، صہیب، یاسر، عمار، سمیہ، زنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سرفہرست ہیں۔

ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے، بعض کو شہید تک کر دیا گیا، مگر بزبانِ حال سب کا ایک ہی نعرہ تھا :

"یہاں بڑھتا ہے ذوقِ جرم ہر سزا کے بعد"

آخر یہ اسلام سے منحرف کیوں نہ ہوئے ؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں داخل کرنے کے لئے کسی فرد بشر پر کبھی جبر نہیں کیا گیا، البتہ اسلام سے ہٹانے کے لئے جبر کیا گیا اور ہر ممکن حربہ آزمایا گیا۔

ﮧ اسلام کے نظریۂ مساوات اور نظام عدل و مواسات کو دیکھ کر ہر ذی شعور فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس مقدس مذہب میں جبر و جور یا اس قسم کے کسی اوچھے حربہ کی دُور دُور تک کوئی گنجائش نہیں، بلکہ داخلِ اسلام ہونے سے پہلے کسی غیر مسلم کو بار بار سوچنا پڑتا ہے کہ میں اسلام میں قدم رکھ کر کیا کھوؤں گا کیا پاؤں گا ؟ دنیا جانتی ہے کہ اسلامی قوانین غنی و فقیر، شریف و وضیع بلکہ شاہ و گدا کے لئے یکساں نافذ العمل ہیں، اسمیں کسی سے کوئی رُو رعایت نہیں، اس کی درخشاں مثالیں تاریخ اسلام میں ثبت ہیں۔

جبلۃ بن ایہم کا واقعہ تو تاریخ اسلام کا مبتدی بھی جانتا ہے، اس نومسلم بادشاہ نے ایک فقیر بے نوا کو طیش میں آکر تھپڑ رسید کر دیا تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قصاص کا فیصلہ صادر فرمایا، یہ ایک رات کی مہلت لے کر اسی رات فرار ہو کر مرتد

ہوگیا اور اسلام کا بدترین دشمن بن کر اہلِ اسلام کو زندگی بھر ستاتا رہا، ہر میدان میں ان سے مقابلہ کرتا رہا، اگر اس سے ذراسی رعایت برتی جاتی تو یہ حادثہ پیش نہ آتا، مگر اسلام کے لازوال قوانین میں ایسی کوئی لچک نہیں۔

اسی طرح عرب کے بعض وجیہ اور بااثر لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر پیشکش کی کہ ہم اس شرط پر مسلمان ہوتے ہیں کہ ہمیں اسلامی حکومت میں حصہ دار بنایا جائے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشکش ٹھکرادی۔

بعض نومسلم قبائل نے کچھ رعایت چاہی کہ ہمیں نماز یا زکوٰۃ سے مستثنیٰ رکھا جائے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی درخواست بھی کمال استغناء سے رد فرمادی۔

اس قسم کے واقعات بڑی تعداد میں ملتے ہیں، کوئی ہوش و حواس رکھنے والا انسان بتائے کہ ایسے مذہب میں کسی کو مجبور کرکے لانے سے کیا فائدہ؟

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیوٰۃ طیبہ میں اسلام پورے جزیرۂ عرب میں پھیل گیا، خلفاء راشدین کے عہدوں میں تو اسلام کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجنے لگا، کروڑوں انسان حلقہ بگوش اسلام ہوگئے، کیا یہ مستشرقین مل کر اس پورے دور میں کسی ایک متعین فرد کی نشاندہی کرسکتے ہیں کہ اسے بجبر و اکراہ مسلمان بنایا گیا؟ دیدہ باید۔

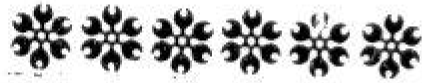
اس کے برعکس ہنود، یہود اور نصاریٰ جن ذرائع سے دنیا کو اپنے مذہب میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ دنیا کے سامنے ہیں۔ زن، زر، زمین غرض دنیا کا ہر لالچ دیکر لوگوں کو شکار کیا جارہا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ مرتد کی سزا اسلام میں قتل ہے، یہ اسلام کا اٹل فیصلہ ہے، اس میں کسی کو شبہہ ہو تو باب المرتد والبغاۃ میں رسالہ "الفتل المشتد لقتل المرتد" کا مطالعہ کرے۔

محمد ابراہیم
نائب مفتی دارالافتاء والارشاد
۱۷ شعبان ۱۴۱۳ھ



ولو کان رفضًا حبّ آلِ محمّدٍ
فلیشهدِ الثقلان أنی رافضی



ذبّ الجهول
عن
سبطِ الرّسول
صلّی اللہ علیہ وسلّم



حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں روافض وخوارج افراط وتفریط کے شکار اور غلو میں مبتلا ہیں، اس رسالہ میں صراط مستقیم اور راہ اعتدال کی وضاحت کی گئی ہے جو مذہب اہل السّنۃ والجماعۃ ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کی بغاوت کیوں کی؟

سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا، اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے یزید کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا، اور جس طرح حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بیعت ہوئی ایسے ہی یزید کی بھی، لہٰذا امام حسین باغی ہوئے اور باغی کا حکم قرآن میں مذکور ہے۔ فان بغت احدٰھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی۔ لہٰذا بغاوت کی وجہ سے امام حسین واجب القتل ہوئے۔ جناب سے گزارش ہے کہ اس کی پوری حقیقت واضح فرماکر خلجان رفع فرمائیں، بیّنوا بیانا شافیاً، توجروا اجراً وافیاً

الجواب ومنہ الصّدق والصّواب

اس شخص کا یہ خیالِ باطل اسلام میں انتخابِ خلیفہ کے اصول سے جہالت اور اسلامی تاریخ سے ناواقفیت پر مبنی ہے، اسلام میں انتخابِ خلیفہ کے لئے ولیّ العہدی کی جاہلانہ رسم کی کوئی گنجائش نہیں کہ خلیفۂ وقت جسے چاہے اپنا ولیّ العہد نامزد کردے، اسلام میں انعقادِ خلافت کی چار صورتیں ہیں۔ بیعت، استخلاف، شوریٰ، استیلاء۔ ان چاروں کی بقدرِ ضرورت تفصیل لکھی جاتی ہے۔

(۱) بیعت، اہلِ حل وعقد بالاتفاق کسی کو خلیفہ منتخب کریں، جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب ہوا۔

(۲) استخلاف، خلیفۂ وقت چند باصلاح لوگوں سے مشورہ کرکے کسی کے بارے میں وصیت کردے کہ میرے بعد یہ خلیفہ ہوگا جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمانؓ عبدالرحمٰن بن عوف، سعید بن زید، اسید بن حضیر اور مہاجرین وانصار رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے دوسرے اہلِ حل وعقد سے مشورہ کرکے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرمایا (اسد الغابہ ص۱۶۸ ج۴)

بذریعہ استخلاف انعقادِ خلافت کے لئے تین شرائط ہیں :

(۱) خلیفۂ اول میں خلافت کی سب شروط موجود ہوں ۔

(۲) خلیفۂ ثانی بھی سب شروطِ خلافت کا مستجمع ہو ۔

(۳) خلیفۂ اوّل نے خلیفۂ ثانی کے انتخاب میں اہل حل و عقد سے مشورہ کیا ہو ۔

(۳) شوریٰ ، خلیفۂ وقت چند اہلِ حل و عقد لوگوں کی شوریٰ متعین کرکے یہ وصیت کردے کہ میرے بعد یہ لوگ اتفاق رائے سے اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کریں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ رُکنی شوریٰ متعیّن فرمائی اس کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب ہوا (صحیح بخاری)

(۴) استیلاء و تغلّب ، کوئی شخص خلیفۂ وقت کی موت کے بعد جبرًا و قہرًا مسلط ہو جائے ۔

وجہِ جوازِ خروج :

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ بذریعۂ استخلاف انعقادِ خلافت کے لئے خلیفۂ ثانی میں سب شرائطِ خلافت کا وجود شرط ہے ، اور کسی میں شرائطِ خلافت کے وجود و عدم سے متعلق دو شخصوں کی رائے میں اختلاف ہو سکتا ہے ، چنانچہ یزید میں وجود شرائطِ خلافت کے بارے میں حضرت معاویہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے مختلف تھی ، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یزید میں سب شرائط موجود تھیں اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک کُل یا بعض مفقود ، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے مطابق یزید کو خلیفہ بنانا جائز تھا اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے مطابق فقدانِ شروط کی وجہ سے اس استخلاف سے یزید کی خلافت منعقد نہیں ہوئی تھی ۔

بذریعہ بعیت انعقادِ خلافت کے لئے سب اہل حل و عقد کا اتفاق ضروری ہے یزید کے بارے میں اہلِ حل و عقد کا اتفاق نہیں ہوا ، اس لئے بذریعہ بعیت بھی خلافت منعقد نہ ہو سکی ،

بالآخر بذریعۂ استیلاء و تغلّب یزید کی خلافت منعقد ہو گئی تھی مگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت یزید کے مقابلہ میں نکلے تھے اس وقت تک یزید کا پورے طور پر استیلاء و تغلّب نہیں ہوا تھا ،

جملہ مؤرخین کے اتفاق سے یہ امر ثابت ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اہلِ کوفہ کی دعوت پر نکلے تھے اس وقت تک یزید کی حکومت منعقد ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت تک نہ حجاز کے مرکزی شہروں نے اس کی حکومت کو تسلیم کیا تھا اور نہ ہی عراق کے لوگوں نے بیعت کی تھی۔ صرف شام کے لوگوں نے یزید کی خلافت کو تسلیم کیا تھا، مگر مکہ، مدینہ، کوفہ وغیرہ مرکزی اسلامی شہروں کی استصواب رائے کے سوا صرف اہل شام کا یہ مرتبہ نہ تھا کہ خلافتِ اسلامیہ کا مسئلہ گھر بیٹھے طے کرلیں۔ اس وقت تک عام مسلمان تو درکنار خود حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقرر کردہ امراء آیندہ خلیفہ کے بارہ میں متذبذب تھے۔ اہلِ کوفہ نے حضرت حسین کی طرف بہت وضاحت سے لکھا تھا کہ اس وقت ہم پر کوئی امیر نہیں۔ آپ تشریف لائیں۔ شاید آپ کی بدولت اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت پر جمع کردیں۔ قصرِ امارت میں نعمان بن بشیر ضرور موجود ہے مگر ہم نہ ہی اس کے پیچھے جمعہ پڑھتے ہیں اور نہ عیدین۔ اگر ہمیں آپ کی تشریف آوری کا یقین ہوجائے تو ہم اسے کوفہ سے نکالدیں (الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ ج ۲ صفحہ ۳)

خود کوفہ کے امیر نعمان بن بشیر کو جب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر پہنچی تو اس نے صاف صاف کہدیا: لابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب الینا من ابن بجدل، اسی لئے یزید نے نعمان بن بشیر کو معطل کرکے اس کی جگہ عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا امیر بناکر بھیجا مگر اس کے پہنچنے سے قبل ہی مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر تیس ہزار سے بھی زیادہ لوگوں نے بیعت کرلی تھی۔ حجاز کی مرکزی آبادیوں کا بھی تقریباً یہی حال تھا۔ اس وقت تک یزید کی حکومت کا منعقد ہونا تو کیا ہر جگہ پر مخفی اور ظاہر ہر طرح سے اس کی مخالفت عام تھی۔ اس حالت میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر شرعاً فرض تھا کہ اُن کی نظر میں جو شخص خلافت کا اہل نہیں اسے برسرِ اقتدار آنے سے روکنے کے لئے جہاد کے میدان میں نکلیں خصوصاً جبکہ ہر طرف سے مسلمانوں کی نگاہیں آپ کی رہنمائی کی منتظر تھیں اور اس ذمہ داری کو قبول کرنے کی درخواستیں کی جارہی تھیں۔

غرضیکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اقدام کسی قائم شدہ حکومت کی مخالفت میں نہ تھا جسے بغاوت سے تعبیر کیا جاسکے، بلکہ آپ کے علم وفضل اور دینی مرتبہ کی وجہ سے یہ ذمہ داری آپ پر عائد ہورہی تھی کہ آپ کی نظر میں جو لوگ نااہل ہیں اُنھیں برسرِ اقتدار

آنے سے روکیں۔ مگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کوفہ پہنچنے سے قبل ہی حالات میں اس قدر تیز رفتاری سے تغیر واقع ہوگیا کہ اس اقدام کی شرعی حیثیت بالکل بدل گئی یعنی اہلِ کوفہ مسلم بن عقیل سے غداری کرکے عبید اللہ بن زیاد سے متفق ہوگئے اور مسلم بن عقیل کو قتل کردیا اور حجاز میں بھی یزید کے لئے نہایت تیزی سے حالات ہموار ہوگئے اور لوگوں سے طوعاً کرہاً یزید کے لئے بیعت لے لی گئی۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ یزید کی حکومت منعقد ہوچکی ہے تو آپ نے خلافت سے دست بردار ہوکر واپس مدینہ منورہ آنے کا فیصلہ کرلیا تھا، مگر آپ کی جماعت کا دشمن کی فوج نے گھیراڈال لیا اور واپس مدینہ منورہ نہ جانے دیا، عبید اللہ ابن زیاد کی طرف سے فوجی افسر عمرو بن سعد کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین تجویزیں پیش فرمائیں :

(۱) مجھے مدینہ واپس جانے دو۔

(۲) مجھے ترکوں کی سرحد پر جانے دو تاکہ باقی زندگی جہاد میں گزار دوں۔

(۳) مجھے یزید سے ملنے دو۔ میں خود اس سے فیصلہ کرلوں گا۔ بلکہ بعض روایات میں یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا قصد مذکور ہے: امّا ان اضع یدی فی ید یزید (طبری ص ۳۱۳ ج ۴، البدایۃ والنہایۃ ص ۱۷۰ ج ۸) خود شیعہ کے ممتاز عالم شریف المرتضیٰ نے بھی اپنی کتاب الشافی مطبوع ایران ص ۴۷۱ میں اس روایت کو نقل کیا ہے، البدایۃ والنہایۃ میں ایک راوی کا قول ہے کہ اُس نے یہ الفاظ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہیں سُنے، مگر اثبات کی روایات زیادہ ہیں، علاوہ ازیں اصولاً بھی اثبات کو نفی پر ترجیح ہے یہ روایت اس پر نص ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی خلافت کو تسلیم کرچکے تھے، بالفرض یہ روایت نہ بھی ہوتی تو یزید کی حکومت کے تحت جہاد کے لئے جانے کی درخواست کرنا ہی خلافتِ یزید کو تسلیم کرنے پر واضح دلیل ہے۔

عمرو بن سعد نے یہ تجویزیں ابن زیاد کی طرف لکھ بھیجیں اور ابن زیاد کو مشورہ دیا کہ ان میں سے کوئی تجویز قبول کرکے انھیں چھوڑ دیا جائے۔ مگر شمر کے کہنے پر ابنِ زیاد نے ان تجویزوں کو رَد کردیا۔ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل وعیال سمیت قید کرنے کا حکم لکھ بھیجا۔ اس وقت آپ کے لئے صرف دو ہی راستے تھے۔

① خود کو اہل و عیال سمیت گرفتار کرواکر ذلّت قبول کریں۔

② مردانہ طریقہ سے مقابلہ کرکے شہید ہو جائیں۔

شریعت کسی شخص کو مجبور نہیں کرتی کہ اپنا نفس اور اہل و عیال ظالموں کے قبضہ میں دے اور ذلّت قبول کرے۔ لہٰذا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمالِ عزیمت کا راستہ اختیار کرکے شہادت قبول کی،

تفصیل مذکور ابن جریر، کامل، یعقوبی، شرح نہج البلاغۃ، الامامۃ والسیاسۃ، امام سید مرتضیٰ، مقتل ابن احنف، تاریخ کبیر للذہبی وغیرہ کتب تاریخ میں موجود ہے،

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خروج کے وقت کوئی حکومت موجود نہ تھی اور کوئی خلافت قائم شدہ نہ تھی۔ جب یزید کی خلافت قائم ہوگئی تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ارادہ سے رجوع فرمالیا تھا،

یہ کہنا کہ" حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اقدام یزید کی حکومت کے خلاف بغاوت تھی" بالکل غلط ہے اور اس امر پر دلیل ہے کہ قائل کو نہ تو انتخابِ خلیفہ کے اسلامی قانون سے کوئی واقفیت ہے اور نہ ہی اسلامی تاریخ سے کچھ ممارست۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الاوّل سنہ ۷۳ھ

کتاب" خلافتِ معاویہ ویزید" پر تبصرہ:

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ - امّا بعد، چند سال پیشتر جب کتاب" خلافتِ معاویہ ویزید" کا سلسلہ بعنوان" الحسین پر تبصرہ" بعض ماہانہ جرائد میں شروع ہوا تو احباب نے اس کی طرف توجہ منعطف کروائی اور جوں جوں یہ سلسلہ بڑھتا گیا اس پر اظہارِ خیال و تبصرہ کے لئے اصرار شدت اختیار کرتا گیا، مگر راقم الحروف اس پر قلم اٹھانے سے بوجوہِ ذیل ہمیشہ پہلوتہی و اعراض کرتا رہا۔

① یہ مسئلہ اور اس قسم کے سیکڑوں مسائل میری نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے، اس لئے ان کی طرف توجہ کرنا قیمتی وقت کی تضییع ہے۔ یہ مسئلہ نہ تو دین کے اصول سے ہے اور نہ ہی فروع سے۔ آخرت میں کوئی حساب وکتاب و بازپرس اس سے متعلق نہیں۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ دین کے اہم مسائل جن پر اُخروی نجات موقوف ہے،

آج کے مسلمانوں کو ان سے قطعی طور پر بے خبر ہونے کے باوجود ان کا علم حاصل کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، وضو اور نماز تک کے مسائل معلوم نہیں۔ حالانکہ احکامِ دین میں نماز اور اس کے احکام اشہر و اسہل ہیں، جب پنجگانہ نماز سے متعلق علم کی یہ کیفیت ہے تو دیگر عبادات و معاملات، بیوع و اجارات، آداب و اخلاق سے متعلق ان کے علوم کی سطح کیا ہوگی؟

غرضیکہ جن اُمور کے مکلف ہیں اور آخرت میں اُن سے مسئول ہوں گے اور وہ مدارِ نجات ہیں ان سے تو اس قدر غفلت کہ گویا اپنی فلاح و بہبود سے کوئی سروکار ہی نہیں، نہ جنت کی خواہش نہ جہنّم کا خوف، نہ رضائے الٰہی مطلوب، نہ اس کے غضب و انتقام سے بچنے کی فکر، اپنے نفس کے ساتھ تو اس قدر تہاون و بے اعتنائی جو ہلاک کے مترادف اور دوسروں کے تزکیہ و تعدیل کی فکر اور شب و روز یہی مشغلہ و دُھن ع

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

کُلُّ امْرِیٍٔ بِمَا کَسَبَ رَهِیْنٌ — لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی — تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۝ جیسی نصوص صریحہ سے قطع نظر ادنیٰ سمجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کسی سرتاپا عیوب کے مجسمہ کا حکم و منصف بن کر اغیار خصوصاً حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و دیگر اکابر اُمت کی حسنات و سیئات کا جائزہ لینا اور ان کے عیوب کی تنقید و تنقیح کے درپے رہنا کتنی بڑی حماقت ہے ؎

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے لوگوں کے عیب و ہنر
پڑی اپنے گناہوں پہ جب کہ نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

(۲) موضوعِ سخن تفسیق و تعدیل ہے جو ایک مسلم کے لئے بہت ہی کٹھن گھاٹی ہے، ایک طرف قوله تعالیٰ: فَلَا تُزَکُّوْا اَنْفُسَکُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی۝ — وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تزکّوا علی اللّٰہ احدًا، — وقول عائشۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا عصفور من عصافیر الجنۃ — وقول ام العلاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا رحمۃ اللّٰہ علیك ابا السّائب فشهادتی علیك لقد اکرمك اللّٰہ، پر انکار فرمانا، اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول واللّٰہ انی لاراہ مؤمنًا کے جواب میں اومسلمًا ارشاد فرمانا، اور دوسری جانب قوله تعالیٰ

یاایہا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضًا ـــ وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق و قتالہ کفر ـــ لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک ـــ ھلا شققت قلبہ ـــ ظنوا بالمؤمنین خیرًا ـــ ان الظن اکذب الحدیث ـــ اذکروا موتاکم بخیر ـــ لا تسبوا الاموات فانہم قد افضوا الی ما قدموا، جیسے ارشادات اس مسئلہ میں لب کشائی کی مجال ختم کردیتے ہیں۔

(۳) قلم فرسائی وطبع آزمائی کے لئے بدقسمتی سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرات تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی مقدس جماعت کو ہدف منتخب کیا جاتا ہے جن کے مدائح ومناقب سے قرآن وحدیث کے ذخائر ودفاتر معمور ہیں جن کی عبادت پر فرشتوں کو رشک تھا، جن کی زندگی اُمت کے لئے اُسوہ ہے اور جن کے اقوال وافعال قیامت تک آنے والی اُمت کے ایمان کا مدار ومعیار۔ ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا ـــ لیغیظ بھم الکفار ـــ اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضا من احبہم فبحبی احبہم ومن ابغضہم فببغضی ابغضہم ـــ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ـــ النجوم امنۃ للسماء واصحابی امنۃ لامتی ـــ ان من الایمان حب الانصار وان من النفاق بغض الانصار، (فحب المہاجرین وبغضہم بالاولی) جیسی نصوص سے اس مقدس گروہ کی محبت کو مؤکد بلکہ عین ایمان اور ان سے بغض کو معصیت بلکہ عین کفر قرار دیا گیا۔

حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اختلاف پر لب کشائی کرنے کی واضح مثال یہ ہوسکتی ہے کہ دو شہزادوں کا اختلاف دیکھ کر کوئی چپراسی حکم بن کر ان کا فیصلہ کرنے لگے اور انھیں سب وشتم سے نوازنے، غور کیجئے کہ ایسے حکم پر بادشاہ کا غیظ وغضب کس درجہ ہوگا؟

(۴) زیر بحث عنوان کی حقیقت تک پہنچنا متعسر بلکہ متعذر ہے۔ اس مسئلہ کی تاریخ اس قدر غبار آلود ہے کہ اصل واقعہ کا تنقیہ وتنقیح ناممکن ہے۔ سبائی گروہ کی ریشہ دوانیوں سے جب حدیث بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ حالانکہ اس میں تنقید رجال کا پورا اہتمام ہوتا ہے تو تاریخ کا ملوث نہ ہونا کیونکر ممکن ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ تاریخ پر کامل طور پر سبائی گروہ متصرف اور حاوی رہا ہے، اور افتراء، بہتان تراشی، وضع روایات، کذب اور دجل وتلبیس اس گروہ

کا طرۂ امتیاز بلکہ عینِ ایمان ہے ۔

جب ایک وزیرِ اعظم جو قوم کا محبوب ترین لیڈر بھی تھا اس کے علی الاعلان قتل کے سانحہ کی تحقیق سے آج تک حکومت عاجز ہے، حالانکہ تحقیق وسراغرسانی کے جدید ذرائع ایسے ایجاد ہوچکے ہیں کہ ان پر فخر کیا جاتا ہے اور پھر تحقیق کرنے والی خود حکومت، تو صدیوں قبل کے واقعہ کی تحقیق کا تصور کیسے صحیح ہوسکتا ہے، خصوصاً جبکہ تیرہ صد سالہ تاریخ اعداء کے ہاتھوں میں رہی اور وہ حسب منشا تاریخ کا رُخ پلٹتے رہے ۔ قال الامام الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ ومن زعم ان یزید امر بقتل الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اورضی بہ فینبغی ان یعلم بہ غایۃ الحماقۃ فان من قتل من الاکابر والوزراء والسلاطین فی عصرہ لو اراد ان یعلم حقیقۃ من الذی امر بقتلہ ومن الذی رضی بہ ومن الذی کرھہ لم یقدر علی ذلک وان کان الذی قد قتل فی جوارہ وزمانہ وھو یشاھد فکیف لو کان فی بلد بعید وزمن قدیم قد انقضی فکیف یعلم ذلک فیما انقضی علیہ قریب من اربع مائۃ سنۃ فی مکان بعید وقد تطرق التعصب فی الواقعۃ فکثرت فیھا الاحادیث من الجوانب فھذا الامر لا یعلم حقیقتہ، (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۲۸)

⑤ سبائیوں کی طرف سے شب و روز خرافات اور اسلاف پر الزامات اور ان کی شان میں گستاخیوں کا سلسلہ ہی ہمیں اسلاف سے دفاع کے لئے اس بحث میں پڑنے پر مجبور کرتا ہے، ان حالات میں سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کا صحیح اور معقول علاج تو یہ ہے کہ اسلاف کی تفسیق و تعدیل اور ان کے ایمان و کفر کی تحقیق کی بجائے خود سبائیوں کے ایمان کی تحقیق کا مسئلہ پیش کیا جائے اور ان سے ان کے ایمان کے اثبات کا مطالبہ کیا جائے جبکہ ان کے ہاں قرآن کریم کی تحریف کا مسئلہ متواترات میں سے ہے اور اس قرآن میں ایک حرف بھی صحیح نہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ)

دراصل سبائی گروہ اپنے ایمان کی حقیقت کو چھپانے کی غرض سے پینترا بدل کر اسلاف کے ایمان و کفر کا موضوع چھیڑتے ہیں ۔ اندریں صورت بغرض دفاع ہمارا اس بحث میں کود پڑنا ہی ان کی کامیابی ہے ۔ نیز موضوع بحث ہمیشہ ایسا امر ہونا چاہیئے کہ اس میں کامیابی مفید ہو اور کبھی عوارض کی وجہ سے سطحی و عارضی ناکامی میں ضرر کا کوئی خطرہ نہ ہو ۔ یعنی فائدہ مظنون اور عدم ضرر متیقن ہو ۔ اس لئے ہر لحاظ سے اسلاف کے کردار کی بجائے سبائیہ کے ایمان اور کردار ہی کو موضوعِ بحث بنانا موزون و معقول ہے ۔ پس کردار سلف کے

موضوع پر بحث کے لئے ہمارا طیار ہو جانا کم نظری اور کوتاہ بینی ہے ۔

وجوہ مذکورۃ الصدر کی بنا پر میرے نزدیک اس مسئلہ پر بحث کی کوئی گنجائش نہ تھی، اسی لئے اس بارے میں ہر استفسار کو ٹالتا رہا حتیٰ کہ ''الحسین پر تبصرہ'' کتابی شکل میں ''خلافتِ معاویہ ویزید'' کے نام سے شائع ہو گیا۔ اس پر استفسارات میں مزید اضافہ ہونے لگا حتیٰ کہ خود مؤلفِ کتاب کی طرف سے بھی تبصرہ کی دعوت دی گئی، ان حالات میں کچھ تذبذب تھا کہ ایک ایسے کرم فرما اُستاذ کا حکم صادر ہوا جس کی تعمیل سے کوئی مفر نہ تھا، چنانچہ مجبوراً بادلِ نخواستہ لرزتے ہوئے ہاتھ سے چند سطور حوالۂ قرطاس کر رہا ہوں، واللّٰہ العاصم من الوقوع فی عرض اولیائہ ۔

کتاب مذکور میں یہ اُمور قابلِ ستائش ہیں اور ان کے اثبات میں مصنف کی محنت قابلِ تحسین ہے :

(۱) بنو اُمیہ و بنو ہاشم میں نہ زمانۂ جاہلیت میں کوئی اختلاف تھا اور نہ ہی زمانۂ اسلام میں کوئی رقابت، واقعہ کربلا کے بعد بھی دونوں قبیلوں میں رابطہ قویہ تھا، آپس میں رشتے ناطے تھے، ایک دوسرے سے حسنِ سلوک، ہمدردی، محبّت وایثار کا جذبہ تھا اور کیوں نہ ہو، جبکہ وہ اسے حقِ قرابت کے علاوہ شرعی فرض بھی سمجھتے تھے، اشدّآء علی الکفّار رحمآء بینھم — انّما المؤمنون اخوۃٌ جیسی نصوص کی شب و روز تلاوت کرتے تھے، اور المؤمن للمؤمن کالبنیان یشدّ بعضہ بعضًا — ولن تؤمنوا حتّی تحابوا جیسے ارشادات کی روایت، یہ حضرات آپس میں بلاشبہہ شیر وشکر تھے، ان میں تعادی اور تباغض وتنافر کا تصوّر سبائی تخم ریزی کا ثمرہ ہے۔ ان میں اگر اختلافات ہوئے تو وہ دین کی حفاظت کی خاطر نہ کہ نفسانیت کی بنا پر، التحابب فی اللّٰہ والتباغض فی اللّٰہ ان کا ایمان تھا۔

(۲) یزید کے مناقب کا بیان اور اس کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈہ کا ابطال، اس امر کے محمود و مستحسن ہونے میں کوئی شبہہ نہیں ۔

(۳) مظالمِ کربلا سے متعلق سبائیوں کی من گھڑت داستانوں کا استیصال ۔

مگر ان سب خوبیوں کے ساتھ یہ دیکھ کر انتہائی صدمہ ہوا کہ بعض اُمور میں مصنّف کا قلم حدودِ شرع سے بہت متجاوز ہو گیا ہے۔ ایک طرف تو یہ کہ یزید کے مغفور لہٗ ہونے کا قطعی حکم دے دیا، حالانکہ ایک نابالغ بچّے کی وفات پر حضرت عائشہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا کے

قول عصفور من عصافیر الجنۃ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما کر طریق ادب کی تعلیم فرمائی، باوجودیکہ بچے کے معذب ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں ۔حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی وفات پر حضرت اُم العلاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول: شہادتی علیک لقد اکرمک اللہ، پر نکیر فرمائی، اور اسی پر بس نہیں، بلکہ فرمایا: وما ادری واللہ وانا رسول اللہ ما یفعل بہ، حالانکہ بعد میں حضرت اُم العلاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خواب کی تعبیر میں فرمایا: ذلک عملہ، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول: واللہ انی لاراہ مؤمنا کے جواب میں او مسلما فرمایا، حالانکہ بعد میں خود ہی شخص معہود کے مخلص مؤمن اور صالح ہونے کی تصدیق فرمائی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی شخص معین ومشخص طور پر مبشر بالجنۃ ہو تو بھی قطعی حکم لگانا نظر شرع میں محمود نہیں، خلاف ادب ہے۔

یزید سے متعلق مشخص طور پر کوئی بشارت نہیں، بلکہ بشارت کے کلیہ کے تحت دخول میں بھی کلام ہوا ہے، چنانچہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ مہلب کا قول: فی ھذا الحدیث منقبۃ لمعاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لانہ اول من غزا البحر ومنقبۃ لولدہ لانہ اول من غزا مدینۃ قیصر نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں: وتعقبہ ابن التین وابن المنیر بما حاصلہ انہ لایلزم من دخولہ فی ذلک العموم ان لایخرج بدلیل خاص اذ لایختلف اھل العلم فی ان قولہ علیہ السلام مغفور لہم مشروط بان یکونوا من اھل المغفرۃ حتی لو ارتد واحد ممن غزاھا بعد ذلک لم یدخل فی ذلک العموم اتفاقا فدل علی ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرۃ فیہ منہم (حاشیۃ صحیح البخاری جلد ۱ ص ۴۱۰)

اس کے پیش کرنے سے یہ مقصد نہیں کہ یقیناً یزید اس بشارت سے خارج ہے، مقصد صرف یہ ہے کہ یزید کے فسق وفجور وشرب الخمور سے متعلق اس شدت سے پروپیگنڈہ کیا گیا کہ کئی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اسے ان معاصی کا مرتکب خیال کرنے لگے اور بعد میں بھی اکابر اُمت میں سے کئی جلیل القدر ہستیوں کا یہی نظریہ تھا۔ یزید کے مناقب اور اس پر وارد کردہ الزامات پر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ودیگر اکابر اُمت کے چند نظریات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) ابن التین وابن المنیر کا نظریہ اوپر بحوالہ قسطلانی تحریر کیا جا چکا ہے۔

(۲) فتح الباری وقسطلانی میں طبری سے منقول ہے: ان یزید بن معاویۃ کان

امر علی المدینۃ ابن عمہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان فاوفد الی یزید من اهل المدینۃ منهم عبد اللہ بن غسیل الملائکۃ وعبد اللہ بن ابی عمرو المخزومی فی آخرین فاکرمهم واجازهم فرجعوا فاظهروا عیبه ونسبوه الی شرب الخمر وغیر ذلك (حاشیۃ صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۰۵۳) خلع اہلِ مدینہ کا سبب ہی یہی تھا جسے خود مؤلف نے بھی ذکر کیا ہے۔

(۳) فتح الباری میں ہے: کقوله (ابی هریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اعوذ باللہ من رأس الستین وامارۃ الصبیان یشیر الی خلافۃ یزید بن معاویۃ فانها کانت سنۃ ستین واستجاب اللہ دعاء ابی هریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فمات قبلها السنۃ (حاشیۃ صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۳)
مگر اس قسم کی کئی روایات ذکر کرنے کے بعد ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، وقد اورد ابن عساکر احادیث فی ذم یزید بن معاویۃ کلها موضوعۃ لا یصح شیء منها واجود ما ورد ما ذکرناه علی ضعف اسانیده وانقطاع بعضه واللہ اعلم (البدایۃ والنهایۃ ج ۸ ص ۲۳۱)

(۴) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ مطاعن یزید سے متعلق چند روایات کو رد کرنے کے باوجود فرماتے ہیں: وکان فیه ایضا اقبال علی الشهوات وترك بعض الصلوات فی بعض الاوقات واماتتها فی غالب الاوقات (البدایۃ والنهایۃ ج ۸ ص ۲۳۰)

(۵) قال یحیی بن عبد الملك بن ابی غنیۃ احد الثقات ثنا نوفل بن ابی عقرب ثقۃ قال کنت عند عمر بن عبد العزیز فذکر رجل یزید بن معاویۃ فقال قال امیر المؤمنین یزید فقال عمر تقول امیر المؤمنین یزید فامر به فضرب عشرین سوطا۔
(تهذیب التهذیب ج ۱۱ ص ۳۶۱)

(۶) وسئل (علی بن محمد بن علی بن عماد الدین ابو الحسن الطبری ویعرف بالکیا الهراسی احد الفقهاء الکبار من رؤس الشافعیۃ ولد سنۃ خمس واربعمائۃ واشتغل علی امام الحرمین وکان هو والغزالی اکبر التلامذۃ وقد ولی کل منهما تدریس النظامیۃ ببغداد) فی یزید بن معاویۃ فذکر عنه تلاعبا وفسقا وجوز شتمه
(البدایۃ والنهایۃ ج ۱۲ ص ۱۷۳)

(۷) وقد رد علیه (علی الشیخ عبد المغیث بن زهیر مصنف کتاب فضل یزید) ابو الفرج ابن الجوزی (وهو من شیوخ الحنابلۃ) فاجاد واصاب (البدایۃ والنهایۃ ج ۱۲ ص ۳۲۸)

(۸) انه (یزید) کان فیه من الظلم ما کان ثمانیۃ اقتتل هو وهم وفعل

باھل الحرۃ امورا منکرۃ (منہاج السنۃ لابن تیمیۃ ج ۱ ص ۲۷)

(۹) تفسیر مظہری میں ابن الجوزی سے یہ روایت منقول ہے: روی القاضی ابو یعلی فی کتابہ معتمد الاصول بسندہ عن صالح بن احمد بن حنبل انہ قال قلت لابی یا ابت یزعم بعض الناس انا نحب یزید بن معاویۃ فقال احمد رحمہ اللہ تعالیٰ یا بنی ھل یسوغ لمن یؤمن باللہ ان یحب یزید ولم لا یلعن رجل لعنہ اللہ فی کتابہ قلت یا ابت این لعن اللہ یزید فی کتابہ قال حیث قال فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم واعمی ابصارھم۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے منہاج السنۃ میں دیگر اکاذیب کے رد وابطال کے ساتھ اس روایت کا جواب بھی دیا ہے۔ ونصہ واما ما نقل عن احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فالمنصوص الثابت عنہ من روایۃ صالح انہ قال ومتی رأیت اباک یلعن احدًا لما قیل لہ الا تلعن یزید وثبت عنہ ان الرجل اذا ذکر الحجاج ونحوہ من الظلمۃ واراد ان یلعن یقول الا لعنۃ اللہ علی الظالمین وکرہ ان یلعن المعین باسمہ وما روی عنہ فی لعنۃ یزید فھی روایۃ منقطعۃ لیست ثابتۃ عنہ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۵)

وایضًا فیہ تنازع الناس فی لعن الفاسق فقیل انہ جائز کما قال ذلک طائفۃ من اصحاب احمد رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرھم کابی فرج بن الجوزی وغیرہ وقیل انہ لا یجوز کما قال ذلک طائفۃ اخری من اصحاب احمد رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرھم کابی بکر عبد العزیز وغیرہ والمعروف عن احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کراھیۃ لعن المعین کالحجاج بن یوسف وامثالہ وان یقول کما قال اللہ الا لعنۃ اللہ علی الظلمین، اس کے بعد حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لعن معین کے عدم جواز پر بخاری کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شارب خمر کو لایا گیا کسی نے اس پر لعنت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور علت نہی انہ یحب اللہ ورسولہ بیان فرمائی۔ یہ علت ہر مؤمن میں موجود ہے اور مطلقًا شارب خمر پر لعنت خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں: ونحن نعلم ان اکثر المسلمین لابد لھم من ظلم فان فتح ھذا الباب ساغ ان یلعن اکثر موتی المسلمین واللہ تعالیٰ امر بالصلوۃ علی موتی المسلمین ولم یأمر بلعنتھم ثم الکلام فی لعنۃ الاموات

اعظم من لعنة الحی فانہ ثبت فی الصحیح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لا تسبّوا الاموات فانهم قد افضوا الی ما قدموا حتی انہ قال لا تسبوا امواتنا فتؤذوا احیاءنا لما کان قوم یسبون اباجهل ونحوہ من الکفار الذین اسلم اقاربهم فاذا سبوا ذلك اذوا قرابتہ (منهاج السنۃ ج ۲ ص ۲۵۲)

غرضیکہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف روایت مذکورہ کی نسبت صحیح نہیں۔ قاضی ابوبکر ابن العربی "العواصم من القواصم" ص ۲۳۲ میں فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے یزید کا ذکر کتاب الزہد میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے پہلے زہادِ امت کے زمرہ میں کیا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں، وھذا یدل علی عظیم منزلتہ (یزید) عندہ (احمد) حتی یدخلہ فی جملۃ الزهاد من الصحابۃ والتابعین یقتدی بقولهم ویرعوی من وعظهم ونعم وما ادخلہ الا فی جملۃ الصحابۃ قبل ان یخرج الی ذکر التابعین فاین هذا من ذکر المؤرخین فی الخمر وانواع الفجور الا یستحیون۔

(۱۰) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ثم خرج اهل المدینۃ علی یزید وخلعوہ فی سنۃ ثلاث وستین فارسل الیهم مسلم بن عقبۃ المری وامرہ بستبیح المدینۃ ثلاثۃ ایام وان یبایعهم علی انهم خول وعبید لیزید فاذا فرغ منها نهض الی مکۃ لحرب ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنهما ففعل بها مسلم الافاعیل القبیحۃ وقتل بها خلقا من الصحابۃ وابنائهم وخیار التابعین وافحش القضیۃ الی الغایۃ ثم توجہ الی مکۃ فاخذہ اللہ تعالیٰ قبل وصولہ واستخلف علی الجیش حصین بن نمیر السکونی فحاصروا ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنهما ونصبوا علی الکعبۃ المنجنیق فاوی ذلك الی وهی ارکانها وهی بناءها ثم احرقت واثناء افعالهم القبیحۃ فجئهم الخبر بهلاك یزید بن معاویۃ فرجعوا وکفی اللہ المؤمنین القتال وکان هلاکہ فی نصف ربیع الاول سنۃ اربع وستین ولم یکمل الاربعین واخبارہ مستوفاۃ فی تاریخ دمشق لابن عساکر ولیست لہ روایۃ تعمل (الی قولہ) ذکرتہ للتمییز بینہ وبین النخعی ثم وجدت لہ روایۃ فی مراسیل ابی داؤد وقد نبهت علیها فی الاستدراك علی الاطراف (تهذیب التهذیب ج ۱۱ ص ۳۶۱)

اس روایت سے متعلق حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، لکن لم یقتل من اهل المدینۃ جمیع الاطراف ولا بلغ عدد القتل عشرۃ الاف ولا وصلت الدماء الی قبر

النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا الی الروضۃ ولا کان القتل فی المسجد۔ اور ہدم کعبہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کوئی مسلمان اس کا قصد نہیں کر سکتا اور نہ ہی یہ ممکن ہے، اس پر واقعۂ اصحاب فیل اور آیۂ کریمہ ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم سے استدلال کے بعد فرماتے ہیں: ومعلوم ان اعظم الناس کفرا القرامطۃ الباطنیۃ الذین قتلوا الحجاج والقوھم فی بئر زمزم واخذوا الحجر الاسود وبقی عندھم مدۃ ثم اعادوہ وجری فیہ عبرۃ حتی اعید ومع ھذا فلم یسلطوا علی الکعبۃ باھانۃ بل کانت معظمۃ مشرفۃ وھم کانوا ابا کفر خلق اللہ تعالی۔

وقال ایضا کان مقصودھم حصار ابن الزبیر والضرب بالمنجنیق کان لہ لا للکعبۃ ویزید لم یھدم الکعبۃ ولم یقصد احراقھا لاھو ولا نوابہ باتفاق المسلمین۔ آگے فرماتے ہیں کہ جب کفار کعبہ کی اہانت نہیں کرتے تھے تو مسلمان کیسے کر سکتے ہیں۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہما کے قتل کے بعد ان لوگوں نے کعبہ کا طواف کیا ہے۔ اگر اہانت کرنا ہی مقصود تھا تو طواف کے کیا معنی؟

حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہما کی بناء بیت سے متعلق فرماتے ہیں: روی مسلم فی صحیحہ عن عطاء بن ابی رباح قال لما احترق البیت زمن یزید بن معاویۃ حین غزاہ اھل الشام فکان من امرہ ما کان ترکہ ابن الزبیر حتی قدم الناس الموسم یرید ان یجرئھم علی اھل الشام فلما صدر الناس قال یایھا الناس اشیروا علی فی الکعبۃ انقضھا ثم ابنی بناءھا ام اصلح ما وھی منھا قال ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما اری ان تصلح منھا ما وھی وتدع بناء اسلم الناس علیہ واحجارا اسلم الناس علیھا وبعث علیھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابن الزبیر رضی اللہ تعالی عنھما لو کان احدکم احترق بیتہ ما رضی حتی یجددہ فکیف ببیت ربکم انی مستخیر ربی ثلاثا ثم عازم علی امری فلما مضت الثلاث جمع امرہ ان ینقضھا فتحاماہ الناس ان ینزل باول الناس یصعد فیہ امر من السماء حتی صعدہ رجل فالقی منہ حجارۃ فلما لم یرہ الناس اصابہ شیء تتابعوا فنقضوہ حتی بلغوا الارض آگے فرماتے ہیں کہ ادخال حطیم کے بعد طول کعبہ میں کمی محسوس ہونے لگی تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہما نے طول میں عشرہ ذراع کا اضافہ فرمایا، عبد الملک نے جب بناء ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہما کو منہدم کروایا تو اضافۂ طول کو باقی رکھا

اس کے بعد فرماتے ہیں: عن عبد اللہ بن عبید قال وفد الحارث بن عبد اللہ علی عبد الملک ابن مروان فی خلافتہ فقال عبد الملک ما اظن ابا خبیب یعنی ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سمع من عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ما کان زعم انہ سمعہ منہا قال الحارث بلیٰ انا سمعتہ منہا (الیٰ قولہ) قال عبد الملک للحارث انت سمعتہا تقول ھذا قال نعم فنکت ساعۃ بعصاہ ثم قال وددت انی ترکتہ وما تحمل (وبعد سطرین) قلت وابن عباس طائفۃ اخری رأوا اقرارھا علی الصفۃ التی کانت علیہا زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اقرھا کذلک ثم انہ لما قتل ابن الزبیر رأی عبد الملک ان تعاد کما کانت لاعتقادہ ان ما فعلہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما لامستند لہ ولما بلغہ الحدیث دانہ وترکہ فلما کانت خلافۃ الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ شاور مالک بن انس رحمہما اللہ تعالیٰ فی ان یفعل کما فعل ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فاشار علیہ ان لا تفعل ذلک و قیل عن الشافعی انہ رجح فعل ابن الزبیر وکل من الامراء والعلماء الذین رأوا ھذا وھذا معظمون للکعبۃ مشرفون لہا انما یقصدون ما یرونہ احب الی اللہ ورسولہ وافضل عند اللہ ورسولہ لیس فیہم من یقصد اہانۃ الکعبۃ الخ (منہاج السنۃ ص۲۵۱ ج۲ تا ص۲۵۶)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ بناء کعبہ کا مسئلہ مجتہد فیہا ہے عبد الملک کا نظریہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مطابق تھا، حدیث کی تصدیق کے بعد اس سے رجوع کر لیا اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بناء ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پسند فرماتے تھے اور یہ دونوں خیال احترام کعبہ پر مبنی ہیں نہ کہ اہانتِ کعبہ پر۔

غرضیکہ مذکورہ مطاعن ہیں سے اگرچہ اکثر کا جواب بھی دیا گیا ہے مگر معہذا اس اختلاف اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و دیگر اکابرِ اُمت کے خیالات سے یزید کا وزن ضرور گھٹ جاتا ہے، اگرچہ یہ خیالات غلط پروپیگنڈہ سے تأثر کی وجہ ہی سے کیوں نہ ہوں، پھر اس پروپیگنڈہ کو یقینی طور پر غلط بھی نہیں کہا جا سکتا بلکہ ایک تابعی کی جلالتِ شان اور اس کے مناقب کے پیشِ نظر حُسنِ ظن کے درجہ میں اس پروپیگنڈہ کا بطلان ثابت ہوتا ہے جس امر کے بطلان کو فہم و فراست کے پتلے تدین و تقویٰ کے مجسمے قریب سے حالات کو دیکھنے والے کئی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نہ سمجھ سکے، ہمارے لئے اس کے بطلان کا یقینی حکم لگانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ یزید کی طرف سے دفاع کرنے والی جماعت بھی محض حُسنِ ظن کے درجہ

ہیں سب کچھ کہہ رہی ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اما الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فانہ خالف فی ذلک ومنع من شتمہ ولعنہ لانہ مسلم ولم یثبت بانہ رضی بقتل الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولو ثبت لم یکن ذلک مسوغا للعنہ لان القاتل لا یلعن لاسیما وباب التوبۃ مفتوح والذی یقبل التوبۃ عن عبادہ غفور رحیم (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۲ ص ۱۷۳) حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے منہاج السنۃ میں تقریباً یہی الفاظ تحریر فرمائے ہیں: لایلعن من ھو اظلم منہ کالمختار الثقفی والحجاج، اور فرمایا: غایتہ ان یکون فاسقا ولعن الفاسق المعین لیس بجائز۔ پھر فرمایا کہ لعنت کی کلیات کا ارتفاع توبہ اور حسنات ماحیہ اور مصائب مکفرہ سے ہو سکتا ہے۔ نیز کلیات لعن کے معارض کلیات مغفرت بھی ہیں، اوّل امتی الخ وغیرہ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۵۲)

یزید سے دفاع میں شاید ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے برابر کسی نے حصہ نہ لیا ہو، اس کے باوجود ایک موقع پر فرماتے ہیں: مع انہ کان فیہ من الظلم ما کان ثم انہ اقتتل ھو وھم وفعل باھل الحرۃ امورا منکرۃ (منہاج السنۃ ج ۱ ص ۲۷)

وایضا قال فی فتاواہ ومنھم من یجعلہ من ائمۃ الھدی والعدل حتی جعلہ بعضھم نبیا وبعضھم صحابیا وھذا کلہ من ابین الجھل والضلال بل الحق فیہ انہ کان ملکا من ملوک المسلمین لہ حسنات ولہ سیئات والقول فیہ کالقول فی امثالہ من الملوک، لانحبہ ولانسبہ وھو اول من غزا قسطنطنیۃ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش یغزوھا یغفرلھم وفعل فی اھل المدینۃ ما فعل وقد توعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قتل فیھا قتیلا ولعنہ (فتاویٰ ابن تیمیۃ ص ۲۱۰)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ مطاعن یزید سے متعلق روایات کی تضعیف کرنے کے باوجود فرماتے ہیں: وکان فیہ ایضا اقبال علی الشھوات وترک بعض الصلوات فی بعض الاوقات واماتتھا فی غالب الاوقات (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۳۰)

حاصل یہ کہ یزید سے متعلق حُسنِ ظن کے درجہ میں مطاعن سے کفِ لسان اور توقف ہی اسلم و احسن ہے۔ مگر مصنف نے جیسے یزید کے حق میں افراط سے کام لیا ہے اسی طرح دوسری جانب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغی، نفس پرست، حُبِّ جاہ کا شکار اور اقتدار کا بھوکا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، یہ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور

جلیل القدر صحابی پر ایسی جرأت اور دیدہ دلیری ہے کہ جس کے تصور ہی سے ایک مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، جسے نقل کرتے ہوئے قلم ہاتھ سے چھوٹا جا رہا ہے ؎

ان کان رفضاً حُبّ اٰل محمد ٭ فلیشهد الثقلان انی رافضی

مصنّف نے کئی جگہ اپنی اس خطرناک ضلالت کا مظاہرہ کیا ہے، بلکہ اگر حُسنِ ظن سے کام نہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ساری کتاب کی تالیف سے مقصد ہی یہی ہے، چند عبارات ملاحظہ ہوں :

(۱) ص ۷۶ پر مؤرخ دوزی کے حوالہ سے لکھا ہے :

”حسین کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش وخطاءِ ذہنی اور قریب قریب غیر معقول حُبّ جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہو ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔“

یہ عبارت اگرچہ دوزی کی ہے مگر اسے کتاب میں بلانکیر لانے سے دلالۃً اور آیندہ عبارات سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ مصنف خود بھی اس نظریہ کا حامل ہے۔

(۲) ظاہر ہے کہ حضرت حسین کے یہ بھائی بھی ان کے خروج کو طلبِ حکومت وخلافت ہی کا ایسا اقدام سمجھتے تھے جو کسی طرح جائز ومناسب نہ تھا (ص ۸۰)

(۳) حضرت حسن ہمیشہ جتھہ بندی سے علیحدہ رہے اور صلح ومصالحت کے لئے کوشاں، برخلاف اس کے ان کے چھوٹے بھائی (ص ۹۰)

اس کے بعد چند واقعات لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاذ اللہ بچپن ہی سے طبعاً شریر واقع ہوئے تھے،

(۴) ص ۱۶۹ پر مؤرخ دوزی سے نقل کیا ہے :

”حسین نے حُبّ جاہ کی مہلک ترغیبات پر کان دھرنے کو ترجیح دی اور ان لاتعداد خطوط (دعوت ناموں) کی فخریہ طور پر نمائش کرتے رہے جو اُن کو موصول ہوئے تھے اور جن کی تعداد جیسا کہ شیخی سے کہتے تھے ایک اونٹ کے بوجھ کے مساوی تھی“۔

(۵) دعوت محض یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انھیں بنایا جائے (ص ۱۸۰)

کیا یہ نظریات محض افتراء اور بہتان نہیں؟ کیا جملہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے

متعلق مناقب وفضائل منصوصہ کے علاوہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں خصوصیت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی روایاتِ صحیحہ سے ثابت نہیں؟

اگر یزید کے متعلق حُسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے اس کے خلاف پروپیگنڈہ کی تغلیط ضروری ہے تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق حُسنِ ظن سے کام لے کر ان کے اقدام کا کوئی صحیح محمل قرار دینا کیوں ضروری نہیں؟

یہ تو ایک بدیہی امر ہے کہ یزید کے فسق وفجور وشرب الخمور کی تشہیر اس درجہ کی گئی تھی کہ کئی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی یزید سے متعلق یہ خیال رکھتے تھے، اہلِ مدینہ جن میں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے اطاعتِ امیر کی تاکید اور اہمیت جانتے ہوئے بغاوت پر اُتر آتے ہیں، اس سے اس وقت یزید سے متعلق عام رجحان اور پروپیگنڈہ سے تأثر کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔

ان حالات میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقدام کے جواز کی معقول اور قرینِ قیاس یہ وجہ ہے کہ عام پروپیگنڈہ سے متأثر ہو کر دوسرے بہت سے حضرات کی طرح آپ کے نزدیک بھی یزید کا فسق وفجور متیقن ہو چکا تھا، اور یہ امر بھی بدیہی ہے کہ نہ تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں یزید کے استخلاف پر اہلِ حل وعقد کا اتفاق ہوا اور نہ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد متصل یزید کی خلافت کا مسئلہ بالاتفاق طے ہوا۔

غرضیکہ جب خلافت پورے طور پر قائم نہیں ہوئی اور جو شخص خلافت پر قابض ہونا چاہتا ہے اس کے فسق وفجور کا یقین ہے تو کیا ان حالات میں ایسے شخص کو برسرِ اقتدار آنے سے روکنے کی حتی المقدرۃ سعی کرنا فرض نہیں؟ بلکہ فسق وفجور کا یقین یا گمان بھی ایسے اقدام کے لئے ضروری نہیں، جوازِ اقدام بلکہ بعض اوقات وجوبِ اقدام کے لئے مدعیِ خلافت میں عدمِ اہلیت یا ملّت کے نقصان کا اندیشہ کافی ہوتا ہے، اگرچہ مدعیِ خلافت صالح ومتدیّن ہی کیوں نہ ہو۔

یزید کی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف نہ تو فسق وفجور کا کوئی پروپیگنڈہ تھا اور نہ ہی آپ کی خلافت میں اتنا اختلاف تھا جتنا کہ یزید کی خلافت میں، اس کے باوجود محض مسئلۂ قصاص میں تہاون وتساہل کے غلط پروپیگنڈہ سے متأثر ہو کر حضرت معاویہ اور

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی ہستیوں کی تلواریں اگر نیام سے نکل سکتی ہیں تو یزید کے خلاف پروپیگنڈہ کی شدت اور خلافت کے کامل طور پر قائم نہ ہونے کی وجہ سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے میدان میں آنے کی کیوں گنجائش نہیں؟

جب جم غفیر تقریباً جمیع اہل مدینہ مع متعدد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس پروپیگنڈہ سے متأثر ہوسکتے ہیں تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس پر اعتماد کرلینا کیا بعید ہے؟ عالمگیر پروپیگنڈہ کی وجہ سے کسی بڑی سے بڑی شخصیت کا دھوکہ میں آجانا کچھ مستبعد نہیں۔ چنانچہ اہل تشیّع کے پروپیگنڈہ سے دھوکہ کھا کر صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے محقق نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف جوازِ متعہ کا قول منسوب کردیا، حالانکہ حرمتِ متعہ کی روایات جس کثرت سے موطا مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں مروی ہیں شاید کسی اور کتاب میں نہ ہوں، فقہ مالکیہ میں بھی متعہ کی حرمت مصرح ہے۔ اس سے بھی زیادہ اعجوبہ یہ کہ ساری اُمّت کو اس مغالطہ میں ڈالنے میں اعدائے دین کامیاب ہوگئے کہ مدنی زندگی کی ابتداء میں متعہ کی اجازت تھی، حالانکہ الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانھم جیسی نصوص قرآنیہ جو حرمتِ متعہ پر بین الدلالۃ ہیں مکہ میں نازل ہوچکی تھیں، جس کے بعد حلّتِ متعہ کا کوئی وہم نہیں ہوسکتا، پھر مضحکہ خیز امر یہ ہے کہ اگر ان آیات کے خلاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں پہنچ کر متعہ کی اجازت دیدی تھی تو یہ آیات منسوخ ٹھیریں، مگر اس کے برعکس ان ہی آیات کو حلتِ متعہ کے لئے ناسخ بیان کیا جاتا ہے۔ غرضیکہ متعہ مروّجہ تاریخ اسلامی میں ایک منٹ کے لئے بھی حلال نہیں ہوا، مگر ساری اُمت کو ابتداء ہجرت میں حلّتِ متعہ کا یقین دلادیا گیا ہے جو صرف پروپیگنڈہ ہی کا کرشمہ ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس اقدام پر یہ امر بھی مجبور کررہا تھا کہ انھیں یزید کی بیعت نہ کرنے پر قتل کا اندیشہ بلکہ یقین تھا، حالانکہ خلافت قائم ہوجانے کے بعد بھی ہر فرد پر بیعتِ خلیفہ فرض نہیں، صرف اتنا فرض ہے کہ بغاوت نہ کرے، ممکن ہے کہ نفس الامر میں قتل اور جبر وغیرہ کی کوئی صورت حکومت کی جانب سے صادر نہ ہوتی، مگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا یقین ضرور تھا، چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال نقل فرمایا ہے جو انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے جواب میں بایں الفاظ ظاہر فرمایا تھا: لان اقتل بمکان کذا وکذا احبّ الی

من ان اقتل بمکۃ وتستحل بی (البدایۃ والنھایۃ ج ۸ ص ۱۶۵) اور غالب بن الفرزدق کے قول ما اعجلک عن الحج؟ کے جواب میں فرماتے ہیں: لولم اعجل لاخذت (البدایۃ والنھایۃ ص ۱۶۷ ج ۸)

خلاصہ یہ کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے وقت میں کہ خلافت کما حقہٗ قائم نہ ہوئی تھی ایسے شخص کو برسرِ اقتدار آنے سے روکنے کی سعی کی جو ان کے خیال میں فسق و فجور یا بعض دیگر وجوہ کے باعث مستحقِ خلافت نہ تھا، ظاہر ہے کہ یہ اقدام حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فرض تھا، خصوصاً جبکہ شرعی فرض کے ساتھ ساتھ اقدام نہ کرنے میں جبری بیعت کا اندیشہ اور خوفِ قتل بھی تھا تو یہ اقدام اور بھی زیادہ مؤکد ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نظریہ بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موافق تھا۔ چنانچہ ابن اثیر فرماتے ہیں: فقال لہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اما لو کان لی بھا مثل شیعتک لما عدلت عنھا ثم خشی ان یتھمہ فقال لہ اما انک لو اقمت بالحجاز ثم اردت ھذا الامر ھھنا لما خالفنا علیک وساعدناک وبایعناک ونصحناک الخ (کامل لابن الاثیر ج ۴ ص ۱۶) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خیال میں اہلِ کوفہ ظالم اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مظلوم تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل روایت سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تأثرات کا اندازہ فرمایئے: عن ابن ابی نعم قال کنت شاھدا لابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وسألہ رجل عن دم البعوض فقال ممن انت قال من العراق قال انظروا الی ھذا یسئلنی عن دم البعوض وقد قتلوا ابن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ھما ریحانتای من الدنیا (صحیح البخاری ج ۲ ص ۸۸۶)

غرضیکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس اقدام کو شرعی فرض سمجھ کر نکلے تھے مگر بعد میں راستہ ہی میں جب خلافتِ یزید کا کامل طور پر قیام و استحکام معلوم ہو گیا تو فوراً اپنے موقف سے ہٹ گئے، کیونکہ قیامِ خلافت کے بعد جوازِ خروج کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

پس جس طرح یزید کے بارے میں توقف اسلم ہے، اسی طرح بلکہ اس سے بدرجہا زیادہ مؤکد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کفِ لسان ہے اور ان کا اعزاز و احترام اور ان سے محبت و عقیدت اور حسنِ ظن ضروری، کہ یہی صراط مستقیم بین الافراط والتفریط ہے، اور یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ فیصلہ اور مذہب و شعار ہے۔ آج تک اہل السنۃ والجماعۃ میں سے کسی فرد نے بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی اور آپ کی طرف

سوءِ نیت کی نسبت کو روا نہیں رکھا، بلکہ آپ کی محبت کو عینِ ایمان سمجھتے ہیں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ان کان رفضاً حبُّ آلِ محمّدٍ فلیشهد الثقلان انی رافضی

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق بدظنی کا نظریہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلکِ معتدل میں ہرگز نہیں سما سکتا، بلکہ یہ روافض کے افراط کے مقابلہ میں خوارج کی تفریط ہے اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ،

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو عموماً اور مؤلف "خلافتِ معاویہ ویزید" کو خصوصاً روافض وخوارج کی افراط وتفریط اور یلعن آخر هذہ الامۃ اولها کی وعید سے محفوظ رکھیں اور اسلاف خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے عقیدت ومحبت اور ان کے اتباع کا جذبہ عنایت فرمائیں۔ اسلاف کی عیب جوئی وتجسس کی بجائے اپنے باطن کی اصلاح اور فکرِ آخرت کی نعمت سے نوازیں ؎

کہاں تک روئے گا او جینے والے مرنے والے کو ۔۔ کچھ اپنی فکر کر تجھ کو پرائے غم سے کیا مطلب

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین اٰمنوا ربنا انک رءوف رحیم۔ فقط واللہ الهادی الی سبیل الرشاد۔

رشید احمد

۱۹ محرم سنہ ۷۹ھ

تتمہ

بندہ نے تحقیق مذکور میں مصنف کتاب "خلافتِ معاویہ ویزید" کی تلبیسات سے قطع نظر کرتے ہوئے نفس مسئلہ سے متعلق اظہارِ خیال پر اکتفاء مناسب سمجھا، جس کی بعض احباب کو سخت شکایت تھی، اس اثناء میں ماہنامہ دار العلوم دیوبند میں ذیل کا مضمون نظر سے گزرا جس میں کتاب مذکور کی تلبیسات پر بقدرِ ضرورت وکفایت سنجیدہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے، لہٰذا اس مضمون کو تحقیق بالا کا تتمہ بنا دینا مناسب معلوم ہوا تاکہ کتاب مذکور کی صحیح حقیقت اور اس سے متعلق علماءِ حق کے نظریات بھی نفس مسئلہ کی تحقیق کے ساتھ منظرِ عام پر آجائیں۔

کتاب "خلافتِ معاویہ و یزید" پر ایک طائرانہ نظر

مولانا عزیز احمد صاحب بی۔ اے قاسمی ناظم شعبۂ دستار بندی دار العلوم دیوبند

ناظرین!

کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کے مصنف جناب محمود احمد عباسی نے حوالجات میں بیجا تصرف اور تلبیس کر کے صحافتی دیانت کو مجروح فرمایا ہے، کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنّف نے پہلے ایک نظریہ قائم کر لیا کہ نعوذ باللہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خروج کیا اور یزید نہایت متقی اور پرہیزگار تھا۔ پھر اس نظریہ کے ماتحت کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور کتابوں میں جہاں کہیں یزید کی تعریف میں کوئی جملہ نظر آیا اُسے لے لیا، اور اسی عبارت میں جو جملے یزید یا عمر بن سعد کے نقائص میں تھے اُن کو حذف کر دیا۔ حالانکہ ایک تحقیقی مضمون میں جو برسہا برس کی ریسرچ کا نتیجہ ہو، یہی ہونا چاہیے کہ مناقب و معایب دونوں چیزوں کو اُجاگر کر کے پیش کیا جائے، نہ یہ کہ مناقب اُچھالے جائیں یا بغیر نقل کے ان کی غلط توجیہ کی جائے اور معایب پر پردے ڈالے جائیں، ذیل کے مضمون میں جناب محمود احمد صاحب عباسی نے جہاں جہاں دیدہ و دانستہ حوالجات اور ان کے تراجم میں تصرف کیا ہے ان میں سے چند بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں۔ اس سے موصوف کی ریسرچ کا اندازہ ہو جائے گا۔

(۱) منجملہ ان کے شیخ عبد المغیث بن زہیر الحربی تھے، جن کے متعلق علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں "کان من صلحاء الحنابلۃ وکان یزار" (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۲ ص ۳۲۸) یعنی وہ حنبلی صالحین میں سے اور مرجع عوام تھے، انھوں نے امیر یزید کے حُسنِ سیرت اور اوصاف پر مستقل تصنیف کی، "ولہ مصنف فی فضل یزید بن معاویۃ اتی فیہ بالغرائب والعجائب" (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۲ ص ۳۲۸)

ترجمہ: اور ان (شیخ عبد المغیث) کی تصنیف سے فضل یزید بن معاویہ پر ایک کتاب ہے جس میں بہت سے غریب و عجیب حالات بیان کئے ہیں۔

واوین کے درمیان جو عبارت ہے وہ کتاب "خلافتِ معاویہ و یزید" کے صفحہ ۵۵، ۵۶ کی ہے اب اصل کتاب کی عبارت ملاحظہ ہو، الشیخ عبد المغیث بن زہیر الحربی کان من

صلحاء الحنابلة وكان يزار وله مصنف في فضل يزيد بن معاوية اتى فيه بالغرائب والعجائب وقد رد عليه ابو الفرج ابن الجوزي فاجاد واصاب (البداية والنهاية ج ۱۲ ص ۳۲۸)

ترجمہ: شیخ عبد المغیث بن زہیر الحربی صلحاءِ حنابلہ میں سے تھے لوگ ان کی زیارت کو آتے تھے، اور ان (شیخ عبد المغیث) کی یزید بن معاویہ کی خوبیوں کے بارے میں ایک تصنیف ہے جس میں انھوں نے عجیب و غریب قسم کی باتیں بیان کی ہیں۔ اس تصنیف کا رَد علامہ ابو الفرج ابن الجوزی نے کیا ہے۔ پس انھوں نے اچھا اور صحیح رَد کیا۔

ابو الفرج ابن الجوزی کی کتاب کا نام ہے "الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید"

اولاً تو جناب محمود احمد عباسی کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے کہ اتی فیہ بالغرائب والعجائب کا ترجمہ موصوف نے یہ کیا ہے کہ "بہت سے عجیب و غریب حالات بیان کئے ہیں" جس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ یزید کے حالات ایسے عمدہ تھے کہ ان کو سُن کر تعجب ہوتا ہے حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ ایسے مواقع پر "غرائب و عجائب" کا استعمال اچھے معنی میں نہیں ہوتا ہے، بلکہ غیر مستند ہونے کے معنی میں ہوتا ہے، چنانچہ اس جملے کے معنی یہ ہوئے کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شیخ عبد المغیث نے جو کتاب یزید بن معاویہ کی فضیلت میں لکھی ہے اُس میں غیر مستند باتیں لکھی ہیں۔ اب غور کیجئے کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی مدح کر رہے ہیں یا اس کا ضعیف ہونا ثابت کر رہے ہیں۔

دوسرے فاضل مصنف نے اتی فیہ بالغرائب والعجائب کے فوراً بعد جو عبارت تھی اسے دانستہ چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ عبارت اسی کتاب کے بارے میں تھی جو شیخ عبد المغیث نے یزید کی فضیلت کے بارے میں لکھی تھی اور اس عبارت میں شیخ عبد المغیث کی کتاب کے بارے میں خود علامہ ابن کثیر کی رائے ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ جو عبارت مکمل درج کی گئی ہے اس میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ابو الفرج ابن الجوزی نے شیخ عبد المغیث کی اس کتاب کا رَد لکھا ہے جو یزید کی فضیلت میں تھی"۔ اس کے بعد علامہ ابن کثیر ابو الفرج ابن الجوزی کی کتاب کے بارے میں اپنی رائے لکھتے ہیں کہ انھوں نے بہت عمدہ اور بہت صحیح رَد کیا ہے، اب غور کیجئے کہ بات کہاں سے کہاں جا پہنچی، اس سے یزید کی منقبت ظاہر ہوتی ہے یا تنقیص؟

جناب محمود احمد عباسی نے علامہ ابن کثیر کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر ان پر کیسا

بہتان باندھا ہے۔ حافظِ حدیث محدث ابن الجوزی اپنی کتاب مذکور میں فرماتے ہیں: وقد اجاز العلماء الورعون لعنہ (حاشیہ نبراس ص ۵۵۳)

ترجمہ: اور پرہیزگار علماء نے اس (یزید) پر لعنت کو جائز قرار دیا ہے، شیخ عبد المغیث اور علامہ ابن الجوزی دونوں حنبلی ہیں۔

(۳) ایک دوسری عبارت "خلافتِ معاویہ ویزید" کی ملاحظہ ہو، خلیفہ ناصر نے امیر یزید کے بارے میں شیخ سے جو سوال کیا اور جو جواب انھوں نے دیا، علامہ موصوف کے الفاظ میں سنئے:

فسألہ الخلیفۃ ایلعن ام لا؟ فقال لا اسوغ لعنہ لانی لو فتحت ھذا الباب لافضی الناس الی لعن خلیفتنا فقال الخلیفۃ ولم؟ قال لانہ یفعل اشیاء منکرۃ کثیرۃ منہا کذا وکذا ثم شرع یعدد علی الخلیفۃ افعالہ القبیحۃ مما یقع منہ المنکر،

(البدایۃ والنہایۃ ج ۱۲ ص ۳۲۸)

ترجمہ: خلیفہ نے (شیخ عبد المغیث سے) سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں، اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر لعن کرنے لگ جائیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟ شیخ نے کہا کہ وہ بہت سے منکرات پر عمل پیرا ہوئے ہیں جن میں سے یہ اور یہ امور ہیں، انھوں نے خلیفہ کے برے افعال گنانے شروع کئے جو جو منکرات سرزد ہوئے تھے (خلافتِ معاویہ ویزید ص ۵۶)

مذکورہ بالا ترجمہ جناب محمود احمد عباسی نے کیا ہے۔ اب علامہ ابن کثیر کی عربی عبارت کا صحیح ترجمہ دیکھئے۔ "خلیفہ نے (شیخ عبد المغیث سے) سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں اس (یزید) پر لعن کرنے کی اجازت نہیں دوں گا کیونکہ اگر میں (اجازت دے دوں اور) یہ (لعنت کا) دروازہ کھول دوں تو لوگ ہمارے خلیفہ پر لعنت کرنے لگیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟ شیخ نے کہا اس لئے کہ وہ (خلیفہ) بہت سے منکرات پر عمل کرتا ہے مثلاً یہ اور یہ امور۔ پھر شیخ نے خلیفہ کے سامنے ان منکرات کو گننا شروع کر دیا جو خلیفہ سے سرزد ہوئے تھے"

جناب محمود احمد صاحب عباسی کے ترجمے کا اور اس ترجمہ کا مقابلہ کیجئے تو حسب ذیل باتیں ملیں گی:

لا انسوغ لعنہ کا ترجمہ محمود احمد عباسی نے یہ کیا ہے کہ ”لعن کرنا ہرگز جائز نہیں“ حالانکہ ایک معمولی درجہ کا عربی داں بھی جانتا ہے کہ یہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ اصل ترجمہ یہ ہے کہ ”میں اس پر لعن کرنے کی اجازت نہیں دوں گا“ اور اس اجازت نہ دینے کی وجہ شیخ نے یہ بیان فرمائی کہ ”اگر میں یزید پر لعنت کا دروازہ کھول دوں تو لوگ ہمارے خلیفہ (ناصر) پر لعنت کرنے لگیں گے اور اس سے بغاوت کا چشمہ پھوٹ پڑے گا“۔ پھر خلیفہ نے سوال کیا کہ وہ کیوں؟ تو شیخ نے فرمایا ”اس لئے کہ خلیفہ فلاں فلاں منکرات پر عمل کرتا ہے“۔ اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ یزید جن منکرات پر عمل کرتا تھا خلیفہ ناصر بھی ان ہی منکرات پر عمل کرتا ہے اس لئے اگر ان منکرات کی وجہ سے جن پر یزید عمل کرتا تھا میں یزید پر لعنت کرنے کی اجازت دیدوں تو لوگ خلیفہ ناصر پر بھی لعنت کرنے لگیں گے۔ اب یہ امر غور طلب ہے کہ آیا اس سے اس کی تعریف نکلتی ہے یا اس کی تنقیص؟ اس سے تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یزید پر لعنت نہ کرنی چاہئے، مگر اس سے یہ بات کیسے ثابت ہوئی کہ یزید منکرات پر عمل نہ کرتا تھا یا مستحق لعنت نہیں تھا اور بہت پاکباز تھا، بلکہ اس کے خلاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ منکرات پر یقیناً عمل کرتا تھا، اس لئے جن اُمور کی وجہ سے خلیفہ ناصر یزید کو اپنے ذہن میں مستحق لعنت سمجھتے تھے (جیسا کہ ان کے سوال کرنے سے معلوم ہوتا ہے) وہ خود خلیفہ ناصر میں موجود تھے اسی بناء پر شیخ عبد المغیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔

(۳) جناب محمود احمد عباسی نے کتاب ”خلافتِ معاویہ و یزید“ میں یزید کو ثقہ راوی ثابت کرنے کے لئے حسب ذیل حوالہ نقل فرمایا ہے۔

تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ حدیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبد الملک بن عتبۃ الکوفی المتوفی سنہ ۱۸۸ھ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ امیر یزید کو احد الثقات یعنی ثقہ راویانِ حدیث میں شمار کرتے تھے، مراسیل ابو داؤد میں ان کی مرویات ہیں (خلافت معاویہ و یزید ص ۴۵)

تہذیب التہذیب کا یہ حوالہ نقل کرکے محمود احمد عباسی نے یزید کو ثقہ راوی ثابت کرنے کی جو سعی کی ہے اس میں لوگوں کو بہت زبردست دھوکہ دیا ہے۔ ذیل میں تہذیب التہذیب کی پوری عبارت نقل کی جاتی ہے جس میں سے یہ ٹکڑا لیا گیا ہے۔

(یزید) بن معاویۃ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیۃ بن عبد الشمس ابوخالد ولد فی خلافۃ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعهد الیہ ابوہ بالخلافۃ فبویع سنۃ ستین وابی البیعۃ عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ولاذ بمکۃ والحسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ونهض الی الکوفۃ وارسل ابن عمہ مسلم بن عقیل بن ابی طالب لیبایع لہ بہا فقتلہ عبید اللہ بن زیاد وارسل الجیوش الی الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقتل کما تقدم فی ترجمۃ سنۃ احدی وستین ثم خرج اهل المدینۃ علی یزید وخلعوہ فی سنۃ ثلاث وستین فارسل الیہم مسلم بن عقبۃ المری وامرہ ان یستبیح المدینۃ ثلاثۃ ایام وان یبایعہم علی انہم خول وعبید لیزید، فاذا فرغ منہا نهض الی مکۃ لحرب ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ففعل بہا مسلم الافاعیل القبیحۃ وقتل بہا خلقا من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وابناٗہم وخیار التابعین رحمہم اللہ تعالیٰ واوحش القضیۃ الی الغایۃ، ثم توجہ الی مکۃ فاخذہ اللہ تعالیٰ قبل وصولہ واستخلف علی الجیش حصین بن نمیر السکونی فحاصروا ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ونصبوا علی الکعبۃ المنجنیق فادی ذلک الی وهی ارکانہا ووهی بنائہا ثم احرقت وفی اثناء افعالہم القبیحۃ فجأهم الخبر بهلاک یزید بن معاویۃ فرجعوا وکفی اللہ المؤمنین القتال، وکان هلاکہ فی نصف ربیع الاول سنۃ اربع وستین ولم یکمل الاربعین واخبارہ مستوفاۃ فی تاریخ دمشق لابن عساکر ولیست لہ روایۃ تعتمد وقال یحیی بن عبد الملک بن ابی غنیۃ احد الثقات حدثنا نوفل بن ابی عقرب ثقۃ قال کنت عند عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ فذکر رجل یزید بن معاویۃ فقال قال امیر المؤمنین یزید فقال عمر رحمہ اللہ تعالیٰ تقول امیر المؤمنین یزید وامر بہ فضرب عشرین سوطا۔ ذکرتہ للتمییز بینہ وبین النخعی۔ ثم وجدت لہ روایۃ فی مراسیل ابی داؤد وقد نبهت علیہا فی الاستدراک علی الاطراف (تهذیب التهذیب للحافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ صفحہ ۳۶۰ و ۳۶۱ ج ۱۱) یہ پوری عبارت یزید کے بیان میں ہے کوئی لفظ کم و بیش نہیں ہے۔

ترجمہ: یزید بن معاویۃ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیۃ بن عبد الشمس

یزید کی کنیت ابو خالد ہے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں خلافت کا ولیعہد بنایا، سنہ ۶۰ھ میں یزید کی بیعت کی گئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بیعت سے انکار کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مکہ میں پناہ گزیں ہو گئے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کے لئے چل کھڑے ہوئے اور اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل بن ابی طالب کو پہلے ہی روانہ کر دیا تاکہ کوفہ میں لوگوں سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بیعت لیں، ان کو عبید اللہ بن زیاد نے قتل کر دیا، اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے فوجیں روانہ کیں۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنہ ۶۱ھ میں شہید کر دیئے گئے جیسا کہ ان کے حالات میں ذکر کیا جا چکا ہے پھر سنہ ۶۳ھ میں اہل مدینہ نے یزید پر خروج کیا اور اس کی بیعت کو توڑ دیا تو یزید نے مسلم بن عقبۃ المری کی سرکردگی میں اہل مدینہ پر فوج کشی کرائی اور حکم دیا کہ تین دن تک مدینہ کو لشکری لوگ (ہر طرح) مباح سمجھیں اور حکم دیا کہ اہل مدینہ سے یزید کے واسطے خادم اور غلام بننے کے لئے بیعت لے، اور جب اس سے فارغ ہو جائے تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جنگ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہو، چنانچہ حسب الحکم مسلم بن عقبۃ المری نے مدینہ میں افعال قبیحہ کئے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کی اولاد اور خیار تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی جماعت کو تہ تیغ کر ڈالا اور اس واقعہ کو انتہائی برائی تک پہنچایا (چنانچہ مسند دارمی میں ہے کہ قتل و غارت گری اور عصمت دری وغیرہ سب کچھ مدینہ منورہ میں ہوا۔ تین روز تک مسجد نبوی میں نماز تک نہ ہوئی۔ تنہا سعید بن مسیب مسجد نبوی میں دیوانہ بن کر پڑے رہے۔ ان ایام میں مزار مبارک سے اذان و تکبیر کی آواز آتی تھی، اسی آواز پر وہ تنہا نماز ادا کیا کرتے تھے ورنہ مسجد نبوی میں نہ کوئی اذان دینے والا تھا اور نہ کوئی دوسرا نماز پڑھنے والا) پھر مکہ کی طرف روانہ ہوا مگر مکہ پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آکر ہلاک ہو گیا اور حصین بن نمیر سکونی کو قائم مقام بنا گیا، اس لشکر نے مکہ میں ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا محاصرہ کیا اور خانہ کعبہ پر (پتھر برسانے کے لئے) منجنیق (بڑے قسم کے گوپیے جن سے پتھر پھینکے جاتے ہیں) نصب کر دی اور خوب پتھر برسائے جس کی وجہ سے بیت اللہ کے ستون اور عمارت کمزور ہو گئی، پھر

(خانہ کعبہ) جلادیا گیا۔ انہی کرتوتوں کے دوران میں اچانک یزید بن معاویہ کے ہلاک ہو جانے کی اطلاع پہنچی (خبر سنتے ہی) لشکر واپس ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مکہ کے مؤمنین کو قتال سے بچالیا اور یزید کی ہلاکت سنہ ۶۴ ہجری میں ماہ ربیع الاوّل کے نصف میں ہوئی، وہ عمر کے چالیس سال بھی پورے نہ کر سکا۔ ابن عساکر کی تاریخ دمشق میں اس کے پورے واقعات مذکور ہیں، یزید کی کوئی روایت حدیث قابل اعتماد نہیں ہے۔ یحییٰ بن عبدالملک بن ابی غنیہ نے جو ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں بیان کیا کہ ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا جو ثقہ ہیں کہ میں امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر تھا، ایک شخص نے یزید بن معاویہ کا ذکر کیا اور کہا کہ" امیر المؤمنین یزید نے یہ کہا" خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ" تو یزید کو امیر المؤمنین کہتا ہے" اور اس شخص کے لئے بیس۲۰ کوڑے مارنے کا حکم فرمایا، چنانچہ اس کے بیس۲۰ کوڑے مارے گئے۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) میں نے اس (یزید) کا ذکر یزید بن معاویہ النخعی سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے یہاں کیا ہے (ورنہ یہ صحاح ستہ کے راویوں میں نہ ہونے کی وجہ سے اس کتاب میں ذکر کئے جانے کے قابل نہیں ہے) مراسیل ابی داؤد میں صرف ایک مرسل روایت یزید کی ملی ہے اور میں نے اطراف پر استدراک میں اس مرسل روایت پر تنبیہ کی ہے۔

اس عبارت کا مقابلہ اس عبارت سے کیجئے جو جناب محمود احمد صاحب عباسی نے پیش فرمائی ہے وہی کتاب ہے وہی صفحہ ہے مگر دیکھئے کس طرح قطع و برید کر کے یزید کو ثقہ راویوں میں شمار کرنے کی کوشش فرمائی ہے، دونوں عبارتوں کا مقابلہ کرنے کے بعد جناب عباسی صاحب کی حسب ذیل غلطیاں منظرِ عام پر آجاتی ہیں۔

(الف) تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے جس میں حافظ صاحب موصوف نے صرف ان رجال (راویوں) کا تذکرہ فرمایا ہے جو صحاحِ ستہ کے راوی ہیں، لیکن جہاں کہیں دو ناموں میں اشتباہ ہوتا ہے، وہاں اشتباہ دور کرنے کے لئے دوسرے آدمی کا ذکر بھی کر دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ صحاح کے راویوں میں سے نہ بھی ہو۔ چنانچہ تہذیب التہذیب میں یزید کا جو ذکر ہے وہ اس لئے نہیں ہے کہ یزید صحاحِ ستہ کے راویوں میں سے ہے بلکہ

خود حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زبانی سنیئے کہ یزید کا ذکر انھوں نے تہذیب التہذیب میں کیوں کیا؟ وہ فرماتے ہیں، ذکرتہ للتمییز بینہ وبین النخعی، یعنی میں نے یزید بن معاویہ اموی کا ذکر اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں یزید بن معاویہ النخعی سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے کیا ہے۔

اب غور فرمائیے کہ جناب محمود احمد عباسی نے حقیقت کو کس طرح چھپایا اور تہذیب التہذیب میں یزید کا نام آجانے کی وجہ سے اسے رواۃ حدیث میں شمار کرکے لوگوں کو فریب میں مبتلا کر دیا۔ یہاں نسیان نہیں ہے بلکہ دیدہ و دانستہ ایسا کیا گیا۔

(ب) جناب محمود احمد عباسی نے اسی حوالے میں محدث یحییٰ بن عبدالملک بن عتبۃ الکوفی کا ایک قول نقل کیا ہے اور دعویٰ یہ کیا ہے کہ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ قول تہذیب التہذیب میں نقل کیا ہے۔

یہ دعویٰ بالکل جھوٹا ہے یحییٰ بن عبدالملک بن عتبۃ الکوفی کا نام سرے سے تہذیب التہذیب میں ہے ہی نہیں۔ البتہ یحییٰ بن عبدالملک بن ابی غنیۃ الخزاعی ابو زکریا الکوفی کا ذکر بے شک تہذیب التہذیب میں ہے۔ عذر کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتابت وطباعت کی غلطی ہے۔

(ج) جناب عباسی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃِ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبدالملک بن عتبۃ الکوفی متوفی سنہ ۱۸۸ھ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ امیر یزید کو احد الثقات یعنی ثقہ راویانِ حدیث میں شمار کرتے تھے۔

یہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور محدث یحییٰ بن عبدالملک بن ابی غنیۃ رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں پر خالص افتراء ہے کہ انھوں نے یزید کو ثقہ کہا ہے۔ بلکہ جو صحیح ترجمہ پیش کیا گیا ہے اس میں ملاحظہ فرمائیے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن عبدالملک بن ابی غنیۃ کی سند سے ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے خود یحییٰ ابن عبدالملک کو احد الثقات (ثقہ راویوں میں سے ایک) کہا ہے اور ان کے شیخ نوفل بن ابی عقرب کو بھی ثقہ کہا ہے تاکہ سند کی صحت میں شبہہ نہ رہے اور ان کی

سند سے خلیفۂ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کے سامنے کسی شخص نے یزید کو امیر المؤمنین کہا تھا تو انھوں نے اس کے بیس کوڑے لگوائے، حالانکہ امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ بھی خاندان بنی اُمیہ میں سے ہیں جن کا نسب نامہ یہ ہے، عمر بن عبد العزیز بن مروان بن الحکم بن ابی العاص ابن امیۃ بن عبد الشمس القرشی الاموی، یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں ان کا نسب اور یزید کا نسب اُمیہ پر جا کر مل جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے احد الثقات یحییٰ کی صفت بیان کی تھی مگر عباسی صاحب نے اسے یزید کے ساتھ چسپاں کر دیا ہے جسے اہل علم عبارت دیکھ کر خود سمجھ سکتے ہیں۔

(ک) جناب عباسی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: "مراسیل ابو داؤد میں ان (یزید) کی مرویات ہیں"

مرویات جمع کا صیغہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد روایتیں ہیں، یہ بھی دھوکہ ہے مراسیل ابو داؤد میں صرف ایک مرسل روایت یزید کی ہے، جسے امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے، اس کو مرویات کے لفظ سے تعبیر کرنا امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے جو صحیح ترجمہ پیش کیا گیا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں صاف ذکر ہے کہ "مراسیل ابو داؤد میں صرف ایک مرسل روایت یزید کی مجھے ملی" یہ خود حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ غور فرمائیے کہ کس طرح جناب عباسی صاحب نے دھوکہ دینے کی سعی کی ہے ناظرین کی توجہ ایک اور بات کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں کہ عباسی صاحب نے جس "تہذیب التہذیب" سے ابن حجر اور یحییٰ بن عبد الملک بن ابی غنیۃ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا ہے اسی "تہذیب التہذیب" میں امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یزید کے پورے بیان میں ایک لفظ بھی یزید کی مدح کا ذکر نہیں کیا بلکہ ایسے الفاظ استعمال کئے جس سے اس کی منقصت ہی ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً اس کی موت کے لئے لفظ "ہلاک" استعمال کرنا، ساتھ ہی یہ ذکر کرنا کہ اس نے اپنے لشکر کے سردار کو مدینہ منورہ کی غارتگری کا حکم دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فوج کشی کرائی۔ مدینہ منورہ کو تین دن تک ہر طرح مباح کر دیا جس کے دوران میں قتل و غارت گری اور عصمت دری کے بے شمار واقعات پیش آئے، مکہ معظمہ پر چڑھائی کا حکم دیا جس کے نتیجہ میں خانہ کعبہ کی بنیادیں

کمزور ہوگئیں اور پھر خانہ کعبہ جلا دیا گیا۔ ان امور کے علاوہ کوئی لفظ بھی یزید کی منقبت میں ذکر نہیں کیا" تہذیب" کی عبارت کو اہل علم پھر غور سے پڑھیں، نیز حافظ ذہبی نے یزید کے بارے میں جو تحریر فرمایا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیے، (یزید بن معاویۃ ابن ابی سفیان الاموی روی عن ابیہ وعنہ ابنہ خالد وعبد الملک بن مروان۔ مقدوح فی عدالتہ لیس باھل ان یروی عنہ وقال احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی لا ینبغی ان یروی عنہ (میزان الاعتدال ۹۷۳۱ ص ۳۱۸ ج ۳)

ترجمہ: یزید بن معاویہ بن ابی سفیان الاموی نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ اور خود اس سے اس کے بیٹے خالد اور عبد الملک بن مروان نے روایت کی ہے، اور اس کا عادل ہونا مجروح ہے یہ اس کا اہل نہیں کہ اس سے روایت کی جائے۔ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۴) عباسی صاحب یزید کی فضیلت بیان کرتے ہوئے "البدایۃ والنہایۃ" کی عبارت حسب ذیل پیش فرماتے ہیں:

وکان (ابو ایوب الانصاری رضی اللہ تعالی عنہ) فی جیش یزید بن معاویۃ والیہ اوصی وھو الذی صلی علیہ (البدایۃ والنھایۃ ص ۵۸، ج ۸)

ترجمہ: ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالی عنہ یزید بن معاویہ کے لشکر میں شامل تھے، انھوں نے اسی (یزید) کو وصیت کی اور اسی (یزید) نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

(خلافت معاویہ ویزید ص ۲۷)

اور پھر تحریر فرماتے ہیں" ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو امیر یزید کے لشکر میں شامل تھے بشمول حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ جنازہ کی نماز میں بامامت امیر یزید شرکت کی۔

(خلافت معاویہ ویزید ص ۲۷)

"البدایۃ والنہایۃ" کی مذکورہ بالا عبارت ہی کے آخر میں حسب ذیل عبارت بھی ہے، جسے عباسی صاحب نے دیدہ و دانستہ ترک کر دیا تاکہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں۔

قال احمد حدثنا اسحق بن عیسی قال حدثنی محمد بن قیس قاضی عمر بن عبد العزیز عن ابی حرمۃ عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ تعالی عنہ انہ قال حین حضرۃ الوفاۃ قد کنت کتمت عنکم شیئا سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمعتہ

یقول لولا انکم تذنبون لخلق اللّٰہ قومًا یذنبون فیغفر لھم، وعندی ان ھذا الحدیث والذی قبلہ حمل یزید بن معاویۃ علی طرفی من الارجاء ورکب بسببہ افعالا کثیرۃ انکرت علیہ کما سنذکرہ فی ترجمتہ واللّٰہ اعلم (البدایۃ والنھایۃ ص ۵۹ ج ۸)

ترجمہ: حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں (ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ میں تم سے ایک حدیث چھپائے ہوئے تھا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ اگر تم لوگ گناہ والے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ضرور ایک ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ والی ہوتی تو اللہ تعالیٰ انھیں بخشتا اور (حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) میرے نزدیک اس حدیث نے اور اس سے قبل والی حدیث (من مات لایشرک باللّٰہ شیئًا جعلہ اللّٰہ فی الجنۃ، لبسند امام احمد) نے ہی یزید بن معاویہ کو جری کر دیا تھا، اور اسی وجہ سے اس (یزید) نے بہت سے افعالِ قبیحہ کا ارتکاب کیا جیسا کہ عنقریب ہم اس کے ترجمہ میں ذکر کریں گے۔

آپ بتائیے کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس پوری عبارت سے یزید کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے یا یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے قبیح افعال کا ارتکاب کیا، یزید نے جو جنازہ کی نماز پڑھائی وہ بحیثیت امیرِ لشکر ہونے کے پڑھائی جو قانونِ اسلامی ہے، اس صورت میں فاضل ومفضول کا سوال پیدا نہیں ہوتا، چنانچہ اس کے نظائر تاریخِ اسلامی میں موجود ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ موتہ میں اپنے غلام حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیرِ لشکر مقرر فرمایا تھا اور ان کی ماتحتی میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بڑے بڑے صحابہ تھے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لشکر کا سردار بنا کر روانگی کا حکم فرمایا تھا اور ان کی ماتحتی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے صحابہ موجود تھے

(۵) عباسی صاحب موصوف نے یزید کے محاسن ثابت کرنے کے لئے "البدایۃ والنھایۃ" کی حسب ذیل عبارت بھی پیش فرمائی ہے: وقد کان یزید فیہ خصال محمودۃ من الکرامۃ والحلم والفصاحۃ والشعر والشجاعۃ وحسن الرأی فی الملک وکان ذا جمال حسن المعاشرۃ،

(البدایۃ والنھایۃ ص ۲۳۰ ج ۸)

ترجمہ: اور یزید کی ذات میں قابلِ ستائش صفات، حلم و کرم و فصاحت و شعر گوئی و شجاعت و بہادری کی تھیں، نیز معاملاتِ حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور معاشرت کی خوبی و عمدگی بھی ان میں تھی (خلافتِ معاویہ ویزید ص ۴۹)

مگر اس عبارت کے فوراً بعد ہی حسب ذیل عبارت تھی جسے عباسی صاحب نے ریسرچ کا پورا حق ادا کرنے کے لئے چھوڑ دیا: وکان فیہ ایضا اقبال علی الشھوات وترک بعض الصلوات فی بعض الاوقات واماتتھا فی غالب الاوقات (البدایۃ والنہایۃ ص۲۳۰ ج ۸)

ترجمہ: اور نیز اس (یزید) میں شہواتِ نفسانیہ میں انہماک اور بعض اوقات بعض نمازوں کا ترک کرنا پایا جاتا ہے، اور نمازوں کو بے وقت پڑھنا تو اکثر اوقات رہتا تھا۔

غور کیجئے کہ عباسی صاحب نے عبارت میں قطع و برید کر کے کس طرح دھوکہ دیا ہے، البدایۃ والنہایۃ کی اس عبارت کے موجود ہوتے ہوئے ان اوصاف جنھیں عباسی صاحب نے ذکر کیا ہے۔ مثلاً حلم و کرم، فصاحت و شعر گوئی، شجاعت و بہادری وغیرہ سے یزید کے متقی و پرہیزگار و ثقہ ہونے پر کیسے روشنی پڑسکتی ہے؟ جس کے لئے عباسی صاحب نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور روزِ روشن میں لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونک دی اور ڈھنڈورا یہ پیٹا جاتا ہے کہ حقیقت پر جو پردے پڑے ہوئے تھے انھیں اس ریسرچ نے چاک کر دیا۔

(۶) جناب عباسی صاحب نے عمر بن سعد کے بارے میں تہذیب التہذیب کی حسب ذیل عبارت نقل کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ عمر بن سعد کا کردار ویسا ہی بے داغ ثابت ہو چکا ہے جیسا ان جیسے ثقہ و بلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جاسکتی ہے، (خلافتِ معاویہ ویزید ص ۲۱۴)

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزھری ابو حفص المدنی سکن الکوفۃ روی عن ابیہ وابی سعید الخدری وعنہ ابنہ ابراھیم وابن ابنہ ابوبکر بن حفص وابو اسحٰق السبیعی والعیزار بن حریث ویزید بن ابی مریم وقتادۃ والزھری ویزید بن ابی حبیب وغیرھم وقال العجلی کان یروی عن ابیہ احادیث وروی عنہ الناس وھو تابعی ثقۃ (تھذیب التھذیب ص ۴۵۰ ج ۷)

ترجمہ: عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابو حفص المدنی کوفہ میں رہے، انھوں نے اپنے والد سے اور ابو سعید خدری سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے ان کے فرزند ابراہیم اور ان کے پوتے ابوبکر بن حفص اور ابو اسحٰق السبیعی اور عیزار بن حریث ویزید بن ابی مریم وقتادہ وزہری ویزید بن حبیب وغیرہ نے روایت کی ہے، اور محدث العجلی فرماتے ہیں کہ عمر بن سعد نے

اپنے والد سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے اور خود ثقہ تابعی تھے (خلافتِ معاویہ ویزید ص ۲۱۴، ص ۲۱۵)

تہذیب ہی میں مذکورہ بالا عبارت کے فوراً بعد یہ عبارت ہے جسے جناب عباسی نے نہایت دیدہ دلیری سے نظر انداز کر دیا، وھو الذی قتل الحسین، یعنی یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ کو قتل کیا، ظاہر عبارت سے صاف ثابت ہے کہ یہ قول وھو الذی قتل الحسین، محدث العجلی کا ہے جس کو عباسی صاحب نے نظر انداز کر دیا ہے۔

یہ ہے وہ زبردست ریسرچ،

اس کے آگے کی عبارت ہے، وذکر ابن ابی خیثمۃ بسند لہ ان ابن زیاد بعث عمر ابن سعد علی جیش لقتال الحسین وبعث شمر بن ذی الجوشن وقال لہ اذھب معہ فان قتلہ والا فاقتلہ وانت علی الناس وقال ابن ابی خیثمۃ عن ابن معین کیف یکون من قتل الحسین ثقۃ قال عمرو بن علی سمعت یحیی بن سعید یقول ثنا اسمٰعیل ثنا العیزار عن عمر بن سعد فقال لہ موسیٰ رجل من بنی ضبیعۃ یا ابا سعید ھذا قاتل الحسین فسکت فقال لہ عن قاتل الحسین تحدثنا فسکت وروی ابن خراش عن عمرو بن علی نحو ذلک، فقال لہ رجل اما تخاف اللہ تروی عن عمر بن سعد فبکی وقال لا اعود،

(تھذیب التھذیب ص ۴۵۱ ج ۷)

ترجمہ: ابن ابی خیثمہ نے اپنی سند سے بیان کیا کہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو ایک لشکر کی قیادت سپرد کر کے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال کے لئے بھیجا اور شمر بن ذی الجوشن سے کہا تم بھی ان کے ساتھ جاؤ، اگر یہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کریں تو (فبہا) ورنہ تم ان کو قتل کر دینا اور تم لوگوں پر امیر ہو گے، اور ابن ابی خیثمہ نے ابن معین سے روایت کی ہے کہ ابن معین نے فرمایا کہ وہ شخص کیسے ثقہ ہو سکتا ہے جس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا۔ عمرو بن علی نے کہا کہ میں نے یحیی بن سعید کو کہتے سنا کہ ہم سے اسمٰعیل نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہم سے عیزار نے عمر بن سعد سے روایت کی (اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ) ان سے بنی ضبیعہ قبیلے کے ایک شخص موسیٰ نے کہا کہ اے ابو سعید یہ تو قاتلِ حسین ہیں، پس وہ خاموش ہو گئے، پھر ان سے کہا کہ تم ہم سے قاتلِ حسین کی روایت کرتے ہو پھر بھی وہ خاموش ہی رہے، اور ابن خراش نے بھی عمرو بن علی سے اس

جیسی روایت کی ہے اور یہ بھی بیان کیا کہ اس شخص نے کہا کہ "تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ عمر ابن سعد سے روایت کرتے ہو" اس پر وہ رو پڑے، اور فرمایا کہ میں اب دوبارہ ان (عمر ابن سعد) سے روایت نہ کروں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یحییٰ بن معین اور سعید بن القطان، ابن ابی خیثمۃ اور قبیلہ بنی ضبیعۃ کے موسیٰ وغیرہ جو ائمۂ رجالِ حدیث ہیں عمر بن سعد کو ثقہ نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے مقابلہ میں تنہا العجلی کے قول کو نقل کر دینا ریسرچ کے پردہ کو چاک کر دیتا ہے۔ یحییٰ بن معین جیسے امام الجرح والتعدیل کے مقابلہ میں محدث عجلی کا قول کوئی زیادہ وزن نہیں رکھتا۔ عیزار بن حریث وہی شخص ہے جن کو "تہذیب" میں عمر بن سعد کے شاگردوں میں ذکر کیا ہے، جس کی تصریح خود عباسی صاحب نے کی ہے، ان ہی عیزار سے "تہذیب" کے اسی صفحہ میں محدث موسیٰ کہہ رہے ہیں کہ قاتلِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہمارے سامنے روایت بیان کرتے ہو جس پر عیزار بن حریث نے معذرت کی کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا اور یہی روایت بواسطہ شعبۃ عن ابی اسحٰق عن العیزار کی سند سے میزان الاعتدال ص ۲۵۸ جلد ۲ میں موجود ہے۔ فقط (ماہنامہ دار العلوم دیوبند، جنوری سنہ ۱۹۶۰ء)

ماہنامہ دار العلوم کے اسی شمارہ میں

جناب ابو المنظور شیخ احمد استاذ احیاء العلوم بانسواڑہ دکن کا مضمون بھی ہے، اس سے چند ضروری اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

میں نے کتاب "خلافتِ معاویہؓ و یزید" اوّل سے آخر تک دیکھی ہے اور اس پر بطور تبصرہ ایک کتاب لکھی ہے جو زیر طبع ہے، اس میں میں نے پوری صراحت و وضاحت سے بتایا ہے کہ کتاب کس تحریک کے زیر اثر لکھی گئی ہے، کس غرض اور مقصد کے لئے لکھی گئی ہے، کس ذہنیت اور کس نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے اور اس کا اصل موضوع کیا ہے۔ در اصل اس کا موضوع مذہبی عقائد ہیں نہ کہ تاریخی واقعات، اس میں تاریخی واقعات پر جس انداز سے بحث کی گئی ہے اس کی براہِ راست زد مذہبی عقائد پر پڑتی ہے اور وہ نہ صرف الٹ پلٹ کر رہ جاتے ہیں بلکہ اُمت سے وہ سارا سرمایۂ علوم ہی چھن جاتا ہے جس پر اس کے مذہب کا دار و مدار ہے، مؤلف نے پچھلے ہزار بارہ سو سال کے تمام مؤرخین، محدثین، مفسرین اور دوسرے علوم و فنون کے ماہرین کو مجروح و ناقابلِ اعتبار ٹھہرا کر ماضی سے اُمت کا

رشتہ بالکلیہ کاٹ دینے کی کوشش کی ہے۔ مؤلف نے ابن جریر طبری، ابن کثیر دمشقی اور جلال الدین سیوطی وغیرہم تک کو جن جن الفاظ میں یاد کیا ہے وہ کتاب میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں، خصوصاً کتاب کے دوسرے ایڈیشن پر مؤلف نے جو مقدمہ لکھا ہے وہ تو پوری طرح اسکی ذہنیت اور اس کے نقطۂ نظر کا آئینہ دار ہے۔ یہاں تعصب اس درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مسلک و موقف کو پوری سنگدلی کے ساتھ مسخ کیا گیا ہے آپ پر سخت سے سخت الزامات لگائے گئے ہیں، آپ کو بد سے بدتر الفاظ میں مطعون کیا گیا ہے، آپ کی سیرت کا حلیہ بگاڑ کر رکھدیا گیا ہے، یہاں تک کہ "مات میتۃ الجاھلیۃ" اور "فمن اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف" وغیرہ احادیث کو نقل کر کے انھیں امام عالی مقام پر چسپاں کیا گیا ہے، اب ان احادیث کا کیا حشر ہوگا جن سے امام کے مسلک اور موقف پر بخوبی روشنی پڑتی ہے، اور وہ حدیثیں کہاں جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن و حضرت حسین کا نام لے کر آپ کو "سیدا شباب اھل الجنۃ" فرمایا ہے، کیا جاہلی اور حرام موت مرنے والے بھی جنت میں جا سکتے ہیں؟ چہ جائیکہ وہ اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہوں، پھر وہ ساری احادیث کہاں چلی گئیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنا محبوب بھی بتایا ہے، اللہ تعالیٰ سے آپ کی محبوبیت کے لئے دعا بھی کی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "حسین اہل آسمان کے نزدیک تمام اہل زمین میں محبوب ہیں" کیا خدا و رسول اور ساری خلق کے محبوب کی وہی سیرت ہے جسے یہاں پیش کیا گیا ہے؟ یہاں تو تعصب نے یزید کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پر فوقیت دیدی ہے اور ان کے مقابلہ میں یزید کو پہلا متفق علیہ خلیفہ تسلیم کیا گیا ہے۔ پھر تعصب کے اندھے پن کا حال یہ ہے کہ شاہان بنی امیہ کو حدیث نبوی "لا یزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشرۃ خلیفۃ" کا مصداق بناتے ہوئے حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سرے سے اڑا دیا گیا ہے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلا خلیفہ قرار دیا گیا ہے، اسکے بعد مروان بن محمد کو تو اس لئے خارج کر دیا گیا ہے کہ اس پر بنی امیہ کی حکومت ختم ہوگئی، لیکن جب اس کے باوجود یہ دقت پیش آئی کہ بارہ کے تیرہ بادشاہ رہے جاتے ہیں تو درمیان سے امت محمدیہ کے مجدد اول عمر ثانی حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے خلیفۂ راشد کو پوری بے دردی سے ہٹا دیا گیا ہے اور مابقی شاہان بنی امیہ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہی وہ

بارہ خلفاءِ اسلام ہیں جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ ان کے زمانے میں اسلام زبردست اور طاقتور رہے گا۔ احادیثِ نبویہ کے ساتھ یہ سلوک دوسرے مقامات پر بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ صحیحین کی ایک حدیث کو "محلِ نظر" قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس کی رُو سے ابن سعد عہدِ نبوی کا مولود نہیں اور مؤلف کو یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ عہدِ نبوی کا مولود تھا۔ ایک اور مقام پر ابوداؤد وغیرہ صحاح کی حدیث "الخلافة فی امتی ثلاثون سنة ثم ملك بعد ذلك" کو وضعی ٹھیرایا گیا ہے، کیونکہ وہ مؤلف کے نقطۂ نظر کے بالکل خلاف ہے،

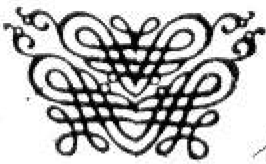
اگر کسی کے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرے سے دینی پیشوا تھے ہی نہیں اور اسی لئے ان کی شان میں کسی گستاخی و بے ادبی کا سوال نہیں پیدا ہوتا، تب تو خیر۔ لیکن جو لوگ انھیں اپنا دینی پیشوا مانتے ہیں وہ کتاب کے حسب ذیل مقامات دیکھ کر خود فیصلہ کریں کہ ان تحریروں کو کم سے کم کن الفاظ میں یاد کیا جا سکتا ہے۔

صفحات ۷۶، ۷۷، ۸۴ تا ۹۵، ۹۷، ۹۸ تا ۱۰۶، ۱۳۳، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۰

ان دونوں مضامین میں جن تلبیسات کی نشاندہی کی گئی ہے بندہ نے کتاب "خلافتِ معاویہ و یزید" میں ان سے متعلقہ مقامات کی طرف مراجعت نہیں کی، کتاب کے اسلوبِ تحریر کے پیشِ نظر اس میں مذکورہ تلبیسات کا وجود بعید نہیں بلکہ ان کے ارتکاب کا ظن غالب ہے، بندہ نے اہلِ تنقید کی سہولت کے لئے یہ مضامین نقل کر دیئے ہیں، فقط واللہ العاصم من سائر الفتن

رشید احمد

۱۰ رجب سنہ ۷۹ھ





مسلح پہرہ

اور

توکّل

تحریر

حضرت مفتی عبد الرحیم صاحب

نائب رئیس دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

حفاظتی تدابیر کی اہمیت

حفاظتی تدابیر اور مسلح پہرہ توکل کے خلاف نہیں

حفاظتی تدابیر اور مسلح پہرے پر وارد کردہ اعتراضات

کے مفصل ومدلل جوابات



- نصوص قرآنیہ
- احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم
- تعامل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
- تصریحات حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ
- فطرت مستقیم وعقل سلیم
- بشمول حمقاء پوری دنیا کا اجماع وتعامل

فاروقی

زمانہ بہترین اُستاذ ہے

جب ....

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ بے مثال بصیرت سے ٹھیک وقت پر حالات کا ادراک فرما کر مسلح پہرے کی اجازت مرحمت فرمائی تو چاروں طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہوگئی، حتی کہ عقل و شرع دونوں لحاظ سے یہ بالکل بدیہی مسئلہ سمجھانے کے لئے رسالہ لکھنا پڑا، فہم سلیم رکھنے والے کچھ حضرات نے حضرتِ اقدس کے علم و بصیرت کو داد دی لیکن صد افسوس کہ پھر بھی اکثریت ایسے لوگوں کی رہی جن کو قرآن و حدیث کے واضح ارشادات، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اسلاف کے تعامل کے سامنے آجانے کے بعد بھی عقل نہ آئی۔

مگر جب جگہ جگہ مساجد اور دینی اداروں پر اندرونی و بیرونی دہشت گردوں نے حملے شروع کیے تو بے شمار مساجد کی بے حرمتی، سیکڑوں مسلمانوں کو شہید اور ہزاروں کو زخمی کروانے کے بعد عام مساجد اور دینی اداروں میں مسلح پہرے کے انتظامات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

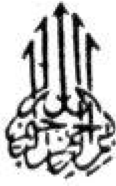
کاش! اللہ تعالیٰ کے حکم خذوا حذرکم کی اہمیت سمجھتے اور وقت پر اس کو اختیار کر لیتے تو اس قدر نقصان نہ ہوتا۔

جن لوگوں کے دماغوں میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور بداہت عقل کا واضح فیصلہ سمجھنے کی صلاحیت نہ تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمنوں سے مروا پٹوا کر انکے دماغ درست کر دیئے اور گردش زمانہ سے عبرت کے سبق پڑھوا دیئے۔

اللہ تعالیٰ ان کو حکم شرع سے انحراف بلکہ اس پر اعتراض کے سنگین جرم سے توبہ کی توفیق عطاء فرمائیں ؎

ظالم ابھی ہے فرصتِ توبہ نہ دیر کر
وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

فہرست مضامین



تقدیم

جیسا کہ اپنے اور پرائے سب بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ نے جن اخلاق عالیہ وصفاتِ فاضلہ سے ہمکنار وسرفراز فرمایا ہے ان میں شجاعت وحق گوئی اور حُبِّ الٰہی بہت ممتاز ہیں، اللہ تعالیٰ کی محبت میں حضرت اقدس اس قدر سرشار رہتے ہیں کہ غیر اللہ کے خوف ومحبت کا قلب کے قریب سے گزر بھی نہیں ہوتا، آپ کا فتویٰ ہو یا آپ کا بیان آپ کی جرأت وشجاعت کا منہ بولتا ثبوت ہوتا ہے، وقت کے جابر حکمرانوں اور دین کے خلاف اُٹھنے والے ہر فتنے کے خلاف آپ کی للکار ہمیشہ مصلحت اور بزدلی کے شائبہ سے بھی پاک رہی ہے، آپ بفضلہ تعالیٰ ملاحدہ، زنادقہ، دشمنانِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اعداءِ اسلام کے خلاف ننگی تلوار "انا النذیر العریان" کا مصداق اور "لایخافون فی اللہ لومۃ لائم" کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔

ایسے میں دشمنان اسلام اور موافق ومخالف، تنگی وفراخی، صحت وبیماری ہر حال میں گلشن اسلام کی آبیاری کے لئے اپنی عمریں صرف کرنے والے علماءِ ربانیین کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی تمنا رکھنے والے یہودی ایجنٹوں کی جانب سے قتل کی سازشیں اور منصوبے کوئی اچنبے کی بات نہیں، احیاءِ اسلام اور اُمّتِ مسلمہ کو مغرب کی تقلید، عقائد میں تزلزل، چال ڈھال، وضع قطع، رہن سہن، معاشرت ومعاملات غرض ہر چیز میں انگریز کی غلامی کی ذلت سے نکال کر اس کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے کے لئے جو بھی ذرا جرأت وشجاعت کے ساتھ میدان میں آئے گا وہ ان یہودی ایجنٹوں اور دہشت گرد فتنوں کی باگ ڈور سنبھالنے والوں کے دل میں کانٹے کی طرح چبھے گا، اس کو اور اس کی تحریک کو سر اٹھانے سے پہلے ہی کچل دینے کے لئے ان کی خفیہ ایجنسیاں حرکت میں آجائیں گی۔ ایسے حالات میں اپنا دفاع کرنا شرعاً وعقلاً نہ صرف جائز یا مستحب ہے بلکہ واجب وفرض ہے، ورنہ اعداءِ اسلام کی جرأت روز بروز بڑھتی جائے گی اور وہ ایک ایک کر کے ہمارے علماء کو بلا خوف وخطر شہید کرتے جائیں گے۔ ایسے

خطرے کی صورت میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اور سانحہ کے بعد افسوس میں ہاتھ ملنا اور اخبار میں بیان دے دینے پر اکتفاء کرنا کوئی دانشمندی نہیں۔

چنانچہ جب حضرت اقدس دامت برکاتہم اور دار الافتاء والارشاد پر دشمنان اسلام اور ملکی وغیر ملکی دشمنان صحابہ کے ایجنٹوں کی یلغار شروع ہوئی اور حفاظتی انتظامات کئے گئے تو ساتھ ہی مفسرین، محدثین اور فقہاء کی تصریحات کے مطابق وجوب دفاع کے ثابت ہونے کے باوجود مختلف قسم کے اعتراضات وسوالات کی یلغار بھی شروع ہوگئی مثلاً:

① مسلح پہرہ توکل کے خلاف ہے۔

② نمازیوں کی تلاشی لینا نمازیوں کی توہین ہے۔

③ مسجد میں اسلحہ لانا احترام مسجد کے خلاف ہے۔

④ تلاشی کے بعد پھر منبر پر باڈی گارڈ کھڑا کرنا نمازیوں کو مرعوب کرنے کے مترادف ہے۔

⑤ یہ اسراف ہے۔

⑥ یہ ریاکاری ہے۔

⑦ اگر مفتی صاحب کو خطرہ ہے تو وہ نمازیوں کو پریشان کرنے کی بجائے نماز گھر ہی کیوں نہیں ادا فرمالیتے؟

⑧ حضرت مفتی صاحب نے خود کو محافظوں اور دربانوں میں ایسا جکڑا رکھا ہے کہ عام مسلمان تو ملاقات وزیارت کا تصور بھی نہیں کرسکتا، پابندیٔ وقت کی زحمت اور تلاشی جیسے خلاف انسانیت عمل سے دوچار ہونے کے باوجود بھی مفتی صاحب کے کمرے اور مجلس تک پہنچنا بدون واسطہ ممکن نہیں ہوتا۔

⑨ یہ روم وفارس کے بادشاہوں سے ملتی جلتی بلکہ اس سے بھی بڑھی ہوئی حالت ہے۔

⑩ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے دربان متعین کرکے عوام الناس کے لئے یوں دروازے بند نہیں کئے تھے، بلکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔

"من تولی شیئا من امر المسلمین فاحتجب عن حاجتہم وفقرھم احتجب اللہ دون حاجتہ"۔ (ترمذی)

⑪ اسلحہ، پہریدار، تلاشی کبر کی علامت ہے۔

⑫ یہ بزدلی ہے۔

اس قسم کے بیسیوں سؤالات واعتراضات کانوں میں پڑتے اور نظروں سے گزرتے رہے، جن کے جواب تحریری، تقریری اور باقاعدہ فتویٰ کی صورت میں مختصراً دیئے جاتے رہے۔

چونکہ یہاں حفاظتی تدابیر کی بنا کوئی گروہی، جماعتی، سیاسی یا دنیوی جھگڑا نہیں بلکہ خالص دینی خصومت تھی اور یہ انتظام واہتمام نقلی وعقلی ہر اعتبار سے نہ صرف جائز بلکہ ضروری تھا، نیز زیادہ تر سؤالات دیندار طبقہ کی طرف سے اٹھائے جاتے رہنے اس لئے مختصر جواب پر اکتفا کیا جاتا رہا لیکن قرائن وشواہد سے برابر احساس ہوتا رہا کہ یہ جوابات فی نفسہٖ مسکت بھی ہیں اور شافی بھی مگر بعض خارجی عوامل مثلاً جہاد سے دوری، قتال فی سبیل اللہ سے اجنبیت، جبن اور بزدلی، اسلحہ سے نفرت وخوف، سیرت نبویہ کے ایک اہم باب و جزء لاینفک کے عدم استحضار نے اُمتِ مسلمہ کے دل ودماغ کو سُن اور اعضاء واعصاب کو شل کرکے رکھ دیا ہے، جس کی وجہ سے اختصار فی نفسہٖ کافی ہونے کے باوجود ناکافی ہو رہا ہے۔

اسی دوران فیصل آباد سے لکھا ہوا حفاظتی تدابیر سے متعلق ایک استفتاء جواب کے لئے سامنے آیا (جس کی "تمہید" اس "تقدیم" کے آخر میں نقل کردی ہے) تو خیال ہوا کہ ایک بار اس کا حکم شرعی قدرے تفصیل سے لکھدیا جائے اور اس میں ان سؤالات کا بھی اضافہ کردیا جائے جو اب تک بصورتِ اعتراض یا استفسار آتے رہے تاکہ مضمون میں ممکن حد تک جامعیت پیدا ہو جائے۔

بتوفیقہ تعالیٰ اس استفتاء میں کئے گئے سؤالات مع اضافات اور ان کے مفصل جوابات آپ کے سامنے ہیں، اُمید ہے طالب حق ومنصف کے لئے یہ تحریر بیش از بیش کافی اور شافی ہوگی، رہا متعنت تو اس کے لئے دفاتر کے دفاتر بھی بے سود بلکہ مضر ہیں، اس لئے وہ اس تحریر کا مخاطب ہی نہیں۔

ایسے ناعاقبت اندیشوں کے اعتراضات کتنے بڑے جلیل القدر علّامہ، کیسے عالی مقام ولی اللہ، کیسے بطل جلیل مجاہد پر ہیں؟

جن کے مندرجہ ذیل کمالات کا دنیا بھر میں شہرہ ہے اور موافق ومخالف سبھی میں مسلمات بلکہ بدیہیات اور عام زبان زد۔

(۱) علوم کے تعمق و وسعت میں سمندر، بحر ناپیدا کنار۔

(۲) عمل میں ایسی مضبوطی اور تصلّب کہ جبلِ استقامت۔

(۳) ولایت عظمیٰ، تعلق مع اللہ، تقوی و توکل میں شہرۂ آفاق اور عوام و خواص میں ضرب المثل۔

(۴) آپ کی شجاعت، بیباکی، حق گوئی، دین کے خلاف ہر بڑے سے بڑے فتنہ کی سرکوبی اور دنیا بھر میں کفار سے برسر پیکار مجاہدین کی سرپرستی نے بفضل اللہ تعالیٰ دنیا بھر میں کفر، شرک، الحاد، زندقہ اور فسق و فجور کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا کر دیا ہے اور انکی بنیادیں ہلا کر رکھدی ہیں۔

(۵) دَورِ حاضر کے اکثر علماء اور مفتیان کرام آپکے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہیں یا شاگردوں جیسے۔

پھر اعتراضات بھی کیسے؟ جو نقلاً قرآن و حدیث کے ذخائر و اجماع امت کے خلاف اور عقلاً بدیہیّات، پوری دنیا کے مسلمات اور خود اپنے روزمرہ کے عام حالات، اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں شب و روز کے معمولات کے خلاف۔

ان حالات کی روشنی میں وجہ اعتراضات کی تشخیص کچھ مشکل نہیں، درحقیقت وجہ وہی ہے جو حضرت امام اعظم اور آپکے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ کی مخالفت شدیدہ کی تھی، ان ائمہ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مخالفین ان کے کمالات عالیہ اور دنیا میں مقبولیت پر حسد کی آگ سے جل رہے تھے، کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

محسودون وشر الناس کلهم

من عاش فی الناس یوما غیر محسود

"ان پر حسد کیا جا رہا ہے، اور سب لوگوں سے بدترین وہ شخص ہے جس پر کبھی کوئی ایک دن بھی ایسا گزرا ہو جس میں اس پر حسد نہ کیا گیا ہو۔"

اگر صـ۶۷ پر مندرج "درس عبرت" پڑھ کر بھی آنکھوں پر پردۂ تعنت کا یہی حال رہا تو مزید عذاب عظیم کا انتظار کیجئے۔ فتربصوا انا معکم متربصون

ستبدی لك الایام ما کنت جاهلا ویأتیك بالاخبار من لم تزود

ویأتیك بالاخبار من لم تبع له بتاتا ولم تضرب له وقت موعد

عبد الرحیم

۲۷ ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ہجری

مسلح پہرہ ــــــــ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں :

یہاں پنجاب سے کچھ دوست کراچی گئے اور انھوں نے جمعہ کی نماز حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ کی مسجد میں ادا کی ، وہاں انھوں نے چند نئی چیزیں دیکھیں ، انھوں نے مجھ سے اس بارہ میں سوالات کئے جو آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں ، آپ براہ کرم شریعت کی روشنی میں ان سوالات کا تفصیل سے جواب دیجیے ۔

(.............. فیصل آباد)





تقدیم میں مذکورہ وجوہ اور سائل کی خواہش کی بناء پر جواب قدرے تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

کیا مسلّح پہرہ خلافِ توکل ہے؟

اعتراض نمبر ۱:

مفتی صاحب ایک متقی اور اللہ والے انسان ہیں اللہ والوں کی اللہ خود حفاظت کرتا ہے اور اللہ والوں کو اللہ کی ذات پر خوب توکل بھی ہوتا ہے، لیکن حضرت مفتی صاحب نے اپنی حفاظت کے لئے اتنے مسلح باڈی گارڈز رکھے ہوئے ہیں، کیا ان کو اپنے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ نہیں؟

دفاعی انتظامات کو خلافِ توکل سمجھنا الحاد ہے

جواب:

دشمنانِ اسلام، زنادقہ و ملاحدہ سے بچاؤ کے لئے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کو خلافِ توکل سمجھنا بے دینی اور الحاد ہے کوئی صحیح العقل والدماغ مسلمان اسکا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

جہاد و قتال فی سبیل اللہ فرائض قطعیہ بدیہیہ متواترہ میں سے ہے جو بدون اختیار اسباب دحفاظتی تدابیر و اسلحہ کے نہیں ہوسکتا، اس لئے حفاظتی تدابیر کو خلافِ توکل سمجھنا درحقیقت جہاد کی فرضیت بلکہ اس کے وجود ہی سے انکار ہے، جہاد و قتال میں اقدام سے زیادہ دفاع کو اہمیت ہے، جو دفاع نہ کرے وہ جہاد کر ہی نہیں سکتا۔

دنیا بھر کے مسلمات میں سے ہے کہ ہر ملک ہر جگہ ہر شعبہ میں اجتماعی و انفرادی تمام محکموں میں حفاظتی تدابیر کو اہمیت دی جاتی ہے۔

اہمیت کے لحاظ سے سب سے مقدم ایمان ہے پھر جان پھر عزت بہرحال، سب سے مؤخر اور گھٹیا چیز مال کی حفاظت کے لئے کتنے جتن اور کیا کچھ اسباب اختیار کئے جاتے ہیں۔

مگر دنیا کا کوئی ذی شعور انسان اسے نہ تو خلافِ توکل سمجھتا ہے نہ خلافِ مروت،

شرعاً بھی مال کی حفاظت مامور بہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من قتل دون ماله فهو شهید. (رواه احمد فی المسند ص ۲۲۱ ج ۲)

"جو اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔"

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قاتل دون مالك حتی تحوز مالك او تقتل فتكون من شهداء الآخرة۔

(حدیث صحیح رواه احمد اتحاف العباد ص ۱۲۴)

"اپنے مال کے دفاع میں (قتال کرنا پڑے تو) قتال (بھی) کرو یہاں تک کہ اپنے مال کی حفاظت کر لو یا پھر قتل کر دیئے جاؤ تو تمہیں آخرت میں شہداء کی فہرست میں شمار کر لیا جائے گا۔"

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

جاء رجل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله ارأیت ان جاء رجل یرید اخذ مالی قال فلا تعطه مالك قال ارأیت ان قاتلنی قال قاتله قال ارأیت ان قتلنی قال فانت شهید قال ارأیت ان قتلته قال هو فی النار (صحیح مسلم ص ۸۱ ج ۱)

"ایک صحابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا:

"اگر کوئی شخص مجھ سے میرا مال چھیننے کی کوشش کرنے تو کیا کروں؟"

آپ نے فرمایا:

"اسے مت دو۔"

اس نے عرض کیا:

"اگر وہ مجھ سے قتال شروع کر دے تو؟"

فرمایا:

"تم بھی اس سے قتال کرو۔"

عرض کیا:

"اگر وہ مجھے قتل کر دے؟"

فرمایا:

"پھر تم شہید ہو گے۔"

عرض کیا:

"اگر میں اسے قتل کر ڈالوں؟"

فرمایا:

"وہ جہنم میں گیا"

جس اسلام نے سب سے کمتر چیز یعنی مال کی حفاظت کا حکم دیا ہے اس اسلام میں عزت، جان اور ایمان کی حفاظت اور اس کے لئے اختیار اسباب کیسے خلاف توکل ہو سکتے ہیں ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

دفاع کی اہمیت اور ترک دفاع کے بھیانک نتائج

فقہاء حنفیہ کے سرخیل امام جصاص رازی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۳۷۰ھ فرماتے ہیں:

والذی یدل علی ان هذا الحکم (ترك الدفع) غیر ثابت فی شریعة النبی صلی اللہ علیہ وسلم وان الواجب علی من قصده انسان بالقتل ان علیه قتله اذا امكنه وانه لا یسعه ترك قتله مع الامكان قوله تعالیٰ: (وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما فان بغت احداهما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء الی امر اللہ) فامر اللہ بقتال الفئة الباغیة ولا بغی اشد من قصد انسان بالقتل بغیر استحقاق فاقتضت الآیة قتل من قصد قتل غیره بغیر حق ـ

وقال تعالیٰ: (ولکم فی القصاص حیوة) فاخبران فی ایجابه القصاص حیاة لنا لان القاصد لغیره بالقتل متی علم انه یقتص منه کف عن قتله وهذا المعنی موجود فی حال قصده لقتل غیره لان فی قتله احیاء لمن لا یستحق القتل ـ

وقال تعالیٰ: (وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة) فامر بالقتال لنفی الفتنة ومن الفتنة قصده قتل الناس بغیر حق (الی ان قال)

وقد روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اخبار مستفیضة "من قتل دون نفسه فهو شهید ومن قتل دون اهله فهو شهید ومن قتل دون ماله فهو شهید" (الی) فاخبر صلی اللہ علیہ وسلم ان الدافع عن نفسه واهله وماله شهید ولا یکون مقتولا دون ماله الا وقد قاتل دونه ویدل علیه قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ: "من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلك اضعف الایمان" فامر بتغییر

المنكر باليد واذا لم يمكن تغييره الا بقتله فعليه ان يقتله بمقتضى ظاهر قول النبى صلى الله عليه وسلم ولا نعلم خلافا ان رجلا لو شهر سيفه على رجل ليقتله بغير حق ان على المسلمين قتله فكذلك جائز للمقصود بالقتل قتله وقد قتل على ابن ابى طالب رضى الله عنه الخوارج حين قصدوا قتل الناس واصحاب النبى صلى الله عليه وسلم معه موافقون له عليه وقد روى عن النبى صلى الله عليه وسلم آثار فى وجوب قتلهم (الى) وقد تلقتها السلف بالقبول واستعملتها فى وجوب قتلهم وقتالهم وروى ابوبكر بن عياش قال: حدثنا ابوالاحوص عن سماك عن قابوس بن ابى المخارق عن ابيه قال: " قال رجل يا رسول الله! الرجل يأتينى يريد مالى قال ذكره الله تعالى قال فان لم يذكر قال استعن عليه من حولك من المسلمين قال فان لم يكن حولى منهم قال فاستعن عليه السلطان قال فان نأى عنى السلطان قال قاتل دون مالك حتى تمنع مالك او تكون شهيدا فى الآخرة.

وذهب قوم من الحشوية الى ان على من قصده انسان بالقتل ان لا يقاتله ولا يدفعه عن نفسه حتى يقتله (الى) ولو كان الامر فى ذلك على ما ذهبت اليه هذه الطائفة من حظر قتل من قصد قتل غيره ظلما والامساك عنه حتى يقتل من يريد قتله لوجب مثله فى سائر المحظورات اذا اراد الفاجر ارتكابها من الزنا واخذ المال ان نمسك عنه حتى يفعلها فيكون فى ذلك ترك الامر بالمعروف و النهى عن المنكر واستيلاء الفجار وغلبة الفساق والظلمة ومحو آثار الشريعة وما اعلم مقالة اعظم ضررا على الاسلام والمسلمين من هذه المقالة ولعمرى انها ادّت الى غلبة الفساق على امور المسلمين واستيلائهم على بلدانهم حتى تحكموا فحكموا فيها بغير حكم الله وقد جرّ ذلك ذهاب الثغور وغلبة العدو حين ركن الناس الى هذه المقالة فى ترك قتال الفئة الباغية والامر بالمعروف والنهى عن المنكر والانكار على الولاة والجوار والله المستعان (الى) قال ابوبكر: ذكر ابن رستم عن محمد عن ابى حنيفة رحمهما الله تعالى انه قال فى اللص ينقب البيوت يسعك قتله لقوله صلى الله عليه وسلم: " من قتل دون ماله فهو شهيد " ولا يكون شهيدا الا وهو مأمور بالقتال ان امكنه فقد تضمن ذلك ايجاب قتله اذا قدر

علیہ وقال ایضا فی رجل یرید قلع سنك قال: فلك ان تقتلہ اذا کنت فی موضع لایعینك الناس علیہ (احکام القرآن للجصاص الرازی ص ۴۰۱ تا ۴۰۳ ج ۲)

وقال الجصاص رحمہ اللہ تعالی: وازالتہ (ای المنکر) بالید تکون علی وجوہ منہا ان لایمکنہ ازالتہ الا بالسیف وان یأتی علی نفس فاعل المنکر فعلیہ ان یفعل ذلك کمن رأی رجلا قصدہ او قصد غیرہ بقتلہ او باخذ مالہ او قصد الزنی بامرأۃ اونحو ذلك وعلم انہ لاینتہی ان انکرہ بالقول او قاتلہ بما دون السلاح فعلیہ ان یقتلہ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ" فاذا لم یمکنہ تغییرہ بیدہ الا بقتل المقیم علی ھذا المنکر فعلیہ ان یقتلہ فرضا علیہ (احکام القرآن للجصاص ص ۳۱ ج ۲)

وقال الجصاص الرازی رحمہ اللہ تعالی ایضاً: ولم یدفع احد من علماء الامۃ وفقہائہا سلفہم وخلفہم وجوب ذلك (ای الدفاع) الا قوم من الحشو وجہال اصحاب الحدیث فانہم انکروا قتال الفئۃ الباغیۃ والامر بالمعروف والنہی عن المنکر بالسلاح وسموا الامر بالمعروف والنہی عن المنکر فتنۃ اذا احتیج فیہ الی حمل السلاح وقتال الفئۃ الباغیۃ مع ما قد سمعوا فیہ من قول اللہ تعالی: (فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٓء الی امر اللہ) وما یقتضیہ اللفظ من وجوب قتالہا بالسیف وغیرہ (الی) وانما ینکر علی غیر السلطان بالقول او بالید بغیر سلاح فصاروا شرا علی الامۃ من اعدائہا المخالفین لہا لانہم اقعدوا الناس عن قتال الفئۃ الباغیۃ وعن الانکار علی السلطان الظلم والجور حتی ادی ذلك الی تغلب الفجار بل المجوس واعداء الاسلام حتی ذہبت الثغور وشاع الظلم وخربت البلاد و ذہب الدین والدنیا وظہرت الزندقۃ والغلو ومذاہب الثنویۃ والخرمیۃ والمزدکیۃ والذی جلب ذلك کلہ علیہم ترك الامر بالمعروف والنہی عن المنکر والانکار علی السلطان الجائر واللہ المستعان (احکام القرآن ص ۳۴ ج ۲)

عبارات بالا میں بیان کئے گئے امور اختصار کیساتھ نمبروار

(۱) دین، جان، عزت و مال پر حملہ کے وقت دفاع فرض ہے۔ اور اس کی فرضیت میں کسی کا اختلاف نہیں۔

اعتراض: اگر دفاع فرض ہے تو حضرت ہابیل نے قابیل سے یہ کیوں کہا تھا:

لئن بسطت الیّ یدك لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیك لاقتلك (۵ - ۲۸)

جواب:

ہابیل کے اس قول کا مطلب سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ بیان فرمایا ہے:

معناہ لئن بدأتنی بقتل لم ابدأك به ولم یرد انی لا ادفعك عن نفسی اذا قصدت قتلی۔

فروی انہ قتلہ غیلۃ بان القی علیہ صخرۃ وھو نائم فشدخہ بھا وروی عن الحسن ومجاھد انہ کتب علیھم اذا اراد رجل قتلہ ان یترکہ ولا یدفعہ عن نفسہ، قال ابوبکر: وجائز فی العقل ورود العبادۃ بمثلہ فان کان التأویل ھو الاول فلا دلالۃ فیہ علی جواز ترك الدفع عن نفسہ بقتل من اراد قتلہ وانما فیہ انہ لا یبدأ بقتل غیرہ وان کان التأویل ھو الثانی فھو منسوخ لا محالۃ وجائز ان یکون نسخہ بشریعۃ بعض الانبیاء المتقدمۃ وجائز ان یکون نسخہ بشریعۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم۔ (احکام القرآن للجصاص ص ۴۰۱ ج ۲)

اس تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دو جواب دیئے ہیں:

① حضرت ہابیل کا یہ کلام اقدام سے متعلق ہے نہ کہ دفاع سے، یعنی اگر تمہارے دل میں اقدام کا ارادہ ہو تو ہو، میں تو اقدام نہیں کروں گا، یہ مطلب نہیں تھا کہ دفاع بھی نہیں کروں گا، چنانچہ روایات میں ہے کہ ہابیل کو سوتے میں اچانک قتل کیا گیا۔

② اور اگر ہابیل کا مقصد ترک دفاع ہی لیا جائے تو یہ ہماری شریعت میں منسوخ ہو چکا ہے۔

② وجوب دفاع کے دلائل:

① قولہ تعالیٰ: فقاتلوا التی تبغی (۴۹ - ۹)

اور اس سے بڑی کیا بغاوت اور سرکشی ہو سکتی ہے کہ کسی انسان کو ناحق قتل کیا جائے۔

② قولہ تعالیٰ: ولکم فی القصاص حیٰوۃ (۲ - ۱۷۹)

قصاص بھی تو دفاع ہے، جب قاتل کو معلوم ہو جائے کہ مجھے بھی قصاصاً قتل کیا

جائے گا تو وہ اقدام قتل سے باز رہے گا، بالکل یہی صورت حال بوقت قصد قتل بھی ہے کہ دفاع اور مزاحمت کے وجوب کی وجہ سے اسے قتل کیا جا سکتا ہے۔

③ قولہ تعالیٰ: قاتلوھم حتّٰی لا تکون فتنۃ (۲-۱۹۳)

لوگوں کا ناحق قتل کرنا بہت بڑا فتنہ ہے اور دفاع فتنے کا علاج ہے۔

④ حدیث: من قتل دون نفسہ فھو شھید، الخ

یعنی جو نفس، اہل اور مال کی وجہ سے مارا جائے وہ شہید ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ یہ مارا جانا دفاع ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

⑤ حدیث: من رأی منکم منکرًا فلیغیّرہ بیدہ

"جب تم کوئی منکر دیکھو تو اسے اپنے ہاتھ سے بدلو۔"

دین، جان، عزت اور مال پر حملہ کرنا بہت بڑا منکر ہے، لہٰذا اگر یہ تغییر بدون قتل نہ ہو سکتی ہو تو قتل کرنا ہی متعین اور فرض ہے، بلکہ ہمارے علم کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ اگر کوئی شخص کسی پر ہتھیار سے حملہ آور ہو تو دوسرے مسلمانوں پر حملہ آور کا قتل فرض ہے۔

⑥ حدیث: ایک شخص نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! کوئی میرے مال کو چھیننا چاہے تو میں کیا کروں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اسے نصیحت کرو۔"

صحابی نے عرض کیا:

"اگر وہ نصیحت حاصل نہ کرے تو؟"

آپ نے فرمایا:

"اس کے خلاف اپنے اردگرد کے مسلمانوں سے مدد لو۔"

صحابی نے عرض کیا:

"اگر وہاں مسلمان نہ ہوں تو؟"

آپ نے فرمایا:

"بادشاہ وقت سے مدد لو۔"

صحابی نے عرض کیا :

"یہ بھی نہ ہوسکے تو ؟"

آپ نے فرمایا :

"اپنے مال کے دفاع کے لئے قتال کرو، یہانتک کہ اپنے مال کو بچالو یا پھر شہید ہوجاؤ۔"

(۷) خوارج نے جب لوگوں کے قتل کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو قتل کرایا اور اس عمل سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم متفق تھے۔

(۳) پوری اُمت کے علماء وفقہاء سلف وخلف سب کے سب وجوب دفاع کے قائل ہیں ہاں حشویہ کا ایک گروہ اور ظاہریہ میں سے (بہت ہی) جاہل قسم کے لوگ وجوب دفاع کے قائل نہیں، وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بالسلاح کے منکر ہیں اور اسے فتنہ گردانتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات خوب واضح ہیں کہ فتنہ کو ختم کرنے کے لئے اسلحہ کا استعمال ناگزیر ہے، اس میں غفلت دین و دنیا دونوں کی تباہی کا باعث۔

(۴) جو لوگ وجوب دفاع بالسلاح کے قائل نہیں وہ پوری امت کے مجرم ہیں اور اسلام کے دشمن، ان کے اس ایک جملے نے کہ "دفاع واجب نہیں" امت مسلمہ کو بڑی بڑی تباہیوں اور بربادیوں سے دوچار کردیا ہے۔

(۵) صلحاء پر فساق و فجار کا تسلط مجوسیوں اور دیگر اعداء اسلام کا تغلب، سرحدوں کا سکڑجانا، ظلم کا عام ہوجانا، مملکت اسلامیہ کا ویران ہوجانا دین و دنیا کا رخصت ہوجانا، زندقہ والحاد اور مختلف قسم کی گمراہیوں کا ظہور سب دفاع بالسلاح کے چھوڑنے کی وجہ سے ہوا۔

(۶) میرے (امام ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے) نزدیک اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے جو کچھ کیا گیا اس میں سب سے زیادہ نقصان دہ یہ کلمہ ہے۔ یعنی ترک دفاع بالسلاح اھ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

فالعدو الصائل الذی یفسد الدین والدنیا لاشیء اوجب بعد الایمان من دفعہ۔
(اتحاف العباد ص۱۸)

"وہ دشمن جو دین اور دنیا (یعنی دین کی وجہ سے جان) پر حملہ آور ہو تو ایمان کے بعد (فرائض اسلام میں سے) پہلا فرض اس کا دفاع ہے۔"

دشمنان اسلام سے دین واہل دین، بالخصوص علماء حق کی حفاظت کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا فرض اور بلاشبہہ نہایت اہم فرض ہے، اس کی فرضیت اور اختیار اسباب کا خلاف توکل نہ ہونا عقل ونقل، قرآن وحدیث، اجماع، تعامل امت وتعامل خلفاء راشدین سے اس قدر واضح اور بدیہی ہے کہ اس پر دلائل قائم کرنا دوپہر کے وقت چمکتے سورج پر دلائل پیش کرنا ہے مگر "تقدیم" میں مذکورہ وجوہ کے پیش نظر ذیل میں قرآن، حدیث، آثار صحابہ وتابعین، اقوال فقہاء ومجتہدین وتعامل خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی نصوص پیش کی جاتی ہیں۔

ویسے تو قرآن میں دو سو سے زائد آیات جہاد وقتال ہیں اور جہاد وقتال بدون اختیار اسباب نہیں ہوسکتا تاہم یہاں ان میں سے چند آیات نقل کی جاتی ہیں جن میں صراحۃً اختیار اسباب کا حکم ہے۔

دشمنانِ اسلام کیلئے بہتر سے بہتر ہتھیار تیار رکھا کرو

(۱) واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم وآخرین من دونھم لا تعلمونھم اللہ یعلمھم (۸-۶۰)

"اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہوسکے ہتھیار اور پلے ہوئے گھوڑے اور دوسرا سامان درست رکھو (کیونکہ) اس کے ذریعہ سے تم رعب جمائے رکھوگے ان پر جو کہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے، ان کو اللہ ہی جانتا ہے۔"

"آخرین من دونھم" کی ایک تفسیر جنات وشیاطین سے کی گئی ہے، اس تفسیر کی تایید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ جس گھر میں دین سے دفاع کے لئے اسلحہ ہو اس میں شیطان نہیں آسکتا۔

حفاظتی تدابیر کا حکم :

(۲) یایھا الذین اٰمنوا خذوا حذرکم فانفروا ثبات او انفروا جمیعا (٤-٧١)

"اے ایمان والو! (پہلے) اپنے بچاؤ کی تدبیر کرو پھر (ان سے مقابلہ کے لئے) متفرق طور پر نکلو یا مجتمع ہوکر۔"

حفاظت کے لئے اسلحہ و دیگر تدابیر کا حکم :

(۳) ولیأخذوا حذرھم واسلحتھم (۴-۱۰۲)

"اور وہ (مسلمان میدان جہاد میں بوقت صلاۃ الخوف) اپنا دفاع اور اسلحہ مضبوط رکھیں۔"

اسلحہ سے غفلت تباہی و بربادی ہے :

(۴) ودّ الذین کفروا لو تغفلون عن اسلحتکم وامتعتکم فیمیلون علیکم میلۃ واحدۃ (حوالہ بالا)

"یہ کفار چاہتے ہیں کہ تم اپنے اسلحہ واسباب سے غفلت اختیار کرلو پھر یکبارگی تم پر سخت حملہ کردیں۔"

پہرے کا حکم :

(۵) یایھا الذین اٰمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا (۳ : ۲۰۰)

"اے ایمان والو! خود صبر کرو اور مقابلے میں ڈٹے رہو اور (اسلام واہل اسلام کے دفاع کے لئے) پہرہ دو۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا سب سے ممتاز باب جہاد و قتال فی سبیل اللہ کا ہے، اگر سیرت سے جہاد کو نکال دیا جائے تو سیرت کے چند اوراق بچ جاتے ہیں آٹھ سالہ قلیل عرصہ میں آپ نے ستائیس جنگوں کی بنفس نفیس کمان کی اور ستر سے زائد جنگوں کے منصوبے بنا کر مجاہدین کے لشکر بھیجے، اس سے اندازہ لگائیں کہ اسلام میں دفاع کس قدر اہم ہے۔

ذیل میں چند احادیث ونصوص فقہ لکھی جارہی ہیں جن میں کفر کو دبانے کے لئے اختیار اسباب کا حکم بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

رائفل اور دیگر فائرنگ کے آلات رکھنے کا حکم:

(۶) عن عقبة بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو علی المنبر یقول: واعدوا لھم ما استطعتم من قوة الا ان القوة الرمی الا ان القوة الرمی الا ان القوة الرمی (صحیح مسلم ص ۱۴۳ ج ۲)

"حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے سنا:

اور ان کفار کے لئے اپنی استطاعت کے موافق قوت تیار کرکے رکھو، خبردار تیر اندازی ہی (اصل) قوت ہے، خبردار! تیر اندازی ہی قوت ہے، خبردار! تیر اندازی ہی قوت ہے۔"

فائرنگ سیکھنے کا حکم:

(۷) عن سلمة بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: مرّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی نفر من اسلم ینتضلون فقال ارموا بنی اسمٰعیل فان اباکم کان رامیا وانا مع بنی فلان الخ (صحیح بخاری ص ۴۰۶ ج ۲)

"حضرت سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر صحابہ کرام کی ایک جماعت پر ہوا جو تیر اندازی کی مشق کر رہی تھی، آپ نے فرمایا: اے بنی اسمٰعیل! تیر اندازی کیا کرو، تمہارے ابا (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی) بڑے (ماہر) تیر انداز تھے۔"

تیر اندازی (فائرنگ) کا ہنر بڑے نفع کی چیز ہے:

(۸) عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ رفعہ قال: علیکم بالرمی فانہ خیر او من خیر لھوکم۔ رواہ البزار والطبرانی فی الاوسط وسندھما جید قوی۔

(الترغیب للمنذری ص ۲۷۸ ج ۲)

"حضرت سعد (فن تیر اندازی کے سرخیل) رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

اپنے اوپر تیر اندازی کو لازم کرلو کیونکہ تیر اندازی بڑے نفع کی چیز ہے۔"

فائرنگ سیکھ کر بھلا دینا یا چھوڑ دینا نافرمانی ہے:

(۹) عن عقبة بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من علم الرمی ثم ترکہ فلیس منا او قد عصی (صحیح مسلم ص ۱۴۳ ج ۲)

"حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں: جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں، یا آپ نے یہ فرمایا کہ اس نے نافرمانی کی۔"

فائدہ:

تیر اندازی کے فضائل بے شمار ہیں، حضرت والا کے "سفر نامہ جہاد افغانستان" میں اس پر مستقل باب رکھا گیا ہے جس میں بیسیوں احادیث مع ترجمہ منقول ہیں، یہ سفر نامہ (مفصل) کتابت کے آخری مراحل میں ہے۔

پہرے کے فضائل:

(۱۰) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: عینان لا تمسهما النار عین بکت من خشیة اللہ وعین باتت تحرس فی سبیل اللہ۔ (رواہ الترمذی وقال: حدیث حسن غریب ص ۲۵۴)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی، دوسری وہ آنکھ جو رات بھر جہاد میں پہرہ دیتی اور جاگتی رہی۔"

شب قدر سے افضل رات

(۱۱) عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الا انبئکم لیلة افضل من لیلة القدر حارس حرس فی ارض خوف لعلہ ان لا یرجع الی اھلہ۔ (رواہ الحاکم وقال: صحیح علی شرط الشیخین ووافقہ الذھبی)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا:

کیا میں تم کو ایسی رات نہ بتاؤں جو (ثواب کے اعتبار سے) لیلۃ القدر سے (بھی) افضل ہے (یعنی وہ رات جس میں) پہریدار ایسے خوفناک علاقہ میں پہرہ دے جہاں اس کی زندگی خطرہ میں ہو۔

فائدہ:

جہاد میں پہرے کے بڑے بڑے فضائل ہیں، حضرت اقدس کے ”سفرنامہ جہاد افغانستان“ میں اس پر مستقل رسالہ ہے جو بیس سے زائد صحیح حدیثوں پر مشتمل ہے۔

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مسلح محافظ

ایسا منظر جس کی نظیر آسمان و زمین پیش کرنے سے عاجز:

(۱۲) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس واجود الناس واشجع الناس قال وقد فزع اھل المدینۃ لیلۃ سمعوا صوتا قال فتلقاھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی فرس لابی طلحۃ عری وھو متقلد سیفہ فقال لم تراعوا لم تراعوا ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجدتہ بحرا یعنی الفرس۔

(صحیح بخاری ص۴۲۶ ج۱)

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بھر کے حسینوں سے زیادہ حسین اور دنیا بھر کے سخیوں سے زیادہ سخی اور دنیا بھر کے بہادروں سے زیادہ بہادر تھے (اس کا مشاہدہ جنگوں کے علاوہ بے شمار مواقع میں ہوتا رہا من جملہ ان کے یہ ہے کہ) ایک رات اہل مدینہ کسی خوفناک آواز پر گھبرا اٹھے، مقابلہ کے لئے خطرہ کی طرف نکلے تو (کیا دیکھتے ہیں کہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہیں گلے میں اپنی تلوار پہنے خطرہ کا جائزہ لے کر واپس تشریف لا رہے ہیں اور فرماتے جا رہے ہیں مت گھبراؤ، مت گھبراؤ (یعنی میں دیکھ آیا ہوں ڈرنے کی بات نہیں) پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے اس گھوڑے کو چلنے میں سمندر (کی طرح) پایا۔“

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے پر زین

کے بغیر تھے، محدثین کہتے ہیں کہ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ماہر گھڑ سوار تھے نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امیر لشکر بذات خود بھی حالات کا جائزہ لے۔

کیا مسلح پہرہ خلاف سنت ہے؟

اعتراض نمبر ۲:

مسلح پہرہ خلاف سنت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلح پہرہ داروں کا رکھنا کہیں پڑھا نہ سنا، فرمان الٰہی ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

"اللہ کے رسول تمہارے لئے (تمام حالات میں) بہترین نمونہ ہیں"۔

اور ارشاد نبوی ہے: علیکم بسنتی

"میری سنت کو لازم پکڑو"

کیا علماء کے لئے یہ حکم نہیں؟

مسلح پہرہ کو خلاف سنت سمجھنا جہالت ہے

جواب:

یہ سمجھنا کہ مسلح پہرہ خلاف سنت ہے اور یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں مسلح پہرہ نہیں احادیث کا انکار، حقائق کی تکذیب یا پھر پرلے درجے کی جہالت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور سیرت کی کتابیں اور جہاد کی احادیث مسلح پہرہ سے پُر ہیں، اب ان میں سے چند احادیث پیش کی جاتی ہیں، قارئین احادیث "حراست" پڑھ کر ایک مرتبہ سوال کی عبارت پھر پڑھیں تاکہ صورت سؤال کی سنگینی کا اچھی طرح احساس ہو سکے۔ ع

شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات

آج ہماری پہریداری کون کریگا:

(۱۳) عن ابی ریحانۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ فاتینا ذات یوم علی شرف فبتنا علیہ فاصابنا برد شدید

حتّی رأیت من یحفر فی الارض حفرة یدخل فیها ویلقی علیه الحجفة یعنی الترس فلما رأی ذلك رسول الله صلی الله علیه وسلم من الناس قال من یحرسنا اللیلة وادعو له بدعاء یکون فیه فضل فقال رجل من الانصار انا یارسول الله قال ادنه فدنا فقال من انت فتسمی له الانصاری ففتح رسول الله صلی الله علیه وسلم بالدعاء فاکثر منه قال ابوریحانة فلمّا سمعت ما دعا به رسول الله صلی الله علیه وسلم فقلت انا رجل آخر قال ادنه فدنوت فقال من انت فقلت ابوریحانة فدعا بدعاء وهو دون ما دعا للانصاری ثم قال حرمت النار علی عین دمعت او بکت من خشیة الله وحرمت النار علی عین سهرت فی سبیل الله عزوجل الخ

رواه احمد واللفظ له ورواته ثقات للنسائی ببعضه والطبرانی فی "الکبیر" و"الاوسط" والحاکم، وقال: صحیح الاسناد (الترغیب للمنذری ص ۲۵۱ ج ۲)

"حضرت ابوریحانہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم ایک جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات بسر کرنے ایک اونچی جگہ پر ٹھہرے، بہت سخت سردی تھی اتنی کہ سردی سے بچاؤ کے لئے مجاہدین گڑھے کھود کر سر پر ڈھال رکھے زمین میں گھسنے لگے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کا یہ حال دیکھا تو فرمایا:

"آج ہماری پہریداری کون کرے گا؟ میں اس کے لئے بڑی فضیلت کی دعا کروں گا"

ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں پہرہ دونگا، فرمایا قریب ہوجاؤ، وہ قریب ہوگئے، فرمایا تم کون ہو؟ انصاری نے تعارف کروایا پھر آپ نے انصاری کے لئے دعا شروع کی اور بہت زیادہ دُعائیں دیں، ابوریحانہ کہتے ہیں دعائیں سن کر (میرے منہ میں بھی پانی بھر آیا) میں نے عرض کیا کہ میں بھی پہرہ دونگا، آپ نے قریب بلاکر دریافت فرمایا تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا ابوریحانہ، پھر آپ نے میرے لئے بھی دعائیں فرمائیں مگر انصاری کی بنسبت کم، پھر فرمایا جہنم کی آگ اس آنکھ پر حرام کردی گئی جو اللہ کے خوف سے روئی اور اس آنکھ پر بھی جو جہاد میں جاگی (یعنی پہرہ دیا)

آج رات ہمارا محافظ کون ہوگا؟ :

(۱۴) عن سهل بن الحنظلية رضي الله تعالى عنه انهم ساروا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم حنين (الى) ثم قال: من يحرسنا الليلة؟ قال انس بن ابي مرثد الغنوي انا يا رسول الله (الى) فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: استقبل هذا الشعب حتى تكون في اعلاه ولا نغرن من قبلك الليلة -(الى) فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: هل نزلت الليلة قال لا الا مصليا او قاضي حاجة فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: قد اوجبت فلا عليك ان لا تعمل بعدها- رواه ابوداؤد والنسائي، الترغيب للمنذري ص ۲۵۲ ج ۲، واخرجه البيهقي وابونعيم كما في المنتخب (حياة الصحابة ص ۸۸ ج ۲)

"حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "غزوۂ حنین" میں ایک شب فرمایا:
"آج کی رات ہمارا محافظ کون ہوگا؟"
انس بن مرثد غنوی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں پہرہ دونگا، آپ نے فرمایا فلاں جگہ کے بالائی حصہ پر پہرہ دو اور دیکھنا تمہاری جانب سے ہم کہیں دشمن سے دھوکہ نہ کھاجائیں (بوقت صبح) آپ نے پہریدار سے پوچھا: تم رات میں گھوڑے سے نیچے بھی اُترے؟ عرض کیا نہیں مگر نماز اور قضاء حاجت کے لئے، آپ نے فرمایا "تم نے جنت واجب (الاٹ) کرالی، آج کے بعد تم کوئی نیک کام نہ بھی کرسکے تو پروا نہیں۔"

آج رات ہمارا پہریدار کون ہوگا؟ :

(۱۵) عن جابر رضي الله تعالى عنه (وفيه) فقال: من يكلؤنا ليلتنا؟ فانتدب رجل من المهاجرين ورجل من الانصار قال فكونا بفم الشعب قال فلما خرج الرجلان الى فم الشعب اضطجع المهاجري وقام الانصاري يصلي واتى الرجل فلما رأى شخصه عرف انه ربيئة للقوم فرماه بسهم فوضعه فيه فنزعه حتى رماه بثلاثة اسهم ثم ركع وسجد ثم انبه صاحبه فلما عرف انهم قد نذروا به هرب فلما رأى المهاجري ما بالانصاري من الدم قال سبحان الله الا انبهتني اول ما رمي قال كنت

فی سورۃ اقرؤھا فلم احب ان اقطعھا (سنن ابی داؤد ص۲۰ ج ۱)

واخرج ابن اسحق وغیرہ: وھما عمار بن یاسر وعباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنھما (حیاۃ الصحابۃ ص۹ ج ۲)

"ایک غزوہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"

"آج کی رات کون ہماری پہریداری کریگا؟"

آپ کی اس آواز پر ایک مہاجر اور ایک انصاری نے لبیک کہی آپ نے فرمایا:

"دونوں اس گھاٹی کے منہ پر پہرہ دو"

جب دونوں گھاٹی کے منہ پر پہنچ گئے تو مہاجر لیٹ گئے اور انصاری نماز میں مشغول ہوگئے، دشمن نے انکے تیر مارا جوان کے جسم میں پیوست ہوگیا، انھوں نے اس کو کھینچ کر نکالدیا، حتی کہ ان کو تین تیر لگے، اس کے باوجود انھوں نے نماز پوری کرکے اپنے ساتھی کو جگایا تو دشمن بھاگ گیا، مہاجر نے انصاری پر خون دیکھا تو کہا: "سبحان اللہ! آپ نے مجھے پہلا ہی تیر لگنے پر کیوں نہیں جگایا؟" انھوں نے کہا: "میں ایک سورت پڑھ رہا تھا اس کو درمیان میں چھوڑنا پسند نہ کیا"

یہ دو خوش نصیب حضرت عمار بن یاسر اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہما تھے"

صدیق اکبر نبوت کے محافظ، نرالی شان

(۱۶) عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال: ایھا الناس اخبرونی من اشجع الناس؟ قالوا انت یا امیر المؤمنین قال اما انی ما بارزت احدا الا انتصفت منہ ولکن اخبرونی باشجع الناس قالوا لا نعلم فمن؟ قال: ابوبکر، انہ لما کان یوم بدر جعلنا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عریشا فقلنا من یکون مع رسول اللہ لئلا یھوی الیہ احد من المشرکین فواللہ ما دنا منہ احد الا ابوبکر شاھرا بالسیف علی رأس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یھوی الیہ احد الا اھوی الیہ فھذا اشجع الناس۔ اخرجہ البزار، المجمع ص ۴۶ ج ۹ (حیاۃ الصحابۃ ص ۱۲۴ ج ۲)

"ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لوگو! بتاؤ سب

سے بہادر کون ہے ؟ لوگوں نے کہا امیر المؤمنین آپ ہی ہیں ، فرمایا نہیں ، بتاؤ سب سے بہادر کون ہیں ؟ لوگوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں آپ ہی ارشاد فرمائیں ، فرمایا :

ابوبکر

(اس کی دلیل یہ ہے کہ) غزوۂ بدر کے دن ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چھپر بنا دیا تھا پھر ہم نے اعلان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بطور محافظ کون ہوگا ؟ اللہ کی قسم کسی نے بھی اس خطرناک کام کے لئے حامی نہیں بھری سوائے ابوبکر کے ، ابوبکر تلوار سونتے آپ کے سر پر چاق چوبند کھڑے پہرہ دیتے رہے ، جب بھی کوئی مشرک آپ کی طرف آنا چاہتا حضرت ابوبکر اس پر (عقاب کی طرح) جھپٹ پڑتے اور اسے مار بھگاتے ۔"

عمر فاروق نبوت کے مسلح محافظ

(۱۷) قال الامام المحدث الحافظ الثقة الثبت عمر بن شبة النمیری البصری ۱۷۳ھ-۲۶۲ھ حدثنا حرمی بن عمارة (قال ابن معین صدوق کما فی الخلاصة للخزرجی ص ۶۵) عن محمد بن ابراھیم الھاشمی -

عن ادریس الاودی عن ابیہ قال : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی فی الحجر قام عمر بن الخطاب علی رأسہ بالسیف (تاریخ المدینۃ لابن شبۃ ج ۱ ص ۳۰)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حطیم میں نماز ادا فرماتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار سونتے آپ کے سر پر کھڑے پہرہ دیا کرتے ۔"

فتح مکہ میں نبوت کے محافظ :

(۱۸) عن ھشام عن ابیہ : لما سار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفتح فبلغ ذلک قریشا خرج ابوسفیان بن حرب وحکیم بن حزام وبدیل ابن ورقاء یلتمسون الخبر (الی) فرأھم ناس من حرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فادرکوھم فاخذوھم فاتوا بھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسلم ابوسفیان الخ (صحیح بخاری ص ۶۱۳ ج ۲)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ میں ابھی مکہ نہیں پہنچے تھے کہ اہل مکہ کو آپ کے حملہ اور لشکر کشی کا علم ہوگیا، قریش کے سردار ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء تینوں لشکر اسلام کا جائزہ لینے نکلے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظوں نے ان کو دیکھ لیا، محافظین ان کو پکڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، ابوسفیان فوراً مشرف باسلام ہوئے" الخ

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

"بعض روایات میں ہے کہ ان محافظوں میں امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے"

مدینۂ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلح پہرہ

(١٩) بوّب الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ بباب الحراسۃ فی الغزو فی سبیل اللہ ثم روی عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقول: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سہر فلما قدم المدینۃ قال لیت رجلا من اصحابنا صالحا یحرسنی اللیلۃ اذ سمعنا صوت سلاح فقال من ھذا فقال انا سعد بن ابی وقاص جئت لاحرسک فنام النبی صلی اللہ علیہ وسلم (وفی روایۃ) حتی سمعنا غطیطہ (صحیح البخاری باب الحراسۃ ص ٤٠٤ ج ١ وباب التمنی ص ١٠٧٤ ج ٢، وزاد ابن شبۃ: سہر فقلت مالک یا رسول اللہ الخ، تاریخ المدینۃ ص ٣٠٠ ج ١، صحیح مسلم ص ٢٨٠ ج ٢)

قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی الحدیث الاخذ بالحذر والاحتراس من العدو وان علی الناس ان یحرسوا سلطانا خشیۃ القتل وفیہ الثناء علی من تبرع بالخیر وتسمیتہ صالحا وانما عانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذلک مع قوۃ توکلہ للاستنان بہ فی ذلک وقد ظاہر بین درعین مع انہم کانوا اذا اشتد البأس کان امام الکل وایضا فالتوکل لا ینافی تعاطی الاسباب لان التوکل عمل القلب وھی عمل البدن وقد قال علیہ الصلاۃ والسلام اعقلہا وتوکل الخ (فتح الباری ص ٦١ ج ٦)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جاگتے رہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ فکرمند کیوں ہیں؟ فرمایا کاش میرے صحابہ میں سے کوئی رجل صالح مجھ پر پہرہ دیتا، اتنے میں ہم نے ہتھیار کی آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: کون ہیں؟ عرض کیا: سعد بن ابی وقاص ہوں (ایک روایت میں ہے کہ میں نے اپنے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خطرہ محسوس کیا) پہرہ کے لئے حاضر ہوا ہوں، اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے اطمینان سے سوئے کہ ہم نے آپ کے خراٹے سُنے۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مسائل ثابت ہوئے:

(۱) حفاظتی تدابیر اختیار کرنا۔

(۲) دشمن سے دفاع کے لئے پہرہ دینا۔

(۳) لوگوں پر اپنے بڑوں کی حفاظت کا لازم ہونا۔

(۴) پہرہ دینے والے کا لائق ثنا رہونا۔

(۵) پہریدار کو لسانِ نبوت سے "صالح" کا لقب عطا رہونا۔

(۶) دوسروں کا اس سنت نبویہ پر عمل پیرا ہونا۔

(۷) اختیار اسباب کا توکل کے خلاف نہ ہونا۔

مدینہ میں قیس بن سعد کی پہریداری کا معمول:

(۲۰) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ان قیس بن سعد کان یکون بین یدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلۃ صاحب الشرطۃ من الامیر (صحیح البخاری ص ۱۰۵۹ ج ۲، جامع الترمذی ص ۵۴۸ ج ۲، ورواہ ابن حبان فی "صحیحہ"، فتح الباری ص ۱۱۹ ج ۱۳، نیل الاوطار ص ۲۸۱ ج ۸)

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (یا آگے آگے) بطور محافظ رہا کرتے تھے۔"

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم فرمایا:

باب احتراز المصطفی من المشرکین فی مجلسه اذا دخلوا
یعنی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین سے حفاظت کا بندوبست کرنا۔
(فتح الباری، نیل الاوطار جلد وصفحہ بالا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے نیزہ بردار:

(۲۱) باب حمل العنزة والحربة بین یدی الامام یوم العید
" عید کے دن امام کے آگے آگے نیزہ اٹھا کر چلنے کا بیان"

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغدو الی المصلی والعنزة بین یدیہ تحمل وتنصب بالمصلی بین یدیہ فیصلی الیہا (صحیح بخاری ص ۱۳۳ ج ۱)

وعنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا خرج یوم العید امر بالحربة فتوضع بین یدیہ فیصلی الیہا والناس وراءہ وکان یفعل ذلک فی السفر فمن ثم اتخذها الامراء (صحیح بخاری ص ۷۱ ج ۱)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے روز نماز کے لئے تشریف لے جاتے تو ساتھ نیزہ اٹھانے کا حکم فرماتے، نیزہ بردار آپ کے آگے آگے ہوتا پھر اسی نیزہ سے سترہ کا کام (بھی) لیا جاتا، حکام کا مروجہ طریقہ اسی سنت سے مأخوذ ہے"

قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی الحدیث الاحتیاط للصلاۃ واخذ آلة دفع الاعداء لاسیما فی السفر (فتح الباری ص ۴۷۳ ج ۱)

جبل حدیث حافظ ابن حجر شارح صحیح بخاری فرماتے ہیں:

"اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ باہر جاتے ہوئے دشمنوں سے دفاع کے لئے ہتھیار ساتھ ہونا چاہئے اور سفر میں بطور خاص اس کا اہتمام کرنا چاہیئے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے لٹھ بردار:

(۲۲) قال ابن شیبة حدثنا عبد اللہ بن رجاء قال: حدثنا المسعودی عن القاسم قال: کان عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یلبس النبی صلی اللہ علیہ وسلم نعلیہ

ثم یأخذ العصا فیمشی امامہ الخ (تاریخ المدینۃ ص ۳۰۳ ج ۱)

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعلین شریف پہناتے پھر آپ کا عصائے مبارک لیکر آگے آگے چلتے الخ"

منبر رسول پر بلال حبشی کی پہریداری کا دلکش نظارہ :

عن الحارث بن حسان قال : قدمت المدینۃ فرأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قائما علی المنبر وبلال قائم بین یدیہ متقلد سیفہ واذا رأیۃ سوداء فقلت : من هذا فقال : هذا عمرو بن عاص قدم من غزاۃ (سنن ابن ماجۃ ص ۲۰۲)

(۲۳) قال ابن شبۃ عن الحارث بن حسان البکری قال : قدمت المدینۃ فاذا النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر واذا بلال متقلد بالسیف واذا رأیات سود فقلت : ماهذہ الرأیات قالوا : هذا عمرو بن العاص قدم من غزوۃ ذات السلاسل (تاریخ المدینۃ ص ۳۰۱ ج ۱)

"حضرت حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو میں نے یہ منظر دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہیں اور (ساتھ) بلال گلے میں تلوار لٹکائے کھڑے ہیں، کچھ سیاہ جھنڈے ہیں میں نے لوگوں سے پوچھا یہ جھنڈے کیا ہیں ؟ لوگوں نے بتایا : یہ حضرت عمرو بن العاص ہیں جو "غزوۂ ذات السلاسل" سے واپس لوٹے ہیں ، (یہ جھنڈے ان کے مجاہدین کے ہیں)"

ریاض الجنۃ میں اسطوانۂ حارس :

(۲۴) قال العلامۃ السمهودی رحمہ اللہ تعالیٰ : ومنها اسطوان المحرس ویسمی اسطوان امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یحییٰ : ...... قال جعفر بن عبداللہ بن الحسین : ان هذہ المحرس کان علی بن ابی طالب یجلس فی صفحتها التی تلی القبر مما یلی باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحرس النبی صلی اللہ علیہ وسلم (وفاء الوفاء ص ۴۴۸ ج ۱)

"مسجد نبوی میں "ریاض الجنۃ" کے ستونوں میں ایک ستون "اسطوان المحرس" یا "اسطوان امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ" کے نام سے مشہور ہے اس لئے

کہ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دیا کرتے تھے۔"

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان:

(۲۵) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحرس حتی نزلت ھذہ الآیۃ (واللہ یعصمک من الناس) رواہ الترمذی قال الحافظ: واسنادہ حسن (فتح الباری ص ۶۰ ج ۶)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہرہ کا معمول آیت واللہ یعصمک من الناس کے نزول تک برقرار رہا۔"

مدینہ طیبہ میں باری باری صحابہ کرام کا پہرہ دینا:

(۲۶) عن محمد بن کعب القرظی قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتحارسہ اصحابہ فانزل اللہ تعالیٰ (یا یھا الرسول ..... الخ)"

(۲۷) عن عبداللہ بن شقیق: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعتقبہ ناس من اصحابہ فلما نزلت (واللہ یعصمک من الناس) خرج فقال یایھا الناس الحقوا بملاحقکم فان اللہ قد عصمنی۔

(تاریخ المدینۃ ص ۳۰۴ ج ۱، تفسیر الطبری ص ۱۹۹ ج ۶)

"حضرت محمد بن کعب اور عبداللہ بن شقیق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر باری باری پہرہ دیا کرتے تھے، جب آیت واللہ یعصمک من الناس نازل ہوگئی تو آپ نے (حجرۂ مبارکہ) سے نکل کر ارشاد فرمایا: لوگو! اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ بیشک اللہ نے میری حفاظت کا وعدہ فرمالیا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کے وقت صحابہ کا اردگرد پہرہ دینا

(۲۸) واخرج ابو نعیم فی الدلائل عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاینام الا ونحن حولہ من مخافۃ الغوائل حتی نزلت آیۃ العصمۃ (الدر المنثور ص ۲۹۸ ج ۲)

"حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطرہ

کے پیش نظر اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک کہ ہم آپ کے ارد گرد نہ آجاتے، یہ معمول آیت "عصمت" کے نزول تک رہا۔"

آپکے چچا جان حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی محافظین میں :

(۲۹) واخرج الطبرانی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: کان العباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیمن یحرسہ فلما نزلت (واللہ یعصمک من الناس) ترک الحرس۔ (تفسیر المظہری ص ۱۴۵ ج ۳)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بھی آپ کے محافظوں میں تھے آیت "عصمت" کے نزول پر پہرہ چھوڑ دیا گیا۔"

(۳۰) واخرج ایضا عن عصمۃ بن مالک الخطمی رضی اللہ عنہ قال: کنا نحرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باللیل حتی نزلت (واللہ یعصمک من الناس) فترک الحرس (تفسیر المظہری ص ۱۴۵ ج ۳)

"حضرت عصمۃ بن مالک خطمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہرہ دیا کرتے تھے پھر جب آیت واللہ یعصمک من الناس نازل ہوئی تو پہرہ ترک کر دیا گیا۔"

(۳۱) عن الادرع السلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: جئت لیلۃ احرس النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا رجل قراءتہ عالیۃ الخ (سنن ابن ماجۃ ص ۱۱۲)

حضرت ادرع سلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دینے حاضر ہوا تو وہاں ایسا شخص پایا جس کی قرارت بلند تھی پھر اسکا انتقال ہوگیا، جنازہ اٹھایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے ساتھ نرمی (واکرام) کا معاملہ کرو، اللہ نے بھی اسکے ساتھ نرمی کی ہے کیونکہ یہ اللہ اور اسکے رسول سے (بڑی) محبت رکھتا تھا، پھر جب اسکے لئے قبر کھودنے لگے تو آپ نے فرمایا اس کی قبر (ذرا) وسیع کردو اللہ نے اس پر وسعت کی ہے .... یہ اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ (بڑی) محبت رکھتا تھا۔

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان :

(۳۲) عن ابی موسی رضی اللہ عنہ قال: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان

یحرسہ اصحابہ فقمت ذات لیلۃ فلم أرہ فی منامہ فاخذنی ما قدم وما حدث فذھبت انظر فاذا انا بمعاذ قد لقی الذی لقیت ..." الخ

(مسند احمد ص ۴۰۷ ج ۴ الفتح الربانی ص ۱۳۱ ج ۲۴)

"حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دیا کرتے تھے، ایک رات پہرہ کی غرض سے در دولت پر حاضر ہوا تو آپ کو اپنی خواب گاہ میں نہ پاکر بڑا پریشان ہوا اور نئے پرانے خطرات کے خیالات نے مجھے گھیر لیا، میں آپ کو ادھر ادھر ڈھونڈنے نکلا تو میری ملاقات حضرت معاذ بن جبل سے ہوئی، معلوم ہوا وہ بھی پہرہ کے لئے آئے تھے اور آپ کو ڈھونڈنے میں پریشان و سرگرداں ہیں۔

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے محافظ:

(۳۳) ان عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ غدا یوم عرفۃ من منی فسمع التکبیر عالیا فبعث الحرس یصیحون فی الناس ایھا الناس انھا التلبیۃ۔

(موطأ مالک ص ۳۴۹)

"خلیفہ عادل و راشد امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے ذی الحجہ کی نویں کو منیٰ کی صبح کے وقت لوگوں کو بلند آواز سے تکبیر کہتے سنا، آپ نے اپنے محافظین کو بھیج کر یہ اعلان فرمایا:

لوگو! یہ تلبیہ پڑھنے کا وقت ہے (خالی تکبیر کا نہیں)"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہرہ آخر عمر تک رہا

قال بیہقی الوقت القاضی ثناء اللہ الفانی فتی رحمہ اللہ تعالیٰ: قیل: نزلت ھذہ الآیۃ بعد ما شج رأسہ، لان سورۃ المائدۃ من أخر القرآن نزولا۔

وقال المحدث الشھیر والمفسر الکبیر الحافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ: والصحیح ان ھذہ الآیۃ مدنیۃ بل ھی من اواخر ما نزل اللہ بھا واللہ اعلم

(تفسیر ابن کثیر ص ۷۹ ج ۲)

وقال العلامۃ القسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ : وھو (ای قولہ یحرس حتی نزلت) یقتضی انہ لم یحرس بعد ذلک بناء علی سبق نزول الآیۃ لکن ورد فی عدۃ اخبار انہ حرس فی بدر واحد والخندق ورجوعہ من خیبر وفی وادی القریٰ وعمرۃ القضیۃ وفی حنین فکان الآیۃ نزلت متراخیۃ عن وقعۃ حنین الخ

(ارشاد الساری ص ۸۶ ج ۵)

حافظ ابن کثیر اور قاضی صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ کی تصریحات بالا سے ثابت ہوا کہ آیۃ واللہ یعصمک من الناس ان آیتوں میں سے ہے جن کا نزول بالکل آخر میں ہوا جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہرہ کا معمول اواخر عمر تک رہا۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان کے مطابق بھی پہرہ "غزوہ حنین" تک ثابت ہے جو اس کی دلیل ہے کہ آیت "غزوہ حنین" کے بعد اتری ہے۔

اس تمامتر تفصیل کا حاصل یہ ہوا کہ نزول آیت پہرہ کے معمول کے لئے ناسخ ہے مگر مشہور مفسر و محدث علامہ قرطبی رحمہ اللہ اس رائے سے متفق نہیں، وہ فرماتے ہیں :

"لیس فی الآیۃ ما ینافی الحراسۃ کما ان اعلام اللہ بنصر دینہ واظہارہ ما یمنع الامر بالقتال واعداد العدد وعلی ھذا فالمراد العصمۃ من الفتنۃ والاضلال او ازھاق الروح" (فتح الباری ص ۶۱ ج ۶، عمدۃ القاری ص ۱۷۰ ج ۱۴)

یعنی جس طرح اللہ کا یہ وعدہ کہ ہم دین اسلام کو غالب کر کے رہیں گے فی سبیل اللہ کے معارض نہیں، اسی طرح یہ آیت بھی "حراست" (پہرہ) کے منافی نہیں، آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتنہ وغیرہ سے بچائیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظین

تفصیل مذکور سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور پہریداری کی سعادت عظمیٰ باری باری سب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حاصل کرتے تھے لیکن بعض حضرات کو یہ دولت خصوصی طور سے میسر آئی وہ خوش قسمت جاں نثار یہ ہیں :

(۱) امیر المؤمنین حضرت ابو بکر (۲) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق
(۳) امیر المؤمنین حضرت علی (۴) حضرت زبیر بن العوام

(۵) حضرت عباس	(۶) حضرت سعد بن ابی وقاص
(۷) حضرت ابوطلحہ	(۸) حضرت عبداللہ بن مسعود
(۹) حضرت بلال	(۱۰) حضرت ابوذرغفاری
(۱۱) حضرت سعد بن معاذ	(۱۲) حضرت حذیفہ
(۱۳) حضرت عمار	(۱۴) حضرت ابوایوب
(۱۵) حضرت محمد بن مسلمہ	(۱۶) حضرت قیس بن سعد
(۱۷) حضرت عباد بن بشر	(۱۸) حضرت انس بن مرثد
(۱۹) حضرت ابوریحانہ	(۲۰) حضرت ذکوان بن عبد قیس
(۲۱) حضرت عصمۃ بن مالک خطمی	(۲۲) حضرت ادرع سلمی

(۲۳) حضرت محجن بن ادرع رضی اللہ عنھم اجمعین وارضاھم

(ارشاد الساری، حاشیۂ صحیح بخاری کتاب التمنی، فتح الباری، عمدۃ القاری، تفسیر مظہری، درمنثور، طبری، تاریخ مدینہ، حیاۃ الصحابۃ)

اسلحہ اور دہشت گردی

اعتراض نمبر۳:

دارالافتاء والارشاد میں اسلحہ کی نمائش اور اس کا خوب مظاہرہ ہوتا ہے علماء کے پاس اسلحہ ہونا دین کے لئے فتنہ اور دین کی رہی سہی عظمت کو خاک میں ملانے کے مترادف ہے آج اسلحہ غنڈوں اور بدمعاشوں کا شعار بن چکا ہے جس کی وجہ سے علماء کے پاس اسلحہ کا ہونا درحقیقت مسلمانوں کو دین سے مزید متنفر کرنا ہے۔

اسلحہ سے نفرت درحقیقت قرآن و حدیث و سنت نبویہ سے نفرت ہے

جواب:

مسلمانوں پر یہ دور بھی آنے والا تھا جب اسلحہ جیسی عزت، نعمت و محبوب چیز کو

(۱) جو اللہ اور اسکے رسول کا حکم قطعی ہے۔
(۲) جو اسلام کی عزت و عظمت بھی ہے اور قوت و طاقت بھی۔
(۳) جس سے نبی کو والہانہ عقیدت و محبت تھی۔

(۴) جو نبی کی میراث تھی۔
(۵) جسے صحابہ کرام اپنے تن سے رات میں بھی جدا نہیں کرتے تھے۔
(۶) جس کی مشق مسجد نبوی کے اندر ہوتی تھی۔
(۷) جس کی خیرات مسجد نبوی کے اندر ہوا کرتی تھی۔
(۸) جس کو مسجد میں لانے کے آداب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بتایا کرتے تھے۔

قابل نفرت اور اسے دہشت گردی کی علامت سمجھنے لگیں گے عزت کو ذلت اور بلندی کو پستی تصور کرنے لگیں گے۔

ایسے لوگ اگر مخلص ہیں تو ان کو ذرا سے غور سے خوب احساس ہو جائے گا کہ اسلحہ کو غنڈہ گردی اور دہشت گردی کی علامت سمجھنے اور کہنے میں بلاشبہ ایمان خطرہ میں ہے۔

پھر یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ غنڈے اور بدمعاش تو اس عظیم چیز کو حاصل کرکے اسے دین کے خلاف استعمال کریں اور نبی السیف (تلوار والے نبی) کے امتی کہلانے والے اسے چھوڑ کر اسے نفرت و ذلت سمجھنے لگیں۔

کیا اگر بدمعاش لوگ نماز روزہ کرکے اس سے غلط مقاصد نکالنے لگیں تو یہ عقلمندی ہوگی کہ دوسرے مسلمان نماز روزہ چھوڑ کر بیٹھ جائیں اور نماز روزہ کو بدمعاشی اور غنڈہ گردی کہنے لگیں؟

اسلحہ رکھنے کے بارے میں آیات تو کچھ گزر چکی ہیں اب چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

دفاع وجہاد کے آلات اور ہتھیار رکھنے کے فضائل

گھوڑے پر خرچ کرنا صدقہ کرنے کے لئے ایسا ہاتھ پھیلانا ہے جو کبھی بند نہ ہو:

(۳۴) عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

المنفق علی الخیل کالباسط یدہ بالصدقۃ لا یقبضھا (سنن ابی داؤد ص۳۴۱ ج۲)

"حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ارشاد فرمایا: گھوڑے پر خرچ کرنے والا ایسا ہے جیسے کسی نے صدقہ کرنے کے لئے ہاتھ ایسا پھیلا دیا ہو کہ وہ اسے بند ہی نہیں کرتا۔"

جہاد کے گھوڑے کی لید اور پیشاب میزان قیامت میں نماز روزہ کیساتھ

(۳۵) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من احتبس فرسا فی سبیل اللہ ایمانا باللہ وتصدیقا بوعدہ فانّ شبعہ وریّہ وروثہ وبولہ فی میزانہ یوم القیٰمۃ یعنی الحسنات۔

(صحیح بخاری ص ۴۰۰ ج ۱، سنن نسائی ص ۱۰۴ ج ۲)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے اللہ اور اس کے وعدوں پر ایمان و یقین کے ساتھ جہاد (اور اسلام سے دفاع) کے لئے گھوڑا پالا تو اس کا کھانا، پینا، لید اور پیشاب سب قیامت کے دن نیکیوں کے ساتھ تولا جائے گا۔"

اسلام سے دفاع کے لئے ہتھیار عبادت اور ریا و نمود کے لئے وبال

(۳۶) عن اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الخیل فی نواصیھا الخیر معقود ابدا الی یوم القیٰمۃ فمن ارتبطھا عدۃ فی سبیل اللہ وانفق علیھا احتسابا فی سبیل اللہ فان شبعھا وجوعھا وریّھا وظمأھا وارواثھا وابوالھا فلاح فی موازینہ یوم القیمۃ ومن ارتبطھا ریاء وسمعۃ ومرحا وفرحا فان شبعھا وجوعھا وریّھا وظمأھا وارواثھا وابوالھا خسران فی موازینہ یوم القیٰمۃ۔ رواہ احمد باسناد حسن (الترغیب للمنذری ص ۲۶۱ ج ۲)

"حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گھوڑوں کی پیشانی میں ہمیشہ کے لئے خیر رکھ دی گئی ہے (ان سے تا قیامت اسلام و اہل اسلام سے دفاع اور اللہ کا کلمہ بلند ہوتا رہیگا) پس جس نے ان کو جہاد کے لئے تیار کر کے رکھا اور ثواب سمجھ کر ان پر خرچ کیا تو ان کا کھانا، اور پینا، بھوک اور پیاس بول اور براز قیامت کے دن (نیکیوں کے) ترازوؤں میں بڑی وزن دار (نیکیاں) ہونگی اور جس نے دکھاوے اور شہرت، اکڑ اور فخر کے لئے گھوڑا (ہتھیار) رکھا

تواس کا کھانا اور پینا، بھوک اور پیاس، بول اور براز (یہ سب چیزیں بدیوں کے) ترازوؤں میں وبال (ثابت) ہوں گی۔"

اسلحہ سے محبت

(٣٧) عن معقل بن یسار رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: لم یکن شیء احب الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من الخیل ثم قال اللّٰھم غفر الابل النساء۔

رواہ احمد ص٢٧ ج ٥ و رواتہ ثقات (الترغیب للمنذری ص ٢٦٣ ج ٢)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھوڑوں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ تھی، پھر فرمایا بیویوں کے بعد۔"

(کیونکہ بیویاں بھی اسلام و اہل اسلام سے دفاع اور اعلاء کلمۃ اللہ کے اصل ذریعہ جہاد کے ذرائع ہیں، حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک سو نکاح کئے تھے تاکہ مجاہدین زیادہ تعداد میں ہوں)

فائدہ مہمہ

روایات بالا سے ثابت ہوا کہ حفاظت دین و اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر صرف اسلحہ رکھنا ہی عبادت نہیں بلکہ اسلحہ کے تمام مصارف، دیکھ بھال اور صفائی، مرمت سب اعلیٰ درجہ کی عبادت اور میزان قیامت میں بہت وزن دار اور بڑی بھاری حسنات ہیں۔

صحابہ کرام ہر وقت اسلحہ سے لیس:

(٣٨) عن ابیّ بن کعب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: لمّا قدم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واصحابہ المدینۃ اٰوتھم الانصار رمتھم العرب عن قوس واحدۃ وکانوا لایبیتون الّا بالسلاح ولایصبحون الا فیہ (مسند الدارمی)

"حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مدینہ تشریف لائے اور انصار نے انکو ٹھکانہ دیا تو عرب کے تمام قبائل مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے کھڑے ہوگئے، ان

حالات میں صحابۂ کرام رات دن اسلحہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔"

نبوت اور اسلحہ لازم ملزوم

(۳۹) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: بعثت بین یدی الساعۃ بالسیف وجعل رزقی تحت ظل رمحی۔

(مسند احمد ص۵۰ ج۲، صحیح بخاری ص۴۰۸ ج۱)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

"مجھے قیامت سے پہلے تلوار دیکر بھیجا گیا ہے اور میرا (ذریعہ) معاش میرے نیزے کے سایہ کے نیچے رکھا گیا ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دُہری زرہ (بلٹ پروف جیکٹ) استعمال کرنا

(۴۰) کان علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم درعان یوم احد (جامع ترمذی ص۲۶۰ ج۱، سنن ابی داؤد ص۲۵۶ ج۱، سنن ابن ماجۃ ص۲۰۱ ج۱، مسند احمد ص۴۴۹ ج۳)

(۴۱) کان علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم درعان یوم احد ذات الفضول وفضۃ وکان علیہ یوم حنین درعان ذات الفضول والسعدیۃ۔

(شرح الزرقانی ص۳۸۰ ج۳)

"جنگ احد" میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود پر دو زرہیں "ذات الفضول" اور "فضہ" اور "غزوۂ حنین" میں "ذات الفضول" اور "سعدیہ" تھیں۔"

خود (بلٹ پروف جنگی ٹوپی) کا استعمال:

(۴۲) بَابُ لُبْسِ الْبَيْضَةِ

"جنگی ٹوپی استعمال کرنے کا بیان"

عن سھل انہ سئل عن جرح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد فقال جرح وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکسرت رباعیتہ وھشمت البیضۃ علی رأسہ الخ

(صحیح بخاری ص۴۰۸ ج۱)

"غزوۂ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور زخمی ہوا، دندان مبارک شہید ہوئے، جنگی ٹوپی ٹوٹ گئی"

نگاہِ نبوت میں مصارف مال میں سب سے مقدم واہم مصرف

(۴۳) قال عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینفق علی اھلہ نفقۃ سنتھم من ھذا المال ثم یأخذ ما بقی فیجعلہ مجعل مال اللہ (صحیح بخاری ص ۴۳۶ ج ۱، ص ۵۷۵ ج ۲)

(۴۴) عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کانت اموال بنی النضیر مما افاء اللہ علی رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم مما لم یوجف المسلمون علیہ بخیل ولا رکاب فکانت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ، وکان ینفق علی اھلہ نفقۃ سنتہ ثم یجعل ما بقی فی السلاح والکراع عدۃ فی سبیل اللہ۔

(صحیح بخاری ص ۴۰۷ ج ۱)

"حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اموال بنی نضیر سے امہات المؤمنین کے لئے سال کا نفقہ نکال کر بقیہ مال وہاں خرچ کرتے جہاں اللہ کا مال خرچ کیا جاتا ہے"

دوسری روایت میں صراحت ہے کہ باقی ماندہ مال سے آپ ہتھیار، گھوڑے اور جنگی آلات خریدتے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے مال کا اہم و اعظم مصرف (دفاعی بجٹ) جنگی آلات خریدنا ہے۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد پر اسلحہ سے استقبال

(۴۵) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ لعبت الحبشۃ لقدومہ فرحا بذلک لعبوا بحرابھم۔

(سنن ابی داؤد ص ۱۹۳ ج ۲)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حبشہ کے لوگوں نے خوشی میں نیزہ بازی کے ہاتھ دکھائے"

فائدہ: افغانستان کے مجاہدین حضرات علماء و مشایخ اور کمانڈروں کا اسلحہ سے

استقبال کرتے ہیں مذکورہ بالا حدیث سے ان کے اس معمول کی اصل نکلتی ہے۔

اسلحہ مسلمانوں کی عزت ہے جسے وہ اپنے تن سے جدا نہیں کرسکتے

سیف اللہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ "شاہ روم" کے پاس اپنے کچھ قیدیوں کے سلسلہ میں مذاکرات کے لئے تشریف لے گئے، جب بادشاہ کی جائے رہائش کے نزدیک پہنچے تو "جبلہ" سردار لشکر کفار نے کہا:

"اے گروہ عرب! تم اب بادشاہ کی رہائش گاہ تک پہنچ چکے ہو اس لئے اپنے گھوڑوں سے اتر جاؤ اور اپنی تلواریں یہیں رکھ دو۔"

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"گھوڑوں سے تو اتر جائیں گے لیکن تلواریں ہم کبھی نہیں رکھیں گے کیونکہ تلوار ہماری عزت ہے،

کیا ہم اس عزت کو اتار دیں جس کے ساتھ ہمارے نبی کی بعثت ہوئی؟"

(فتوح الشام صفحہ ۱۶۴ طبع کانپور)

جو زیور اللہ کے رسول ہمیں پہنا گئے ہیں اسے نہیں اتارا جاسکتا

فتح ارمینیہ کے موقع پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ مع اپنے کچھ مجاہدین کے بحیثیت سفیر بادشاہ سے بات کرنے کے لئے تشریف لے گئے، جب شاہی محل میں داخل ہوئے تو بادشاہ کے محافظوں نے حضرت خالد اور آپ کے ساتھیوں سے اسلحہ لینا چاہا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

"(تم جانتے نہیں) ہم وہ لوگ ہیں جو اپنی تلواریں غیروں کو نہیں دیا کرتے اور (تم کو یہ بھی اچھی طرح معلوم ہونا چاہئے کہ) ہمارے نبی کی بعثت (ہی) تلوار کے ساتھ ہوئی اور یہ تلوار ہم کو ہمارے نبی ہی پہنا گئے ہیں پس جو شرف ہمیں ہمارے اللہ اور اس کے رسول نے عطا فرمایا اسے ہم اپنے سے ہرگز جدا نہیں کرسکتے۔" (فتوح الشام ص ۱۱۷ ج ۲ طبع مصر)

ہم نے تلواروں سے سرکش اور اہل شرک کا علاج کیا

جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تلوار سمیت شاہی محل میں داخل ہونے لگے تو

بادشاہ کے محافظوں نے آپ کے گلے سے تلوار لینے کی کوشش کی، آپ نے فرمایا:
"میں بغیر تلوار کے داخل ہونے کا نہیں، واپس چلا جاؤں گا مگر تلوار تن سے جدا نہ کروں گا، تمہیں خبر نہیں ہم وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اسلام سے عزت بخشی، ایمان کے ذریعہ نصرت عطا فرمائی، اور تلوار کی برکت سے ہم کو مضبوط کیا اور یہی تو وہ تلواریں ہیں جن کے ذریعہ ہم نے اہل شرک اور سرکش لوگوں کے دماغ درست کر ڈالے ہیں۔" (فتوح مصر ص ۲۲ طبع کانپور)

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ (میراث)

(۴۶) عن عمرو بن الحارث رضی اللہ تعالی عنہ قال: ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا سلاحہ وبغلۃ بیضاء وارضا جعلہا صدقۃ۔ (صحیح بخاری ص ۴۰۸ ج ۱)

وفی روایۃ: ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند موتہ درھما ولا دینارا ولا عبدا ولا امۃ (وفی روایۃ: ولا شاۃ ولا بعیرا) ولا شیئا الا بغلتہ البیضاء وسلاحہ وارضا جعلہا صدقۃ (صحیح بخاری ص۶۴۱ ج ۲، مسند احمد ص۲۷۹ ج ۴، سنن نسائی ص۱۰۵ ج ۲)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کے وقت درہم چھوڑے نہ دینار، غلام نہ باندی، بکری نہ اونٹ نہ کوئی اور چیز مگر اپنے جنگی ہتھیار، سفید خچر اور ایک زمین جسے آپ (پہلے ہی) وقف فرما چکے تھے۔"

یہ خچر بھی جہاد میں آپ کے کام آتا تھا، غزوۂ حنین میں آپ اسی پر سوار تھے۔
حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی حدیث پر یہ عنوان قائم فرمایا ہے:

باب ما جاء فی میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کا بیان"

(شمائل ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور انٹیلی جنس

(۴۷) یہ امر روایات کثیرہ صحیحہ مشہورہ سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگوں سے قبل اور جنگوں کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کفار کے حالات

کا دور، قریب سے اور اندر گھس کر جائزہ لینے کا حکم فرماتے تھے، ویسے بھی فریضۂ جہاد میں یہ شعبہ عقلاً و نقلاً ناگزیر ہے، امام بخاری و دیگر محدثین نے ایسی احادیث پر باب فضل الطلیعۃ " جاسوسی کی فضیلت کا بیان" جیسے عنوان باندھے ہیں۔
(صحیح بخاری صفحہ ۳۹۹ جلد ۱)

احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کی جاسوسی کے لیے زیادہ تر عشرۂ مبشرہ رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔

آج دشمنان اسلام نے مسلمانوں کی ہر شعبہ میں جاسوسی کے لیے سیکڑوں ادارے قائم کر رکھے ہیں مگر مسلمان اس سے یکسر غافل ہیں کاش سنن ومستحبات کے گرویدہ و دلدادہ و مدعیان تقویٰ ان فرائض پر بھی عمل کریں، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

میراث نبوی کی حیرت انگیز تفصیلات

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ تلواروں کے نام

(۴۸) رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیارہ تلواریں تھیں جن میں سے بعض عرب کی مشہور تلواریں بھی تھیں۔

۱ — مَاثُوْر آپ کی تلواروں میں سے سب سے پہلی تلوار ہے جو آپ کو آپ کے والد صاحب کے ترکہ سے ملی۔

۲ — اَلْعَضْب جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کو چلنے لگے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں ھدیۃً پیش کی۔

۳ — ذُوالْفِقار یہ تلوار آپ کی تمام تلواروں میں مشہور ہے۔

یہی وہ تلوار ہے جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "احد" کے روز خواب دیکھا تھا، یہ تلوار عاص بن منبہ کافر کی تھی جو آپ کو بدر کے غنائم میں ملی،

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تلوار سے بڑی محبت تھی، اس کے دستے اور کنڈے پر جڑی چاندی آپ کی اس تلوار کے ساتھ والہانہ محبت کا اعلان تھا۔ یہ تلوار آپ کی ملک میں آنے کے بعد پھر کبھی آپ سے جدا نہ ہوئی۔

۴ — اَلْقُلَعِی یہ آپ کو "قلع" نامی جگہ سے ملی۔

۵ ۔ اَلْبَتَّار　(بہت خوب کاٹنے والی)
۶ ۔ اَلْحَتْف　(موت)
۷ ۔ اَلْمِخْذَم　(کاٹنے والی)
۸ ۔ اَلرَّسُوْب　(جسم میں گھس کر ڈوب جانے والی)
۹ ۔ اَلْقَضِيْب　(تیز دھار والی تلوار)
۱۰ ۔ اَلصَّمْصَامَة　(کاٹنے والی ایسی مضبوط جو کبھی مڑ نہ سکے)
۱۱ ۔ اللَّحِيْف　(ادھیڑنے والی)
(زرقانی صفحہ ۳۷۸، ۳۷۹ جلد ۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہوں (بلٹ پروف جیکٹوں) کی تعداد اور انکے نام

(۴۹)

۱ ۔ ذَاتُ الْفُضُوْل　(لمبائی والی)　حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر کو جاتے ہوئے تحفۃً پیش کی، آپ کے انتقال کے وقت یہی "زرہ" ایک یہودی کے پاس بطور رہن رکھی ہوئی تھی۔

۲ ۔ ذَاتُ الْوِشَاح
۳ ۔ ذَاتُ الْحَوَاشِیْ
۴ ۔ اَلسَّعْدِيَّة　کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زرہ ہے جسے پہن کر انھوں نے جالوت کو جہنم رسید کیا تھا۔
۵ ۔ فِضَّة　۶ ۔ اَلْبَتْرَاء　۷ ۔ اَلْخِرْنِق

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمانوں کی تعداد اور ان کے نام

(۵۰)

۱ ۔ اَلزَّوْرَاء　۲ ۔ اَلرَّوحَاء　۳ ۔ اَلصَّفْرَاء
۴ ۔ شَوْحَط　۵ ۔ اَلْكَتُوْم　۶ ۔ اَلسَّدَاد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکشوں (میگزینوں) کی تعداد اور انکے نام

(۵۱)

۱ ۔ اَلْكَافُوْر　اس میں چاندی کے تین حلقے (کڑے) تھے۔

۲ — اَلْجَمْعُ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھالوں کی تعداد اور انکے نام

(۵۲)

۱ — اَلزَّلُوْقُ (دور رکھنے والی)

۲ — اَلْفُتَقُ ۳ — اَلْمُوْجَزُ ۴ — اَلذَّقَنُ

(زرقانی ص ۳۸۰ ج ۳ ، البدایۃ والنہایۃ ص ۹ ج ۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلموں، برچھیوں اور نیزوں کے نام اور انکی تعداد

(۵۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آٹھ عدد مختلف قسم کی برچھیاں اور نیزے تھے جن میں سے پانچ کے نام مل سکے ہیں۔

۱ — اَلْمُتْوِیْ ۲ — اَلْمُثْنِیْ ۳ — اَلْبَیْضَاءُ یہ نسبتہً بڑا تھا

۴ — اَلْعَنَزَۃُ یہ نیزہ عصا نما نسبتہً چھوٹا نیزہ تھا جو حبشہ کے بادشاہ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں بھی اسے ساتھ رکھتے، اسی سے نماز کے دوران "سترہ" کا کام لیتے، عید کے دن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے نیزہ بردار کے ہاتھ میں یہی نیزہ ہوتا اور اسی کو عید گاہ میں بطور سترہ گاڑ دیا جاتا۔

۵ — اَلسَّغَاءُ (زرقانی ص ۳۸۱ ج ۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خودوں (لوہے کی جنگی ٹوپیوں) کی تعداد اور نام

(۵۴)

۱ — ذَا السَّبُوْغ ۲ — اَلْمُوَشَّحُ

(زرقانی ص ۸۲-۳۸۱ ج ۳)

کیا مسجد میں اسلحہ لانا مسجد کی بے ادبی ہے

اعتراض نمبر ۴:

مسجد اللہ کا گھر اور اسلام کے شعائر میں سے ایک شعار ہے جس کی حرمت قرآن حدیث میں جا بجا مذکور ہے، ایسی مقدس جگہ میں اسلحہ لانا مسجد کے تقدس کے

خلاف اور اس کی حرمت کو پامال کرنا ہے اور اس اسلحہ کا علماء کے ہاتھ میں ہونا مسجد کے ساتھ علم و علماء کی بے وقعتی بھی ہے۔

اسلحہ مسجد و دیگر شعائر اسلام کی زینت و عزت ہے

جواب:

اسلام نے جیسے مسجد کو مقدس و محترم قرار دیا ہے اسی طرح اسلحہ کو بھی مکرم و معظم و لائق محبت فرمایا ہے۔

قرآن و حدیث و سیرت نبویہ و سیرت صحابہ کرام سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلحہ مسجد اور مسجد کے علاوہ دیگر تمام شعائر اسلام کا بھی محافظ اور مقدس ہے۔

اسلحہ کو مسجد اور علماء کی بے ادبی قرار دینا درحقیقت انگریزوں کے لگائے ہوئے جہاد دشمنی کے پودے کا برگ و بار ہے جو انھوں نے مسلمانوں کی عزت، آبرو، جان و مال پر ڈاکہ ڈالنے اور فتوحات صحابہ کرام کا انتقام لینے کے لئے لگایا تھا اور جس کی آبیاری کے لئے "مرزا قادیانی دجال" کو مبعوث کیا، افسوس آج بہت سے مسلمان اسی پودے کے برگ و بار بنے ہوئے ہیں اور جو اس نعمت (لعنت) سے محروم رہے وہ اس درخت کی شاخوں اور ٹہنیوں پر "اُلّو" بنے بیٹھے مسلمان بہن بیٹیوں کی عزت و آبرو لٹنے کا نظارہ کر رہے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عزت و آبرو، دین و ایمان کی حفاظت کے لئے جو چیز دے گئے تھے آج مسلمان سب کچھ لٹوا کر بھی اسی ترکہ و میراث نبوی پر تھوک رہے ہیں العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔

آئیے دیکھیں کہ کیا اسلحہ واقعی مسجد کے تقدس کے خلاف ہے؟

صحاح ستہ کی روایات ملاحظہ ہوں:

مسجد میں اسلحہ

مسجد نبوی میں اسلحہ سے جہاد کی مشق:

(۵۵) قال الامام البخاری: باب اصحاب الحراب فی المسجد ثم قال:

حدثنا (الی) عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا قالت: لقد رأیت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم یوما علی باب حجرتی والحبشۃ یلعبون فی المسجد۔ وفی روایۃ:
یلعبون بحرابھم (صحیح بخاری ص ۶۵ ج ۱)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز حبشہ کے لوگ مسجد نبوی میں نیزہ بازی (کی مشق) کر رہے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ان کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔"

قال القسطلانی: بخلاف ما ترجم لہ فیما سبق من لعب الحبشۃ بالحراب والدرق یوم العید للتدریب والادمان لاجل الجہاد مع الامن والایذاء۔

(ارشاد الساری ص ۲۱۳ ج ۲) (ومثلہ فی فتح الباری ص ۴۵۷ ج ۱)

"علامہ قسطلانی شارح صحیح بخاری فرماتے ہیں:
"یہ جہاد کی تمرین ومشق تھی۔"

مسجد میں اسلحہ لانے کے آداب:

(۵۶) عن بردۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من مرّ فی شیء من مساجدنا او اسواقنا بنبل فلیأخذ علی نصالھا لا یعقر بکفہ مسلما۔

(صحیح بخاری ص ۶۴ ج ۱)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص تیر کے ساتھ مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہئے وہ اس کے پھل پر کوئی بندش لگا کر رکھے مبادا کسی کو زخمی کر دے۔"

اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ مسجد یا مجمع میں بندوق لیجانے والا گولی "چیمبر" میں نہ رکھے۔

اسلحہ میں مسجد وغیر مسجد برابر ہے:

(۵۷) عن ابی موسی عن ابیہ (الی) فقال (ای النبی صلی اللہ علیہ وسلم): اذا دخلتم مساجد المسلمین واسواقہم او اسواق المسلمین ومساجدھم ومعکم من ھذہ النبل شیء فامسکوا بنصولھا لا تصیبوا احدا من المسلمین فتؤذوہ او تجرحوہ۔

(مسند احمد ص ۴۱۳ ج ۴، سنن ابی داؤد ص ۳۵۶ ج ۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب مسجدوں یا بازاروں

میں تیر سمیت جاؤ تو اس کے پھل کو پکڑے رکھو تاکہ کسی مسلمان کو زخم یا ایذاء نہ پہنچے۔"

فعلم ان المراد من المرور الدخول ولذا بوب ابوداود بباب فی النبل یدخل به المسجد

قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: فی الحدیث جواز ادخال المسجد السلاح۔
(فتح الباری ص ۴۵۵ ج ۱)

"حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ مسجد میں ہتھیار لانا جائز ہے۔"

مسجد میں اسلحہ خیرات کرنا

(۵۸) عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انہ امر رجلا کان یتصدق بالنبل فی المسجد ان لا یمر بھا الا وھو آخذ بنصولھا (صحیح مسلم ص ۳۲۸ ج ۲)

"ایک صحابی مسجد میں تیر صدقہ کر رہے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا کہ ان کے پھلوں کو پکڑ کر رکھو تاکہ کوئی زخمی نہ ہو جائے۔"

اللہ اپنی رحمت سے وہ وقت لائے جب امتِ مسلمہ کو اسلحہ سے اس قدر لگاؤ ہو جائے کہ ہتھیاروں کا صدقہ اور اسلحہ کی خیرات ہونے لگے۔

مسجد میں اسلحہ کے ساتھ خطبہ دینا:

(۵۹) باب الخطبۃ علی القوس

فاقمنا بھا ایاما شھدنا فیھا الجمعۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام متوکئا علی عصا او قوس فحمد اللہ الخ (ابوداود ص ۱۰۹ ج ۱)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصا یا کمان پر ٹیک لگا کر خطبہ دیا۔"

اسلحہ کے ساتھ خطبۂ عید:

(۶۰) عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما کان یوم الاضحی اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم البقیع نُنوِّلُ قوسا فخطب علیھا۔
(مصنف عبد الرزاق ص ۲۸۷ ج ۳)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان پر سہارا لگا کر عید کا خطبہ دیا۔"

خطیب ہاتھ میں ہتھیار رکھے :

(۶۱) قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ :

و (یخطب) الامام (بسیف فی بلدۃ فتحت بہ) کمکۃ (والا لا) کالمدینۃ وفی الحاوی القدسی اذا فرغ المؤذنون قام الامام والسیف فی یسارہ وھو متکئ علیہ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ :

(قولہ فتحت بہ الخ) ای بالسیف لیریھم انھا فتحت بالسیف فاذا رجعتم عن الاسلام فذلک باق فی ایدی المسلمین یقاتلونکم حتی ترجعوا الی الاسلام۔ (رد المحتار ص ۷۶۳ ج ۲، الفتاوی التاتارخانیۃ ص ۶۰ ج ۲، البحر الرائق ص ۱۴۸ ج ۱، الفتاوی الھندیۃ ص ۱۴۸ ج ۱)

"جو علاقہ جہاد سے فتح ہو وہاں خطیب ہاتھ میں تلوار لے کر خطبہ دے لوگوں کو یہ جتلانے کے لئے کہ یہ علاقہ تلوار سے فتح کیا گیا ہے، اگر لوگ اسلام سے پھرتے ہیں تو وہ یہ سوچ لیں کہ ابھی تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں یہ تلوار موجود ہے جو اسلام سے انحراف کرنے والوں کا دماغ درست کردے گی"

تنبیہ :

بعض روایات میں حرم اور عید کے دن ہتھیار لے کر چلنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، حافظ ابن حجر، حافظ عینی، علامہ قسطلانی ودیگر شارحین حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کے دو محمل بیان فرمائے ہیں :

(۱) ازدحام اور بھیڑ کی وجہ سے ہتھیار سے زخم یا ایذا پہنچ سکتی ہے یہ وجہ خود احادیث میں موجود ہے۔

(۲) فخر و ریار کی نیت،

لیکن دشمنوں سے خطرہ ہو تو بلا کراہت جائز ہے چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وقال الحسن : نھوا ان یحملوا السلاح یوم العید الا ان یخافوا

عدوا ۔ (صحیح البخاری ص ۱۳۲ ج ۱)

ومثلہ فی المصنف عن الضحاک مرسلا (المصنف لعبد الرزاق ص ۲۸۹ ج ۳)

"حسن بصری اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو عید کے دن ہتھیار لیکر چلنے سے منع کیا گیا الا یہ کہ دشمن سے خطرہ ہو (تو حفاظت کی خاطر اسلحہ لے جانا جائز ہے)"

غرضیکہ خطرہ کی صورت میں تو بہرحال جائز ہے، خطرہ نہ ہو تو اس شرط سے کہ کسی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ چنانچہ عید کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے تو آپ کے آگے آگے نیزہ بردار ہوتا امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے:

باب حمل العنزة والحربة بین یدی الامام یوم العید

"عید کے دن امام کے آگے آگے نیزہ اٹھا کر چلنے کا بیان"

قال القسطلانی: النھی عند خوف التأذی بہ۔

(ارشاد الساری ص ۲۲۰ ج ۲)

یعنی ممانعت صرف ایذاء کے اندیشہ کے پیش نظر ہے۔

اور یہی محمل ہے ان روایات کا جن میں مسجد کے اندر تلوار نیام سے نکالنے اور ہتھیار کو مسجد میں الٹنے پلٹنے سے منع فرمایا گیا۔

کیا مساجد میں حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے حفاظتی انتظامات کئے؟

اعتراض نمبر ۵:

مسجد میں حفاظتی انتظامات اور مسلح پہرہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم، تابعین، ائمہ مجتہدین وسلف صالحین کے طریقہ کے خلاف ہے۔

مساجد میں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حفاظتی تدابیر

جواب :

یہ کہنا کہ حفاظتی بندوبست طریقہ سلف سے متصادم ہے حدیث، سیرت و تاریخ سے ناواقفیت پر مبنی ہے روایات ذیل ملاحظہ ہوں۔

خیر القرون میں مسجد کے اندر حفاظتی کمرے

امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور مسجد نبوی میں حفاظتی مقصورہ (مورچہ)

(٦٢) قال العلامة السمهودی رحمہ اللہ تعالیٰ :

الفصل الخامس عشر فی المقصورة التی اتخذها عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی المسجد وما کان من امرها بعده۔

روی ابن زبالة وابن شبّة عن عبد الرحمٰن بن سعد عن اشیاخه انّ اوّل من عمل المقصورة بلبن عثمان بن عفان وانه کانت فیه کوی ینظر الناس منها الی الامام وانّ عمر بن عبد العزیز هو الذی جعلها من ساج حین بنی المسجد۔

روی الاول ایضا عن عیسی بن محمّد بن السائب ومحمّد بن عمرو بن مسلم بن السائب بن خبّاب وعمر بن عثمان بن عبد الرحمٰن انّ عثمان بن عفان اوّل من وضع المقصورة من لبن واستعمل علیها السائب بن خبّاب وکان رزقه دینارین فی کلّ شهر فتوفی عن ثلاثة رجال مسلم وبکیر وعبد الرحمٰن فتواسوا فی الدینارین فجریا فی الدّیوان علی ثلاثة منهم الی الیوم۔

(تاریخ المدینة ص ٦ ج ١ للحافظ الثقة الامام ابن شبة ١٧٣-٢٦٢ھ)

قال ابن زبالة :

وقال مالك بن انس : لمّا استخلف عثمان بعد مقتل عمر بن الخطاب عمل عثمان مقصورة من لبن فقام یصلی فیها للناس خوفا من الذی اصاب عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ وکانت صغیرة۔

وروی یحیی هذا کلّه فی زیادة عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وفاء الوفاء

للسمهودی المتوفی ۹۱۱ھ ص ۱۱۵ ج ۲)

"متعدد روایات میں یہ منقول ہے کہ مسجد نبوی میں حفاظتی کمرہ سب سے پہلے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بنوایا تھا جس کی نگرانی ماہانہ دو دینار کی تنخواہ پر سائب بن خباب کو سونپی گئی۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو آپ نے حفاظتی کمرہ بنوایا، آپ اسی میں لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے اس خطرہ کے پیش نظر جو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی صورت میں وقوع پذیر ہو چکا تھا۔ یہ مقصورہ بہت چھوٹا تھا"

امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

اور مسجد میں مسلح پہرہ اور حفاظتی کمرہ

(۶۳) واما صاحب معاویة وھو البرك، فانہ حمل علیہ وھو خارج الی صلوۃ الفجر فی ھذا الیوم، فضربہ بالسیف، وقیل: بخنجر مسموم، فجاءت الضربة فی ورکہ فجرحت الیتہ، ومسك الخارجی فقتل، وقد قال لمعاویة: اترکنی فانی ابشرك ببشارة، فقال: وما ھی؟ فقال: ان اخی قد قتل فی ھذا الیوم علیؓ بن ابی طالبؓ قال: فلعلہ لم یقدر علیہ، قال: بلی انہ لاحرس معہ فامر بہ فقتل (الی) ومن حینئذ عملت المقصورة فی المسجد الجامع وجعل الحرس حولھا فی حال السجود فکان اول من اتخذھا معاویة لھذہ الحادثة (البدایة والنھایة ص ۳۳۰ ج ۷، والکامل لابن الاثیر ص ۳۹۲ ج ۳، شرح مسلم للنووی ص ۲۸۸ ج ۱)

وفی تاریخ الامم:

وامر معاویة عند ذلك بالمقصورات وحرس اللیل وقیام الشرط علی رأسہ اذا سجد (الطبری ص ۱۱۵ ج ٤)

"جب تین خارجیوں نے حضرت علی، حضرت عمرو بن العاص، حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہم کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا، طے یہ پایا کہ بوقت فجر جیسے ہی یہ حضرات نماز کے لئے نکلیں گے تو (نعوذ باللہ) اپنے اس ناپاک منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچادیں گے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے نائب خارجۃ بن حذافہ شہید کر دیئے گئے، برک نامی خارجی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قتل اپنے ذمّہ لیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نماز فجر کے لئے نکلے تو "برک" نے تلوار یا خنجر سے آپ پر حملہ کیا لیکن خارجی جلد ہی پکڑا گیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے (تعزیرًا) قتل کا حکم دیا تو وہ کہنے لگا۔ آپ مجھے قتل نہ کریں کیونکہ میں آپ کو بڑی خوشخبری سُناتا ہوں وہ یہ کہ آج میرے ہی ایک بھائی نے علی بن ابی طالب کا کام تمام کر دیا (چونکہ حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلافات تھے تو یہ احمق سمجھا کہ شاید حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس خبر سے خوش ہونگے) حضرت معاویہ نے فرمایا تمھیں کیسے پتہ چلا کہ تمہارا ساتھی کامیاب ہوگیا ہے۔ اس نے کہا اس لئے کہ علی کے ساتھ کوئی محافظ نہیں ہوتا، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بجائے خوش ہونے کے اس کے قتل کا حکم دیا۔

اس کے بعد جامع مسجد میں امام کے لئے حفاظتی کمرہ بنوایا گیا سجدہ کی حالت میں کمرے کے گرد اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر کے پاس مسلح پہرہ دار متعین کئے گئے"۔

حافظ ابن کثیر، علامہ ابن الاثیر و دیگر مورخین فرماتے ہیں کہ اس حادثہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حفاظت کے یہ انتظامات فرمائے:

(۱) رات میں پہرہ۔

(۲) مسجد میں حفاظتی کمرہ۔

(۳) مسجد میں نماز کے دوران مسلح محافظ حفاظتی کمرہ کے ارد گرد متعین کئے۔

طبری کی روایت کے مطابق سجدہ کی حالت میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے سر کے پاس بھی مسلح پہریدار متعین تھے۔

مساجد میں حفاظتی کمرے تمام اسلامی قلمرو میں بنائے گئے

کتب حدیث وفقہ وتاریخ سے یہ امر ثابت ہے کہ حفاظتی کمرہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک محدود نہیں تھا بلکہ آپ نے حکام وامراء وائمہ کو مساجد میں حفاظتی کمرہ بنانے کا حکم فرمایا۔

حفاظتی کمروں میں خلفاء راشدین، صحابۂ کرام اجلۂ تابعین وفقہاء نے نمازیں پڑھیں

(۶۴)

(۱) امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲) امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳) امیر المؤمنین حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۴) امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ

(۵) رئیس المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

(۶) خادم خاتم المرسلین حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷) حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۸) حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۹) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ تعالیٰ

(۱۰) حضرت نافع رحمہ اللہ (۱۱) حضرت سالم رحمہ اللہ

(۱۲) حضرت علی بن الحسین رحمہ اللہ (۱۳) حضرت ابو القاسم رحمہ اللہ

(۱۴) حضرت معمر رحمہ اللہ

(صحیح مسلم صفحہ ۲۸۸ جلد ۱، السنن الکبریٰ للبیہقی صفحہ ۱۹۱ جلد ۲)

باب الصلاۃ فی المقصورۃ' المصنف لعبد الرزاق ص ۴۱۴ ج ۲،
باب الصلاۃ فی المقصورۃ' المصنف لابن ابی شیبۃ ص ۴۹ ج ۲)

حفاظتی کمرے تعمیر ہونے کے بعد فقہاء کا صف اول کی تعیین میں اختلاف

(۶۵) صف اول میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وحضرات تابعین رحمہم اللہ کے اتفاق سے حفاظتی کمرے بنا دیئے گئے اور عوام الناس کو مقصورہ میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تو اب فقہاء کرام میں یہ بحث چلی کہ صف اول مقصورہ ہی کو قرار دیا جائے یا مقصورہ سے متصل پہلی صف کو، درحقیقت صف اول تو مقصورہ ہی کی تھی اس بناء پر عامۃ المسلمین ہمیشہ صف اول کے ثواب سے محروم رہتے، اسلئے بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے مقصورہ سے متصل صف کو صف اول قرار دیا۔ (ردالمحتار ص ۵۶۹ جلد ۱، البحر الرائق ص ۱۵۷ جلد ۲، فتح الباری ص ۱۷۴ جلد ۲، المصنف لعبد الرزاق ص ۴۱۵ جلد ۲، عمدۃ القاری ص ۲۵۵ جلد ۵، فتح الملہم ص ۶۷ جلد ۲)

ولیعلم ان ما ذکرنا من الاتفاق علی اتخاذ المقصورات فی الجوامع لاینافی ما نقل عن بعض اہل العلم من کراھۃ بناء المقصورات فان مثل ھذا الخلاف القلیل لایقدح فی الاتفاق لاسیما اذا جری تعامل الائمۃ القدیمۃ فی جمیع امصار المسلمین فی عھد الصحابۃ والقرون المشھود لھا بالخیر، ولا علینا لو ندعی الاجماع علی ذلک۔

واما کون عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول من بنی المقصورۃ فانہ وان کان خلاف المشھور ولکن التطبیق ورفع التعارض لیس بمتعسر علی المتفکر۔

(عبدالرحیم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محافظ کیوں نہیں رکھے؟

اعتراض نمبر ۶:

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے خلفاء میں سب سے

زیادہ ہوشیار، مدبّر اور دور اندیش تھے، آپ نے بھی اپنے ساتھ کوئی محافظ نہ رکھے راتوں میں مدینہ منورہ کی گلیوں میں اکیلئے پہرہ دیا کرتے، جنگل میں تن تنہا نکل جاتے ہیں اور مساکین و یتامیٰ کی خبرگیری کر رہے ہیں، اگر دفاع و حفاظت کا مسئلہ اتنا ہی اہم تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مدبر سلطنت ضرور اسکا اہتمام فرماتے، حد تو یہ ہے کہ جب غلام ابولؤلؤ نے دھمکی دی اور آپ سمجھ بھی گئے کہ اس نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے تب بھی آپ کو حفاظت کے اہتمام کا خیال نہ آیا؟

عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا مدبّر شخص
حفاظتی تدابیر سے کیسے غافل رہ سکتا ہے؟

جواب:

گزشتہ اوراق میں آپ بالتفصیل پڑھ چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہرہ ہوتا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم از خود بھی پہرہ دیا کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہرے کی ترغیب اور اس کا حکم بھی فرمایا کرتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہرہ داری کا شرف خود امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خصوصیت سے حاصل رہا، اس سے یہ بات اچھی طرح واضح اور ثابت ہوگئی کہ خطرہ کی وجہ سے پہرہ خلاف توکل ہے نہ خلاف سنت، ایسے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے ساتھ مسلح پہرہ نہ رکھنا اس لئے تھا کہ مدینہ طیبہ میں امیر المؤمنین کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔

جب خطرہ نہ ہو تو پہرہ لازم نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر وقت اور ہمیشہ پہریدار نہیں رکھے جیسا کہ احادیث و آثار گزشتہ سے عیاں ہے۔

سؤال:

اب رہا یہ سؤال کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے عظیم انسان کو کوئی خطرہ کیوں نہ تھا جبکہ پوری دنیا کے تمام کفار، یہود و نصاریٰ، مجوس و مشرکین آپ کے مخالف تھے؟

جواب:

مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کفار سے خطرہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے آخر زمانہ ہی میں ختم ہوگیا تھا جب اسلام کی بے مثال فوج حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت اور آپ کی کمان میں یہود مدینہ کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا تھا اور بقیہ کو رسوا کرکے خیبر سے نکال باہر کیا تھا، مسلسل جہاد و قتال کی برکت سے اسلام کی سرحدیں روز بروز بڑھتی جاتی تھیں، مدینہ طیبہ میں یا اس کے قرب وجوار میں کوئی کافر باقی رہا نہ منافق، پورا مدینہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پُر تھا ایسے میں خطرے کا کیا گزر؟

معہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدود مدینہ میں بالغ اور مراہق (قریب البلوغ) ذمی کافر کے داخلہ پر سخت پابندی عائد فرما رکھی تھی، مشہور محدث، ثقہ ومعتبر مؤرخ امام ابن شبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حدثنا حجّاج بن نصیر قال حدّثنا قرّۃ بن خالد عن محمد بن سیرین انّ عمر رضی اللہ عنہ کان یقول لا تستدخلوا المدینۃ من السبی الا الوصفاء۔

(تاریخ المدینۃ المنورۃ ص ۸۸۸ ج ۳)

وعن الزهری قال کان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا یأذن لسبی بقل وجهه فی دخول المدینۃ (تاریخ المدینۃ المنورۃ ص ۸۸۷ ج ۳)

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یکتب الی امراء الجیوش لا تجلبوا علینا من العلوج احدا جرت علیہ الموسی۔

(تاریخ المدینۃ المنورۃ ص ۸۹۲ ج ۳)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افواج اسلام کے کمانڈروں اور بلاد اسلامیہ کے گورنروں کو یہ فرمان اور حکم نامہ جاری فرمایا":

"مدینہ کی طرف کسی بھی بالغ ومراہق قیدی کو مت بھیجو ہاں وہ باندی جو ابھی مراہقہ بھی نہ ہو"

سرکاری فرمان کی وجہ:

یہ ہدایت اور فرمان احتیاطی تدبیر کے طور پر تھا، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت مغیرۃ بن شعبہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی سفارش سے ایک مجوسی غلام ابو لؤلؤ کو صنعت وحرفت میں مہارت کی بنیاد پر مدینہ میں لایا گیا اور اس نے حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کو فجر کی نماز میں مسجد نبوی کے اندر خنجر مارا آپ زخمی ہوئے اور آپ کو گھر لایا گیا تو آپ نے پوچھا :

"مجھے کس نے مارا ہے ؟"

لوگوں نے کہا :

"حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے غلام ابولؤلؤ نے ۔"

آپ نے ارشاد فرمایا :

الم اقل لکم لا تجلبوا الینا من العلوج احدا فغلبتمونی

(تاریخ المدینۃ المنورۃ ص۸۹۳ ج۳)

عمل اصحابك كنت اريد ان لا يدخلها علج من السبي فغلبتموني

(تاریخ المدینۃ المنورۃ ص۹۰۳ ج۳)

هذا عملك وعمل اصحابك والله لقد كنت انهاكم ان تجلبوا الينا منهم احدا ۔

(تاریخ المدینۃ المنورۃ ص۹۰۴ ج۳)

"میں نے تم کو ان کفار کو مدینہ میں داخل کرنے سے ہمیشہ روکا لیکن تم (مصلحت کا شکار ہوکر) مجھ پر غالب آگئے ، یہ سانحہ تمہاری وجہ سے وقوع پذیر ہوا ورنہ میں تو اپنی رائے پر پکا تھا ۔"

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان وحکمنامہ حفاظتی تدبیر کے طور پر تھا ۔

علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رعب اور دھاک سب پر ایسی بیٹھ گئی تھی کہ خود آپ کے خیال میں بھی پورے جزیرۂ عرب میں کسی کو امیر المؤمنین پر حملہ کا تصور تک نہ ہوسکتا تھا ۔

امیر المؤمنین نے ان خیالات کا اظہار اس وقت کیا جب لوگوں نے تحقیق کرکے بتایا کہ حملہ "ابولؤلؤ" غلام نے کیا ہے ۔

آپ نے فرمایا :

الله اكبر ما كانت العرب لتقتلني (تاریخ المدینۃ المنورۃ ص۹۰۳ ج۳)

"اللہ اکبر (میں بھی سوچ رہا تھا کہ) عرب میں تو کسی کو مجھے قتل کرنے کی

جرأت نہ تھی ۔“

سوال :

اب رہا یہ اشکال کہ جب ابولؤلؤ منحوس غلام نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ میرے آقا مجھ سے میری استطاعت سے زیادہ کمواتے ہیں آپ ان سے کہہ کر تخفیف کرادیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم بہت کچھ کما سکتے ہو ہمت کرو اور اللہ سے ڈرو اور سنو کیا تم مجھے ایک چکی بنادو گے؟ غلام نے کہا :

”میں آپ کے لئے ایک ایسی چکی بناؤں گا کہ لوگوں میں مدتوں اس کی باتیں ہوا کریں گی ۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے اور فرمایا :

” یہ خبیث مجھے قتل کی دھمکی دے گیا ہے ۔“

آپ نے اس پر بھی کوئی حفاظتی انتظامات نہ فرمائے ؟

جواب :

یہ شخص اکیلا تھا اس کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جری اور بہادر کو کسی معاون و محافظ کی ضرورت نہ تھی، اسی لئے دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ دھمکی سننے کے باوجود اسے قابل اعتنا نہ سمجھا ، ویسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالکل خالی ہاتھ رہتے بھی نہ تھے، آپ کی تلوار اور آپ کا دُرّہ ضرب المثل ہے ۔

نیز آپ یہ سمجھے تھے کہ اس نے اشارۃً جو دھمکی دی ہے یہ اس کے وقتی جذبات ہیں فی الواقع اس ارادہ کے لئے کوئی عملی اقدام نہ کریگا یا نہیں کر سکے گا ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو معمولی معمولی کوتاہیوں پر بڑے بڑوں کو تنبیہ فرمادیتے تھے اس کافر غلام کو سخت تعزیر لگاتے کم از کم مدینہ طیبہ سے اس کے اخراج کا فیصلہ تو یقیناً کرتے، بالخصوص جبکہ آپ کی رائے میں کسی کافر کا مدینہ میں وجود احتیاط کے خلاف تھا ۔

اسی روایت میں الفاظ ذیل مضمون بالا کی تصدیق کرتے ہیں :

قال لو قتلت احدًا بسوء الظن لقتلت ھٰذا العلج

(تاریخ المدینۃ المنورۃ ص ۸۹۳ ج ۳)

حکیم الامۃ حضرت تھانوی قدس سرہ نے حفاظتی تدابیر کیوں نہیں کی؟

اعتراض نمبر ۷:

بعض حضرات نے حکیم الامۃ حضرت تھانوی قدس سرہ کے اس معمول کو بنیاد بناکر اشکال کیا ہے کہ جب آپ کو "تحریک خلافت" کے زمانہ میں قتل کی دھمکیاں دی گئیں تو آپ نے حفاظت کا کوئی بندوبست نہ فرمایا۔

خصومت دینیہ ہو اور خصم کافر ہو تو دفاع واجب ہے
بیان القرآن میں اسکی تصریح

جواب:

جب آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، معمولات نبویہ، تعامل خلفاء راشدین اجماع و قیاس سے حفاظتی تدابیر کا حکم خوب واضح ہوگیا تو اب اگر ہمیں سلف صالحین میں سے کسی بزرگ کا عمل بظاہر اس کے خلاف نظر آتا ہے تو اس متفق علیہ حکم شرعی میں شک کرنے کی بجائے اس عمل کی بنیاد تک رسائی حاصل کرکے مناسب وصحیح توجیہ کرنا لازم ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے حفاظت کا انتظام کیوں نہیں فرمایا؟ اسکا جواب سمجھنے کے لئے پہلے یہ مسئلہ ذہن نشین کرلیں کہ جب مسلمانوں کی دو جماعتوں کے مابین کسی مسئلہ شرعیہ میں اجتہادی اختلاف ہو تو احتیاطی تدابیر لازم نہیں۔

حکیم الامۃ قدس سرہ کو دھمکی دینے والے کافر نہیں مسلمان تھے جو تحریک خلافت کے حامی تھے، جانبین میں اختلاف اجتہادی تھا۔

دونوں جانب محق ومحقق علماء تھے اور دونوں طرف دلائل شرعیہ، اس لئے آپ نے حفاظت کا اہتمام نہ فرمایا، اس وجہ سے نہیں کہ کفار ملاحدہ وزنادقہ اہل حق علماء پر

حملہ آور ہوں تو آپ دفاع، مقابلہ و مقاتلہ کے قائل ہی نہ تھے، آپ بیان القرآن میں واضح طور پر دفاع کو واجب قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اگر کوئی شخص اس کو قتل کرنا چاہے اور یہ شخص قرائن قویہ سے سمجھے کہ میں بدون اس کے کہ اس کو قتل کر دوں بچ نہیں سکتا تو قتل کر دینا جائز ہے اور اگر اس حیص بیص میں یہ مارا گیا تو شہید ہوگا اور اگر یہ مدافعت نہ کرے بلکہ بے ہاتھ پاؤں ہلائے مارا جائے تب بھی جائز ہے۔"

البتہ جہاں انتقام و مدافعت میں اسلامی مصلحت ہو واجب ہے۔

(بیان القرآن ص۳۷۳ جلد ۱)

حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی اس تحریر سے مسئلہ زیر نظر کا بہت واضح فیصلہ ہوگیا:

"ان حالات میں دفاعی تدابیر کا اختیار کرنا واجب ہے اور ہمیں کسی قسم کی غفلت جائز نہیں۔"

البتہ آپ کی رائی مذکور کے مطابق خصومت دنیویہ میں دفاع واجب نہیں، بعض دوسرے حضرات سے بھی یہ قول منقول ہے، مگر اس کے مقابلہ میں خالص خصومت دنیویہ میں بھی وجوب دفاع کا فیصلہ بوجوہ ذیل راجح ہے:

① یہ فیصلہ چوتھی صدی کے بہت بڑے جلیل القدر امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۳۷۰ھ نے بہت مدلل بیان فرمایا ہے، اور دلائل نقلیہ و عقلیہ سے اس کے خلاف کی بہت پر زور تردید، نکیر شدید اور بہت سخت مذمت کی ہے، حتیٰ کہ اس کو دین و دنیا کے تمامتر فسادات اور تباہی و بربادی کی جڑ قرار دیا ہے، اس قول کو بعض حشویہ اور ظاہریہ میں سے جاہلوں کی طرف منسوب کیا ہے اور ابوداؤد و ترمذی کی روایت کے علاوہ انکے اور بھی کئی مستدلات کا مکمل ابطال کیا ہے (احکام القرآن ص ۳۱، ۳۴، ۴۰۱ تا ۴۰۳ ج ۲)

② عدم وجوب کے قائلین میں سے کہیں بھی "حشویہ و جہال" کے سوا کسی کا کوئی نام نہیں ملتا، "جہال" ہونے کے علاوہ مجہول بھی ہیں، بعض کتابوں میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے عدم وجوب منقول ہے جو خلاف راجح ہے، آپ کے ہاں بھی وجوب ہی راجح ہے "الا ان یکون الصائل مسلما محترما ای محقون الدم وتارک صلوۃ عندہ لیس بمحقون الدم (تحفۃ المحتاج بھامش حاشیۃ الشروانی ص۱۸۴ ج ۹) والمسلم المحترم لایقدم علی قتل مسلم الا لشبھۃ اجتھادیۃ ویؤیدہ ما استدل بہ من صنیع امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ

(۳) امام جصاص رحمہ اللہ تعالی کے علاوہ بھی تفسیر، حدیث اور فقہ کے دوسرے ائمۂ عظام و عمائد اسلام رحمہم اللہ تعالی سب کا وجوب پر اجماع ہے، البتہ بعض نے طال سے ترک دفاع کی اجازت دی ہے، حضرات ائمۂ عظام رحمہم اللہ تعالی کے فیصلہ سے تطبیق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اس کو دفاع کی صورت میں قتل نفس کے ظن غالب پر محمول کیا جائے، اور یہ شرط تو بہر حال لازم اور متفق علیہ ہے کہ عدم دفاع سے فساق و فجار کے فسادات کے شیوع کا خطرہ نہو، کما ھو معقول ومنصوص فی الاصول ومجمع علیہ بلا خلاف احد من ذوی العقول۔

یہ بحث محض تنقیح مسئلہ واتمام فائدہ کے لیے لکھدی ہے ورنہ عداوت دینیہ کی صورت میں حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے بھی وجوب دفاع کی تصریح فرمائی ہے اور یہ بھی اوپر واضح کیا جاچکا ہے کہ آپ کا اختلاف علماء حق کے مابین اجتہادی اختلاف کی نوعیت کا تھا جس میں بالاتفاق دفاع واجب نہیں بلکہ عدم دفاع افضل ہے، کما صرح بہ الامام الجصاص وغیرہ من أئمۃ الاسلام رحمہم اللہ تعالی وحملوا مستدلات الحشویۃ وجھال الظاھریۃ علیہ۔

علاوہ ازیں حفاظتی تدابیر کی اہمیت حالات وخطرات کی نوعیت کے مطابق ہوتی ہے، مثلاً: وجہ خصومت، دھمکی دینے والے کی شخصیت، جسے دھمکی دی گئی اسکی شخصیت، دھمکی کے وصول کا ذریعہ، دھمکی کے مضمون کی نوعیت، زمان، مکان، ماحول وغیرہ وکوائف۔

پھر اگر دھمکی کی بجائے سازش کی کوئی اڑتی ہوئی خبر ہے تو اسکی وقعت اور بھی کم ہے، جیسے حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کا ایک بنئے پر گزر ہوا تو اس نے سازش کی مبہم سی خبر دی، کوئی اہم بات ہوتی تو وہ خود پہنچاتا۔

اس دور فساد سے چند سال بیشتر تک مذہبی وسیاسی اختلافات نہایت عروج پر ہونیکے باوجود باہم قتل وقتال کا کوئی تصور تک نہ تھا، تقریری وتحریری مناظرے، اسٹیجوں پر دوسرے مذاہب کی بھرپور تردید اور پرزور تنقید، اور اسمیں سخت سے سخت الفاظ کا استعمال بلکہ بسا اوقات ایک ہی اسٹیج پر بیک وقت مختلف مذاہب کے پیشواؤں کے اپنے مذہب کی تائید اور دوسرے مذاہب کی تردید میں بیانات، ایک دوسرے پر سخت چوٹیں۔ سننے والے بھی ان مختلف مذاہب کے لوگ باہم زانو بزانو گھٹنے سے گھٹنا ملائے بیٹھے مزے سے سن رہے ہیں، ایک دوسرے کے خلاف تالیاں بج رہی ہیں قہقہے لگ رہے ہیں، اس کے باوجود آپس میں ایسے گھلے ملے رہتے کہ گویا سگے بھائی

یا گہرے دوست ہیں، گلے مل رہے ہیں بغل گیر ہو رہے ہیں، دنیوی معاملات میں باہم تعاون کر رہے ہیں، ایک دوسرے کی دعوتوں اور تقریبات میں شامل ہو رہے ہیں، مذاہب میں شدید اختلاف کے باوجود کہیں بھی کبھی بھی قتل و قتال کا کوئی قصہ پیش نہیں آیا، بالفرض کہیں ہوا ہو تو شاذ و نادر۔

یہ تو اسلام و کفر کے مابین مقابلوں اور مناظروں میں رواداری کا عالم تھا، حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کا اختلاف تو علماء دین سے تھا، یہ سب اہل حق علماء کبار تھے، باہم محبت و عقیدت اور عظمت و احترام کے بہت مضبوط رشتے تھے، کانگریسی ہندو بھی عام مسلمانوں کے ساتھ رواداری اور علماء اسلام کا احترام کرتے تھے، ایسے حالات میں کسی سازش کی افواہ کی بنیاد پر حفاظتی تدبیر کی ضرورت نہ تھی، اگر واقعۃً خطرہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو جواب وہی ہے کہ مسلمانوں کے باہم اجتہادی اختلاف کی صورت میں دفاع واجب نہیں۔

نمازیوں کی تلاشی کیا اللہ کے گھر سے روکنے کے مترادف ہے

اعتراض نمبر ۸:

مسجد اللہ کا گھر ہے جس میں ہر مسلمان کسی روک ٹوک کے بغیر داخل ہونے کا حق رکھتا ہے، تلاشی کو لوگ توہین سمجھتے ہیں، اس خوف سے نمازی اس مسجد کا رُخ نہیں کرتے تو تلاشی لینا کیا آیتِ ذیل میں مذکور وعید کا مصداق نہیں؟

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا (۲ : ۱۱۴)

”اس شخص سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو لوگوں کو مسجدوں میں اللہ اللہ کرنے سے روکے اور مسجدوں کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔“

محراب میں مسلّح محافظ باعثِ تشویش کیوں؟

اعتراض نمبر ۹:

محراب میں مسلح محافظ سے خشوع خضوع میں خلل ہوتا ہے، کسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ بھی ہے۔

تلاشی کے باوجود محراب میں مسلح محافظ کیوں؟

اعتراض نمبر ۱۰:

جب ایک مرتبہ تلاشی لے لی گئی تو اب محراب میں مسلح محافظ کی کیا ضرورت؟ کیا یہ بلاوجہ لوگوں کو مرعوب کرنا اور دہشت پھیلانا اور ریا کاری نہیں؟

کیا اتنے حفاظتی انتظامات بلا ضرورت اور اسراف نہیں؟

اعتراض نمبر ۱۱:

اتنے محافظ رکھنے کی کیا ضرورت؟ دوسری جگہوں میں جہاں خطرات ہوتے ہیں اور حفاظت کا بندوبست کیا جاتا ہے وہاں بھی ایسے کثیر و شدید انتظامات نہیں ہوتے تو یہ کیا اسراف نہیں؟

دار الافتاء والارشاد میں حفاظتی انتظامات کے مختلف مراحل کی مفصل کہانی

جواب:

قارئین مندرجہ بالا چاروں اعتراضات کے جواب سے قبل یہ بات خوب ذہن نشین کرلیں کہ جب حضرت والا کو نقصان پہنچانے کے لئے کفر نے ایک بیرونی حکومت کی مدد سے یلغار شروع کی تو حضرت والا دامت برکاتہم کے خدام اور مجاہدین نے آپ سے حفاظتی تدابیر اور مسلح پہرے کی اجازت چاہی، جب مجاہدین کا اصرار بہت بڑھ گیا تو حضرت والا نے اپنے زرّیں اصول کے مطابق اُمور ذیل کا اہتمام فرمایا:

① دفاع اور حفاظتی تدابیر کی شرعاً حدود و شروط کیا ہیں؟ اس مسئلہ کو دار الافتاء والارشاد کے مفتی حضرات کی مجلس تحقیق میں رکھا، حضرت والا بذات خود بھی اجتماعی و انفرادی تحقیق فرماتے رہے، علاوہ ازیں اپنے تلامذہ و متعلقین میں سے دوسرے اہل افتاء و علماء کو قرآن و سنت و فقہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی حدود و قیود کا حل تلاش کرنیکا حکم فرمایا۔

ان تمام مفتی حضرات نے دفاع کو شرعاً و عقلاً ہر طرح نہ صرف بہتر بلکہ لازم اور واجب قرار دیا۔

(۲) جب مسئلہ پوری طرح منقح ہو گیا تو حضرت والا نے اپنے متعلقین و خدام میں سے ماہرین اُمورِ حرب، جہادِ افغانستان و جہادِ کشمیر کے گوریلے مجاہدین کے قائدین اور پاکستان آرمی ایس ایس جی کے کمانڈوز افسران کو دفاعی اقدامات کی ترتیب و لائحہ عمل بنا کر پیش کرنے کی اجازت دی۔

ان ماہرین نے ترتیب اور نظام بناتے وقت اُمورِ ذیل پر اجتماعی و انفرادی غور کیا:

(۱) دشمن کون ہے؟

(۲) فرد ہے یا گروہ؟

(۳) اس کا تعلق ایک جماعت سے ہے یا وہ مختلف جماعتوں سے وابستہ ہے؟

(۴) سرکاری ہے یا غیر سرکاری؟

(۵) بناءِ عداوت کیا ہے؟

(۶) اب تک کیا واقعات ہو چکے ہیں؟

(۷) محلّہ میں کون کون لوگ قیام پذیر ہیں؟

(۸) دائیں بائیں آگے پیچھے متصل مکانات کن کے ہیں؟

(۹) حضرت والا کے فتاویٰ، خطابات و بیانات و مواعظ میں کن کن بے دین جماعتوں پر رَد کیا گیا ہے؟

جب ان کو تمام معلومات فراہم کر دی گئیں تو انھوں نے دار الافتاء والارشاد کے محل وقوع اور ارد گرد کے مکانات کا جائزہ لیا اور باہمی مشورہ کے بعد مسلح پہرہ، تلاشی، مورچوں اور محراب میں مسلح محافظ اور کچھ اور انتظامات کا بھی جن کا اخفاء دفاع ہی کا حصّہ ہے لائحہ عمل بنا کر پیش خدمت کیا۔

(۳) ان کی تمام کاوشوں اور طے کردہ تجاویز کو حضرت والا نے مکرر دار الافتاء والارشاد کے مفتی حضرات کی مجلس میں مختلف اوقات میں متعدد بار رکھا، مجلس میں وہ تمام احتمالات بھی زیرِ غور آئے جو بصورت اعتراض لوگوں کی طرف سے ہو سکتے تھے خصوصاً محراب میں نمازیوں کی طرف منہ کر کے مسلح محافظ کے کھڑے ہونے کا مسئلہ خوب جانچا اور پرکھا گیا۔

تمام تجاویز و تدابیر شرعاً درست و جائز ہونے کے باوجود یہاں کی انتظامیہ کے بعض افراد نے ان کمانڈروں اور کمانڈو زماہرین کی بعض تجاویز کو غیر ضروری کہا تو انھوں نے جواب دیا:

"آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ تجویز ہماری طاقت سے باہر ہے یا کوئی عالم شرعی اعتبار سے کسی تدبیر کو غلط قرار دے لیکن اسے غیر ضروری، زائد، بے فائدہ اور غلو بتانا آپ کا کام نہیں ورنہ یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی جاہل کسی مفتی کے فتوے میں کاٹ چھانٹ اور ترمیم شروع کردے یا فتوے کے کسی حصے کو فضول قرار دے۔"

حضرت والا نے اس تمام کوشش و تحقیق سے پاس ہونے والی تجاویز میں سے بہت سی ایسی تجاویز کو ترک بھی فرمایا جو خود ان ماہرین کے خیال میں بہت زیادہ اہم و لازم نہ تھیں۔

اطمینان کامل:

ویسے تو بحمد اللہ ان تدابیر پر شرعی اعتبار سے ہر طرح اطمینان تھا ہی لیکن اس وقت اطمینان، شرح صدر و مسرت کی انتہاء نہ رہی جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حفاظتی انتظامات میں مسلح محافظین کا محراب میں کھڑا ہونا اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سجدہ کے وقت آپ کے سر کے پاس کھڑا ہونا نظر سے گزرا، اس کی تفصیل عنوان "حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور مساجد میں حفاظتی انتظامات" کے تحت گزر چکی ہے۔

اہل بصیرت کیلئے درس احتیاط:

تفصیل بالا کو پیش نظر رکھ کر ہر ذی شعور اس کا بخوبی ادراک کرسکتا ہے کہ ان حفاظتی انتظامات کے لائحہ عمل بنانے میں عقل و نقل، تفقہ و تحقیق، فہم و فراست کے تقاضوں کو کس قدر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ۔

"یقیناً اس میں بصیرت والوں کو بڑا سبق ملتا ہے۔"

معہٰذا بعض لوگوں کی طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہوئی جو تا حال جاری و ساری ہے۔

اعتراضات کوئی اچنبے کی چیز نہیں:

اور اعتراض کوئی اچنبے کی بات نہیں، دنیا میں ہر چیز خواہ وہ کتنی ہی اچھی، عمدہ اور لازم و واجب ہو جہاں اس کے چاہنے، سراہنے اور قبول کرنے والے کثیر تعداد میں ہوتے ہیں وہاں اس میں کیڑے نکالنے اور ناک چڑھانے والوں کی بھی کمی نہیں ہوتی۔ اور تو اور کتاب اللہ

جیسی لاجواب کتاب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے بے مثال وخلاصہ کائنات و مقصد کائنات کی مقدس ہستی کو بھی معاف نہیں کیا گیا۔

مگر حیرت وافسوس ان معترضین پر ہوا جو خود کو دیندار کہلاتے ہوئے پھولے نہیں سماتے اور دینی معاشرے میں واقعی وہ باحیثیت اور دین کے ...... مشہور ہیں جب انھوں نے عقل ونقل، فہم ودانش کو بالائے طاق رکھ کر مروت واخلاق کے تمام تقاضوں کو پس پشت ڈال کر اعتراضات کئے۔

مسئلہ تلاشی کا :

جب قرآن وحدیث، تعامل واجماع اور عقل وقیاس سے ثابت ہوگیا کہ حفاظتی ودفاعی انتظامات واجب ہیں اور امور حرب کے ماہر مجاہدین علماء اور دیندار اہل فن تلاشی اور محراب میں مسلح محافظ اور عمدہ انتظامات کو لازم قرار دیتے ہیں تو یہ اعتراض کہ تلاشی کی وجہ سے لوگ مسجد میں نہیں آتے اگر یہ درست ہے تو ناقابل اعتناء ہے۔ ایسے لوگوں کی ذاتی انا اور علماء دشمنی پر اسلام کے ایک عظیم مجاہد اور مفتی اعظم، مسجد، ادارے اور اپنے نمازیوں کو بھینٹ نہیں چڑھایا جاسکتا، دین وعلم اور اہل علم کی جان وعزت کو داؤ پر نہیں لگایا جاسکتا۔

ائیرپورٹ پر تلاشی :

جو لوگ تلاشی کو اپنی توہین خیال فرماتے ہیں وہ بیشک اپنی توہین مت کروایا کریں، مساجد کی بحمداللہ کمی نہیں لیکن ان لوگوں سے جو تلاشی کی وجہ سے مسجد نہیں آتے کوئی یہ پوچھ سکتا ہے کہ وہ ائیرپورٹ پر کس منہ سے برضا ورغبت تلاشی دیتے ہیں؟ کیا اللہ کے گھر اور اسلام کے ایک عظیم مفتی وعالم شریعت کی قدر واہمیت ائیرپورٹ سے بھی کم ہے؟ ان معترضین کو چاہیئے کہ جب ائیرپورٹ پر حکام تلاشی لینے لگیں تو وہاں سے لوٹ آیا کریں۔

حرمین شریفین میں تلاشی :

حرمین شریفین میں بھی تلاشی ہوتی ہے، اگر تلاشی ایسی ہی نفرت کی چیز ہے تو وہاں بھی حرم شریف میں داخل ہونے سے انکار کر دیا کریں اور حرم کے پاسبانوں کو یہ آیت سنا دیا کریں :

ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها (٢ : ١١٤)
" اور اس شخص سے کون بڑا ظالم ہے جو لوگوں کو مساجد میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکے اور انھیں ویران کرنے کی سعی کرے "

بندہ کو ١٤٠٧ھ میں حج کی سعادت حاصل ہوئی، اس سال ہر نماز میں ہر حاجی و نمازی کی باقاعدہ تلاشی لی جاتی تھی، حرم شریف کی عقیدت و محبت کی وجہ سے سب لوگ نہایت خوشی سے تلاشی دیتے اور اس عمل کو خوب سراہتے تھے۔

معلوم ہوا کہ اعتراضات کی بنیاد تلاشی نہیں کچھ اور ہے، اب وہ اور کیا چور ہے جو دل میں چھپا ہے؟ اس کی تعیین کی دوسروں کو ضرورت نہیں اور جن کے دل میں ہے ان کو معلوم ہی ہے۔

جیسے حرمین شریفین میں تلاشی آیت مذکورہ کے منافی نہیں اور مسجد نبوی کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے رات میں بند کیا جانا آیت کے خلاف نہیں، پوری دنیا کی مساجد کا مخصوص اوقات نماز کے سوا مقفل کر دیا جانا آیت میں مذکور وعید میں داخل نہیں، اسی طرح اگر کسی مسجد میں شرپسندوں و دشمنان اسلام سے علماء، طلبہ اور خود نمازیوں کی حفاظت کے لئے تلاشی لی جاتی ہو تو یہ بھی اس آیت کے خلاف نہیں۔

اگر تھوڑی سی سمجھ سے کام لیا جائے تو تلاشی کے عمل پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیے، اس میں انسانوں اور املاک کی حفاظت، مسجد کے تقدس کا بقاء، دشمنوں کی دسیسہ کاریوں کو ناکام بنانے اور اس میں تعاون، علماء کی قدر و منزلت پہچاننے اور کفر پر رعب بٹھانے کے ساتھ اپنے بارے میں اطمینان دلانے کا مظاہرہ بھی ہے۔

الحمد للہ بیشمار حضرات اہل علم اور دنیا کے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے ان اقدامات کا خیر مقدم کیا ہے اور دوسروں کے لئے قابل رشک و لائق تقلید قرار دیا۔

نیز اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محافظ زیادہ ہونے اور تلاشی و محراب میں مسلح محافظ کے اجتماع پر اعتراض کرنا ناواقفیت پر مبنی اور ماہرین کی رائے پر اپنی رائے کو ترجیح دینا ہے۔

نیز یہ بھی کہ حفاظتی تدابیر میں ایک جگہ کو دوسری جگہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

ماہرین امور حرب کے مطابق امور ذیل کی وجہ سے تدابیر مختلف ہو سکتی ہیں:

(١) اختلاف زمان۔

(۲) اختلافِ مکان ۔

(۳) دشمن کا قوی و کمزور ہونا جو موقوف ہے دشمن کی حیثیت پر یعنی یہ کہ : انفرادی ہے یا گروہی ، سرکاری ہے یا غیر سرکاری ، دینی ہے یا دنیوی ، ماہر ہے یا غیر ماہر ۔

(۴) مہلک اشیاء کی ایجادات میں روز بروز اضافہ ۔

(۵) بناء عداوت ۔

(٦) محل و توع ۔

(۷) داخلی و خارجی حالات کا سازگار ہونا ۔

(۸) استطاعت ۔

اشکال :

بعض حضرات کو یہ اشکال ہوا ہے کہ محراب میں مسلح محافظ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمل پر قیاس نہیں کیا جاسکتا وہ تو امیر المؤمنین تھے ، ظاہر ہے کہ امیر المؤمنین کے احکام دوسروں سے بہت سے معاملات میں مختلف ہوتے ہیں ۔

جواب :

احادیث و فقہ و تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ مسجد کے اندر حفاظتی کمرے تمام بلاد اسلامیہ میں بنائے گئے جس سے ثابت ہوا کہ یہ امیر المؤمنین کی کوئی خصوصیت نہ تھی ۔

اور اگر کوئی اشکال کی یوں تقریر کرے کہ اس کا ثبوت صرف حکام کے لئے ہے لہٰذا غیر حکام کو حکام پر قیاس کرنا درست نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حکام نے ممکنہ خطرات کے پیش نظر مسجد کی جماعت ترک کرنے کی بجائے مسجد کے اندر ہی حفاظتی اقدامات اس لئے کئے تھے کہ امامت ، خطابت و مسجد کے انتظامات ان کے سپرد تھے ، آج حکام تو دین و ایمان سے ہاتھ دھو کر بیٹھے ہیں ، اب امامت و خطابت و انتظام مسجد کے والی اور وارث علماء ہی ہیں اس لئے علماء گھروں میں بند رہنے کی بجائے سلف صالحین کے طرز پر مسجد کے اندر حفاظتی اقدامات کریں ، اصلاً تو یہ فریضہ عامۃ المسلمین پر عائد ہوتا ہے لیکن اگر وہ غفلت کا مظاہرہ کریں تو خود علماء پر لازم ہے کہ وہ احتیاطی تدابیر اختیار کریں اور ظاہری اسباب کی حد تک کفر کو کوئی خوشی کا موقع نہ دیں ۔

خطرہ ہے تو گھر میں نماز ادا کیوں نہیں کرتے؟

اعتراض نمبر ۱۲:

اگر حضرت مفتی صاحب کو واقعۃً خطرہ ہے تو اپنے ساتھ مسلح محافظین کو مسجد میں لاکر نمازیوں کو پریشان کرنے کی بجائے گھر ہی میں نماز ادا کیوں نہیں فرما لیتے؟ آخر مرض میں بھی تو نماز گھر پر ہی پڑھتے ہیں۔

خطرہ کی وجہ سے گھر میں بند ہو کر بیٹھنا خلاف معقول بھی ہے اور منقول بھی

جواب:

یہ امر معقول بھی ہے اور مجرب و مشاہد بھی اور ماہرین کا فیصلہ بھی کہ دشمن مطلوب شخص کے اہل خانہ، اس کے متعلقین اور اس کی جائیداد و املاک کو بھی نشانہ بناتا ہے، دشمن کے ہدف کو مطلوب شخص کی محض جان تک مخصوص سمجھ لینا خطرناک ہے اس لئے حضرت یا کسی اور ایسے عالم دین کا جسے دشمنوں سے اندیشہ ہو گھر میں نظر بند رہنے کا فارمولا عقل و تجربہ اور ماہرین کے فیصلہ کے خلاف ہے۔

اسی طرح یہ رائے نقل سے بھی متصادم ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم و دیگر سلف صالحین کی سنت کتب حدیث و کتب سیرت و تاریخ میں منقول ہے کہ بیماری کی وجہ سے انھوں نے جماعت مسجد کا ترک تو فرمایا مگر دشمنوں کی طرف سے ممکنہ خطرات کے پیش نظر وہ ہمیشہ کے لئے گھروں میں بند ہو گئے ہوں ایسا کبھی نہیں ہوا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سفر و حضر میں پہرے کی روایات کچھ گزر چکی ہیں، کچھ رسالہ کے آخری حصہ میں آنے والی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظتی انتظامات و اقدامات فرمائے گھر میں گوشہ نشینی و خلوت گزینی اختیار نہیں فرمائی۔ علاوہ ازیں ایام مرض میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا کر خود گھر میں نماز ادا فرمانا امیر المؤمنین حضرت عثمان، امیر المؤمنین حضرت معاویہ امیر المؤمنین حضرت

حسن رضی اللہ عنہم اور امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے سامنے تھا۔ ظاہری اعتبار سے جیسی حفاظت گھر کے اندر ہو سکتی ہے ویسی باہر ممکن نہیں، صحابی رسول اور امیر المؤمنین ہونے کے ناطے ان حضرات کے نفوس مقدسہ کی قیمت تصور سے بالا بالا ہے معہٰذا ان حضرات قدسی صفات نے دفاعی اقدامات کئے اور مسجد کی جماعت ترک نہیں فرمائی۔

یہ رائے دینے والے لوگ اپنے آپ میں کتنے ہی مخلص ہوں مگر اس کے عواقب پر غور کیا جائے تو یہ اسلام دشمنی کی راہ ہموار کرتی ہے، کیونکہ جیسے مسجد میں خطرہ ہے مدرسہ اور مجلس واجتماع میں بھی ہے، ان سب جگہوں میں بہادر مسلمان ہوتے ہیں جو اسلحہ کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے تو اس رائے کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا نکلتا ہے کہ حق گو علماءِ کرام یا تو حق گوئی سے باز آجائیں ورنہ حق گوئی کی پاداش میں ان کو ہمیشہ کے لئے نظر بند کر دیا جائے، حق کی آواز کو ہمیشہ کے لئے دبا دیا جائے اور مسلمانوں کو حق سننے سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا جائے۔

مسجد عالم کے لئے پارلیمنٹ ہے :

علماء کے لئے مسجد ہی وعظ کہنے، عوام کی دینی راہنمائی کے لئے اصل جگہ ہے اس اعتبار سے مسجد عالم دین کے لئے پارلیمنٹ ہے اور عالم اس کا صدر اور رئیس۔ کیا کوئی باشعور شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ وزیر اعظم یا صدر خطرات کی وجہ سے ہمیشہ ہی پارلیمنٹ سے غائب وغیر حاضر رہے گا۔

محاسبہ کیجئے :

جو لوگ علماء حق کو اپنے خیال میں یہ خیر خواہانہ مشورہ دے رہے ہیں وہ اس پر بھی غور کریں کہ دشمنان اسلام میں تو اتنی جرأت کہ وہ ایک ملک کی سرحدیں عبور کر کے دُور دراز سے مشقت برداشت کر کے کفر کے لئے جان کی بازی لگاتے ہوئے علماء پر حملہ آور ہوں اور خود کو دیندار کہلانے والوں کی بہادری کا یہ عالم کہ علماء کی حفاظت کا فریضہ انجام دینے اور دشمن کے دانت توڑنے کی بجائے اُلٹا علماء کو گھروں میں بند کرنے کا مشورہ دیں۔ العیاذ باللہ ع

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مسلح پہرہ ———— ۷؍ ۲

لمحۂ فکریہ :

تعجب بالائے تعجب وافسوس بالائے افسوس یہ کہ کفار تو اپنے زنادقہ وملاحدہ کے رویئیں رویئیں کی حفاظت کریں اوران کے جسم پر ایک آنچ نہ آنے دیں، سلمان رشدی جیسے منحوس وملعون کی حفاظت یورپ اورامریکہ انجام دیں اور دین کے دعویدار اور علماء کے جبدار اپنے قیمتی قدسی نفوس کو جو اس وقت ہمارے لئے اصل سرمایہ ہیں چوپٹ مروادیں اور اگر کوئی آیاتِ قرآنیہ، احادیث نبویہ، نصوص فقہیہ وسنتِ نبویہ وتعامل خلفاء راشدین کی تعمیل میں ایک ہستی کی حفاظت کا فریضہ انجام دے جس نے تمام فتنوں کی سرکوبی کے لئے اپنے آپ کو وقف فرما رکھا ہو اور بدوں خوف لومۃ لائم "النذیر العریان" کی جیتی جاگتی تصویر بن کر دشمنان اسلام ودشمنان صحابہ اکفر الکفار واخبث الخبثاء شیعوں کے کفر کو طشت ازبام کردیا ہو، جس کے فتوائے کفر نے ایران جیسی مضبوط اور کفر کے گڑھ کی بنیادیں ہلاکر رکھدی ہوں جس کے پیچھے حکومت ایران نے اپنے گماشتے چھوڑ رکھے ہوں، ایسی ہستی کی حفاظت کرنے کو خلاف توکل، وخلافِ سنت وخلاف مروت اور اس کو اسراف وریاء کاری گردانناغضب بالائے غضب اور قہر الٰہی کو دعوت دینا ہے ؎

غیرت کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

توکّل کی رَٹ لگانے والو!
ایک نظر اپنی طرف بھی

دوسروں کو توکل کا درس دینے والے ذرا اپنی دنیا کی حفاظت کے اسباب کا بھی تو جائزہ لیں :

مکان کے بالکل اندرونی تہ خانوں میں تجوریاں، تجوریاں بھی ایسی قفل والی کہ اور چابی سے کھل ہی نہ سکیں، پھر کمروں، تہ خانوں اور گھروں کے تالے الگ، اس کے باوجود دل کی دھڑکن اور ڈاکے کے خیالات، پھر بینکوں کا رُخ، سودخوروں کے ساتھ تعاون، پھر حسب منشأ حفاظت نہ ہونے پر راتوں کی نیند حرام، دن کا چین وآرام غائب،

گھروں کی دیوار پر کانچ کے لمبے لمبے نوکدار ٹکڑے، صحن کے سامنے لوہے کی مضبوط سلاخیں اور جنگلے، کمروں کے دروازوں پر کئی کئی کنڈیاں، بندشیں اور تالے، دروازہ پر چوکیدار، چھت پر پہریدار، فجر کی جماعت کے ترک پر دوام واصرار، رات میں فون کی گھنٹی بجے تو رسیور اٹھانے سے انکار، غلطی سے اٹھالیا اور بولنے والا اپنا نہ ہوا تو جھوٹ کا اظہار کہ صاحب ملک سے باہر ہیں۔

یہ حالات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں، لیکن جب کسی عالم دین، وارث نبی اور ماہر شریعت حق گو عالم کی حفاظت اور اس کی قیمتی جان کے دفاع کا معاملہ ہو تو وہاں توکل یاد آجاتا ہے اور سنت بھی، ختنے اور خلاف شرع رسوم پر لاکھوں روپے اڑانے والوں کو اسراف بھی نظر آنے لگتا ہے اور ریار کاری بھی۔

یہ لوگ دین کے محب نہیں دشمن ہیں، علمار کے ساتھ محبت کے دعوے میں کھرے نہیں کھوٹے ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ علمار کرام دشمنان اسلام کے لئے لقمۂ تر بنے رہیں، یہ ظالم چاہتے ہیں کہ علمار چڑیوں کی طرح رہیں تاکہ ہر شخص ان کو بسہولت شکار کر سکے اور کافر لوگ اپنا ہر خواب شرمندہ تعبیر کر سکیں، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت دیں ورنہ ؎

نگل جا اے زمیں ناپید انھیں اے آسماں کر دے

درسِ عبرت

اسلام کے دشمنوں اور فتنہ پردازوں کے مساجد پر چھپ کر اور کھل کر حملے اور تخریبی کارروائیاں روزمرہ کا معمول بن چکی ہیں، مساجد میں گھس کر نمازیوں پر اندھادھند فائرنگ، بارودی دھماکے، خنجر زنی و چاقوزنی کے واقعات، ہنگامے، توڑ پھوڑ، مساجد کے دروازوں پر آکر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینا اور ان پر تبرا کرنا، علمار حق کو برا بھلا کہنا، مساجد کے ائمہ کرام کا اغوار، علمار دین کا قتل، ان کی ڈاڑھیاں مونڈنے کے حادثات آئے دن پاکستان کے تمام جرائد، رسائل اور اخباروں میں شہ سرخیوں کے ساتھ چھپتے ہیں۔

لاہور میں "مسجد احسان" کا دلدوز واقعہ، فیصل آباد کی "مسجد صدیق اکبر" کا

دلخراش سانحہ، گوجرانوالا کی "محمدی مسجد" پر دہشت گردی، جھنگ، لیہ، اور ملتان اور اس کی مضافات کی بہت سی مساجد، کراچی میں ناگن چورنگی، اسکاؤٹ کالونی، کورنگی اور نئی ٹاؤن، عزیزآباد، بنوری ٹاؤن، گرومندر اور نمائش کی مساجد میں دہشت گردی اور بربریت کے جھنجوڑنے والے حوادث اب کسی سے مخفی نہیں، ڈیڑھ دو سال کے قلیل عرصہ میں پاکستان کی کتنی مساجد کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا، کتنے نمازیوں کو خاک و خون میں تڑپایا گیا، کتنے نمازی ہاتھ، پاؤں، آنکھ اور جسم کے دوسرے قیمتی اعضاء کی نعمت سے محروم و معذور ہوئے، کتنے علماء کو قتل کیا گیا اگر کوئی ان سب کی فہرست بنائے تو یہ اعداد و شمار دشمنان اسلام کی طرف سے ہمارے لئے بڑے مہلک پیغامات اور مستقبل میں ہماری تباہی کے اعلان ہیں اور بربادی کی پیشگوئی۔

الحمد للہ! بعض معترضین ان عبرتناک حوادث سے عبرت حاصل کر چکے ہیں اور اپنے اعتراضات بصد معذرت و ندامت واپس لے چکے ہیں۔

اس سلسلہ میں بیرون سندھ سے بعض خطوط بھی موصول ہوئے، ایک صاحب نے لکھا کہ مجھے مسلح پہرہ پر بڑا اشکال تھا لیکن ہمارے قریب ایک مسجد پر دشمنان اسلام نے حملہ کیا جس میں درجنوں نمازی شہید، زخمی و معذور ہوگئے اب میرا اشکال ختم ہوگیا ہے۔

ایسے ہی ایک عالم نے جو حضرت والا سے اصلاحی تعلق رکھتے ہیں لکھا:

> دارالافتاء والارشاد میں مسلح پہرہ پر یہاں کے دیندار طبقے کو بہت تشویش تھی اور بڑے اشکالات، ان کے اعتراضات نے مجھے پریشان کر رکھا تھا اب حال ہی میں مختلف شہروں میں مساجد پر حملوں کے سنگین واقعات نے آنکھیں کھول دی ہیں اب سب کہنے لگے ہیں:
>
> "واقعی حضرت مفتی صاحب کے ہاں پہرے کا معمول نہایت درست بلکہ بے انتہاء لازم و ضروری ہے، بلاشبہہ اللہ والوں کی نگاہ بڑی دور رس ہوتی ہے ہم سب کو دفاعی انتظامات کرنا چاہئیں۔"

اگر کسی کے ایک ایک اشکال پر درجنوں مسلمان بھینٹ چڑھنے لگیں اور قرآن و حدیث و سیرت سے ناواقفیت کی بناء پر پیدا ہونے والے ایک ایک اعتراض کا جواب کوئی مسلمانوں کے خون، مساجد کے تقدس کی پامالی اور دین پر حملوں میں ڈھونڈنے لگے

توسوچئے اس سے زیادہ ناعاقبت اندیش اور ظالم کون ہوسکتا ہے ؟

معھٰذا یہ لوگ غنیمت ہیں جو دھکا لگنے پر سمجھ گئے ، گر کر سنبھل تو گئے ؏

وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

لیکن خیر سے یہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو ان تمام تر حقائق و واقعات وحوادث کے باوجود بھی بیدار ہونے کا نام نہیں لے رہے اور وہ اپنی ہٹ پر قائم و دائم ہیں ۔

مشہور کہاوت بھی شرما گئی :

کسی زمانہ میں یہ کہاوت مشہور تھی کہ ہندو خطرہ سے ایک ہفتہ پہلے بیدار ہوجاتا ہے مسلمان عین وقت پر اور سکھ ایک ہفتہ بعد ، لیکن آج کا مسلمان پستی و ذلت اور بے حسی کے اس اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوگیا ہے جس میں بیداری اور حس کا کوئی نام ونشان تک موجود نہیں ، یہ ہفتہ کیا مہینوں اور سالوں بعد بھی نہیں جاگ رہے ۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔

کیا اسلحہ نمازیوں کو دہشت زدہ کرنے کیلئے ہے ؟

اعتراض نمبر ۱۳ :

اسلحہ کی اہمیت اپنی جگہ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ لوگ اسلحہ کے تصور سے بھی خوفزدہ ہوجاتے ہیں ، ایسی حالت میں مسجد اور مسجد کے اردگرد مسلح محافظوں کے جتھے اور ان کے ہاتھوں اور جسم کے مختلف حصوں پر مختلف قسم کے ہتھیار خوفناک منظر پیش کرتے ہیں جس سے نمازیوں کا خشوع وخضوع غارت اور امن وسکون تباہ ہوجاتا ہے ۔

اسلحہ اللہ کے دشمنوں پر دہشت ڈالنے کیلئے ہے

جواب :

مسلح پہرہ پر جتنے اعتراضات بھی اب تک کئے گئے ہیں یہ اعتراض قدرِ مشترک کے طور پر سب میں موجود تھا یعنی اسلحہ سے خوف ۔

گزشتہ اوراق میں وہ آیت لکھی جاچکی ہے جس میں اعداء اسلام سے دفاع کے لئے استطاعت کے مطابق بہتر سے بہتر اسلحہ تیار رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ

نے اسلحہ کی حکمت مصلحت اوراس کا فائدہ یہ بیان فرمایا ہے :

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

"اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں کو بھی خوفزدہ کرسکو گے اور اپنے دشمنوں کو بھی ۔"

جو مسلمان بھائی اسلحہ کو دیکھ کر ڈرتے ہیں ان سے دست بستہ گزارش ہے کہ یہ اسلحہ ان کی حفاظت اور مسلمانوں کے دشمنوں کو ڈرانے دھمکانے کے لئے ہے، ایسی حالت کو بدلیں جو قرآن میں اللہ کے دشمنوں کی بتائی گئی ہے ۔

ایسے لوگ تنہائی میں پوری دیانتداری اور اخلاص کے ساتھ اپنی اس حالت کا جائزہ لیں اور ٹھنڈے دل سے سوچیں :

جو چیز اللہ نے اپنے دشمنوں کو ڈرانے کے لئے عطاء فرمائی تھی آج ہم خود اس سے خوفزدہ کیوں ہیں ؟

جس اُمت کے قرآن نے اسلحہ رکھنے کو فرض اور نہ رکھنے کو جرم و ہلاکت بتایا آج اسی قرآن کے ماننے والوں کو اس اسلحہ سے کیوں خوف آتا ہے ؟

جس امت کے نبی کی بعثت ہی اسلحہ کے ساتھ ہوئی اور اس کو اسکا ذریعۂ معاش قرار دیا گیا آج اسی نبی کی محبت کے دعویدار اسلحہ سے خائف کیوں ہیں ؟

جس شریعت میں اسلحہ سے محبت کا حکم ہو اور اس شریعت کو لانے والے رسول نے اپنی تلوار کے دستے میں چاندی جڑ واکر اسلحہ سے محبت وعشق کا مظاہرہ کیا ہو اور اس شریعت نے اسلحہ کے زور پر چھینے ہوئے اموال کفار کو تمام مالوں سے پاکیزہ قرار دیا ہو آج اسی شریعت کے پیروکاروں کو اسلحہ سے کیوں ہول آتا ہے ؟

جس اسلحہ کی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اہمیت کا یہ عالم ہو کہ آپکی ذاتی ملکیت میں گیارہ گیارہ تلواریں، آٹھ آٹھ نیزے، سات سات زرہیں، چھ چھ کمانیں، دو دو ترکش، چار چار ڈھالیں متعدد جنگی ٹوپیاں، کئی کئی اونٹنیاں اور خچر تھے اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکہ میں سوائے اسلحہ اور آلات جنگ کے اور کچھ نہیں چھوڑا آج حب نبی وعشق رسول کے راگ الاپنے والے اس میراث نبوی کو دیکھنے کی تاب کیوں نہیں رکھتے ؟

جس اسلحہ کو ہمارے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دن کو اپنے تن سے جدا کرتے تھے نہ رات کو اور وہ اسے اپنی اور دین اسلام کی عزت سمجھتے اور کہتے تھے آج حُبِّ صحابہ کو ایمان کا جزء قرار دینے کے مدعی اسلحہ کو ایک نظر دیکھنے کی سکت کیوں نہیں رکھتے ؟

جن کے آباؤ واجداد نے اسلحہ کے ذریعہ جزیرۂ عرب کو کفر و شرک سے پاک کر دیا ، خیبر و بنو قریظہ کے یہودیوں کو ہمیشہ کے لئے ذلت کا طوق پہنا کر وہاں سے نکال باہر کیا ، فارس کے کفار کو لوہے کے چنے چبوا دیئے اور روم و شام کے اعداء اسلام کے دانت توڑ دیئے، آج انہی کی اولاد اسلحہ کو دیکھ کر لرزتی کیوں ہے ؟

جس اسلحہ کی خیرات مسجد نبوی میں ہوا کرتی تھی اور اس کی جنگی مشق کو مسجد نبوی میں محبت بھری نگاہ نبوت کا شرف حاصل تھا آج اسی اسلحہ کے تصور سے مسلمان کا وضو کیوں ٹوٹ جاتا ہے ؟

للہ! سوچیئے کیا آپ نبی السیف (تلوار والے) کے اُمتی کہلانے کا منہ رکھتے ہیں؟ اگر آپ کو مسواک اور عمامہ کی سنت سے پیار ہے تو اسلحہ جیسے فرض سے کیوں پیار نہیں ؟ کہیں "میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو" والا معاملہ تو نہیں ؟

صحابۂ کرام کو اسلحہ سے ڈر کیوں نہیں لگتا تھا ؟

الغرض گزشتہ اوراق سے اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ اسلحہ ڈرنے کی چیز نہیں محبت کی چیز ہے پھر ہمیں کیوں ڈر لگتا ہے ؟

چند روز قبل ایک صاحب تشریف لائے جو دینی اعتبار سے بڑے ذی وجاہت و صاحب رتبہ ہیں ، انھوں نے اسلحہ اور پہرے پر سخت اشکالات کئے، بندہ نے ان کو گزشتہ اوراق کا خلاصہ بتایا تو وہ کہنے لگے :

"سب اشکالات دُور ہو گئے لیکن محراب میں مسلح محافظ سے تشویش ہوتی ہے اور دہشت پھیلتی ہے للہ! اسے کسی طرح ختم کریں۔"

بندہ نے عرض کیا :

"جب ایک چیز قرآن ، حدیث ، فقہ ، اجماع و تعامل سے ثابت ہو گئی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمل سے باقاعدہ اس کی تصدیق

ہو گئی تو اب میرے خیال میں اس تشویش و خوف کا علاج کیا جائے نہ کہ اسلحہ کو خیرباد کہا جائے، آخر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اسلحے سے دہشت کیوں نہیں ہوتی تھی؟"

اس پر انھوں نے اُچھل کر ایک خاص انداز سے میرے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا :

"بس ٹھیک ہے یار۔"

اسلحہ سے خوف کا علاج

ایسے مسلمان بھائی جو اپنی غفلت، غلط معلومات اور بعض دین کے ٹھیکیداروں کے غلط پروپیگنڈے سے متأثر ہو کر اسلحہ کو نعوذ باللہ قابلِ نفرت اور عار سمجھنے لگے اور اسلحہ سے خوف اور بزدلی کا مہلک مرض ان کے قلوب میں پیدا ہو گیا وہ آئندہ نسل کو بزدلی اور خوف کا سبق دینے کی بجائے جرأت سے کام لیں اور اس حالت کی اصلاح کریں، لیکن اس کا طریقہ یہ نہیں کہ اسلحہ سے آنکھیں بند کر لی جائیں یا اسے جلا دیا جائے، سر میں جوئیں پڑ جائیں تو جوئیں نکالی جاتی ہیں کھوپڑی نہیں اڑائی جاتی، کپڑے میلے ہو جائیں تو میل کو نکالا جاتا ہے کپڑے نہیں پھینکے جاتے، لہٰذا اس ڈر کو دل سے نکالیں جس کے لئے امور ذیل کا اہتمام کریں :

(۱) اب تک اسلحہ سے نفرت اور خوف کا جو اظہار کیا دو رکعت پڑھ کر اس گناہ سے توبہ کریں۔

(۲) بزدلی سے پناہ مانگنے کا معمول بنائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (انتہائی بہادری کے باوجود) بزدلی سے یوں پناہ مانگتے تھے جیسے کفر و شرک سے (صحیح بخاری ص ۳۹۶ جلد ۱)

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جنگوں کے واقعات باقاعدہ مطالعہ میں رکھیں اس کے لئے کتب ذیل بہت مناسب ہیں :

(۱) "سیرۃ المصطفیٰ" جلد دوم تالیف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

② "ملک شام کی عظیم الشان فتوحات اور صحابۂ کرام کے مجاہدانہ کارنامے"۔ (تالیف حضرت مولانا فضل محمد صاحب مدظلہم استاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی)

③ حکایات صحابہ (تالیف حضرت اقدس شیخ الحدیث قدس سرہ

④ پہلی فرصت میں جہاد کی تربیت (ٹریننگ) حاصل کریں، اہل حق کی نمائندہ عظیم متحدہ قوت "حرکۃ الانصار" کے معسکر (ٹریننگ سنٹر) کو غنیمت سمجھیں۔

⑤ پاکستان کے ہر شہری کو قانون کے مطابق اسلحہ رکھنے کی اجازت ہے اس قانون کو نعمت عظمیٰ سمجھیں اور حسب استطاعت اسلحہ رکھیں، خلاف قانون کوئی چیز نہ رکھیں۔

⑥ اس وقت جہاد فرض ہے اور کشمیر، تاجکستان، بوسنیا وغیرہ کئی جگہوں میں اہل حق کفر سے برسرِ پیکار ہیں، جو لوگ اس شرعی جہاد کی قیادت کر رہے ہیں ان سے رابطہ کرکے جہاد میں حصہ لیں اور ایک مرتبہ پھر یہ سوچ لیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ستائیس مرتبہ بنفس نفیس جہاد میں نکلے ہم کم از کم ایک مرتبہ تو نکلیں، پھر قائدین جہاد خواہ ہمیں میدان میں لڑنے کی بجائے جہاد کا کوئی اور کام سپرد کر دیں ؎

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

پوری دنیا میں کافر کفر کے لئے لڑ کر
اَلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ
"کافر کفر کی خاطر لڑتے ہیں۔"

کے مطابق کفر سے وفاداری کا ثبوت دے رہے ہیں، اہل ایمان بھی اُٹھیں اور دین کے لئے مسلح قتال کرکے اَلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
"اہلِ ایمان اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں۔"

کا مصداق بن کر کفر کی برتری کو ختم کریں۔

ڈھونگ کی ڈھلائی

افسوس ہماری حالت ہندو بنئے سے بھی ابتر و بدتر ہوگئی، ہندو بزدلی میں

ضرب المثل تھے۔

کہتے ہیں کہ جب انگریزوں نے ہندوستان پر غاصبانہ قبضہ جمالیا تو متحدہ ہندوستان کی تمام اقوام کو فوج میں بھرتی کیا، ہندوؤں کو نہیں لیا، اس پر ایک "ہندو چوہدری" نے اپنی قوم کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، انگریز افسر نے کہا:

"تمہاری ہندو قوم نہایت بزدل ہے اس لئے ہم کسی ہندو کو فوج میں نہیں لیتے۔"

ہندو چوہدری نے جواب دیا:

"صاحب! آپ کو غلط اطلاعات ملی ہیں، بہادری میں ہم کسی بھی قوم سے پیچھے نہیں۔"

انگریز افسر نے کہا:

"ٹھیک ہے پھر امتحان کر لیتے ہیں کسی ہندو کو لاؤ۔"

چوہدری ہندوؤں میں سے سب سے بہادر ہندو کو خوب سمجھا بجھا کر اور یہ کہہ کر لایا:

"دیکھنا ڈرنا مت، پوری قوم کی عزت کا مسئلہ ہے۔"

افسر نے سامنے بٹھا دیا اور ایک فوجی سے کہا:

"احتیاط سے اس کی ٹوپی کو نشانہ لگاؤ۔"

فوجی نے نہایت ٹھیک نشانہ مار کر ٹوپی گولی سے اڑا دی اور ہندو اپنی جگہ ٹھیک بیٹھا رہا، افسر حیران ہوا اور چوہدری بڑا خوش کہ ہماری قوم کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔

افسر نے کہا:

"اسے ٹوپی کی قیمت دیدو اور آئندہ ان کو فوج میں لیا کرو۔"

ہندو کانپتا روتا ہوا بولا:

"حضور دھوتی کی دھلائی بھی دیدو۔"

ڈر کے مارے کم بخت کا پاخانہ نکل گیا۔

مسلح پہرہ ———— ۸۳

لیکن آج کے مسلمان اسلحہ سے خوف اور اسے قابلِ نفرت سمجھنے کی وجہ سے ایسے ہوگئے کہ دھوتی کی دھلائی مانگنے والے بزدل ہندو بھی آج پورے ہندوستان میں مسلمانوں کا قتل عام کررہے ہیں، بے گناہ بچوں کو ذبح کررہے ہیں، معصوم بچیوں کی عزت کو تارتار کررہے ہیں، مساجد کو شہید کررہے ہیں قرآن کو جلارہے ہیں، تاریخ کا وہ بدترین ظلم ڈھارہے ہیں جو آسمان نے دیکھا نہ زمین نے، کیا ان حالات وحقائق سے کوئی عبرت حاصل کرنے والا ہے؟

ظالم ابھی ہے فرصتِ توبہ نہ دیر کر
وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

جہاد ہی بزدلی کا علاج ہے

یہاں حضرت کی زیارت وملاقات کے لئے جہاد افغانستان وکشمیر کے مجاہدین، دنیا کے مختلف ممالک کے غازی اور مشہور زمانہ کمانڈر تشریف لاتے ہیں، ان میں عام سرفروش مسلمانوں سے لے کر طلبہ، علماء ومشایخ سب ہی ہوتے ہیں اور بحمد اللہ سارا سال اسلام کے ان جانبازوں کا تانتا بندھا ہی رہتا ہے، یہ حضرات یہاں کے پہرے، اسلحہ اور تلاشی کے نظام کو دیکھ کر باغ باغ ہوجاتے ہیں۔

اس دور کے عظیم گوریلا کمانڈر مشہور فاتح نامور عالم دین حضرت مولانا جلال الدین حقانی دامت برکاتہم بیسیوں کمانڈروں اور علماء کرام کے ہمراہ تشریف لائے تو بڑے خوش ہوئے اور فرمایا:

"مجھے یہاں پہرہ اور اسلحہ دیکھ کر یوں لگ رہا ہے جیسے میں سرزمین شہداء وارض جہاد افغانستان میں ہوں۔"

نیز فرمایا:

"مجھے یہاں بڑا لطف محسوس ہوا۔"

"حرکۃ الانصار" کے مرکزی نائب امیر اوّل حضرت مولانا فضل الرحمٰن خلیل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا:

"مجھے ایسی جگہ دکھائی یہ ان کا مجھ پر احسان ہے۔"

ایک مشہور عرب عالم نے جو جہاد میں متعدد بار حصّہ لے چکے ہیں اور ایک عرب ملک کی کسی وزارت میں اعلیٰ عہدہ پر بھی فائز ہیں یہاں پہرہ، اسلحہ اور تلاشی دیکھ کر فرمایا:

"مجھے یہاں وہی لذّت محسوس ہورہی ہے جو جہاد کے اندر محاذ پر ہوتی ہے۔"

یہاں کے بعض محافظین کے بارہ میں یہ پیشین گوئی بھی کی:

"مجھے ان کے چہرہ سے شہادت کی مہک محسوس ہورہی ہے۔"

چند روز قبل "حرکۃ الانصار" کے ایک سعودی عربی مجاہد حضرت والا کی زیارت کو تشریف لائے تو اسلحہ اور پہرہ دیکھ کر بے اختیار تڑپ گئے اور بیساختہ پکار اُٹھے:

واللہ ھکذا ینبغی للعلماء ما قام الدّین الّا بالسّلاح ولا یقوم ولن یقوم الّا بالسّلاح۔

"اللہ کی قسم علماء کو یونہی رہنا چاہیئے، دین نہ پہلے ہتھیار کے بغیر مستحکم ہوا نہ اب ہوسکتا ہے نہ ہی آیندہ ہوگا۔"

فاتح خوست وگردیز حضرت مولانا جلال الدین حقانی کے ممتاز کمانڈر اور مشہور عالم جامعہ منبع الجہاد خوست کے مہتمم ورئیس حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب مدظلہم، مولانا حقانی کے مایۂ ناز استاذ عظیم مجاہد شیخ الحدیث حضرت مولانا سید شیر علی شاہ صاحب دامت فیوضہم شیخ الحدیث جامعہ منبع العلوم میران شاہ وزیرستان اور دیگر بعض بڑے بڑے علماء و مجاہدین تشریف لاچکے ہیں اور پہرے اور اسلحہ کا نظارہ دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرچکے ہیں۔

پاکستان میں اہل حق اکابر کی نمائندہ تنظیموں کے تمام مرکزی قائدین یہاں تشریف لاکر پہرے کے نظام کو خوب خوب داد دے چکے ہیں۔

خوشخبری:

الحمد للہ حضرت والا اور دیگر اکابر کی مسلسل کوششوں سے مجاہدین کی یہ تمام تنظیمیں مکمل طور پر متحد اور باہم منظم ہوچکی ہیں اس متحدہ عظیم عسکری قوت کا نام "حرکۃ الانصار" طے پایا ہے۔

کیا محافظین و دربان استفادہ میں رکاوٹ ہیں؟

اعتراض نمبر ۱۴ :

حضرت مفتی صاحب محافظوں اور دربانوں میں ایسے گھرے رہتے ہیں کہ ان سے علمی یا عملی استفادہ ممکن نہیں، تلاشی و مسلح محافظین سے گزر کر بھی زیارت و ملاقات و استفادہ کی تمنا پوری نہیں ہو پاتی کیونکہ نظم اوقات اور پابندی معمولات کا بہانہ بہر حال موجود رہتا ہے۔

جب اللہ نے علم و معرفت کی دولت عطا فرمائی تو اسے یوں دبا کر کیوں بیٹھے ہیں؟

یہ خیال سراسر باطل ہے

جواب :

یہ خیال سراسر باطل ہے کہ محافظوں اور دربانوں کے ہجوم کے باعث حضرت سے ملاقات، آپ کی زیارت اور آپ سے استفادہ ممکن نہیں۔

اس اعتراض کے اصل سبب کی صحیح نشان دہی

اس اعتراض کا اصل منشأ کیا ہے؟ حضرت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ و ملفوظات میں بے شمار جگہوں پر اس پر مفصل و مبسوط کلام فرمایا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کا ادب و احترام دو وجہ سے ہو سکتا ہے۔

① اقتدار و قوت

② محبت و عقیدت

علماء کے پاس اقتدار و حکومت تو ہے نہیں (جب تھا تو پوری دنیا جھک کر سلام کرتی تھی جیسا کہ آج بھی افغانستان میں اس کا مشاہدہ بخوبی کیا جا سکتا ہے جہاں اللہ نے علماء کو مسلح جہاد کی بدولت اقتدار عطا فرمایا ہے) محبت و عقیدت کا مدار دینداری ہے، دیندار اہل علم و اہل اللہ کی دل سے قدر کرتے ہیں اور ان کی جوتی کی خاک کو آنکھوں کا سرمہ تصور کرتے ہیں، لیکن جو لوگ دینداری سے محروم ہوتے ہیں وہ اہل دین یعنی

اہل علم واہل اللہ کی محبت وعقیدت سے بھی یکسر محروم ہوتے ہیں، ایسے لوگ جب کسی عالم سے ملنے کا ارادہ کرتے ہیں تو شیخ چلی کی طرح ازخود یہ خیالی منصوبہ بنا کر چلتے ہیں:

"جیسے ہی ہم وہاں پہنچیں گے اولاً تو مولانا صاحب پہلے ہی ہمارے استقبال کو کھڑے ہوں گے ورنہ جیسے ہی ہماری تشریف آوری کا علم ہوگا فوراً بلا تاخیر کھانا، پینا، نیند، آرام، کام اور تمام ضروری دینی خدمات چھوڑ کر ہمیں خوش آمدید کہیں گے، بیٹھتے ہی فریج میں لگی ٹھنڈی بوتل پیش کی جائے گی، ورنہ چائے تو ہر حال میں چلے گی پھر ہماری ہر معقول ونامعقول بات سنی جائے گی اور گپ شپ جو ہوگی وہ الگ"

عوام کا یہ خطرناک مزاج ازخود نہیں بنا، مال وجاہ کے مریض بعض جعلی مولویوں اور نقلی پیروں نے اپنے مقاصد نکالنے کے لئے عوام کا مزاج بگاڑا ہے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے:

"ایسے لوگ علماء سے ملنے آتے ہیں تو عقل کو گھر ہی میں رکھ کر آتے ہیں مگر جب عدالتوں، تھانوں، ہسپتالوں، سرکاری وغیر سرکاری دفاتر میں جاتے ہیں تو صحیح صحیح انسان بن کر جاتے ہیں، صرف افسران صاحبان کے طویل انتظار کا تحمل ہی نہیں چپراسیوں کے نخرے بھی بصد خوشی برداشت کرتے ہیں اور ان کی ڈانٹ پر "سرجی" کہہ کر معذرت کرنے کو اپنے لئے فخر اور اسے تہذیب وترقی قرار دیتے ہیں"

نیز حضرت تھانوی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے:

"ایسے ہی کوڑھ مغزوں سے تنگ آکر میں نے ملاقات، زیارت واستفادہ کے لئے اصول بنائے ہیں، اگر میں ایسا نہ کروں تو یہ ظالم مجھے ایک بار بھی اللہ کا نام تک نہ لینے دیں"

حضرت گنگوہی وحضرت تھانوی قدس سرہما ایسے لوگوں کو جو ان حضرات کے اصول کے مطابق چلنے کی بجائے اپنے اصول اور من مانی چلانے کی کوشش کرتے خانقاہ سے نکالدیا کرتے تھے۔

حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کا سبق آموز واقعہ

ایک نواب صاحب نے جو دینداری میں بھی شہرت رکھتے تھے اپنے خاص سکریٹری اور وزیر کو حضرت نانوتوی قدس سرہ کی خدمت میں یہ پیام دے کر بھیجا :

" میں حضرت والا کی زیارت کا بہت مشتاق ہوں حضرت مجھ سے مل لیں۔"

حضرت نانوتوی قدس سرہ نے اوّل اوّل تو اعذار شروع کر دیئے کہ میں غریب دیہات کا رہنے والا آداب امرار سے غیر واقف ہوں شاید آداب مجلس نہ بجا سکوں، اس پر وزیر صاحب نے کہا :

" حضرت ! نواب صاحب تو خود حضرت کا ادب کریں گے حضرت تمام آداب سے مستثنیٰ ہونگے۔"

حضرت نانوتوی قدس سرہ نے فرمایا :

" پھر نواب صاحب ہی تو میری ملاقات کے مشتاق ہیں میں تو انکی زیارت کا مشتاق نہیں ہوں، اگر ان کو اشتیاق ہے تو خود مجھ سے ملنے آئیں ان کے پیروں میں مہندی تو نہیں لگی ہے۔"

حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں :

" بہرحال نہ جانا تھا نہ گئے اور امراء کے مقابلہ میں حضرت کا یہی طرز عمل رہا ہے۔" (ارواح ثلاثہ ص ۲۴۱ ج ۲)

علماء حق کے خلاف

ہرزہ سرائی کرنے والے کا شرعی حکم

ایسے لوگوں میں سے جن کا ذکر اوپر ہوا اگر کوئی شخص کسی عالم کے اصول میں دخل اندازی کرے یا وقت نہ ملنے پر بدتمیزی و بدتہذیبی کا مظاہرہ کرے تو ایسا شخص واجب الاخراج ہی نہیں واجب التعزیر بھی ہے۔

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے یہ مسئلہ بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ

لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عالم دین کی توہین محض اس لئے کرتا ہے کہ یہ عالم دین ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہوگیا اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی" ایسے شخص کو دوبارہ مسلمان کرکے تجدید نکاح کرنا ضروری ہے اور اسے جلاوطن کرنا چاہئے اگر دوبارہ مسلمان نہ ہو تو شرعاً اسے قتل کرنے کا حکم ہے۔

یہ مسئلہ کتب ذیل میں مصرح ہے۔

(۱) المحیط	(۲) الفتاوی البزازیۃ	(۳) تبیین الحقائق
(۴) البحر الرائق	(۵) الاشباہ والنظائر	(۶) حاشیۃ البیری علی الاشباہ
(۷) شرح الکنز لابن الضیاء	(۸) منیۃ المفتی	(۹) مجموع النوازل
(۱۰) الخزانۃ	(۱۱) عمدۃ الاسلام	(۱۲) روضۃ العلماء
(۱۳) البریقۃ المحمودیۃ	(۱۴) تنقیح الفتاوی الحامدیۃ	(۱۵) الوھبانیۃ
(۱۶) الحاوی القدسی	(۱۷) الفتاوی الخیریۃ	

(البریقۃ المحمودیۃ ص ۹۲ ج ۳، تنقیح الفتاوی ص ۱۰۱ ج ۱، الفتاوی الخیریۃ ص ۲۳۵ ج ۲)

مذکورہ بالا کتب میں سے بعض میں تو یہاں تک ہے:

"غیر عالم کے لئے جائز نہیں کہ وہ اہل علم کے درمیان بیٹھے کیونکہ یہ بھی علم و اہل علم کی بے ادبی و گستاخی ہے، اگر کوئی ایسا کرے تو حاکم پر لازم ہے کہ اسے بزور اس بے ادبی سے روکے، اور اگر عالم سے بلند اور افضل جگہ پر بیٹھ گیا اور یہ حرکت اس سے علماء کی عظمت و وقعت نہ ہونے کی وجہ سے سرزد ہوئی تو یہ شخص کافر ہوگیا، بیوی نکاح سے نکل گئی اور اگر دل میں تحقیر نہیں یونہی مزاح کے طور پر بلند جگہ پر بیٹھ گیا تو گو کفر نہیں تاہم اسے تعزیر پھر بھی لگائی جائے۔ اس پر تمام ائمہ کا اجماع ہے"

(تنقیح الفتاوی للعلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ ص ۱۰۱ ج ۱)

علماء کے خلاف

پروپیگنڈا کرنے کی دوسری وجہ

چونکہ ایسے لوگوں کا علماء کے دروازوں پر غرور اچھی طرح پامال ہوتا ہے اور

آپریشن سے مادۂ فاسدہ خوب خارج ہوتا ہے اس لئے وہ علمار کو طرح طرح بدنام کرکے انتقام لینے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے لئے ان کے پاس سادہ لوح عوام کو دھوکا دینے کے لئے اس عنوان کے سوا کوئی حربہ نہیں بنتا کہ علمار عوام کو وقت نہیں دیتے، حالانکہ ذراسی عقل رکھنے والا یہ جان سکتا ہے کہ علمار کا سارا وقت عوام ہی کی خدمت میں گزرتا ہے، وعظ، تصنیف، تالیف، افتار، تدریس، تزکیۂ نفس وغیرہ خدمات سے زمانہ حال ہی کے نہیں تا قیامت عوام وخواص مستفید ہوتے ہیں، علمار کا پورا وقت عوام ہی کے لئے تو ہوتا ہے۔

یہ حضرات سونا اور آرام بھی اس نیت سے کرتے ہیں کہ صحت وقوت کے ساتھ تازہ دم ہوکر پھر مسلمانوں کی خدمت کریں گے اسی لئے علمار کی نیند بھی عبادت ہے،

اوقات میں نظم وضبط اور قرآن وسنّت

پھر ہر کام سلیقہ، طریقہ اور نظم وضبط کے ساتھ انجام دینا نہ صرف عقلاً لازم ہے شرعاً بھی ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وأتوا البیوت من ابوابھا

"اور گھروں میں دروازوں سے داخل ہو"

گھروں میں دروازوں سے دخول کے حکم سے ثابت ہوا کہ ہر کام سلیقہ اور اس کے خاص طریقہ سے کرنا لازم ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمام کام نظم کے ساتھ کرتے تھے، چنانچہ جامع ترمذی کی روایت ہے۔

قال الحسین فسألت ابی عن دخول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال کان اذا أوی الی منزلہ جزأ دخولہ ثلثۃ اجزاء جزء للہ عزوجل وجزء لاھلہ وجزء لنفسہ ثم جزأ جزءہ بینہ وبین الناس فیرد ذلک بالخاصۃ علی العامۃ لایدخر عنھم شیئا وکان من سیرتہ فی جزء الامۃ ایثار اھل الفضل باذنہ وقسمہ علی قدر فضلھم فی الدین (شمائل الترمذی ص ۵۹۴ ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

”حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے معمولات دریافت کیے، انھوں نے فرمایا کہ جب آپ گھر میں ہوتے تو اپنے اوقات کو تین حصوں میں بانٹ لیتے تھے، ایک حصہ اپنے رب کی عبادت کے لئے، دوسرا حصہ گھر والوں کے لئے، تیسرا اپنے لئے، پھر اپنے حصہ کو اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرمالیتے، پھر لوگوں کے حصہ کو خواص کے ذریعہ عوام پر صرف فرماتے (یعنی خواص ہدایات وارشادات نبویہ باہر جاکر عوام کو بتاتے) اور آپ کی سیرت طیبہ یہ بھی تھی کہ امت کے حصہ میں آپ اہل فضل وکمال کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔“

اسی نظم وضبط کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بوقت ضرورت محافظین کے علاوہ حاجب اور دربان بھی رکھے (اس پر عنقریب روایات آرہی ہیں)

پس اگر کوئی شخص پوری امت سے وابستہ دینی دائمی اجتماعی وانفرادی خدمات میں خلل ڈالنے کی کوشش کرے تو اسے تنبیہ نہ کرنا مروت نہیں کفران نعمت ہے اور اس منصب عظیم کی ناقدری اور مداہنت ہے۔

حضرت والا سے استفادہ کی پندرہ صورتیں

جن کے قلوب اہل اللہ واہل علم کی محبت وعظمت سے سرشار ہیں ان کے لئے حضرت والا کی زیارت تو روزانہ پانچ بار مسجد میں ہو ہی سکتی ہے، استفادۂ ظاہرو وباطن کی بھی درجن سے زائد صورتیں ہیں جن کے ذریعہ ہزاروں لاکھوں تشنگان علم وعمل پیاس بجھا رہے ہیں اور اس نعمت پر بصد ہزار بار حضرت کے ممنون احسان مند ہیں۔

① جمعرات چھوڑ کر روزانہ آدھا گھنٹہ وعظ، اس میں ہر شخص بیٹھ سکتا ہے، حضرت والا اور سامعین کے درمیان کوئی واسطہ حائل نہیں ہوتا۔

② جمعہ کے روز عصر کے بعد سے مغرب تک طویل وعظ ہوتا ہے جس میں

عوام و خواص، علماء و طلبہ کی بڑی تعداد شرکت کرتی ہے۔

(۳) جمعہ کے روز مغرب کے بعد متصل تقریباً پون گھنٹہ علماء و طلبہ کے لئے دفتر میں مجلس ہوتی ہے، اسمیں کوئی بھی عالم اور کوئی بھی طالب علم آسکتا ہے۔

حضرت والا ہر آنے والے سے مصافحہ فرماتے ہیں، پھر نام، مقام اور مصروفیت دریافت فرماتے ہیں، ہجوم مشاغل و کثرت متعلقین کی وجہ سے نام و مقام و مصروفیت بار بار پوچھنے کے باوجود یاد نہیں رہتے، علاوہ ازیں یاد نہ رہنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ یاد رکھنا مقصود ہی نہیں، محض اظہار محبت، دلجوئی اور تطییب قلوب کی خاطر اس معمول کو ہر حال میں ادا فرماتے ہیں۔

اس مجلس میں حضرت والا سے سوالات کی بھی اجازت ہے۔

(۴) ہفتہ کے روز عصر کے بعد عوام متعلقین کے لئے دفتر میں نشست ہوتی ہے، اس میں بھی حضرت والا کا واردین کے ساتھ وہی معمول ہے جو نمبر "۳" میں گزرا، یہ نشست اگرچہ عوام متعلقین کے لئے ہے تاہم اس میں علماء کرام و طلبہ بھی شرکت کرسکتے ہیں۔

(۵) جمعہ کے سوا روزانہ نصف گھنٹہ صبح پونے گیارہ بجے سے سوا گیارہ بجے تک دفتر میں تشریف رکھتے ہیں، اس میں دارالافتاء والارشاد کے مفتیان کرام، اساتذہ، تخصص اور دوسرے درجات کے طلبہ اور خانقاہ میں اصلاح کے لئے قیام کرنے والے حضرات کے علاوہ باہر کے علماء، طلبہ اور خاص متعلقین بھی شرکت کرتے ہیں۔

یہ مجلس اصلاً تو آدھے گھنٹے کی ہوتی ہے مگر باہر سے زیارت و ملاقات کے لئے آنے والے علماء کرام یا مجاہدین کی وجہ سے بسا اوقات گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک طویل ہوجاتی ہے۔

(۶) روزانہ دن میں دو مرتبہ ٹیلیفون پر پابند ہوکر بیٹھتے ہیں۔

صبح : ۹ ½ سے ۱۰ ½ تک

رات : ۹ ¾ سے ۱۰ ¼ تک، جمعہ چھٹی

اس میں کوئی بھی شخص حضرت والا سے فون پر بالمشافہہ بلاواسطہ بات کرسکتا ہے۔

حضرت والا ان اوقات کے لئے خود کو نہایت اہتمام سے فارغ رکھتے ہیں اور

شاذونادر ہی ناغہ ہوتے دیتے ہیں، اور عموماً اس ناغہ کا سبب بھی وہ ضرورت مند عوام یا علماء کبار مجاہدین ہوتے ہیں جن سے عام معمول سے ہٹ کر ملنا ضروری ہوتا ہے جو معمولات میں تقدم و تأخر کا باعث بن جاتا ہے۔

(۷) عصر سے ایک گھنٹہ قبل عوام و خواص دارالافتاء والارشاد میں پہنچ کر مسائل دریافت کر سکتے ہیں، اس کے لئے حضرت والا دوسرے مشاغل کی وجہ سے بذات خود نہیں بیٹھ سکتے اس لئے یہ کام دارالافتاء والارشاد کے مفتیان کرام کے ذمے لگا دیا ہے۔

(۸) اگر مسئلہ کی پیچیدگی، اہمیت، نوعیت یا کسی اور وجہ سے دارالافتاء والارشاد کے مفتیان کرام سائل کو حضرت والا سے ملانا مناسب یا ضروری سمجھیں تو سائل کو صبح پونے گیارہ بجے کی مجلس میں بلا لیا جاتا ہے، جس میں حضرت والا سے روبرو بات ہوتی ہے۔

(۹) ہر شخص بذریعہ تحریر مسئلہ شرعیہ معلوم کر سکتا ہے۔ البتہ ملک و بیرون ملک سے آنے والے بیشمار استفتاءات کے ہجوم کی وجہ سے فوری جواب ممکن نہیں ہوتا، دس یا پندرہ دن اور کبھی اس سے بھی زیادہ دیر لگ جاتی ہے، جواب نمبر سے دیا جاتا ہے ہاں ضرورت شدیدہ اور مجبوری الگ چیز ہے۔

(۱۰) اصلاحی تعلق رکھنے والے احباب کو بتائے گئے معمولات میں سے ایک نہایت اہم معمول "مکاتبت" ہے جس میں وہ اپنے دینی حالات و امراض و عیوب کی اطلاع دے کر نسخے لیتے ہیں، یہ ڈاک بھی اتنی کثیر مقدار میں ہوتی ہے کہ ایک خط کے جواب کا نمبر کم از کم دس دن بعد آتا ہے یہاں بھی ضرورت شدیدہ اور مجبوری مستثنیٰ ہے۔

(۱۱) اصلاحی تعلق رکھنے والے حضرات کے علاوہ بھی کوئی بھی شخص دینی دنیوی حاجت کی دعاء کیلئے، تعویذ کے لئے یا نجی حالات میں استشارہ کے لئے خط لکھ سکتا ہے، اس کا جواب بھی ترتیب سے دیا جاتا ہے نمبر "۱۰" اور نمبر "۱۱" کا استثناء یہاں بھی ہے۔

(۱۲) جو لوگ خلوت میں بات کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں اگر انکے کام کی نوعیت سے خلوت کی ضرورت ثابت ہو جائے تو حضرت والا خلوت میں بھی وقت عنایت فرماتے ہیں، لیکن اس کی نوبت کم ہی آتی ہے۔

(۱۳) عصر کے بیان کے بعد ایک مولوی صاحب اہل حاجات کو حضرت والا

کا تعویذ دیتے ہیں، یہ تعویذ عصر و مغرب کے درمیان ہی دیا جاتا ہے دوسرے اوقات میں نہیں تاکہ دین اور عامۃ المسلمین کی دوسری اہم خدمات میں خلل واقع نہو، جمعرات جمعہ کو تعویذ دینے کی چھٹی ہوتی ہے۔ ہر حاجت اور ہر مرض کے لئے ایک ہی تعویذ دیا جاتا ہے اس لئے حالات و حاجات بتانے اور سننے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

(۱۴) اگر کسی کو اچانک شدید ضرورت پیش آگئی تو ایسی ہنگامی حالت (ایمرجنسی) میں دوسرے معمولات کا حرج کرکے بھی اسے وقت دیا جاتا ہے۔

(۱۵) مذکورہ بالا معمولات و اوقات سے دو قسم کے حضرات مستثنیٰ ہیں

(۱) علماء کرام و مشایخ عظام (۲) مختلف جہادی تنظیموں کے قائدین۔

حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں:

"ایک بہت بڑے عالم تشریف لائے، مجھ سے فرمانے لگے:

سنا ہے کہ آپ نے فون کے اوقات متعین کر رکھے ہیں دوسرے اوقات میں آپ فون پر بات نہیں کرتے۔

میں نے کہا:

"وہ تو عوام کے لئے ہے، علماء کے لئے تو کوئی پابندی نہیں آپ نے کبھی تجربہ کیا کہ آپ نے فون کیا اور اس طرف سے انکار ہوا ہو، علماء کے لئے نہ فون پر پابندی نہ بالمشافہہ بات پر پابندی، ان کے لئے دروازے کھلے ہیں دار الافتاء کے دروازے بھی کھلے ہیں اور دل کے دروازے بھی کھلے ہیں، جب چاہیں تشریف لائیں، کوئی تجربہ تو کرے یہاں جو علماء تشریف لاتے ہیں وہ اور دوسرے حضرات اس بات کو خوب یاد رکھیں لوگوں نے یہاں پر پابندی کی بہت تشہیر کر رکھی ہے، لوگ جو بات اُڑا دیتے ہیں پھر کچھ نہ پوچھئے بلا تحقیق ہی اس پر اعتماد کر لیا جاتا ہے۔"

(وقت کی قیمت صفحہ ۶)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت ضرورت دربان متعین فرمانا

حدیث و تاریخ سے یہ بات آفتاب نیمروز کی طرح عیاں ہے اور قرین قیاس

بھی ہے کہ شروع زمانہ میں افراد کی قلت، حاجات کی قلت، اور معاملات کی قلت کے ساتھ آپس کے اختلافات ونزاعات، فتنہ وفساد نہیں تھے، نیز عام لوگوں میں سلامت طبع وسلامت فہم، سادگی وسچائی تھی، دین سے محبت اور قلوب میں اہل دین کا نہایت ادب واحترام تھا جس کی وجہ سے عامۃ المسلمین بلکہ عوام الناس بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلوت دینی خدمات، عبادات اور امور سلطنت میں دخیل نہیں ہوا کرتے تھے، کوئی بہت ہی ضروری بات یا کام ہوا تو مختصر ملاقات کرلی۔

(فتح الباری صفحہ ۱۱۸ جلد ۱۳)

(مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۹، جلد ۲)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:

"ہم یہ تمنا کرتے تھے کہ کوئی دیہاتی آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرائے تو ہمیں علم حاصل ہو، کیونکہ ہم زیادہ سوالات کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے تھے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بہتر لوگ نہیں دیکھے، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے وصال تک کل تیرہ مسئلے پوچھے جو قرآن میں منقول ہیں۔ یہ لوگ کام کی بات ہی پوچھا کرتے تھے۔" (ادب الفتیا للسیوطی صفحہ ۵۵)

حضرت شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اگر آج کے لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتے تو سارا قرآن "یسألونك" (یعنی سوالات) سے بھرا ہوتا۔

(ادب الفتیا صفحہ ۵۴)

مندرجہ بالا وجوہ کی بناء پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی زیارت وملاقات روزانہ مسجد میں پانچ بار ہر مسلمان کو ہوجاتی تھی اس دوران بلا واسطہ کوئی بھی شخص بات کرسکتا تھا، اس کے علاوہ بھی دوسرے عام اوقات

جن میں یہ حضرات عوام الناس کے لئے مسجد میں نشست فرماتے بالعموم سامنے کوئی دربان نہ ہوتا، اہلِ حاجات و مقدمات سیدھے آتے اور اپنی حاجت و مقدمہ پیش کرتے۔

لیکن یہ بھی بہت سی روایات سے ثابت ہے کہ بوقت ضرورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محافظین کے علاوہ دربان بھی رکھے۔

محدثین کہتے ہیں کہ جن روایات میں دربان رکھنے کی نفی ہے اس سے وظیفہ دار تنخواہ دار دربان مراد ہے، یا یہ کہ دربان رکھنے کا دائمی معمول نہ تھا (فتح الباری صفحہ ۳۰ جلد ۷، صفحہ ۱۱۷ جلد ۱۳) جیسا کہ بعد میں خلفاء راشدین و عادلین حضرت عثمان، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ و دیگر خلفاء مسلمین کا معمول رہا مطلقاً دربان کی نفی نہیں، کیونکہ:

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور محافظین کے بارے میں مفصل نصوص گزر چکی ہیں، محافظ دربان ہی تو ہوتا ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کا دربان محافظ ہی ہے، ان تمام روایات سے دربانی کا مسئلہ کُلاً یا جزءً واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔

② علاوہ ازیں متعدد روایات صحاح میں دربان رکھنا منصوص بھی ہے:

ففی صحیح البخاری من حدیث عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (قال)

فجئت المشربة التی فیھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت لغلام لہ اسود استأذن لعمر فدخل الغلام فکلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم رجع فقال کلمت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وذکرتک لہ فصمت فانصرفت حتی جلست مع الرھط الذین عند المنبر ثم غلبنی ما اجد فجئت فقلت للغلام استأذن لعمر فدخل ثم رجع فقال قد ذکرتک لہ فصمت فرجعت الخ

(صحیح بخاری ص ۷۸۱ ج ۲)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس زمانہ میں کہ آپ امہات المؤمنین سے کچھ ناراض ہو کر الگ جگہ رہائش پذیر تھے جائے قیام کے دروازہ پر ایک حبشی غلام حضرت رباح رضی اللہ عنہ کو دربان متعین فرمایا ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دربان کے ذریعہ دو مرتبہ حاضری کی اجازت چاہی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے تیسری مرتبہ اجازت مرحمت فرمادی "

وفی صحیح البخاری ایضاً من حدیث ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ قال فاذا هو(ای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جالس علی بئر اریس وتوسط قفها وکشف عن ساقیه ودلاهما فی البئر فسلمت علیه ثم انصرفت فجلست عند الباب فقلت لاکونن بواب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الیوم فجاء ابوبکر فدفع الباب فقلت من هذا فقال ابوبکر فقلت علی رسلک ثم ذهبت فقلت یا رسول اللہ! هذا ابوبکر یستأذن فقال ائذن له وبشره بالجنة (الی) فاذا انسان یحرک الباب فقلت من هذا فقال عمر بن الخطاب فقلت علی رسلک ثم جئت الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فسلمت علیه فقلت هذا عمر بن الخطاب یستأذن فقال ائذن له وبشره بالجنة (الی) فجاء انسان یحرک الباب فقلت من هذا فقال عثمان بن عفان فقلت علی رسلک فجئت الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فاخبرته فقال ائذن له وبشره بالجنة علی بلوی تصیبه الخ

(صحیح بخاری ص ۵۱۹ ج ۱)

وفی روایة اخری للبخاری ان النبی صلی اللہ علیه وسلم دخل حائطا وامرنی بحفظ باب الحائط الخ (صحیح بخاری ص ۵۲۲ ج ۱)

وفی صحیح ابی عوانة وفی مسند الرویانی فقال یا ابا موسی املک علی الباب

(فتح الباری ص ۳۰ ج ۷)

وعند الترمذی فقال لی یا ابا موسی املک علی الباب فلا یدخل علی احد

(جامع الترمذی ص ۵۳۲)

" حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے ایک باغ میں تشریف لے گئے، میں بھی حاضر ہوا سلام کیا، میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ آج تو دربانی کا شرف ضرور میں ہی حاصل کروں گا، اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی دروازہ کی حفاظت پر مجھے مأمور فرمادیا اور تاکیداً فرمایا:

"دروازہ کے مالک آج آپ ہیں دیکھنا (بلا اجازت) کوئی بھی اندر آنے نہ پائے"

میں دروازے پر (خوش و خرم) بیٹھ گیا، ایک صاحب نے دروازے پر دستک دی، میں نے پوچھا کون؟ کہا: ابوبکرؓ میں نے کہا: ٹھہرو (میں پوچھ کر بتاتا ہوں) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ابوبکر دروازے پر حاضری کی اجازت چاہتے ہیں، فرمایا انھیں اجازت دے دو اور ساتھ میں جنت کی بشارت بھی، پھر حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما وقفہ وقفہ سے آئے ان کو بھی اسی طرح روک کر اجازت اور جنت کی بشارت دی گئی۔

اخرج الامام ابوداود عن نافع بن عبد الحارث الخزاعی قال دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حائطا من حوائط المدینۃ فقال لبلال امسك علی الباب فجاء ابوبکر الخ (فتح الباری ص ۳۱ ج ۷)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے ایک باغ میں تشریف لے گئے اور حضرت بلال سے فرمایا:

"مجھ پر دروازہ بند رکھو (یعنی کسی کو آنے نہ دو)"

اخرج الترمذی وابن ماجۃ واحمد عن علی رضی اللہ عنہ قال جاء عمار بن یاسر یستأذن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ائذنوا لہ مرحبا بالطیب المطیب، قال الترمذی حدیث حسن صحیح (جامع الترمذی ص ۵۴۲، سنن ابن ماجۃ ص ۱۴، مسند احمد ص ۱۰۰ ج ۱)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر نے حاضری کی اجازت چاہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دربانوں سے فرمایا عمار کو آنے دو، آپ نے عمار کو طیب و مطیب یعنی طاہر و مطہر قرار دیا اور خوش آمدید فرمایا۔"

اخرج الامام البخاری عن مالك بن اوس (الی) فبینما انا جالس عندہ (عمر) اتاہ حاجبہ یرفأ فقال ھل لك فی عثمان وعبد الرحمن بن عوف والزبیر وسعد بن ابی وقاص یستأذنون قال نعم الخ

(صحیح بخاری ص ۴۳۶ ج ۱، ص ۵۷۵ ج ۲)

”حضرت مالک بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا آپکے دربان یرفأ نے آکر عرض کیا کہ حضرت عثمان، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اندر آنا چاہتے ہیں انھیں آنے دُوں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں آنے دو۔

قال الحافظ ابن حجر: ”حاجبہ ای عثمان حمران“

(تھذیب التھذیب ص ۲۴ ج ۳)

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دربان حمران بن ابان تھے تابعین میں یہ بڑے درجہ کے محدث اور زبردست عالم تھے“

ویحجب علیا قنبر واحیانا بشر (تھذیب)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دربان قنبر ہوتے تھے اور کبھی کبھی بشر بھی“

فلما دفن عمر جمع المقداد اھل الشوری ب (الی و) امروا اباطلحۃ ان یحجبہم وجاء عمرو بن العاص والمغیرۃ بن شعبۃ فجلسا بالباب فحصبھما سعد واقامھما۔ (الکامل لابن الاثیر ص ۶۸ ج ۳)

”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہادت کے وقت نئے خلیفہ کے چناؤ کا اختیار چھ حضرات کو دیا تھا جب ان چھ کی مجلس شوری شروع ہوئی تو انھوں نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو دروازہ پر دربان متعین فرمادیا۔ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہما بھی دروازہ پر آکر بیٹھ گئے، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو وہاں سے واپس فرمادیا“

ولما قدم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ الشام وجد معاویۃ رضی اللہ عنہ قد اتخذ حاجبا ومراکب والملابس النفیسۃ سألہ عن ذلک فقال لہ انا فی ارض نحن فیھا محتاجون لھذا فقال عمر لا أمرک ولا انھاک

(التراتیب الاداریۃ للکتانی ص ۲۶ ج ۱، الطبری ص ۳۳۱ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

مسلح پہرہ ——— ۹۹

الحمد للہ !

حضرت اقدس دامت برکاتہم کے افاضات و افادات حضرت ہی کی توجہ و برکت، دعاء اور آپ کی راہنمائی میں قلمبند کیے گئے، اللہ تعالی اس مجموعہ کو حضرت والا اور اکابر کے لیے صدقۂ جاریہ اور امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ بنائے اور اسے تعصب، ضد اور حسد سے بالاتر ہو کر پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، انگریز ملعون اور اس کے پٹھو قادیانی منحوس نے مسلمانوں کے قلوب سے جذبۂ جہاد، اسلحہ سے محبت اور شجاعت کھرچ کر دلوں میں جہاد اور اسلحہ سے نفرت اور بزدلی و ذلت بھر دی تھی، اللہ تعالی اس مجموعہ کی برکت سے تمام مسلمانوں کو انگریز اور قادیانی دجال کے زہر سے پاک و صاف کر دے، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

عبدالرحیم

نائب مفتی دار الافتاء والارشاد

۲۷ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ



دار الافتاء والارشاد

میں

مسلح پہرہ قابلِ ستائش یا ہدفِ تنقید؟

تحریر مولانا محمد مسعود اظہر صاحب

مرکزی ناظم اعلیٰ "حرکۃ الانصار" و مدیر اعلیٰ ماہنامہ "صدائے مجاہد" اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو حکم دیا ہے :

"اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور (اسلام اور حدود اسلام کی حفاظت میں) لگے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو۔"

آیت کریمہ میں "صابروا" سے مراد یہ ہے کہ دشمن کے مقابلے میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھاؤ اور "رابطوا" کے معنی اسلام اور حدود اسلام کی حفاظت میں لگے رہو جہاں سے بھی دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہو وہاں آہنی دیوار کی طرح سینہ سپر ہو کر ڈٹ جاؤ۔

آیت سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو جب کافروں سے خطرہ ہو تو وہ میدان چھوڑ کر نہ بھاگیں اور نہ ہی بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کی طرح اپنے رسول سے یہ کہیں :

"تم اور تمہارا رب جاکر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

بلکہ اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ کافروں کے مقابلہ میں ڈٹ جائیں اور اپنے تحفظ کے لئے سینہ سپر ہو جائیں اور اپنی سرحدوں کو مضبوط رکھیں تاکہ کوئی کافر ان کی طرف میلی نگاہ سے بھی نہ دیکھ سکے۔ اسی میں اسلام کی شوکت ہے اسی میں مسلمانوں کا تحفظ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ ہجرت فرماکر تشریف لائے تو مشرکین مکہ

نے مدینہ منورہ کے منافقین عبداللہ بن ابی وغیرہ کے ساتھ مل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جانی نقصان پہنچانے کی سازش کی اور عبداللہ ابن ابی کو اس سلسلے میں خطوط بھی لکھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کی سازش کا مقابلہ کرنے کے لئے مندرجۂ ذیل حفاظتی اقدامات فرمائے۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات راتوں کو جاگتے رہتے اور ہر وقت چوکنا رہتے تھے رواہ النسائی (فتح الباری ص۶۰ ج ۶)

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود مسلح رہتے تھے اور حالات پر کڑی نظر رکھتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ نے ایک مرتبہ رات کے وقت ایسی آواز سنی جس سے ان پر خوف طاری ہوگیا وہ سب اس آواز کی طرف نکلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے آگے تھے اور آپ ہی نے اس واقعہ کی تحقیق فرما کر لوگوں کو تسلی دی۔ اس وقت آپ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پشت پر سوار تھے اور آپکی گردن مبارک میں تلوار لٹک رہی تھی۔
(صحیح بخاری صفحہ ۴۰۷ جلد ۱)

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رات دن مسلح رہتے تھے اور اسلحے کو اپنے پاس سے جدا نہیں کرتے تھے جیسا کہ مسند دارمی کی روایت میں ہے:

"حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مدینہ تشریف لائے اور انصار نے ان کو ٹھکانا دیا تو عرب کے تمام قبائل مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے کھڑے ہوگئے۔ ان حالات میں صحابہ کرام رات دن اسلحہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔"

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مبارک پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہرہ دیا کرتے تھے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تمنا فرماتے تھے کہ کوئی صالح مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر پہرہ دے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود جاگتے رہتے تھے اور جب کوئی پہرے

کے لئے آجاتا تو آپ آرام فرماتے ۔ (صحیح بخاری صفحہ ٦ ٧ جلد ١)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح سے جاگنا اور چوکنا رہنا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہر وقت مسلح رہنا، حضور صلی اللہ علیہ کے گھر مبارک پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا پہرہ دینا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے پاس اسلحہ رکھنا یہ سب کچھ اس لئے نہیں تھا کہ یہ حضرات (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) کافروں سے ڈرتے تھے یا بزدل تھے ۔

بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے ۔

(صحیح بخاری ص ۳۹۵ ج ١ ، نور الیقین ص ٢٧٧)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو بزدلی سے اس طرح پناہ مانگتے تھے جس طرح کفر اور شرک سے پناہ مانگا کرتے تھے ۔

(صحیح البخاری صفحہ ۳۹٦ جلد ١)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بزدلی کو بہت بڑا عیب اور بیماری سمجھتے تھے، اسی لئے ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میں بزدل ہوں اور زیادہ سونے کا عادی ہوں آپ میرے لئے دعا فرما دیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی اور ان سے بزدلی کا مرض جاتا رہا ۔

(خصائل نبوی صفحہ ١۳۴)

سنن ابوداود کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بزدلی اور بخل کو مرد کے لئے بدترین عیب قرار دیا ۔

اس لئے یہ سوچنا بھی گناہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ عمل (اسلحہ ساتھ رکھنا، پہرہ دینا) بزدلی کی وجہ سے تھا ۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے یہ اعمال اس وجہ سے بھی (نعوذ باللہ) نہیں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد نہیں تھا ۔

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کا ایمان ہو سکتا ہے اور آپ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے ؟

اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان کی گواہی تو خود قرآن مجید دیتا ہے اور قیامت تک کے آنے والے انسانوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ ان کا ایمان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان کی طرح ہونا چاہیئے۔ پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان تو اتنا اعلیٰ اور ارفع ہے کہ آپ کے ایمان تک نہ کوئی نبی اور رسول پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی مقرب فرشتہ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحہ کیوں اٹھایا؟ اپنے گھر مبارک پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مسلح پہرے کیوں بٹھائے؟ میدان جنگ میں جسم مبارک پر دو دو زرہیں کیوں باندھیں؟ سر مبارک پر جنگی ٹوپی (خود) استعمال کیوں فرمائی؟

ایسے وقت میں کیا کوئی دریدہ دہن یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلحہ تو شانِ نبوت کے خلاف تھا جس طرح آج علماء کی شان کے خلاف ہے (نعوذ باللہ) پہرہ تو توکّل اور بھروسے کے خلاف تھا (نعوذ باللہ) جسم پر دو دو زرہیں باندھنا اللہ تعالیٰ پر ایمان میں کمزوری کی وجہ سے تھا (نعوذ باللہ)

بلکہ ایسے موقع پر صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرمایا اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اور اس کے حکم کو پورا کرنے کے لئے آپ نے یہ حفاظتی تدابیر فرمائیں۔

حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جسم مبارک پر دو زرہیں اس لئے باندھیں تاکہ اُمت کو اپنی حفاظت کی اہمیت اور طریقہ سکھائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک پر لوہے کی ٹوپی اس لئے رکھی تاکہ اُمت اپنے سر کی حفاظت سے غافل نہ ہو جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحہ اس لئے اُٹھایا تاکہ کافر مسلمانوں کو لقمۂ تر نہ سمجھیں بلکہ ہر وقت مسلمانوں سے مرعوب رہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی تیاری اس لئے فرمائی کہ آپ اور آپ کا دین دنیا میں مٹنے کے لئے نہیں آئے بلکہ دنیا سے کفر اور شرک کو مٹانے کے لئے آئے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"اور میرا نام ماحی (مٹانے والا) ہے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے

کفر کو مٹایا ہے۔

ویسے بھی دنیا کا عام اصول ہے کہ قیمتی اشیاء کی حفاظت کے لئے مختلف تدابیر اختیار کی جاتی ہیں جنہیں کوئی بھی معیوب نہیں سمجھتا، لوگ سونے چاندی کی حفاظت کے لئے کیا کیا جتن کرتے ہیں بلکہ اور تو اور اپنی جوتی کی حفاظت کے لئے مختلف تدابیر استعمال کرتے ہیں، عام طور پر مالیاتی اداروں کے باہر مسلح چوکیدار کھڑے نظر آتے ہیں جنہیں کسی نے بھی بُرا نہیں سمجھا، گھروں اور مویشیوں کی حفاظت کے لئے کتے رکھے جاتے ہیں، خود شریعت مطہرہ نے بھی اس کی اجازت دی کہ مال مویشی کی حفاظت کے لئے کتے رکھے جائیں، گھر کی حفاظت کے لئے دیوار اور دروازے پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ زنجیریں اور تالے اور چوکیدار بھی رکھے جاتے ہیں۔

جب دنیا کی گھٹیا چیزوں (سونے چاندی مال مویشی) کی حفاظت ایک مستحسن بلکہ ضروری امر سمجھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا دین اور اس دین پر چلنے والے مسلمان اور اس دین کے رہبر علماء تو ان تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کی جان اور مال اور آبرو کو حرمت عطا فرمائی ہے اور ان چیزوں کی حفاظت کے لئے محکم قوانین جاری فرمائے ہیں۔

تو کیا دین جیسی قیمتی چیز اور مسلمان جیسے قیمتی فرد کو بغیر حفاظت کے چھوڑ دیا جائے گا ہرگز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو حفاظت کے لئے بھی ایسے محکم قوانین نازل فرمائے ہیں کہ اگر مسلمان ان قوانین اور احکام پر عمل کریں تو کسی کافر کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کا تذکرہ فرمایا ہے تاکہ مسلمان خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ ان کا دشمن کون ہے اور ان کا دوست کون؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان دشمنوں کی دشمنیوں کی ترتیب تک بیان فرمائی کہ بڑا دشمن کون ہے اور چھوٹا دشمن کون، اور ان دشمنوں کے عزائم بھی بتائے اور انکا طریقۂ واردات بھی ذکر فرمایا، اس سلسلے میں آیات تو بہت زیادہ ہیں چند آیات بطور نمونے اور مثال کے ملاحظہ فرمائیے

”آپ یہودیوں کو سب لوگوں سے زیادہ مسلمانوں کا دشمن پائیں گے اور مشرکوں کو۔“

(مائدہ آیت: ۸۲)

"اور کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ تمہارے دین سے تم کو پھیر دیں اگر اس کی طاقت رکھیں۔"

(بقرہ آیت : ۲۱۷)

"اے ایمان والو نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں (مسلمانوں) کے سوا، وہ (کافر) کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں، ان کی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں رہو، تمہاری دشمنی ظاہر ہو رہی ہے ان کی زبان سے اور جو کچھ چھپا ہوا ہے ان کے دلوں میں وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔"

(آل عمران آیت : ۱۸)

اس موضوع پر قرآن مجید میں بے شمار آیات ہیں مقصد ان سب کا مسلمانوں کو کافروں کی دشمنی اور ان کی سازشوں سے آگاہ کرنا ہے اور یہ بیان کرنا ہے کہ کافروں کو اسلام اور مسلمان کسی حالت میں گوارا نہیں، ان کی کوششوں کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنا ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی جو کوششیں کی گئیں ان کے ذکر کے لئے بھی ایک دفتر چاہئے۔ اجتماعی اور انفرادی حملوں کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی کئی کوششیں ہوئیں۔ زہر دے کر شہید کرنے کی ناپاک سازش بھی ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شبخون مارنے کے لئے جنگی کیمپ بھی وجود میں آئے، گھوڑوں کو بھی پال کر موٹا کیا گیا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سازش پر کڑی نظر رکھی اور ہر فتنے کو اٹھنے سے پہلے دبا دیا۔

کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صرف کافروں کی دشمنی اور ان کی سازشوں اور ہتھکنڈوں ہی کو بیان نہیں فرمایا بلکہ مسلمانوں کو ایسی ہدایات بھی عطا فرمائیں جن پر عمل کر کے وہ کافروں کے مکر و فریب سے بچ سکتے ہیں بلکہ ایسی ہدایات عطا فرمائیں جن پر مسلمان عمل پیرا ہو کر کفر اور شرک کا قلع قمع کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کے لئے تر نوالہ بنا کر نہیں چھوڑا بلکہ مسلمانوں کے خلاف کافروں کے تمام راستے بند کر دیئے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو دنیا میں تمام ادیان پر غالب کرنے کیلئے بھیجا ہے اور یہ غلبہ اس وقت ہو سکتا ہے جب اس دین پر عمل کرنے والے اور اس دین کے نام لیوا

محفوظ رہوں اور مضبوط ہوں ۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لئے صرف غلبے اور سربلندی کا اعلان نہیں فرمایا بلکہ اس اعلان کے ساتھ ساتھ انھیں غلبے اور سربلندی کے راستوں سے بھی آگاہ فرمایا ہے اور کفار سے نمٹنے کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ اور مسلمانوں کو اس کا حکم دیا ہے کہ وہ کافروں سے اپنی حفاظت (اپنے دین، اپنی جان، اپنی آبرو) کو ہمیشہ مقدم رکھیں ۔ اس پر بے شمار دلائل موجود ہیں، بات سمجھنے کے لئے صرف "صلوۃ الخوف" ہی کو لے لیجئے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کا حکم نہیں دیا کہ تم نماز میں کافروں سے بے فکر ہوکر میرے سامنے کھڑے رہو میں تمہاری حفاظت کرونگا بلکہ حکم دیا کہ جب نماز میں کافروں کے حملے کا خطرہ ہو تو نماز کے دوران اسلحہ اٹھائے رکھو اور زرہیں باندھے رکھو، جہاں کافروں سے لڑائی ہورہی ہو وہاں ایک جماعت امام کے پیچھے رہے وہ بھی مسلح رہے، پھر یہ جماعت آدھی نماز پڑھ کر میدان میں کافروں کا مقابلہ کرے اور دوسری جماعت آکر نماز پڑھے پھر ان کے بعد پہلی جماعت آکر اپنی نماز مکمل کرے ۔

ذرا غور فرمائیے نماز جیسی اہم عبادت جو دین کا ستون ہے اس میں بھی حفاظت کا یہ بہترین بندوبست فرمادیا ۔ حالانکہ نماز سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے قرب اور کہاں ہوسکتا ہے مگر اس قرب اور مناجات کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اسلحے سے غافل نہ ہوں اور اپنے تحفظ کا بندوبست کرکے رکھیں اور کافروں کو کسی قسم کی کارروائی کا موقع نہ دیں، اسکے لئے انھیں اجازت دی کہ وہ نماز میں چلیں پھریں کافروں کو قتل کریں مگر ان کی نماز نہیں ٹوٹتی کیونکہ یہ سارے افعال (چلنا پھرنا جنگ کرنا کافروں کو قتل کرنا) بھی عبادت ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم ۔

اس لئے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

"صلوۃ الخوف" کی آیت میں اللہ رب العزت نے کافروں کی ایک خواہش اور ان کے ایک مکر کا ذکر فرمایا ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ :

"اور (نماز میں) ساتھ رکھیں اپنا بچاؤ اور ہتھیار، کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم بے خبر ہو اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے تاکہ تم پر یکبارگی حملہ کردیں"

(نساء آیت : ۱۰۲)

یہ قرآن کا فیصلہ ہے کہ کافر مسلمانوں کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں کہ کب یہ اسلحہ سے

غافل ہوں اور کافران پر ٹوٹ پڑیں - یہ تو کافروں کی خواہش ہے لیکن اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں؟ ملاحظہ فرمایئے ارشاد باری تعالیٰ :

"اور اللہ چاہتا ہے کہ سچا کر دے حق کو اپنے کلاموں سے اور کاٹ دے جڑ کافروں کی" (انفال آیت : ۷)

یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلمان کافروں سے ٹکرائیں اور وہ ان کی نصرت کر کے حق کے سچا ہونے کو ایسا ثابت کر دے کہ ہر کسی کو اقرار کرنا پڑے - اللہ تعالیٰ چاہے تو بغیر ٹکراؤ کے بھی حق کو غالب اور باطل کو مغلوب فرما دے مگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آزمانا چاہتا ہے کہ وہ اس کے حکم پر اسلحہ تھام کر میدان میں نکل کر بڑے دشمن سے ٹکراتے ہیں کہ نہیں، پھر جب مسلمان اس امتحان میں پورے اترتے ہیں اور کافروں سے ٹکراتے ہیں تو اللہ تعالیٰ خصوصی نصرت فرماتا ہے اور اس ٹکراؤ کے عوض دنیا سے فساد کا خاتمہ ہوتا ہے اور مسلمانوں کو بڑے بڑے مقامات ملتے ہیں، لیکن اگر مسلمان کافروں کے مقابلے میں آنے سے گریز کریں تو ان پر ذلت آتی ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے -

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کافر مسلمانوں کے دشمن ہیں اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے مٹانے کے درپے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کے شر سے بچنے کے لئے مختلف احکام دیئے جن میں سے ایک حکم یہ ہے کہ مسلمان ان کافروں پر اپنا رعب اور دہشت بٹھانے کے لئے خوب سامان جہاد جمع کریں، اچھے سے اچھا اسلحہ رکھیں اعلیٰ قسم کے تربیت یافتہ گھوڑے پالیں تاکہ کافر مرعوب رہیں اور کسی مسلمان کی جان مال اور آبرو کو تباہ نہ کر سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"اور تیار کرو ان کفار سے لڑائی کے لئے جو کچھ تم جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک بیٹھے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر" (انفال آیت نمبر ۶۰)

آیت کریمہ سے واضح طور معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہر وقت اسلحہ اور سامان حرب تیار رکھنا چاہئے بالخصوص جب کافروں کے حملے کا خطرہ ہو تو اس تیاری کی اہمیت بڑھ جاتی ہے -

غزوۂ تبوک کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے تحفظ کے لئے کتنی زبردست تیاری فرمائی اور مسلمانوں کا لشکر جرار تیار فرمایا -

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اموال جمع فرمائے۔ آلات حرب خریدے اور سخت گرمی میں لمبا سفر فرمایا اور اس خطرے کے آثار کو بھی ختم کر دیا جو بعد میں بڑا خطرہ بن سکتا تھا، اس غزوے میں لڑائی نہیں ہوئی مگر اس کے باوجود جو لوگ اس میں شامل نہیں ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قطع تعلق فرمایا اور مسلمانوں کو بھی ان سے قطع تعلق کا حکم دیا۔ بالآخر پچاس دن کے بعد ان حضرات کی توبہ قبول ہوئی۔

مکہ مکرمہ کا ایک کافر خالد بن سفیان ہذلی منیٰ کے علاقے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لئے ایک کیمپ بنا کر تیاری کر رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۵ محرم سنہ ۴ ھ میں اپنے صحابی حضرت عبد اللہ بن انیس انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے قتل کرنے کے لئے بھیجا اور جب وہ کامیاب ہو کر آ گئے تو انھیں ایک عصا بطور انعام و اکرام عطا فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود باقاعدہ اسلحہ خریدا کرتے تھے جیسا کہ صحیح البخاری کی روایت میں ہے:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر سے حاصل شدہ اموال میں سے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا نفقہ نکال کر باقی مال جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اسلحہ اور گھوڑے خریدنے پر خرچ فرماتے تھے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلحہ کے ساتھ محبت اور دلچسپی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عرب کی مشہور معروف تلواریں تھیں جن میں سے بعض کے دستے پر چاندی تک چڑھائی گئی تھی۔ آپ ہمیشہ آلات حرب کو بڑھانے کی فکر فرماتے تھے، غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے اور چند تلواریں تھیں مگر آپ کے جذبۂ جہاد نے اسلحہ کے انبار لگا دیئے، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیارہ تلواریں آٹھ نیزے، چھ کمانیں، دو ترکش، دو جنگی ٹوپیاں، سات زرہیں، چار ڈھالیں، جہاد کے لئے گھوڑے، خچر، اونٹ، اونٹنیاں تھیں۔

اسلحہ سے گھن کھانے والے اور نفرت کرنے والے اس روایت پر غور فرمائیں اور اپنے مزاج پر ماتم کریں۔

حضرت عمر بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے اپنے ورثہ میں سوائے اپنے سفید خچر، اپنے اسلحہ اور اس زمین کے جو صدقہ کردی تھی کچھ نہیں چھوڑا۔ (صحیح البخاری ص ۴۷۳ ج ۱)

دوسری روایت میں تصریح ہے کہ یہ خچر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد کے کام آتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تلوار رکھنا زرہ باندھنا وغیرہ وغیرہ تو تواتر کے ساتھ احادیث میں آیا ہے۔ اس یہودی کا واقعہ سب جانتے ہیں کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام کرتے دیکھا اور آپ کی تلوار درخت پر لٹک رہی تھی تو اس نے یہ تلوار اٹھائی۔ (الحدیث)

بہرحال حدیث سے ثابت ہوا کہ نیند کے وقت بھی تلوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں بھی دفاعی انتظامات کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ مسلمان تلوار کے دھنی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے منجنیق سیکھی تھی اور غزوۂ طائف میں استعمال بھی فرمائی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے صبور نامی ایک دفاعی اسلحہ ایجاد فرمایا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تربیت یافتہ مجاہد اپنی تلواریں اور تیر لیکر روم اور فارس کی آہنی فوجوں سے ٹکرائے، اس وقت تک کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا کہ تلوار اور اخلاق آپس میں متضاد چیزیں ہیں، کسی نے یہ نکتہ نہیں سوچا تھا کہ اسلحہ دہشت گردوں اور غنڈوں کا شعار ہے، کسی نے امت کو یہ مسئلہ نہیں سمجھایا تھا کہ اہل علم کے لئے اسلحہ سخت معیوب ہے۔ اس زمانے میں تو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے محدث، سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے مفسر، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے قاری، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مفتی، سیدنا ابو عبیدۃ ابن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے امین الامۃ، سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے فقیہ، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے علم کے سمندر اور خلفاء راشدین خود اسلحہ رکھتے تھے، خود اسلحہ چلاتے تھے اور اسلحے سے محبت فرماتے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نماز کے دوران مسلح پہرےدار محراب میں پہرہ دیتے تھے، اس زمانے میں مساجد کے اندر مقصورے (حفاظتی مورچے) پہلی صف میں بنائے گئے اور حضرات صحابۂ کرام اور اجل تابعین اور ائمہ نے ان مقصوروں (مورچوں) میں نمازیں ادا کیں۔ اس زمانے کے مسلمان ایک لمحے کے لئے بھی اپنے اسلحے سے غافل اور اپنے دفاع سے بے پروا نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام کی عزت، مسلمانوں کی عزت اور تحفظ اسی میں ہے، اگر مسلمانوں کا تحفظ کمزور پڑ گیا اور سرحدیں کمزور ہوگئیں تو اسلامی شعائر بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح حضرات تابعین میں بھی یہی ذوق رہا۔ حضرت امام حسن بصری جیسے بلند پایہ امام نے خود اسلحہ اٹھایا اور میدانوں میں معرکے لڑے اور کابل کی لڑائی میں حصّہ لیا، اس سے نہ تو حسن بصری کے علم پر کوئی آنچ آئی نہ ان کے فضل میں کوئی کمی آئی اور نہ تصوف کے اس بے تاج بادشاہ کو کسی نے طعنہ دیا کہ بزرگی اور اسلحہ تو الگ الگ چیزیں ہیں آپ نے یہ اسلحہ کیوں اٹھا رکھا ہے۔

حضرت حسن بصری کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ بڑھاپے میں بھی آپ نے جہاد کو ترک نہ فرمایا اور اسلحہ سے دل نہ ہٹایا حالانکہ طبیب روکتے رہے مگر حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ لذت جہاد سے سرشار رہے۔

تابعین کے بعد امت کے اہل علم اور اہل فضل محدثین اور فقہاء نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر جہاد کو جاری رکھا اور اسلحہ سے محبت کی حضرت عبد اللہ بن مبارک جیسے محدث اور امام اوزاعی جیسے فقیہ میدانوں میں لڑتے رہے اور علم کی خدمت بھی کرتے رہے۔ ان علماء اور مشایخ کی ایک طویل فہرست ہے جنہوں نے علم و معرفت کے ساتھ جہاد کے دیپ بھی جلائے اور ان میں سے ہزاروں علماء و مشایخ نے جام شہادت بھی نوش فرمایا، سلف میں سے کسی نے اسلحے کو علم کے منافی اور جہاد کو بزرگی کی ضد قرار نہیں دیا بلکہ جس سے جس قدر ہوسکا اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ اس محکم اور قطعی فریضے کی خدمت کی، کوئی خود میدان میں نکلا، کسی نے کتابیں لکھیں، کسی نے جہاد کے مسائل کی گتھیاں سلجھائیں۔

آج کسی اسلامی کتب خانے کی تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ کی کوئی کتاب

ایسی نہیں جس میں جہاد کے فضائل و مناقب اور اسلحے سے محبت کا درس نہ ملتا ہو، بلکہ ہمارے اسلاف کا تو ہمیشہ سے یہ نظریہ رہا ہے کہ جہاد افضل ترین عبادت ہے، اور جہاد کے ذریعہ علوم میں برکت ہوتی ہے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علوم میں برکت اسی جہاد کے مبارک عمل کی بدولت تھی، وہ جو کچھ قرآن میں سنتے تھے وہی کچھ میدان جہاد میں دیکھتے تھے، انکے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نصرت اور طاقت ایک محسوس چیز تھی، اس لئے ان کے علوم بہت اونچے تھے۔ آخر میں ہمارے اکابر علماء دیوبند بھی اسی طرز عمل پر قائم رہے، چشم فلک نے برصغیر کے تصوف کے امام حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ، حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ، فقیہ النفس ابو حنیفۂ ثانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ، برکۃ العصر حضرت مولانا حافظ ضامن شہید رحمہ اللہ تعالیٰ، امام زمانہ حضرت مولانا سید احمد شہید رحمہ اللہ تعالیٰ، عالم ربانی حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کو ہاتھوں میں اسلحہ تھامے میدانوں میں لڑتے دیکھا، ان اہلِ علم اور اہلِ فضل اکابر نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی اور انھوں نے میدانوں میں نکل کر انگریز کا مردانہ وار مقابلہ کیا، مگر کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ ان اکابر پر طعن و تشنیع کرتا کہ دین کے محافظ یعنی اللہ رب العالمین کے ہوتے ہوئے ان حضرات نے اسلحہ اٹھا کر علم کو بٹہ لگایا اور دین کی توہین کی (نعوذ باللہ)

مگر افسوس صد افسوس انگریز کی مکاری کا آرہ چل گیا، مرزا قادیانی ملعون کا ناپاک جادو کچھ اثر کر گیا، انگریز علماء کو ذلیل و رسوا اور نہتا کرنا چاہتا تھا، وہ علماء کو کمزور اور دوسروں کا دست نگر بنا کر دین کو ذلیل کرنا چاہتا تھا، وہ علماء کی قوت اور عظمت سے خائف تھا، وہ اس نکتے کو سمجھ گیا تھا کہ دینداروں کی قوت میں دین کی عظمت کا راز پوشیدہ ہے اس لئے دینداروں کو نہتا کیا جائے۔

انگریز نے محنت کی، مرزا قادیانی نے کتابیں لکھ ڈالیں، ذرائع ابلاغ حرکت میں آگئے اور سب نے ملکر یہ راگ الاپا کہ اسلحہ دہشت گردی کا نشان ہے، اسلحہ اہل علم کی شان کے خلاف ہے، اسلحہ غنڈوں کے ناپاک عزائم کی تکمیل کا راستہ ہے، اسلحہ مشایخ کی دستار کو عیب دار بنانے والی چیز ہے، یہ پروپیگنڈہ اتنا زوردار رہا کہ زرد

بخار کی طرح مسلمانوں کے قلب وجگر پر چھاگیا۔

نبی السیف (تلوار والے نبی) کی امت تلوار سے نفرت کرنے لگی، اللہ تعالیٰ کے احکام کو نظر انداز کر کے علماء کو نہتا کر دیا گیا اہل علم کمزور ہو گئے، اسلحہ چوروں اور ڈاکوؤں کو دیدیا گیا، اسلحہ جاگیر داروں اور وڈیروں کے ظلم کا محافظ بنا دیا گیا، اسلحہ دین کے محافظوں سے چھین کر دین کے دشمنوں کو دیدیا گیا، ایمان اور جہاد جو کل تک لازم وملزوم تھے آج ایک دوسرے سے جدا دکھائے گئے۔ فاسق طاقتور اور مؤمن کمزور ہو گیا، قاتل طاقتور اور دیندار مظلوم ہو گیا، اسلحے کے زور پر ملحدوں نے حکومتیں حاصل کیں، علماء کو مسجد ومدرسے میں محدود کر دیا گیا، اگر اہل علم نے آواز اٹھائی تو انہیں گولیوں سے چھلنی کر کے دوسروں کے لئے عبرت کا نشانہ بنا دیا گیا، کتے چھوڑ دیئے گئے اور پتھر باندھ دیئے گئے، ہر الحاد اور زندقے کے پیچھے آتشیں اسلحہ کی طاقت کو رکھا گیا اور دیندار لوگوں کو منہ کے نوالے بنا کر مذاق اور مسخرے پن کی چیز بنا دیا گیا، پھر زبانیں اسلام کے خلاف چلنے لگیں مگر ان زبانوں کو لگام دینے والے بے بس اور بے کس منہ دیکھتے رہ گئے، پھر قلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس پر ڈاکے ڈالنے لگے مگر اس ناموس کے محافظ نہتے تھے وہ کچھ نہ کر سکے، علماء کی ڈاڑھیاں نوچی گئیں، مسئلہ ختم نبوت جیسے اجماعی مسئلے کا خون کرنے کی کوشش کی گئی، اسلام کے نظام کو سر بازار گالیاں دی گئیں، اہل حق علماء کے جسموں کو سنگینوں اور گولیوں سے چھلنی کیا گیا، مگر اہل دل تڑپتے رہے اسلحے سے غفلت کا خمیازہ بھگتتے رہے۔

جس منبر پر سے عصماء یہودیہ کے قتل کا حکم ملا تھا اس منبر سے دین کی تباہی پر صبر کا پیغام نشر ہونے لگا، جس منبر سے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم ملا تھا اس منبر سے سلمان رشدی کے قتل کا فیصلہ صادر نہ ہو سکا، کفر سر بازار ناچ رہا تھا اور اہل ایمان سر چھپانے کے لئے پناہ گاہیں تلاش کر رہے تھے۔

ایسے وقت میں ہمارے پاکستان میں جہاں اسلام کے سوا ہر چیز کی آزادی ہے جہاں جمہوریت کا عفریت اسلام کے مقدس نظام کو منہ چڑا رہا ہے، جہاں کی زمین نے مولانا جھنگوی اور مولانا ایثار القاسمی کے خون کو پی لیا، جہاں صرف ختم نبوت

جیسا متفقہ مسئلہ حل کرانے کے لئے ہزاروں نوجوانوں کی تڑپتی لاشیں دینی پڑیں، اور اب تو حالات یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ غنڈہ گرد عناصر کھلے عام مساجد میں نمازیوں پر فائرنگ کر رہے ہیں اور مساجد کا تقدس اسلامی ممالک میں پامال کیا جا رہا ہے۔

اس قدرے تفصیلی تمہید کے بعد اب آتے ہیں اپنے اصل موضوع کی طرف۔

فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، آپ کے علمی و روحانی فیوض سے پوری دنیا سیراب ہو رہی ہے۔

افریقہ میں ایک مرتبہ بندہ کو ایک بہت بڑے شیخ الحدیث اور عارف باللہ بزرگ کی مجلس میں حاضری کا شرف حاصل ہوا، یہ بزرگ عالم دین اعلیٰ درجے کے محقق بھی ہیں اور افریقہ میں ان کے مریدین اور متوسلین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے سننے میں آیا ہے کہ یورپ میں بھی ان کا بہت بڑا حلقہ ہے، بندہ نے ان کی مجلس میں حضرت اقدس مفتی صاحب مدظلہ العالی کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا:

"ارے آپ لوگ خوش قسمت ہیں، حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی تو اس وقت علوم میں فرد ہیں۔"

بہر حال عرب و عجم میں حضرت مفتی صاحب کے علوم و معارف کی کرنیں پھیلی ہوئی ہیں، آپ کے محققانہ ذوق اور علمی تحقیقات اور روحانی مقامات پر تو اس وقت امت مسلمہ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے، بے شک آپ جیسے متقی فقیہ امت کے لئے عظیم سرمایہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی میں خوب برکت عطا فرمائے اور علم و معرفت کا یہ چشمۂ جاریہ امت کو سیراب کرتا رہے، آمین ثم آمین۔

حضرت اقدس مفتی صاحب مدظلہ سے اللہ تعالیٰ نے جہاں اور بہت سارے کام لئے وہاں آپ سے ایک اہم کام ان باطل فرقوں کے خلاف لیا جو امت کے ایمان پر ڈاکے ڈال رہے تھے۔ آپ نے تقریباً ہر فتنے کے خلاف لکھا اور لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ آپ کا حق پرست قلم تلوار کی طرح ان فتنوں کی شہ رگ پر پڑا تو علمی طور پر ان کی موت ثابت ہوا آپ نے تحریر اور تقریر کے ذریعے اپنے خالص ایمانی جذبات کو بروئے کار لاتے ہوئے ہر باطل کو للکارا مگر آج امت کے بہت سارے لوگ

ان جذبات سے محروم ہیں۔

حضرت اقدس مفتی صاحب جب افغانستان تشریف لے گئے اور ہم نے آپ کو کیمونسٹ فوج کے جرنل دکھائے، وہ جرنل جو مسلمانوں کے خلاف میدانوں میں اترے تھے اور انھیں روسی طاقت پر بڑا ناز اور گھمنڈ تھا مگر اللہ کے شیروں نے ان گیدڑوں کو زندہ پکڑ لیا تو وہ دوسروں کے لئے تماشۂ عبرت بن گئے، اب ان ظالم درندوں نے اپنے چہروں پر مظلومیت اور بےکسی کے ایسے پردے ڈال لئے کہ جو انھیں دیکھتا اسے ترس آتا، مگر اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت اقدس مفتی صاحب مدظلہ العالی کو کہ ان قاتلوں کو للکار کر فرمایا:

"میرے نزدیک تمہاری سزا موت ہے اگر میرا اختیار ہوتا تو میں تمھیں اپنے ہاتھوں سے قتل کرتا۔"

میں نے مذکورہ بالا واقعہ قصداً لکھا ہے تاکہ ہمارے ان بزدل مسلمانوں کو کچھ عقل آئے جو ظالم و جابر کافروں کی موت سے بھی گھبراتے ہیں، جو اپنے اسلاف کی تاریخ کو بھول چکے ہیں، جو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جہادی نعروں اور زمزموں کو فراموش کرکے بےبسی کی زندگی گزار رہے ہیں، جو بزدلی کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ اپنے ہاتھوں میں اسلحہ تک نہیں اُٹھا سکتے۔ اگر کوئی ان کے ہاتھوں میں بندوق پکڑا دے تو تھر تھر کانپنے لگتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ کہیں کوئی گولی اُلٹی نہ چل جائے اور ان کی قیمتی جان وقت سے پہلے نہ نکل جائے۔

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم جن کا ایک ایک عمل شریعت مطہرہ کے احکام سے عبارت ہے رافضیت کے فتنے کے خلاف شمشیر برہنہ بن کر میدان میں اُترے اور اس فتنے کے صرف کفر ہی کا نہیں بلکہ ان کے بارے میں اسلامی حکم کا بھی آپ نے ببانگِ دہل اعلان فرمایا، یہ اعلان کسی بند کمرے میں نہیں بلکہ کئی شہروں میں ہزاروں مسلمانوں کے بہت بڑے جلسوں میں آپ نے دشمنانِ صحابہ کو للکارا،

"فارس (ایران) کے محلات کانپ اُٹھے، خمینیت کراہنے لگی"

مسلح کماشتے حرکت میں آگئے اور اس علم و عمل کے مرقع بطل جلیل کو ختم کرنے کے لئے عملی کوششیں ہونے لگیں۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم

کے خدام اور مجاہدین نے آپ سے حفاظتی تدابیر اور مسلح پہرے کی اجازت چاہی، جب مجاہدین کا اصرار بہت بڑھ گیا تو آپ نے دارالافتاء کے عملہ اور تلامذہ و متعلقین میں سے دوسرے اہل افتاء و علماء کو قرآن و سنت اور فقہ کی روشنی میں حدود شریعت کے اندر اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کا حکم فرمایا، اہل علم اور مجاہدین سے مشورے ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے اوراق کی ورق گردانی کی گئی، جس کے نتیجے میں یہ فیصلہ ہوا کہ حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم اور آپکے ادارے اور طلبہ کی حفاظت کے لئے شرعی اصولوں پر مسلح پہریداری کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ اس کار خیر کے لئے نوجوانوں نے اپنی جوانیاں پیش کر دیں، مجاہدین نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے علمی مرکز میں پہرے کی ترتیب بنائی، فوج کے بڑے آفیسر اس ترتیب پر عش عش کر اٹھے، دارالافتاء والارشاد جو کہ دارالجہاد بھی تھا اب باقاعدہ دارالجہاد بن گیا، اسلحہ ہر طرف نظر آنے لگا۔

کافروں کی ماں مرگئی، مسلمانوں کی کمزوری پر غنڈہ گردی کا سکہ جمانے والے کھسیانی بلی کی طرح دارالافتاء کی طرف دیکھنے لگے، کتوں کے دانت ٹوٹ گئے، بھیڑیئے کی دم کٹ گئی، ایک دو مرتبہ کسی نے بہادری دکھائی تو منہ کی کھائی۔

مفتی صاحب کا یہ عظیم دارالافتاء مسجد نبوی کے اعمال کی آماجگاہ بن گیا کتنے مسلمانوں کو اسلحہ دیکھنے کی سعادت ملی، کتنوں کو پہرہ دینے کی فضیلت ملی، ہزاروں انسانوں کو اس عملی قدم نے جہاد کا گرویدہ بنا دیا، مرزا قادیانی کی قبر کی آگ اور بھڑک اٹھی، حضرت مفتی صاحب کا دارالافتاء اس کے عزائم کا قبرستان ثابت ہوا۔ اندرون ملک اور بیرون ملک سے آنے والے علماء ابتداء میں اس نئے طرز عمل سے پریشان ہوتے پھر آہستہ آہستہ مانوس ہوتے اور پھر چند روز میں اپنی پہلی زندگی پر لاحول پڑھ کر توبہ کرتے اور اسلحہ کو سینے سے لگا لیتے۔

دنیا داروں کو اہل علم کی عظمت کا احساس ہوا، ہزاروں مردہ احکام زندہ ہوئے، پہریداری اور تیر اندازی اور تلوار بازی کی حدیثیں کتابوں میں تلاش کی جانے لگیں، خوش قسمت ایک دوسرے سے نمبر لے جانے لگے، اسلحہ دارالافتاء میں کیا آیا کہ مولانا جلال الدین حقانی جیسے اس دور کے عظیم فاتح کو کھینچ لایا علم و عمل کے دو بادشاہ

اس دارالافتاء میں جب جمع ہوئے تو:

"لینن کا مجسمہ اسی وقت اپنی جگہ سے ہل گیا"

پھر تو دارالافتاء کمانڈروں اور غازیوں کا ایسا مرکز بنا کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ گئے اور افغانستان کے فاتح دارالافتاء والارشاد سے علم و روحانیت کے خزانے لوٹنے لگے اور دارالافتاء کے طلبہ وعلماء جہاد کے خالی خانوں میں رنگ بھرنے لگے۔

ایسے وقت میں ہونا یہ چاہیے تھا کہ حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم کو اہل علم کی طرف سے اس عظیم تجدیدی کارنامے پر اور اس مردہ سنّت کے احیاء پر مبارک باد کے پیغام ملتے (اور کچھ خوش قسمت علماء اور صلحاء نے یہ پیغام بھیجنے میں پہل بھی کی) اہل حق حضرت مفتی صاحب کی پیروی کرتے ہوئے اپنے مدارس اور مساجد کی حفاظت کے لئے یہ انتظام کرتے، منبر و محراب پر خوشی کا اظہار ہوتا کہ علم اور جہاد کا ٹوٹا ہوا رشتہ پھر جڑ گیا۔

مگر بعض حضرات کو اہل دین کی یہ حفاظت پسند نہ آئی، انھیں ایک بڑے دینی مرکز کا تحفظ اچھا نہ لگا، جہاد سے ان کی طبعی نفرت اعتراضات اور اشکالات کی شکل میں وارد ہوئی، نبیّ السّیف صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض وارثوں نے سیف (تلوار) کو دہشت گردی کا نشان اور کلاشنکوف کو غنڈوں کا شعار قرار دیا، معلوم نہیں ان حضرات کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا گمان ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو خود کو "نبیّ الملاحم" گھمسان کی جنگوں والا نبی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم کا عمل تو قرآن، سنت، فقہ اور اجماع سے ثابت ہے، مگر معترضین کے پاس خوابوں اور خیالوں کے سوا کوئی دلیل نہیں، وہ لوگ جو جہاد کو صرف فوج کا کام سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کو دفاع تک کے لئے اسلحہ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتے واقعی انھیں اسلحے کی ضرورت نہیں، کوئی کافر انھیں اپنے لئے خطرہ نہیں سمجھتا اور ان کے لئے اپنی تلوار کو تیز نہیں کرتا، یہ لوگ بزدلی کو امن اور کمزوری کو مصلحت کا نام دیتے ہیں، مسلمانوں کی ذلت اور رسوائی کو تواضع سمجھ کر عبادت جانتے ہیں، ہائے کاش! یہ ذلت اور تواضع کے فرق کو سمجھتے، یہ لوگ جس قرآن کی بات کرتے ہیں وہی قرآن اپنے دفاع کے لئے اسلحہ اٹھانے کو ضروری قرار دیتا ہے، وہ جس نبی کو مانتے ہیں اس نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے

اسلحہ اٹھایا، وہ جس گھر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں یہ گھر جہاد کی قوت سے فتح ہوا۔

جہاد کو فساد سمجھنے والے اپنے ایمان کی خیر منائیں، دوسروں پر انگلیاں اٹھانے سے پہلے اپنے ایمان کی تجدید کا سامان کریں اور امت مسلمہ کو مزید ذلت اور غلامی کا سبق نہ سکھائیں، اگر وہ بزدل ہیں، اسلحہ اٹھانے کی تاب نہیں رکھتے تو اپنی بزدلی کو اپنی حد تک رکھیں، قرآن وسنت کو توڑ مروڑ کر اپنی بزدلی کے لئے دلائل جمع کر کے اپنے مرض کو متعدی نہ بنائیں۔

یہ موضوع بہت تفصیل طلب ہے، اس وقت بے شمار دلائل اور نکات بحمد اللہ تعالیٰ ذہن میں ہیں مگر "صدائے مجاهد" کے حجم اور اپنی عدیم الفرصتی کی بنا پر آخر میں مختصر طور پر تین باتیں عرض کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اسلام کی سمجھ عطا فرمائے۔

اسلحہ رکھنا توکل کے قطعاً خلاف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اسی لئے کوئی شخص یہ سوچ کر کہ رازق تو اللہ تعالیٰ ہے روزی کمانا نہیں چھوڑتا، اپنے ادارے کو چلانے کے لئے اسباب جمع کرنا نہیں چھوڑتا، کیونکہ توکل اسباب اختیار کرنے کے منافی نہیں، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پہرہ دیتے تھے حالانکہ آپ سے بڑھ کر کون متوکل ہے، بعض محدثین اور فقہاء کے نزدیک تو یہ پہرہ آخر عمر تک رہا۔ تفصیل کے لئے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری ملاحظہ فرمائیں۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے ہاں پہرے کی وجہ سے کچھ لوگ متنفر ہوئے ہیں، یہ ایک من گھڑت مفروضہ ہے، کیونکہ حضرت مفتی صاحب کے اس عمل سے تو عوام وخواص کو جہاد کی اہمیت کا احساس ہوا ہے اور ہزاروں لوگوں کو جہاد میں شرکت کا موقع ملا ہے، دو سو سے زائد علماء نے جہاد کی تربیت حاصل کی اور اس میں عملاً حصہ لیا، بہت سارے اہل علم کو جہاد پر تحقیقی کام کرنے کی ہمت ہوئی ہے۔

برطانیہ کے ایک بڑے عالم نے جب حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے ہاں یہ نظام دیکھا تو اس قدر متأثر ہوئے کہ آج ان کی کوئی مجلس جہاد کے تذکرے سے خالی نہیں ہوتی۔

اگر بفرض محال کچھ لوگوں کو یہ عمل اچھا نہیں لگا تو اس میں حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا کیا قصور ہے؟ اس میں قصور تو ان لوگوں کا ہے جنھوں نے امت کو اسلحہ سے دور رکھا اور جہاد کا سبق نہیں سکھلایا یہاں تک کہ امت اس حال تک جا پہنچی کہ آج جہاد کا نام سن کر بہت سارے لوگوں کے رنگ فق ہو جاتے ہیں اور چہرے سیاہ ہو جاتے ہیں،

حالانکہ قرآن مجید میں یہ علامت منافقین کی بیان فرمائی ہے کہ جہاد کا نام سُن کر ان کے چہرے سیاہ ہو جاتے ہیں اور ان پر موت چھا جاتی ہے۔

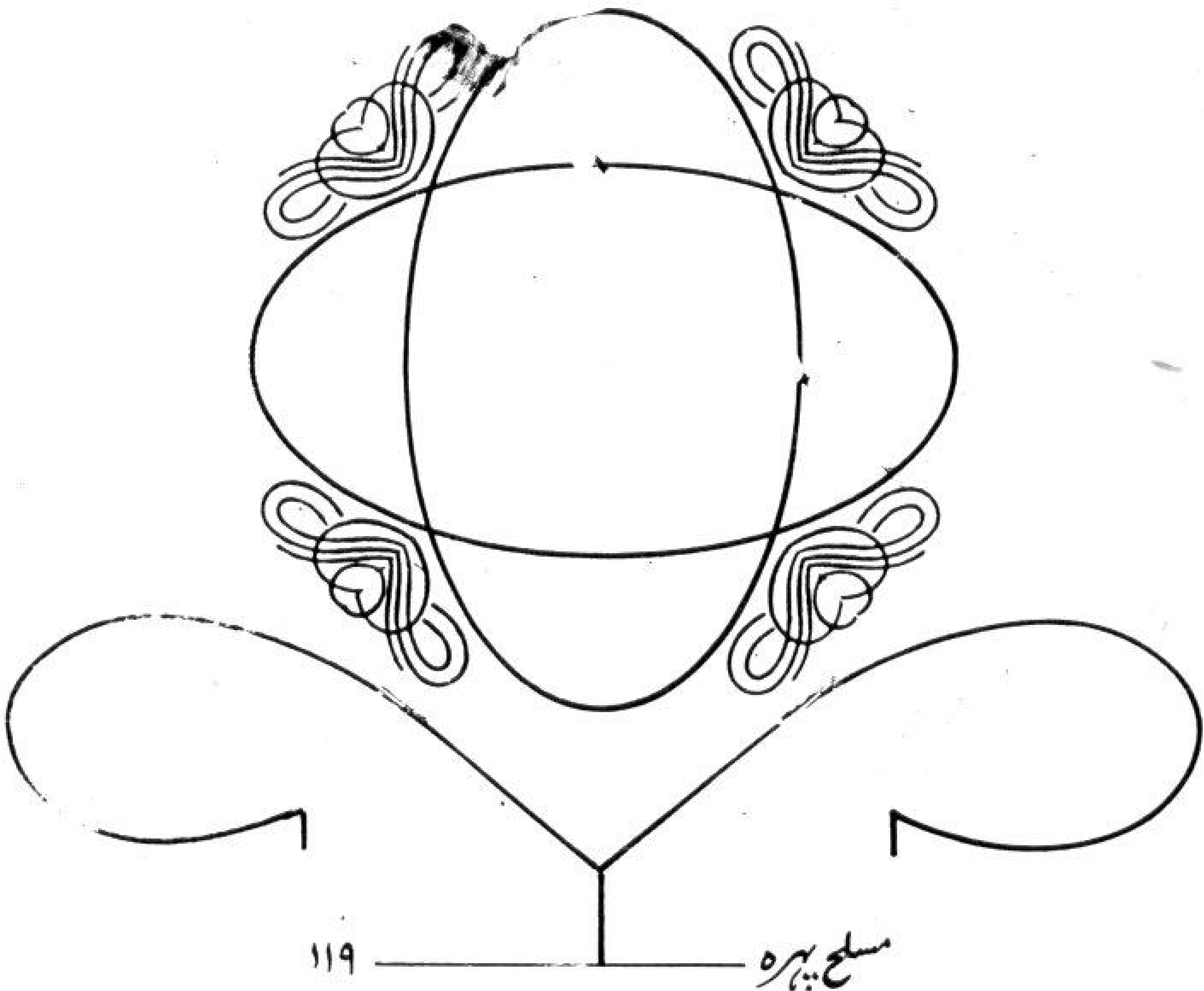
اہل علم اور اہل کمال حضرات غیر علماء کو عموماً اور فاسق فاجر لوگوں کو خصوصاً کتابیں لکھنے اور تفسیر وغیرہ کرنے سے روکتے ہیں کیونکہ اس سے گمراہی پھیلتی ہے، انکا یہ عمل درست ہے۔

اسی طرح اہل علم اور اہل دین کو چاہیئے کہ وہ فاسق فاجر لوگوں کے ہاتھوں میں اسلحہ نہ دیں کیونکہ اس سے فسق کو قوت ملے گی اور دین کا نقصان ہوگا، اسلحہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہے اس لئے یہ دین دار لوگوں اور اہل علم کے پاس ہونا چاہیئے تاکہ دین کو قوت ملے اور اسلام کو عظمت ملے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی اٰلہ واصحابہ اجمعین

محمد مسعود اظہر

(ماہنامہ "صدائے مجاہد" اسلام آباد ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ)





حفاظتی تدابیر کے دلائل میں احادیث کے بیان میں مندرجہ ذیل حدیث کتابت سے رہ گئی تھی جو یہاں بصورتِ "الحاق" لکھی جاتی ہے۔

پہلے پینسٹھ روایات تھیں اب اس حدیث کے اضافہ سے چھیاسٹھ ہو گئیں۔

حدیث یہ ہے:

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الراکب شیطان والراکبان شیطانان والثلاثۃ رکب، رواہ مالک والترمذی وابوداؤد والنسائی (مشکوٰۃ ص۳۳۹)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایک سوار شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار صحیح سواروں کی جماعت ہے۔"

یہ حدیث ابتداء اسلام کے زمانہ کی ہے، یعنی غلبۂ کفار کی وجہ سے حفاظتی تدابیر کی اسقدر تاکید کی جارہی ہے کہ تین سواروں سے کم ایک یا دو پیادہ تو درکنار سواروں کو بھی باہر نکلنے کی اجازت نہیں، اس پر ایسی سخت وعید فرمائی کہ تین سواروں سے کم نکلنے والے سواروں کو شیطان قرار دیا، جب تین سے کم سوار بھی شیطان ہیں تو پیادہ تو اور بھی بڑے شیطان ہونگے۔

عبد الرحیم
نائب مفتی دار الافتاء والارشاد
ناظم آباد کراچی

باب المرتد والبغاۃ

مرتد کے مال کا حکم:

سوال: ایک مسلمان عورت مرتد ہوگئی اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہوگیا، اس کی جائیداد اس کے مسلمان بھائی کے ساتھ مشترک تھی، اس جائیداد کے شرعی وارث کون بنیں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ارتداد کی صورت میں مرد اور عورت کے اموال کے احکام مختلف ہیں اس لئے ہر ایک کا حکم الگ تحریر کیا جاتا ہے:

مرد مرتد ہوجائے تو اس کا مال اس کی ملک سے نکل جاتا ہے، البتہ دوبارہ قبول اسلام کے بعد اس کی ملک لوٹ آتی ہے۔

اور حالت ارتداد میں قتل کردیا گیا یا مرگیا یا دارالحرب چلا گیا تو حالتِ اسلام کا کمایا ہوا مال مسلمان وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے اور حالت ارتداد کی کمائی بیت المال میں داخل کی جاتی ہے، بیت المال نہ ہونے کی صورت میں مساکین پر صدقہ کیا جاتا ہے۔

عورت مرتد ہوجائے اور اسی حالت میں مرجائے یا دارالحرب چلی جائے تو اس کا سب مال مسلمان ورثہ پر تقسیم ہوگا، خواہ حالتِ اسلام میں کمایا ہو یا حالتِ ارتداد میں۔

لہٰذا اس مرنے والی عورت کے ترکہ میں کافر رشتہ داروں کا کوئی حق نہیں۔

قال فی التنویر وشرحه: (ویزول ملک المرتد عن ماله زوالا موقوفا فان اسلم عاد ملکه وان مات او قتل علی ردته) اوحکم بلحاقه (ورث کسب اسلامه وارثه المسلم) ولو زوجته بشرط العدة زیلعی (بعد قضاء دین اسلامه وکسب ردته فیء بعد قضاء دین ردته) وقال امیراث ایضا ککسب المرتدة (رد المحتار ص۳۰۹ ج ۳)

واللہ تعالیٰ اعلم

۷ صفر سنہ ۸۸ھ

مرتد کے ہبہ، وصیت اور وراثت کا حکم :

سوال : زید کا باپ مرتد ہوگیا تو زید کو اس کے مکان میں رہائش رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس کی آمدن سے کھانا پینا اور دوسری ضرورت کی اشیاء لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے ترکہ میں زید کا حصّہ ہوگا یا نہیں؟ زندگی میں اگر وہ زید کو کچھ دیدے یا مرنے سے پہلے زید کے لئے کچھ وصیت کر جائے تو زید کے لئے لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

مرتد کے مال سے اس کے مسلمان ورثہ اور بیت المال کا حق متعلق ہوجاتا ہے، اگر اسے قتل کیا گیا یا حالت ارتداد میں مرگیا یا دار الحرب چلا گیا تو حالتِ اسلام میں کمایا ہوا مال اس کے مسلمان ورثہ پر تقسیم ہوگا اور حالتِ ارتداد کی کمائی بیت المال میں جمع کی جائے گی۔ اس لئے مرتد اپنے مال میں کسی غیر وارث کے لئے ہبہ، وصیت وغیرہ تصرفات نہیں کرسکتا۔

اگر زید اس مرتد باپ کے مسلمان ورثہ میں اکیلا وارث ہے تو اس سے وہ مال قبول کرسکتا ہے جو اس نے حالتِ اسلام میں کمایا تھا، اسی طرح حالتِ اسلام میں تعمیر کردہ مکان میں رہائش بھی رکھ سکتا ہے، اس مال سے زید کے لئے ہبہ، وصیت وغیرہ قبول کرنا بھی درست ہے، بصورت وصیت یہ مال اس کے مرنے پر زید کو بطور وراثت ملے گا نہ کہ وصیت، اس لئے کہ وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔

اور اگر زید کے علاوہ اس کے دوسرے مسلمان ورثہ بھی ہیں اور سب عاقل وبالغ ہیں تو زید ان کی رضا سے اس مکان میں رہ سکتا ہے اور حالت اسلام کی آمدن سے کھا پی بھی سکتا ہے۔

بطور ہبہ و وصیت دوسرے ورثہ کی رضا سے ایسی چیز قبول کرسکتا ہے جو ناقابلِ تقسیم ہو یعنی تقسیم کی جائے تو کارآمد نہ رہے جیسے بہت چھوٹا مکان اور گاڑی وغیرہ۔

جو چیز قابلِ تقسیم ہو وہ قبول نہیں کرسکتا کیونکہ یہ مال تمام ورثہ کا مشترک ہے اور یہ ہبہ درحقیقت ورثہ کی طرف سے ہے اور اس قسم کی مشترک چیز کا ہبہ صحیح نہیں۔

مشترک چیز کی وصیت بھی درحقیقت ورثہ کی طرف سے ہبہ ہے، مگر مرتد کے قتل یا موت یا دار الحرب سے لحاق کے بعد زید کے قبضہ میں آئے گی اس لئے اسمیں یہ شرط ہے کہ

اس وقت مسلمان وارث سب راضی ہوں اور سب عاقل بالغ ہوں ۔ مرتد کے قتل یا موت یا دار الحرب سے لحاق سے پہلے ان کی رضا کا اعتبار نہیں، رضا وہی معتبر ہوگی جو وارث بننے کے وقت متحقق ہو۔

زید اگر مسکین ہے تو مصارف بیت المال میں داخل ہونے کی وجہ سے مرتد کے اس مال سے بھی نفع اٹھا سکتا ہے جو اس نے حالتِ ارتداد میں کمایا۔

قال فی التنویر وشرحہ : (ویزول ملک المرتد عن مالہ زوالاً موقوفاً فان اسلم عاد ملکہ وان مات او قتل علی ردتہ) اوحکم بلحاقہ (ورث کسب اسلامہ وارثہ المسلم) ولو زوجتہ بشرط العدۃ زیلعی (بعد قضاء دین اسلامہ وکسب ردتہ فیء بعد قضاء دین ردتہ (وقال بعد صفحۃ) ویتوقف منہ المفاوضۃ والتصرف علی ولدہ الصغیر والمبایعۃ والعتق والتدبیر والکتابۃ والھبۃ والاجارۃ والوصیۃ ان اسلم نفذ وان ھلک اولحق بدار الحرب وحکم بطل (رد المحتار ص۳۰۹ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ محرم ۹۳ھ

قادیانیوں کے ساتھ تعلقات :

سوال : قادیانیوں کو ملک میں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہے اب یہ ذمّی کافر ہیں، سوال یہ ہے :

(۱) اگر کوئی قادیانی مہمان آئے تو اس کا اکرام اور مہمانی جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) اگر کوئی قادیانی کسی مقصد سے درود شریف یا قرآن مجید کا ختم کرائے تو کسی مسلمان کو اس میں شرکت جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) قادیانی کسی مسلمان کی دعوت کریں جس میں ذبیحہ بھی قادیانیوں کا ہو تو ایسی دعوت قبول کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار دئیے جانے کے باوجود ذمّی نہیں اس لئے کہ یہ زندیق ہیں اور زندیق کسی صورت بھی ذمّی نہیں قرار پاتا بہرصورت واجب القتل ہے، اسلئے قادیانیوں کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں ۔ مذکورۃ الصدر تینوں

سوالات کا جواب نفی میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ شعبان سنہ ۹۴ ھ

شیعہ اور قادیانیوں وغیرہ کا زندقہ اور زنادقہ کے احکام کی تفصیل "کتاب الحظر والاباحۃ" میں ہے۔

سوال مثل بالا :

سوال : قادیانیوں کے بارے میں چند سوالات ہیں :

(۱) قادیانی مسلمان کے جنازہ کو کندھا دے سکتا ہے یا نہیں ؟

(۲) قادیانی کے ساتھ بیٹھ کر مسلمان کھانا کھا سکتا ہے یا نہیں ؟

(۳) شادی یا کسی دیگر تقریب میں قادیانی مسلمانوں کو مدعو کر سکتا ہے یا نہیں ؟

(۴) قادیانی مسلمان کو سلام کرے تو جواب میں کیا کہا جائے ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قادیانیوں کے ساتھ اس قسم کے تعلقات قطعاً ناجائز ہیں، یہ عام کفار سے بدتر زندیق اور واجب القتل ہیں، ان کی شادی غمی میں شرکت کرنا یا اپنی شادی غمی میں انھیں شریک کرنا، ان سے سلام و کلام غرض کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں، مسلمان کے جنازہ کے ساتھ ایسے مغضوب لوگوں کو چلنے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الآخرہ سنہ ۹۵ ھ

قادیانیوں سے تعلقات رکھنے کے چند احکام جلد اوّل "کتاب الایمان والعقائد" میں بھی ہیں اور زیادہ تفصیل "کتاب الحظر والاباحۃ" میں۔

ارتداد زوج سے نکاح فوراً ٹوٹ گیا :

سوال : کمپنی میں ایک ذمہ دار افسر نے یہ الفاظ کہے :

" اگر اللہ تعالیٰ کمپنی کے کام کو خراب کرے تو اس کو بھی پھانسی دیدیں گے، اگر اللہ تعالیٰ کا بچہ بھی آئے تو اس سے بھی کام لیں گے "

اس کے دین و ایمان اور نکاح کا کیا حکم ہے ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

یہ شخص مرتد ہوگیا اس کا نکاح بھی فوراً ٹوٹ گیا، اس کی بیوی پر فرض ہے کہ بلا تأخیر اس سے علیحدگی اختیار کرلے، اسے دوبارہ مسلمان کرکے از سرِ نو اس کا نکاح کیا جائے، اگر مسلمان نہ ہو تو حکومت پر فرض ہے کہ اسے عبرت ناک طریقہ سے قتل کرکے تمام لوگوں کے لئے نمونۂ عبرت بنائے۔

مرتد ہوتے ہی باجماع جمہور اُمت نکاح ٹوٹ جاتا ہے، اس میں قضاء قاضی کی ضرورت نہیں۔

قال فی التنویر: وارتداد احدھما فسخ عاجل۔

وفی الشرح: بلا قضاء۔

وفی الحاشیۃ: ای بلا توقف علی قضاء القاضی وکذا بلا توقف علی مضی عدۃ فی المدخول بھا کما فی البحر (رد المحتار ص۴۲۵ ج۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷ صفر ۹۰ھ

ارتداد زوجہ کا حکم:

سوال: معاذ اللہ! کسی کی بیوی مرتد ہوجائے تو اسکا نکاح ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ اگر ٹوٹ گیا تو اس پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ یعنی اگر وہ پھر اسلام قبول کرلے تو دوسرے شخص سے فوراً نکاح کرسکتی ہے یا عدت گزارنے کے بعد؟

نیز اس عورت کو شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے جس نے یہ ہلاکت کا راستہ دکھایا اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

اس بارہ میں تین روایات ہیں:

① عورت کا نکاح ٹوٹ گیا اور وہ باندی بن جائے گی، اس کا شوہر اسے امام وقت سے خرید کر اپنے پاس رکھ سکتا ہے، اگر شوہر مصرف ہو تو امام اسے مفت بھی دے سکتا ہے۔

② اس کا نکاح ٹوٹ گیا مگر یہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کرسکتی بلکہ اسے تجدید اسلام اور پہلے ہی شوہر سے تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے گا۔

(۳) اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا، اسی شوہر کے نکاح میں بدستور رہے گی۔

اس زمانہ میں پہلی دو صورتیں ممکن نہیں، صورت اولیٰ کا عدم امکان تو ظاہر ہے، حکومت سے صورت ثانیہ پر عمل کرنے کی بھی کوئی توقع نہیں، لہٰذا فتویٰ کے لئے صورت ثالثہ ہی متعین ہے، یعنی عورت کے ارتداد سے اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا، مگر تجدید اسلام سے قبل اس سے استمتاع جائز نہیں، کالموطوءة بالشبهة والحامل من الزنا، بلکہ تجدید اسلام کے بعد تجدید نکاح بھی ضروری ہے، اس لئے کہ روایت ثانیہ ظاہر الروایۃ ہے، اس خاص جزء میں اس سے عدول کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا تجدید اسلام کے بعد بھی تجدید نکاح سے قبل استمتاع حرام ہے۔

قال الامام الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: وصرحوا بتعزیرها خمسة وسبعین وتجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح زجرا لها بمهر یسیر کدینار وعلیه الفتوی والوالوجبة، وافتی مشایخ بلخ بعدم الفرقة بردتها زجرا وتیسیرا لاسیما التی تقع فی المکفر ثم تنکر قال فی النهر والافتاء بهذا اولیٰ من الافتاء بما فی النوادر (الیٰ قوله) وحاصلها انها بالردة تسترق وتکون فیئا للمسلمین عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ، ویشتریها الزوج من الامام او یصرفها الیه لو مصرفا۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: (قوله زجرا لها) عبارة البحر حسما لباب المعصیة والحیلة للخلاص منه اھ۔ ولا یلزم من هذا ان یکون الجبر علی تجدید النکاح مقصورا علی ما اذا ارتدت لاجل الخلاص منه بل قالوا ذلك سدا لهذا الباب من اصله سواء تعمدت الحیلة ام لا کی لا تجعل ذلك حیلة۔ (رد المحتار ص۴۲۶ ج۳)

وفی تعزیر العلائیة: ارتدت لتفارق زوجها تجبر علی الاسلام وتعزر خمسة وسبعین سوطا ولا تتزوج بغیره به یفتی ملتقط۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: (قوله ولا تتزوج بغیره) بل تقدم انها تجبر علی تجدید النکاح بمهر یسیر وهذه احدی روایات ثلاث تقدمت فی الطلاق، الثانیة انها لا تبین رد القصدها السیئ، الثالثة ما فی النوادر من انه یتملکها رقیقة ان کان مصرفا (رد المحتار ص۱۹۶ ج۳)

وفی باب المرتد من العلائیۃ : ولیس للمرتدۃ التزوج بغیر زوجہا بہ یفتی وعن الامام تسترق ولوفی دار الاسلام لو افتی بہ حسما لقصدھا السیئ لابأس بہ وتکون قنۃ للزوج بالاستیلاء مجتبیٰ۔ وفی الفتح انہا فیء للمسلمین فیشتریھا من الامام او یھبہا لہ لو مصرفا۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ ولیس للمرتدۃ التزوج بغیر زوجہا : قال فی الفتح وقد افتی الدبوسی والصفار وبعض اھل سمرقند بعدم وقوع الفرقۃ بالردۃ ردا علیہا وغیرھم مشوا علی الظاھر ولکن حکموا بجبرھا علی تجدید النکاح مع الزوج وتضرب خمسۃ وسبعین سوطا واختارہ قاضیخان للفتویٰ الخ (قولہ عن الامام) ای فی روایۃ النوادر کما فی الفتح (قولہ ولو افتی بہ الخ) فی الفتح قیل ولو افتی بھذہ لا بأس بہ فیمن کانت ذات زوج حسما لقصدھا السیئ بالردۃ من اثبات الفرقۃ۔ (قولہ وتکون قنۃ للزوج بالاستیلاء) قال فی الفتح قیل وفی البلاد التی استولی علیہا التتر واجروا احکامہم فیہا ونفوا المسلمین کما وقع فی خوارزم وغیرھا اذا استولی علیہا الزوج بعد الردۃ ملکہا لانہا صارت دار حرب فی الظاھر من غیر حاجۃ الی ان یشتریھا من الامام اھ

(قولہ وفی الفتح الخ) ھذا ذکرہ فی الفتح قبل الذی نقلناہ عنہ آنفا وحاصلہ انہا اذا ارتدت فی دار الاسلام صارت فیئا للمسلمین فتسترق علی روایۃ النوادر بان یشتریھا من الامام او یھبہا لہ، اما لو ارتدت فیما استولی علیہ الکفار وصار دار حرب فلہ ان یستولی علیہا بنفسہ بلا شراء ولا ھبۃ کمن دخل دار الحرب متلصصا وسبی منہم وھذا لیس مبنیا علی روایۃ النوادر لان الاسترقاق وقع فی دار الحرب لا فی دار الاسلام (رد المحتار ص۳۱۳ ج ۳)

خلاصہ یہ کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ کفر کی لعنت کا طوق گلے میں ڈالنے کے باوجود اس عورت کے لئے شوہر سے خلاصی ممکن نہیں، بہرکیف اسی کے تحت رہے گی، بیوی کی حیثیت سے یا لونڈی بن کر علی اختلاف الاقوال۔ اگر واقعۃً کوئی شرعی عذر ہے جس کی وجہ سے عورت خلاصی چاہتی ہے مثلاً شوہر عنین ہے یا متعنت ہے جو نہ تو نفقہ مہیا کرتا ہے نہ طلاق دیتا ہے، یا معسر ہے تو اس قسم کی تمام صورتوں میں

خلاصی کے لئے یہ شرعی حل موجود ہے :

”شوہر سے طلاق لی جائے، اگر یوں طلاق نہ دے تو خلع کی صورت اختیار کی جائے کہ اسے کچھ دے دلاکر آمادۂ طلاق کیا جائے اس پر بھی راضی نہ ہو تو عدالتی چارہ جوئی کی جائے، حاکم مسلم اسے عدالت میں طلب کرکے طلاق دینے پر مجبور کرے، اگر حاکم کے کہنے پر بھی طلاق نہ دے تو حاکم خود دونوں میں تفریق کردے“

اس کے بعد عورت عدت گزار کر جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ بحالت مجبوری جماعت مسلمین بھی یہ فرض انجام دے سکتی ہے۔

ان مسائل کی تفصیل رسالہ ”الافصاح عن حیل فسخ النکاح“ مندرجہ احسن الفتاویٰ ص۴۰۵ ج ۵ میں ہے۔

باقی رہے وہ لوگ جنھوں نے عورت کو کفر وارتداد کی راہ دکھائی یا کسی درجہ میں وہ اس کارروائی میں شریک یا دل سے راضی رہے تو وہ سب دائرۂ اسلام سے خارج ہوچکے ہیں، ان کی گردنوں پر دہرے کفر کا وبال ہے، ان مرتدین کے نکاح بھی فسخ ہوگئے، مگر ان کی بیویوں پر کسی قسم کا جبر نہیں بلکہ انھیں اختیار ہے کہ مضی عدت کے بعد جہاں چاہیں نکاح کرلیں اور خود یہ مرتدین واجب القتل ہیں، حاکم انھیں تین دن کی مہلت دے، اگر نئے سرے سے کلمہ پڑھ کر اور علانیہ توبہ کرکے داخل اسلام ہوں تو بہتر ورنہ ان کی گردنیں اڑا دے۔

داخل اسلام ہونے کے باوجود ان کی سابقہ بیویاں جو ان کے ارتداد کے سبب نکاح سے نکل گئی تھیں ان کو ان سے دوبارہ نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، انکو اختیار ہے کہ انہی سے نکاح کریں یا دوسرے مردوں سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷/صفر ۱۴۰۸ھ

قتل بغاۃ :

سوال : کیا بغاۃ و مفسدین کا قتل جائز ہے؟ جیسا کہ ایران میں خمینی نے یہ عمل شروع کیا ہے کہ بہت سے لوگوں کو مفسد فی الارض قرار دیکر تختۂ دار پر چڑھا دیا، اگر اس قسم کے لوگوں کا قتل جائز ہے تو کس صورت میں اور کن شرائط سے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جو شخص یا جماعت حکومتِ مسلمہ کے خلاف بغاوت کرے، اس کی بغاوت کچلنے کے لئے حکومت کا اسے قتل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ بدون قتل اس کی قوت توڑنا ممکن نہ ہو، اگر قتل کے بغیر کسی ذریعہ سے اسکے شر کا دفعیہ ممکن ہو تو قتل کرنا جائز نہیں۔

بصورتِ قتال حاکم اگر عامۃ المسلمین سے باغیوں کے خلاف مدد طلب کرے تو مقدور بھر اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔

جو باغی اور مفسد حکومت کے ہاتھوں گرفتار ہوں اگر ان کی قوت و شوکت ٹوٹ چکی ہو تو انھیں قتل کرنا جائز نہیں، اور اگر ان کے پیچھے طاقت کارفرما ہے تو انکا فیصلہ حکومت کی صوابدید پر ہے، چاہے تو انھیں قتل کر دے اور چاہے تو قید ہی میں رہنے دے تاوقتیکہ توبہ کرکے ان خیالات سے رجوع کرلیں، توبہ کے بعد بھی جب تک حکومت کو اطمینان نہ ہو انھیں قید رکھنا جائز ہے۔

لیکن غلبہ پانے کی صورت میں ان کے بچوں کو غلام اور عورتوں کو لونڈی بنانا جائز نہیں، اسی طرح ان کے چھینے ہوئے اموال و اسلحہ کو غنیمت کے طور پر تقسیم کرنا جائز نہیں، وقتی طور پر اموال کو روک کر بغاوت تھم جانے کے بعد واپس کر دینا ضروری ہے۔

قال فی التنویر: فاذا خرج جماعۃ مسلمون عن طاعتہ وغلبوا علی بلد دعاھم الیہ وکشف شبھتھم فان تحیزوا مجتمعین حل لنا قتالھم بدءًا حتی نفرق جمعھم ومن دعاہ الامام الی ذلک افترض علیہ اجابتہ لو قادرا (الی قولہ) والامام بالخیار فی اسیرھم ان شاء قتلہ وان شاء حبسہ (الی قولہ) ولم تسب لھم ذریۃ وتحبس اموالھم الی ظھور توبتھم۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ حل لنا قتالھم بدءًا) ولو اندفع شرھم باھون من القتل وجب بقدر ما یندفع بہ شرھم زیلعی۔ (رد المحتار ص۳۲۰ ج ۳)

باقی رہا خمینی کا مسئلہ تو وہ خود رئیس المفسدین اور البغی البغاۃ ہے، اگر اسکے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے کچھ مفسدین اور باغین کو ٹھکانے لگا دیا تو یہ اسکے ارشاد "وکذلک نولی بعض الظلمین بعضا بما کانوا یکسبون" اور "یذیق بعضکم بأس بعض" کا مصداق ہے۔ واللہ اعلم

۶ ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

حکم اموال بغاۃ :

سوال : یہاں ظفار (سلطنت عمان) کے پہاڑوں پر حکومت اور باغیوں کے مابین لڑائی رہتی ہے، ایک دوسرے پر بمباری کے دوران بعض جانور گائے بکریاں وغیرہ زخمی ہوجاتی ہیں، مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ جانور باغیوں کے ہیں یا اپنی رعایا کے، اگر ان زخمی جانوروں کو ذبح نہ کیا جائے تو مردار ہوجاتے ہیں، اس لئے فوجی جوان انھیں ذبح کردیتے ہیں، اگر ذبح کے بعد یونہی چھوڑ دیئے جائیں تو بڑے بڑے درندے کھاجائیں گے، کیا فوجی انھیں کھاسکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جو جانور باغیوں کے مقبوضہ علاقہ میں پائے جائیں انھیں فروخت کرکے انکی قیمت محفوظ رکھی جائے جب وہ بغاوت سے توبہ کرلیں تو یہ رقم انھیں دیدی جائے۔

اور جو جانور اپنے علاقہ میں پائے جائیں یا اپنی اور دشمن کی مخلوط آبادی میں ہوں یا جن سے متعلق کچھ تحقیق نہ ہوسکے تو وہ بحکم لقطہ ہیں، اول ان کی تشہیر کی جائے، اگر مالک کا پتہ کسی صورت نہ چل سکے تو کسی مسکین فوجی کی ملک کردیئے جائیں وہ چاہے تو غنی فوجیوں کو بھی ہبہ کرسکتا ہے لیکن استعمال کرنے کے بعد اگر کسی جانور کا مالک مل جائے تو اسے جانور کی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔

قال فی التنویر وشرحہ (وتحبس اموالهم الی ظهور توبتهم) فترد علیهم وبیع الکراع اولی لانہ انفع فتح ویقاس علیہ العبید نهر (ونقاتل بسلاحهم وخیلهم عند الحاجۃ ولا ینتفع بغیرهما من اموالهم مطلقا) ولو عند الحاجۃ سراج۔ وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی (قولہ لانہ انفع) ای انفع من امساکہ والانفاق علیہ من بیت المال او للرجوع علی صاحبہ کما یفیدہ کلام البحر (رد المحتار ص ۳۲۱ ج ۳) واللہ تعالی اعلم

۱۴ ر ذوالحجہ سنہ ۹۵ھ

فاسق کی بغاوت :

اس کی تفصیل رسالہ "سیاست اسلامیہ" کے آخر میں حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی تحریر میں ہے، یہ رسالہ اسی جلد میں کتاب الجہاد کے آخر میں ہے۔

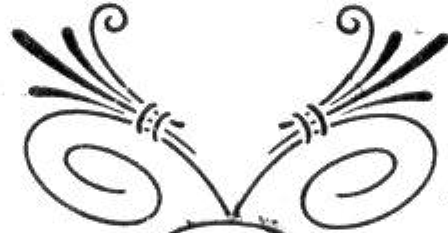


مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ (بخاری)

"جو مسلمان اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کرو"

الفتل المشتد لقتل المُرتد

مرتد کے وجوب قتل کا ثبوت احادیثِ صحیحہ اور اجماع اُمّت سے



افاضہ

حضرت فقیہ العصر دامت برکاتہم

تحریر

حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

کتبہ فاروق

القتل المشتد لقتل المرتد

- مرتد واجب القتل ہے
- ارشاداتِ نبویہ
- اجماعِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
- اجماعِ امّت
- عقلِ سلیم
- مرتدین کی کٹ حجتی
- مرتد کے دوسرے احکام

مُرتد واجب القتل ہے!

سوال : مرتد کی تعریف کیا ہے؟ اس کی سزا کیا ہے؟ بقیہ احکام کیا ہیں؟ بیّنوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصّواب

ارتداد کے معنی ہیں کسی مسلمان کا دین اسلام سے پھر جانا، امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :

وھو الرجوع من الاسلام الی الکفر (المفردات ص۱۹۳)

ارتداد عام ہے خواہ صاف صاف اسلام سے پھر جائے مثلاً کوئی شخص اپنے ہندو، آریہ، قادیانی یا شیعہ ہونے کا اقرار کرلے۔

یا اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا انکار کر دے۔

ضروریات دین وہ تمام قطعی احکام ہیں جو نصِّ قرآن سے ثابت ہوں یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہوں، ان میں سے کسی ایک حکم کا انکار بھی کفر وارتداد ہے، مثلاً کوئی شخص زبان سے ختم نبوت کا اقرار کرتا ہے مگر ختم نبوّت کا مفہوم ومطلب ایسا بیان کرتا ہے جو اُمت کے متفق علیہ اجماعی مفہوم سے مختلف ہے، اور کسی بھی مفہوم میں اجراء نبوت کا قائل ہے،

یا کوئی شخص دعوائے ایمان کے باوجود تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتا ہے، یا ختم نبوت پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی کسی اُمّتی میں نبی کی سی صفات تسلیم کرتا ہے، مثلاً اسے معصوم عن الخطأ اور افضل الانبیاء قرار دیتا ہے تو یہ شخص مرتد اور زندیق ہے جو عام کفار کی بنسبت کہیں زیادہ خطرناک اور ضرر رساں ہے۔

خلاصہ یہ کہ جیسے پورے دین اسلام کو ترک کر دینا کفر وارتداد ہے ایسے ہی دین کی قطعی اور بدیہی باتوں میں سے کسی ایک بات کا انکار بھی کفر وارتداد ہے، گو کہ ایسا شخص دین کی بقیہ تمام باتوں کو دل وجان سے تسلیم کرتا ہو، اپنے تئیں پابند عمل اور دیندار ہو۔ قرآن مجید کا واضح اعلان ہے:

فلا وربّک لا یؤمنون حتّٰی یحکّموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا ممّا قضیت ویسلموا تسلیما۔ (۴ : ۶۵)

"پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ (جو صرف زبانی ایمان ظاہر کرتے پھرتے ہیں عنداللہ)

ایماندار نہ ہونگے جب تک یہ بات نہو کہ انکے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے (اور آپ نہ ہوں تو آپکی شریعت سے) تصفیہ کرائیں (پھر جب آپ تصفیہ کرادیں تو) اس آپکے تصفیہ سے اپنے دلوں میں (انکارکی) تنگی نہ پائیں اور (اس فیصلہ) کو پورا پورا (ظاہر سے باطن سے) تسلیم کریں۔"

جلیل القدر تابعی حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

لو ان قوما عبدوا اللہ تعالیٰ واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وصاموا رمضان وحجوا البیت ثم قالوا لشیء صنعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا صنع خلاف ما صنع؟ او وجدوا فی انفسہم حرجا لکانوا مشرکین ثم تلا ھذہ الاٰیۃ (روح المعانی ص۱۷ ج ۵)

"کوئی قوم اگر اللہ تعالیٰ کی بندگی کرے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے، رمضان المبارک کے روزے رکھے اور حج بیت اللہ کرے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کے متعلق یوں کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے خلاف کیوں نہ کیا؟ یا اس حکم کے تسلیم کرنے میں دلوں میں تنگی محسوس کرے تو یہ قوم مشرک وکافر ٹھہرے گی۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔"

مرتد کی سزا:

مرتد کی سزا باجماع اُمت قتل ہے، البتہ اس حد تک اختلاف ہے کہ یہ حکم صرف مرتد مرد کے لئے ہے یا مرتدہ عورت کو بھی شامل ہے؟

جمہور کے نزدیک مرتد و مرتدہ دونوں واجب القتل ہیں، مگر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مرتد واجب القتل ہے اور مرتدہ واجبۃ الحبس، حتّٰی تعود الی الاسلام او تموت۔ قتل مرتد کا مسئلہ نصوص حدیث، اجماع اُمت اور عقل سلیم سے ثابت ہے، دلائل بالترتیب ملاحظہ ہوں:

ارشاداتِ نبویہ:

(۱) عن عکرمۃ رحمہ اللہ تعالیٰ قال: اتی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بزنادقۃ فاحرقہم فبلغ ذٰلک ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فقال لو کنت انا لم احرقہم لنہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعذبوا بعذاب اللہ ولقتلتھم لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بدل دینہ فاقتلوہ (صحیح بخاری ص۴۲۳ ج۱، ص۱۰۲۳ ج۲، سنن نسائی ص۱۶۹ ج۲، سنن ابی داؤد ص۲۵۳ ج۲، ترمذی ص۲۳ ج۱)

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ زندیق لائے گئے جنھیں آپنے آگ میں

جلا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ بات پہنچی تو فرمایا: اگر میں ہوتا تو انھیں آگ میں نہ جلاتا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرح عذاب دینے سے منع فرمایا ہے، ہاں! میں انھیں قتل ضرور کرتا اسلئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو مسلمان اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کرو"۔

(۲) عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اقبلت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و معی رجلان من الاشعریین احدھما عن یمینی والاٰخر عن یساری ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستاک فکلاھما سأل فقال یا ابا موسیٰ او قال یا عبد اللہ بن قیس قال قلت والذی بعثک بالحق ما اطلعانی علی ما فی انفسہما وما شعرت انہما یطلبان العمل فکأنی انظر الی سواکہ تحت شفتہ قلصت فقال لن او لا نستعمل علی عملنا من ارادہ ولکن اذھب انت یا ابا موسیٰ او یا عبد اللہ بن قیس الی الیمن ثم اتبعہ معاذ بن جبل فلما قدم علیہ القی لہ وسادۃ قال انزل واذا رجل عندہ موثق قال ما ھذا؟ قال کان یھودیا فاسلم ثم تھوّد قال اجلس قال لا اجلس حتی یقتل قضاء اللہ ورسولہ ثلث مرات فامر بہ فقتل الحدیث (صحیح بخاری ص۱۰۲۳ ج۲، سنن نسائی ص۱۶۹ ج۲، سنن ابی داؤد ص۲۵۰ ج۲)

"حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور دو اشعری آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک آدمی میرے دائیں جانب تھا، دوسرا بائیں جانب۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسواک فرما رہے تھے۔ ان دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہمیں حاکم مقرر کیجیے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو موسیٰ!

میں نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا مجھے ان دونوں نے اپنی دل کی بات سے مطلع نہ کیا اور نہ از خود مجھے اس کا احساس ہوا کہ یہ منصب کا مطالبہ کریں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو طالب حکومت ہو ہم اسے ہرگز منصب نہیں دیتے، لیکن اے ابو موسیٰ! تمہیں بلا طلب منصب دیتا ہوں کہ یمن چلے جاؤ، پھر انکے پیچھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی بھیج دیا۔ جب وہ پہنچے تو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے انکی طرف تکیہ بڑھایا اور فرمایا

تشریف رکھئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اچانک دیکھا کہ ایک آدمی جکڑا ہوا ہے
پوچھا: یہ کیا ماجرا ہے؟ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ شخص یہودیت سے
مسلمان ہوا پھر اسلام سے پھر کر یہودی بن گیا۔ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:
تشریف رکھئے۔ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس وقت تک میں نہیں بیٹھوں گا
جب تک اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نافذ کرتے ہوئے اس
مرتد کو قتل نہ کر دیا جائے۔ یہ ارشاد تین بار دہرایا۔ چنانچہ اسے قتل کیا گیا تب بیٹھے۔"

(۳) ان ابا ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واستخلف ابوبکر وکفر من کفر من العرب قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ابابکر کیف تقاتل الناس وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فمن قال لا الہ الا اللہ عصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ قال ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ الحدیث۔ (صحیح بخاری ص۱۰۲۳ ج ۲)

"جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے اور بعض قبائل عرب مرتد ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اے ابوبکر! آپ صرف انکار زکوٰۃ پر مرتد قرار دیکر کیوں لوگوں سے قتال کر رہے ہیں؟ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مجھے اس وقت تک لوگوں سے قتال کا حکم ہے جب تک وہ کلمہ نہ پڑھ لیں، جس نے کلمہ پڑھ لیا اس نے اپنا مال اور اپنی جان مجھ سے بچالی مگر اس کے حق کے ساتھ، یعنی کلمہ پڑھ کر بھی موجب قتل کام کیا تو قتل کا سزاوار ٹھہریگا اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: واللہ! میں اس شخص سے ضرور قتال کروں گا جو نماز و زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے، ایک کو مانے دوسرے کا انکار کرے۔"

(۴) عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قصۃ رھط عکل، قتلوا الراعی واستاقوا الذود وکفروا بعد اسلامھم فاتی الصریخ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبعث الطلب فما ترجل النھار حتی اتی بھم فقطع ایدیھم وارجلھم ثم امر بمسامیر فاحمیت فکحلھم بھا

وطرحهم بالحرة يستسقون فما يسقون حتى ماتوا۔
(صحیح بخاری ص۴۲۳ ج۱، ص۱۰۰۵ ج۲، صحیح مسلم ص۵۷ ج۲، سنن نسائی ص۱۶۶ ج۲)

"قبیلہ عکل کے لوگوں نے چرواہے کو قتل کیا اور اونٹ لوٹ لے گئے اور اسلام کے بعد کفر اختیار کیا، منادی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور ماجرا بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے تعاقب میں کچھ لوگ بھیجے، ابھی دن چڑھا نہ تھا کہ وہ مرتد لائے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے، پھر انکی آنکھوں میں گرم سلائی پھروائی اور انھیں گرم پتھریلی زمین پر ڈلوا دیا۔ انھوں نے پانی طلب کیا مگر انھیں پانی نہ دیا گیا حتیٰ کہ اسی طرح جرم ارتداد میں ذلت کی موت مر گئے۔"

⑤ عن عبد الله رضی الله عنه: لا یحل دم امرئ مسلم یشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله الا باحدیٰ ثلاث الثیب الزانی والنفس بالنفس والتارك لدینه المفارق للجماعة (صحیح مسلم ص۵۹ ج۲، سنن ابی داؤد ص۲۵۰ ج۲، سنن ترمذی ص۲۵۹ ج۱، سنن نسائی ص۱۶۵ ج۲، سنن ابن ماجة ص۱۸۲)

"جو شخص مسلمان ہو کر گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اس کا خون حلال نہیں مگر ان تین وجوہ میں سے کسی ایک کے ساتھ، شادی شدہ زانی، جان کے بدلے جان اور اپنے دین کو چھوڑ کر جماعت مسلمین سے الگ ہونے والا۔"

⑥ قالت عائشة رضی الله تعالیٰ عنها اما علمت ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا یحل دم امرئ مسلم الا رجل زنیٰ بعد احصانه او کفر بعد اسلامه او النفس بالنفس (صحیح مسلم ص۵۹ ج۲، جامع ترمذی ص۲۵۹ ج۲، سنن نسائی ص۱۶۵ ج۲، سنن ابی داؤد ص۲۵ ج۲)

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے اس کے کہ شادی شدہ ہو کر زنا کرے یا اسلام کے بعد کفر اختیار کرے یا ناحق کسی کی جان لے۔"

⑦ ان عثمان رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدیٰ ثلاث رجل زنیٰ بعد احصانه فعلیه الرجم او قتل عمدا فعلیه القود او ارتد بعد

اسلامہ فعلیہ القتل (سنن نسائی ص۱۶۵ ج ۲، ص۱۶۸ ج ۲، سنن ابن ماجۃ ص۱۸۲)
"کسی مسلمان کا خون تین باتوں کے سوا حلال نہیں، شادی شدہ زنا کرے تو اس پر رجم ہے، عمداً قتل کرے تو اس پر قصاص ہے، اسلام کے بعد مرتد ہو جائے تو واجب القتل ہے۔"

(۸) عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: سیخرج قوم فی اٰخر الزمان حداث الاسنان سفہاء الاحلام یقولون من خیر قول البریۃ لایجاوز ایمانہم حناجرہم یمرقون من الدین کما یمرق السہم من الرمیۃ فاینما لقیتموہم فاقتلوہم فان فی قتلہم اجراً لمن قتلہم یوم القیٰمۃ (صحیح بخاری ص۱۰۲۴ ج ۲)
"آخر زمانہ میں ایک قوم نکلے گی کمسن، کم عقل، تمام مخلوق کی بنسبت عمدہ ترین گفتگو کرینگے مگر ان کا ایمان حلق سے نیچے نہ اُتریگا، دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے پار ہو جاتا ہے جہاں کہیں انھیں پاؤ قتل کردو۔ انکے قاتل کے لئے روز قیامت اجر ہے۔" مراد زندیق خوارج ہیں۔

(۹) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: کان عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح یکتب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فازلہ الشیطان فلحق بالکفار فامر بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقتل یوم الفتح فاستجار لہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاجارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سنن ابی داؤد ص۲۵۱ ج ۲، سنن نسائی ص۱۶۹ ج ۲)
"عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے شیطان نے انھیں بہکایا تو مرتد ہو کر کفار سے مل گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز ان کے قتل کا حکم صادر فرمایا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے لئے پناہ طلب کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پناہ دیدی۔" پھر وہ مسلمان ہو گئے۔

(۱۰) عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل عام الفتح وعلی راسہ المغفر فلما نزعہ جاءہ رجل فقال ان ابن خطل متعلق باستار الکعبۃ فقال اقتلوہ (صحیح بخاری ص۲۴۹ ج ۱)
"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر خود تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اُتاری تو ایک آدمی نے آکر بتایا کہ ابن خطل (مرتد) کعبہ کے پردوں کے ساتھ چمٹا ہوا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے قتل کرو۔"

چنانچہ اسی حال میں قتل کر دیا گیا۔

(۱۱) عن حارثۃ بن مضرب انہ اتی عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال ما بینی وبین احد من العرب حنۃ وانا مررت بمسجد لبنی حنیفۃ فاذا ھم یؤمنون بمسیلمۃ فارسل الیھم عبد اللہ فجیئ بھم فاستتابھم غیر ابن النواحۃ قال لہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لولا انک رسول لضربت عنقک فانت الیوم لست برسول فامر قرظۃ بن کعب فضرب عنقہ فی السوق ثم قال من اراد ان ینظر الی ابن النواحۃ قتیلا بالسوق (سنن ابی داؤد ص۲۴۷ ج۱)

"حضرت حارثہ بن مضرب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کوفہ کے گورنر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے اہل عرب سے کوئی کینہ نہیں، لہٰذا سچ کہتا ہوں کہ میں قبیلہ بنی حنیفہ کی مسجد کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ بنو حنیفہ مسیلمہ کذاب پر ایمان لانے کی وجہ سے مرتد ہوگئے ہیں۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو بلوا بھیجا، جب وہ لائے گئے تو آپ نے ابن النواحہ کے سوا باقی مرتدین کو توبہ کی مہلت دی اور ابن النواحہ سے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیرے متعلق یہ ارشاد سنا تھا کہ "اگر تو قاصد نہ ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا" لیکن آج تو قاصد نہیں، پھر آپ نے حضرت قرظۃ بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ سرِ عام اس کی گردن اڑا کر اسے لوگوں کے لئے نمونۂ عبرت بنائیں، انھوں نے بھرے بازار میں اس کی گردن اڑادی، پھر آپ نے فرمایا: جو شخص ابن النواحہ مرتد کو دیکھنا چاہے تو وہ بازار میں مقتول پڑا ہے۔"

(۱۲) اذا ابق العبد الی الشرک فقد حل دمہ (سنن ابی داؤد ص۲۳۹ ج۲)

"جب غلام اسلام سے مرتد ہو کر شرک کی طرف چلا جائے تو اسکا خون حلال ہے۔"

یہ وہ روایات ہیں جو معمولی جستجو سے ہمیں صحاح ستہ میں دستیاب ہوئیں، کتب حدیث کی چھان بین کی جائے تو اس سے زائد روایات مل سکتی ہیں، لیکن جویائے حق کیلئے اتنی احادیث کافی ہیں۔

اجماعِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم:

کسی مسئلہ پر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع پوری امت کے نزدیک حجتِ قطعیہ ہے، افضل الخلائق بعد الانبیاء سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت

منعقد ہوتے ہی سب سے پہلے جس مسئلہ پر بلا استثناء فرد واحد پوری جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کا قولاً، عملاً، سکوتاً ہر پہلو سے اجماع منعقد ہوا وہ قتل مرتد کا مسئلہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد نو مسلم قبائل میں ہر طرف کفر وارتداد کی لہر دوڑ گئی، خلیفۂ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی سرکوبی کے لئے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لشکر روانہ فرمائے، ان معرکوں میں جہاں ہزارہا مرتدین کو واصل جہنم کیا گیا وہاں بڑے بڑے جلیل القدر صحابۂ کرام نے بھی جام شہادت نوش فرمایا، رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین۔

مشہور مؤرخ امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ قتل مسیلمہ کذاب کے ذیل میں لکھتے ہیں:

فکان جملۃ من قتلوا فی الحدیقۃ و فی المعرکۃ قریباً من عشرۃ الاف مقاتل و قیل احد وعشرون الفا وقتل من المسلمین ستمائۃ و قیل خمسمائۃ فاللہ اعلم و فیھم من سادات الصحابۃ واعیان الناس (البدایۃ والنہایۃ ص۳۲۵ ج٦)

”مارے جانے والے کفار فوجیوں کی تعداد دس ہزار اور ایک قول کے مطابق اکیس ہزار تھی، مسلمانوں میں سے چھ سو اور ایک قول کے مطابق پانچ سو شہید ہوئے۔ ان شہداء میں کئی اکابر صحابہ اور دیگر معروف ہستیاں بھی شامل ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین۔“

ایک دوسرے معرکہ ”مرتدین اہل عمان“ کا حال لکھتے ہیں:

و رکب المسلمون ظھورھم فقتلوا منھم عشرۃ الاف مقاتل۔

(البدایۃ والنہایۃ ص۳۳ ج٦)

”مسلمانوں نے ان پر یلغار کی اور دس ہزار فوجی تہ تیغ کئے۔“

اس پوری مہم میں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی خلیفۂ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوش بدوش رہے۔ معہٰذا قتل مرتد کے متعلق ان حضرات سے الگ تصریحات بھی منقول ہیں۔

ایک مرتد کو مہلت دیئے بغیر فوری طور پر مسلمانوں نے قتل کر دیا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر فرمایا:

افلا ادخلتموہ بیتاً و اغلقتم علیہ باباً و اطعمتموہ کل یوم رغیفا ثم استتبتموہ ثلاثاً فان تاب والا قتلتموہ (مصنف ابن ابی شیبۃ ص۱۳۷ ج۱۰ وغیرہ)

”تم نے ایسا کیوں نہ کیا کہ اسے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیتے اور ہر روز ایک چپاتی

اسے کھانے کو دیتے، پھر اسے توبہ کا موقع فراہم کرتے، اگر توبہ کرلیتا تو درست، ورنہ قتل کر دیتے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اوپر روایت ۷ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گزر چکا ہے کہ مسلمان کا خون تین باتوں کے سوا حلال نہیں۔

مزید آپ سے منقول ہے :

انہ کفر انسان بعد ایمانہ فدعاہ الی الاسلام ثلاثاً فابی فقتلہ۔

(کتاب الخراج لابی یوسف ص۲۱۴، المحلی لابن حزم ص۱۹۱ ج ۱۱ بحوالہ عبد الرزاق)

"ایک شخص اسلام لانے کے بعد مرتد ہوگیا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ نے اسے تین بار دعوت اسلام پیش کی مگر اس نے انکار کیا، بالآخر آپ نے اسے قتل کر دیا۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اوپر صحیح بخاری کی روایت گزر چکی ہے کہ آپ نے زنادقہ کو زندہ جلا دیا۔

مزید منقول ہے :

قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ : یستتاب المرتد ثلاثا فان عاد یقتل۔

(ابن ابی شیبۃ ص۱۳۸ ج ۱۰، سنن کبریٰ للبیہقی ص۲۰۷ ج ۸)

"مرتد کو تین روز تک توبہ کی مہلت دیجائے اگر اسلام قبول لے تو بہتر، ورنہ قتل کر دیا جائے۔"

اجماع امّت :

خلفاء راشدین سمیت پوری جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع نقل کرنیکے بعد مزید کوئی حوالہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں تاہم یہ دکھانے کے لئے کہ بعد کے تمام ادوار میں بھی پوری امت مسلمہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقش قدم پر قائم رہی اور آج تک کسی فرد بشر کو اس اجماعی حکم سے سر مو اختلاف کی جرأت نہ ہوئی ذیل میں مذاہب اربعہ وظاہریہ کا اجماع نقل کیا جاتا ہے :

حنفیہ :

قال الامام المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ : واذا ارتد المسلم عن الاسلام والعیاذ باللہ عرض علیہ الاسلام فان کانت لہ شبھۃ کشفت عنہ (الی قولہ) ویحبس ثلاثۃ ایام فان اسلم والاقتل۔ وفی الجامع الصغیر المرتد یعرض علیہ الاسلام فان ابی قتل (ھدایۃ ص۵۸۰ ج۲)

"العیاذ باللہ کوئی مسلمان اسلام سے پھر جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے، اسے کوئی شبہہ ہو تو دُور کیا جائے۔

اور تین دن تک اسے قید رکھا جائے، اگر مسلمان ہوجائے تو بہتر ورنہ قتل کر دیا جائے۔

اور الجامع الصغیر میں ہے کہ مرتد پر اسلام پیش کیا جائے، اگر قبول اسلام سے انکار کر دے تو قتل کر دیا جائے۔"

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: اعلم ان المرتد یقتل بالاجماع کما مرّ (رسائل ابن عابدین ص ۳۱۸ ج ۱)

"یقین کرلو کہ مرتد باجماع اُمت واجب القتل ہے جیسا کہ ہم مفصّل دلائل کے ساتھ ذکر کر آئے ہیں"

مالکیہ:

مالک عن زید بن اسلم رحمہ اللہ تعالیٰ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من غیّر دینہ فاضربوا عنقہ قال مالک ومعنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما نریٰ واللہ اعلم من غیّر دینہ فاضربوا عنقہ انہ من خرج من الاسلام الی غیرہ مثل الزنادقۃ واشباھھم فان اولئک اذا ظھر علیھم قتلوا ولم یستتابوا لانہ لایعرف توبتھم وانھم کانوا یسرّون الکفر ویعلنون الاسلام فلا اری ان یستتاب ھؤلاء ولا یقبل منھم قولھم، واما من خرج من الاسلام الی غیرہ واظھر ذلک فانہ یستتاب فان تاب والّا قتل ذلک اھ (موطأ مالک ص ۶۳۹)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مرتد کی گردن مار دو"۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دین اسلام چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرلے اس کی گردن مار دو، جیسے زندیق اور ان جیسے دوسرے لوگ، غلبہ پانے کے بعد انھیں توبہ کی مہلت دیئے بغیر قتل کر دیا جائے، اسلئے کہ ان کی توبہ کا حال معلوم نہیں ہوسکتا، یہ لوگ پہلے سے کفر چھپاتے تھے اور اسلام کا اظہار کرتے تھے اس لئے انھیں توبہ کا موقع نہ دیا جائے گا، اور انکی زبان سے توبہ کے الفاظ قبول نہ کئے جائیں گے، اور جو شخص اسلام چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرلے اور اس کا اظہار بھی کرے تو اسے توبہ کی مہلت دی جائے اگر توبہ کرلے تو بہتر،

ورنہ قتل کر دیا جائے۔"

شافعیہ :

(وقال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ) فلم یجز فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم (لایحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث) احدھن الکفر بعد الایمان الا ان تکون کلمۃ الکفر تحل الدم کما یحلہ الزنا بعد الاحصان او تکون کلمۃ الکفر تحل الدم الا ان یتوب صاحبہ (الی قولہ) فلم یختلف المسلمون انہ لایحل ان یفادی بمرتد بعد ایمانہ ولا یمن علیہ ولا تؤخذ منہ فدیۃ ولا یترک بحال حتی یسلم او یقتل (کتاب الام ص۱۵٦ ج ٦)

"امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی: "مسلمان کا خون تین باتوں کے سوا حلال نہیں" کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ زانی محصن کی طرح مرتد توبہ کے بعد بھی واجب القتل ہے، دوسرا یہ کہ توبہ سے قتل کی سزا معاف ہو جاتی ہے، یہی راجح ہے، اُمتِ مسلمہ کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مرتد سے فدیہ لینا یا احسان کر کے چھوڑ دینا، کسی حال میں بھی چھوڑنا جائز نہیں، بس ایک ہی صورت متعین ہے کہ وہ اسلام قبول کرے ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔"

شارح موطأ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وفی المحلی قال النووی رحمہ اللہ تعالیٰ اجمعوا علی قتلہ واختلفوا فی استتابتہ فقال الائمۃ الاربعۃ والجمہور رحمہم اللہ تعالیٰ انہ یستتاب ونقل ابن القصار رحمہ اللہ تعالیٰ اجماع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم علیہ۔ وقال طاؤس والحسن والماجشون وابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ لایستتاب ولو تاب نفعتہ توبتہ عند اللہ ولا یسقط قتلہ اھ (اوجز المسالک ص۲۸۷ ج ۵)

"امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قتل مرتد کے مسئلہ پر پوری اُمت کا اجماع منعقد ہے اور اسے توبہ کی مہلت دینے میں اختلاف ہے۔

ائمہ اربعہ اور جمہور رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے کہ مہلت دی جائے، ابن قصار رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع نقل کیا ہے۔

اور امام طاؤس، حسن، ماجشون اور ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے

کہ مہلت نہ دی جائے اگر توبہ کربھی لے تو یہ توبہ صرف عند اللہ نافع ہوگی مگر حکم قتل ساقط نہ ہوگا۔"

حنابلہ:

قال الامام ابن قدامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ: واجمع اهل العلم علیٰ وجوب قتل المرتد، وروی ذلك عن ابی بکر وعثمان وعلی ومعاذ وابی موسیٰ وابن عباس وخالد وغیرهم رضی اللہ تعالیٰ عنهم ولم ینکر ذلك فکان اجماعًا۔

مسألة: قال ومن ارتد عن الاسلام من الرجال والنساء وکان بالغًا عاقلا دعی الیه ثلاثة ایام وضیق علیه فان رجع والاقتل (المغنی مع الشرح الکبیر ص ٧٤ ج ١٠)

"قتل مرتد کے وجوب پر علماء اُمت کا اجماع قائم ہے اور یہ حکم حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، معاذ، ابوموسیٰ، ابن عباس، خالد اور دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے اور کسی صحابی نے اس کا انکار نہ کیا لہٰذا سب کا اجماع منعقد ہوگیا۔

مسئلہ: جو بالغ عاقل مرد یا عورت اسلام سے پھر جائے اسے تین دن حراست میں رکھ کر اسلام کی دعوت دی جائے، اگر اسلام کی طرف لوٹ آئے تو درست ورنہ قتل کردیا جائے۔"

ظاہریہ:

اصحاب ظاہر کے مسلّم امام علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی **المحلّی** میں قتل مرتد کا مسئلہ احادیث و آثار صحابہ کی روشنی میں پورے بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے۔
(ص ١٨٨ تا ص ١٩٤ ج ١١)

مرتد کو جرم ارتداد کے بعد فوری قتل کردیا جائے یا مہلت دی جائے؟ اور مہلت دی جائے تو کس حد تک؟ اس بارے میں مختلف مذاہب نقل کرنے کے بعد موصوف اپنا فیصلہ تحریر فرماتے ہیں:

ولیس قول من قال یستتاب مرتین باولی ممن قال ثلاثة ولا ممن قال اربعًا او خمسًا او اکثر من ذلك وکل هذه الاقوال بلا برهان فسقط هذا

القول بلاشک فلم یبق الا قول من قال ید عیٰ مرۃ فیقال لہ : ان من اسلم ثم ارتد قد تقدم دعاؤہ الی الاسلام حین اسلم بلاشک ان کان دخیلا فی الاسلام وحین بلغ وعلم شرائع الدین ھذا مما لاشک فیہ وقد قلنا ان التکرار لا یلزم فالواجب اقامۃ الحد علیہ اذ قد اتفقنا نحن وانتم علی وجوب قتلہ ان لم یراجع الاسلام ۔ (المحلی ص۱۹۲ ج ۱۱)

”جو حضرات کہتے ہیں کہ مرتد کو قتل سے پہلے دو بار مہلت دی جائے ان کا یہ قول ان حضرات کے قول سے کچھ زیادہ اولیٰ و راجح نہیں جو مرتد کو تین یا چار یا پانچ یا اس سے زائد بار مہلت دینے کے قائل ہیں، یہ تمام اقوال بلادلیل ہیں، سو دو بار مہلت دئیے جانے کا قول بھی یقیناً گر گیا۔ اب صرف ان حضرات کا قول رہ گیا جو کہتے ہیں کہ اسے قتل سے پہلے ایک بار مہلت دی جائے لیکن اسکے جواب میں کہا جائے گا کہ جو شخص اسلام لاکر مرتد ہوگیا اگر وہ نو مسلم تھا تو اس سے پہلے ہی جب اس نے اسلام قبول کیا تھا بلاشک وشبہہ اسے دعوت اسلام مل چکی تھی، اور اگر پیدائشی مسلمان تھا تو جونہی بالغ ہوا اور احکام دین کی اسے سمجھ حاصل ہوئی تو دعوت اسلام مل گئی، یہ بات کسی شک وشبہہ سے بالا ہے۔ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ بار بار دعوت پیش کرنا ضروری نہیں، لہٰذا اس پر حد قائم کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ اس پر تو ہم اور تم متفق ہیں کہ اگر مرتد اسلام میں لوٹ کر نہ آئے تو اسے قتل کرنا واجب ہے۔“

قاضی شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی قتل مرتد کا مسئلہ حسب عادت بہت مدلل بیان کیا ہے۔

(نیل الاوطار ص۲۰۱ تا ص۲۰۶ ج ۷)

اختصار کے پیش نظر ہم صرف انہی حوالہ جات پر اکتفار کرتے ہیں ورنہ ائمہ حدیث، فقہاء کبار اور دوسرے اساطین کی تصریحات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا استقصاء ایک ضخیم کتاب کا موضوع ہے، شاید ہی حدیث یا فقہ کی کوئی مستند کتاب ہو جس میں قتل مرتد کی تفصیل نہ ہو۔

عقل سلیم :

عقل سلیم کی رو سے بھی مرتد گردن زدنی ہے، اس لئے کہ وہ دین فطرت سے بغاوت کا علم بلند کرکے دین کا مذاق اڑاتا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتا ہے، پوری امت مسلمہ کے جذبات سے کھیلتا ہے، دنیا میں اس سے بڑا فتنہ وفساد اور کیا ہوگا؟

روئے زمین پر کوئی ایسی حکومت نہیں جو اپنے نظام مملکت کو یوں تتر بتر ہوتا دیکھ کر بھی خاموش تماشائی بنی بیٹھی رہے، اس لئے دنیا کے ہر قانون میں باغی کی سزا قتل سے کم نہیں۔

مرتد صرف ایک ملک کا نہیں بلکہ پوری انسانیت کا دشمن ہے، اس کے وجود نامسعود سے انسانی معاشرہ کو پاک کرنا ضروری ہے، ناسور زدہ عضو کا کاٹ پھینکنا بے رحمی نہیں بلکہ جسم وجان کی حفاظت و بقاء کا ذریعہ ہے، اور اس سے غفلت برتنا موت کو دعوت دینا ہے۔

مرتدین اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے کچھ دلائل بھی پیش کرتے ہیں انکی حقیقت ملاحظہ ہو۔

مرتدین کی کٹ حجتی :

پہلی دلیل : لا اکراہ فی الدین قرآن مجید کا واضح اعلان ہے، لہٰذا کوئی مسلمان سوچ بچار کے بعد اپنا نظریہ تبدیل کرنا چاہتا ہے تو بجبر واکراہ اسے اسلام میں داخل رکھنا تنگ نظری ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قرآنی اصول اپنی جگہ مسلّم، مگر سزائے مرتد سے اسکا کیا تعلق؟ اس آیت کا شانِ نزول جو سنن ابی داؤد، نسائی، ابن حبان وغیرہ کے حوالہ سے تمام معتبر تفاسیر میں منقول ہے یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں انصار کی کسی بانجھ عورت کو اولاد نہ ہوتی تو وہ نذر مان لیتی کہ "اگر اللہ تعالیٰ مجھے بیٹا دیدیں تو اسے مذہب یہود میں داخل کردونگی" بیٹے کی پیدائش پر وہ نذر پوری کردیتی، اس طرح بہت سی انصار عورتوں نے اپنے بیٹے یہود کے حوالہ کئے ہوئے تھے۔ جب یہود کے قبیلہ بنی نظیر کو انکے کرتوتوں کی پاداش میں جلا وطن کیا گیا تو یہ انصاری نسل کے یہود بھی انکے ساتھ جانے لگے، اس پر بعض انصار بولے: "ہم اپنے بیٹے انکے حوالہ نہ کریں گے بلکہ انھیں جبراً داخل اسلام کریں گے"۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک روایت میں انصار کے الفاظ ہیں :

انما فعلنا ما فعلنا ونحن نری ان دینہم افضل مما نحن علیہ واما اذا جاء اللہ بالاسلام فنکرھہم علیہ فنزلت لا اکراہ فی الدین (تفسیر قرطبی ص۲۸۰ ج ۳ وغیرہ)

"ہم نے یہ سوچ کر اپنے بیٹے ان کے حوالہ کئے تھے کہ ان کا دین ہمارے دین سے افضل ہے، لیکن اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دولتِ اسلام سے نوازدیا تو اب ہم اپنے بیٹوں کو اسلام پر مجبور کریں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی"

شانِ نزول میں مفسرین نے اور بھی کئی واقعات نقل فرمائے ہیں جو سب کے سب اصلی کفار سے متعلق ہیں، ان واقعات میں کسی مرتد کا دُور دُور تک کوئی ذکر نہیں۔

پھر یہ آیت بھی اپنے اطلاق پر نہیں، جزیرۃ العرب میں بسنے والے غیر اہل کتاب کفار اس سے مستثنیٰ ہیں۔

بلکہ بعض حضرات نے اسے منسوخ قرار دیا ہے، امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقد ذهب طائفة كثيرة من العلماء ان هذه محمولة على اهل الكتاب ومن دخل في دينهم قبل النسخ والتبديل اذا بذلوا الجزية وقال آخرون بل هي منسوخة بآية القتال وانه يجب ان يدعى جميع الامم الى الدخول في الدين الحنيف دين الاسلام فان ابى احد منهم الدخول فيه ولم ينقد له اويبذل الجزية قوتل حتى يقتل وهذا معنى الاكراه۔
(تفسیر ابن کثیر ص ۳۱۱ ج ۱)

"علماء کا ایک بڑا گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ آیت اہل کتاب اور ان لوگوں پر محمول ہے جو نسخ و تحریف سے پہلے انکے دین میں داخل ہوئے، بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ دینا قبول کرلیں۔

اور دوسرے حضرات کہتے ہیں یہ آیت قتال سے منسوخ ہوگئی، اب تمام لوگوں کو دین حنیف میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے گی، اگر کوئی دین میں داخل ہونے سے انکار کردے، نہ دین میں مخلص ہوکر آنا چاہے نہ جزیہ دے تو اس سے قتال کیا جائے گا حتی کہ قتل کردیا جائے، اکراہ کے یہی معنیٰ ہیں۔"

غرض لا اکراہ فی الدّین کا اصول عام کفار سے متعلّق ہے، قتل مرتد کا مسئلہ اس سے بالکل الگ تھلگ ہے، اس سلسلہ میں ہم اُمت کا اجماعی موقف بالتفصیل تحریر کرچکے ہیں۔

دوسری دلیل: سزائے قتل ہر مرتد کے لئے نہیں بلکہ خاص اس مرتد کے لئے ہے جو محارب و باغی ہو جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں تصریح گزرچکی ہے:

التارك لدينه المفارق للجماعة،

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں "المفارق للجماعة" کی قید احترازی نہیں واقعی ہے، ہر مرتد باغی ومفسد اور جماعت مسلمین سے الگ تھلگ ہے، ورنہ دوسری احادیث جو پیچھے مفصّل نقل کی گئی ہیں ان میں کہیں اس کا اشارہ تک نہیں کہ مستوجب قتل ہونے کے لئے جرم

ارتداد کے ساتھ بغاوت بھی شرط ہے۔

اگر مرتدین کی یہ اپج تسلیم کرلی جائے تو اس کا صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ ارتداد کوئی جرم نہیں، اس لئے کہ ہر باغی خواہ وہ مسلمان ہی ہو حالت بغاوت میں واجب القتل ہوتا ہے، جب جرم بغاوت کی مستقل سزا قتل ہے تو جرم ارتداد کو اس کے ساتھ نتھی کرنے کی کیا ضرورت ؟

حقیقت یہ ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے خواہ وہ باغی ہو خواہ مطیع، جیسا کہ باغی کی سزا قتل ہے خواہ وہ مرتد ہو خواہ مسلمان، خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور پوری اُمت کا متوارث عمل اس پر شاہد ہے، کتب حدیث میں بھی بغاۃ و محاربین اور مرتدین کی سزاؤں کے لئے الگ الگ ابواب قائم کئے گئے ہیں، دونوں کو خلط ملط کرنا پوری اُمت کی تجہیل اور احادیث کے ایک پورے باب کا انکار ہے۔

تیسری دلیل : دنیا میں مرتد کی کوئی سزا نہیں ہے، اس لئے کہ یہ جرم قانون کی زد میں نہیں آتا، یہ خالص اُخروی معاملات میں سے ہے، خود قرآن مجید اس کی شہادت دے رہا ہے :

ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاٰخرۃ واولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون (۲-۲۱۷)

اس دلیل کا کھوکھلا پن بھی ظاہر ہے، اُخروی جرم ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ دُنیا میں اس جرم سے متعلق کوئی باز پرس نہ ہو، یوں تو زنا، ڈکیتی، قتل سب ہی جرائم آخرت ہیں، آخر ان پر شریعت نے دنیا میں ایسی شدید سزائیں کیوں رکھی ہیں ؟ اگر ہر جرم کا فیصلہ آخرت پر ہی چھوڑ دیا جائے تو دنیا میں جرائم کی کھلی چھوٹ مل جائے گی، کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتدین کے متعلق جو قتل کا فیصلہ صادر فرمایا، خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں مرتدین کو جہنم رسید کیا، کیا یہ سب حضرات قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت سے ناآشنا اور ظالم تھے ؟ العیاذ باللہ !

چوتھی دلیل : ایک چلتی ہوئی دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ اسلام میں آزادئ فکر پر کوئی قدغن نہیں، اسلامی ریاست میں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے، اور قتل مرتد کا قانون اس حق کو سلب کرتا ہے لہٰذا اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

آزادیٔ فکر کی دہائی دینے والے ان اسیران فکر فرنگ سے کوئی پوچھے کہ آزادیٔ فکر کی کوئی حد بھی ہے ؟ اگر ہر فرد کو بے لگام چھوڑ دینے کا نام آزادیٔ فکر ہے تو قتل و غارت گری، فتنہ و فساد اور بغاوت کے الفاظ مہمل اور بے معنی رہ جاتے ہیں، ان پر کسی باز پرس یا سزا کا جواز باقی نہیں رہتا، اس لئے کہ ان جرائم کے مرتکب اپنی اپنی "آزادی" کا مظاہرہ کر رہے ہیں، انکا راستہ روکنا انھیں انکے جمہوری حق سے محروم کرنے کے مترادف ہے، اسلام میں ایسی آزادی کا کوئی تصوّر نہیں۔

بچپن میں ایک سیاسی لیڈر اور عالم دین کے مابین اس موضوع پر ایک دلچسپ مکالمہ نظر سے گزرا تھا جسے موضوع کی مناسبت سے یہاں دہرایا جاتا ہے :

مسٹر : مولانا! آپ یوں تو غیروں کے آگے یہ صفائی دیتے نہیں تھکتے : "ہمارے دین میں فرد کی آزادی پر کوئی روک نہیں، نہ ہی ہم دین کے معاملہ میں کسی کو مجبور کرتے ہیں۔"
مگر دوسری جانب کوئی شخص آزاد فکری سے سوچ بچار کر کے اسلام سے نکل جانیکا فیصلہ کرتا ہے تو آپ اسکے قتل کا فیصلہ صادر کر دیتے ہیں، یہ کیا تُک ہوئی ؟

مولانا : ذرا یہ فرمایئے کہ کوئی غیر ملکی باشندہ اپنے ملک میں بیٹھ کر پاکستان کی مخالفت کرے اور بانیانِ پاکستان پر کیچڑ اُچھالے تو آپ اس سے کیا سلوک روا رکھیں گے ؟

مسٹر : وہ تو ہماری دسترس سے باہر ہے ہم اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں ؟

مولانا : اچھا اگر وہ پاکستان آجائے اور یہاں کی شہریت قبول کر کے ایسا کرے تب ؟

مسٹر : تب تو وہ ملک کا غدار کہلائے گا جسے ہم گولی سے اُڑا دیں گے۔

مولانا : بس ! بس ! یہی کچھ ہم دین کے معاملہ میں کہتے ہیں۔

"اگر کوئی کافر حضیضِ کفر میں پڑے ہوئے اسلام پر کیچڑ اُچھالے اس کی مقدس ہستیوں پر دست درازی کرے تو اس سے کسی حد تک چشم پوشی ممکن ہے مگر یاد رکھئے اسلام کے حظیرۃ القدس میں قدم رکھنے کے بعد اگر ایسی جسارت کرے تو یہ غدار کسی رُو رعایت کا مستحق نہیں" اگر آپ مُلک کے غدار کو گولی سے اُڑا سکتے ہیں تو کیوں نہ ہم مسلمان اپنے دین کے غدار کو توپ سے اُڑا دیں ؟

خلاصہ :

یہ کہ قتلِ مرتد کا مسئلہ اُمّتِ مسلمہ میں نہ کبھی مختلف فیہ تھا نہ اب ہے، ایسے بدیہی مسئلہ

کا انکار بجائے خود بدترین کفر وارتداد اور لائق گردن زدنی جرم ہے۔

مرتد کے دوسرے احکام:

① حبطِ اعمال: مرتد کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، البتہ مسلمان ہونے پر ان کی قضاء واجب نہیں سوائے حج کے، اگر مرتد ہونے سے پہلے حج کیا تھا تو دوبارہ مسلمان ہونے پر بشرطِ استطاعت حج کا اعادہ ضروری ہے۔

بہت سے محقق علماء کے نزدیک ارتداد سے قبل کی قضا شدہ نماز روزوں کی قضاء بھی واجب ہے، اور اس زمانہ کے حقوق العباد بھی واجب الاداء ہیں۔

② بیوی بائنہ ہو جائے گی قبول اسلام کے بعد نئے سرے سے نکاح کرنا ضروری ہوگا۔

③ مرتد ہوتے ہی اپنے اموال سے اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی، لیکن یہ زوال موقوف رہے گا۔

اگر مسلمان ہو گیا تو ملکیت حسب سابق لوٹ آئے گی۔

اور حالت ارتداد میں ہی مر گیا یا دار الحرب بھاگ گیا تو حالت اسلام کی کمائی ہوئی ملکیت سے زمانۂ اسلام کے مالی حقوق ادا کرنے کے بعد باقی مسلمان وارثوں کو ملے گی، اور زمانۂ ارتداد کی کمائی سے زمانۂ ارتداد کے حقوق ادا کرنے کے بعد باقی فیئ قرار پائے گی۔

④ دیگر مالی تصرفات بیع، ہبہ، رہن، اجارہ وغیرہ بھی موقوف ٹھہریں گے، اگر مسلمان ہو گیا تو نافذ ہو جائیں گے ورنہ کالعدم قرار پائیں گے۔

⑤ مرتد کا وقف باطل ہو جائے گا۔

⑥ حالت ارتداد میں کیا گیا نکاح، ذبیحہ، شکار (جو بسم اللہ پڑھ کر مثلاً شکاری کتے، باز یا تیر کے ذریعہ مارا ہو) گواہی اور میراث (جو اسے ملنا تھی) باطل وکالعدم ہیں۔

نیز اس کے مالی حقوق حلال ہو جائیں گے، انکی ادائیگی ضروری نہیں۔

⑦ حاکم وقت کے لئے بہتر ہے کہ مرتد پر اسلام پیش کرے اور تین دن قید رکھ کر اسکے شبہات دور کرے، اس دوران اگر مسلمان ہو جائے تو بہتر، ورنہ اسے قتل کر دے۔

مرتد کا اسلام اس صورت میں معتبر ہوگا کہ کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام کے سوا تمام ادیان سے برات کا اعلان کرے، یا فقط اس دین سے بیزاری کا اظہار کرے جسے اختیار کر کے مرتد بنا تھا، یوں رسمی طور پر صرف کلمہ پڑھ لینے سے مسلمان نہ سمجھا جائے گا۔

⑧ مرتدہ جب تک مسلمان نہو قید میں رکھی جائے گی، اس دوران اسکی پٹائی بھی کیجاتی رہے گی اور اس سے ہر قسم کا مقاطعہ رکھا جائیگا تاوقتیکہ مسلمان ہوجائے یا اسے موت آجائے۔

اس دوران اگر اسے کسی نے قتل کر دیا تو قاتل پر کوئی ضمان نہیں۔

یہ حکم عام مرتدہ کا ہے، ساحرہ (جادوگر) کے لئے سزائے قتل ہی متعین ہے۔

خنثیٰ مشکل کے بھی یہی احکام ہیں۔

⑨ نابالغ مگر عاقل و ممیّز بچے کا اسلام وارتداد بھی معتبر ہے۔

اگر کسی کافر کا بچہ مسلمان ہوگیا یا والدین کے ساتھ تبعاً مسلمان تھا اور بلوغ سے قبل مرتد ہوگیا تو واجب القتل نہیں، نہ بلوغ سے قبل نہ بعد، البتہ قید کرکے اور مار پیٹ کر اسے اسلام پر مجبور کیا جائے گا، اگر اس حال میں کسی نے قتل کر دیا تو اس پر ضمان نہیں۔

اگر بالغ ہونے کے بعد اس نے اسلام کا اقرار کیا پھر مرتد ہوگیا تو واجب القتل ہے۔

کسی شخص کو جبراً مسلمان بنایا گیا وہ مرتد ہوگیا تو واجب القتل نہیں۔

⑩ مرنے پر مرتد کو کسی قبرستان میں (خواہ مسلمانوں کا ہو یا کفار کا) دفنانا جائز نہیں بلکہ الگ سے ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کی لاش ڈالدی جائے۔

محمد ابراہیم

نائب مفتی دارالافتاء والارشاد

۶ ربیع الآخر ۱۴۱۲ ہجری

تتمّہ

من العبد الفقیر الی رحمۃ ربہ الغنی الحمید رشید احمد وفقہ اللہ لما فیہ رضاہ

زنادقہ اور ان کے احکام

عوام بلکہ اکثر خواص بھی شیعہ اور قادیانی وغیرہ زنادقہ کو بھی مرتد ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کے احکام مرتدین سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

زندیق کی تعریف:

جو اسلام کا مدعی ہو اور اپنے کفریہ عقائد کا برملا اعلان کرتا ہو اور انہی کفریہ عقائد

کو مسلمان قرار دیتا ہو۔

دورِ حاضر کے زنادقہ:

① شیعہ، یہ زنادقہ کا قدیم ترین فرقہ ہے اور سب سے بڑا دشمن اسلام اور سب سے زیادہ بدترین خبیث، زنادقہ کے اس اخبث الخبائث فرقہ نے اسلام اور مسلمانوں کو جتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے اور پہنچا رہے ہیں اتنا نقصان زنادقہ کے دوسرے سب فرقوں کا مجموعہ بھی نہیں پہنچا سکا بلکہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں کر سکا۔

② مرزائی، قادیانی ولاہوری۔

③ آغاخانی، اسماعیلی ④ بوہری ⑤ بہائی

⑥ مہدوی، اور اس کی شاخیں ذکری وغیرہ۔

⑦ منکرین حدیث، چکڑالوی اور پرویزی وغیرہ۔

⑧ انجمن دینداران، مدعی الوہیت "چن بسویشور" کے بندے۔

زنادقہ کے احکام:

① حکومت پر فرض ہے کہ ان کے قتل کا حکم دے، خواہ کوئی خود زندیق بنا ہو یا باپ دادا سے اس مذہب میں چلا آتا ہو، جبکہ مرتد کی اولاد واجب القتل نہیں، اسی طرح عورت مرتدہ ہو جائے تو واجب القتل نہیں مگر زندیقہ عورت بھی واجب القتل ہے۔

② گرفتار ہونے کے بعد انکی توبہ قبول نہیں، جبکہ مرتد کی توبہ گرفتاری کے بعد بھی قبول ہے۔

③ ان کے کسی مرد یا عورت سے کسی مسلمان کا نکاح جائز نہیں۔

④ ان کا ذبیحہ حرام قطعی ہے۔

⑤ ان سے کسی قسم کا کوئی معاملہ بھی جائز نہیں۔ تجارتی لین دین میں سخت مجبوری کا حکم "کتاب الحظر والاباحۃ" میں ہے۔

⑥ ان کے جنازہ میں شرکت جائز نہیں۔

⑦ مسلمانوں بلکہ کافروں کے قبرستان میں بھی دفن کرنا جائز نہیں، کہیں گڑھا کھود کر اس میں پھینک کر مٹی ڈال دی جائے۔ واللہ الھادی الی سبیل الرشاد۔

رشید احمد

۱۱ رذی الحجہ سنہ ۱۴۱۴ھ

کتاب اللقطۃ

کافر کا لقطہ :

سوال : زید کسی کافر کا مقروض تھا وہ قرضخواہ ہندوستان میں جاکر کہیں لاپتہ ہو گیا، اس تک رسائی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، زید اس رقم کا کیا کرے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اوّلاً خط و کتابت یا دیگر ممکنہ ذرائع سے قرضخواہ یا اس کے ورثہ کا پتہ لگانے کی کوشش کرے، انتہائی کوشش کے بعد جب مایوسی ہو تو اس رقم کا صدقہ کر دے۔

اس صورت میں اصل حکم تو بیت المال میں جمع کرانے کا ہے مگر چونکہ حکومت اسلامیہ نہ ہونے کی وجہ سے بیت المال مفقود ہے، اس لئے فقراء پر تصدق کر دے۔

قال فی الھندیۃ کل لقطۃ یعلم انھا للذمی لاینبغی ان یتصدق ولکن یصرف الی بیت المال لنوائب المسلمین، کذا فی السراجیۃ (عالمگیریۃ ص۲۹۰ ج ۲)

ومثلہ فی الشامیۃ ص۲۷۹ ج ۴، واللہ تعالیٰ اعلم

۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ

گھڑی ساز کو گھڑی دیکر واپس نہیں آیا :

سوال : زید گھڑیوں کی مرمت کا کام کرتا ہے لوگ مرمت کے لئے گھڑیاں اسے دے جاتے ہیں ان میں سے کچھ گھڑیاں کئی سال سے اس کے پاس پڑی ہیں جن کا کوئی مالک اب تک نہیں آیا۔ اور نہ آئندہ آنے کی اُمید ہے، گھڑی ساز کو ان مالکان کے متعلق کچھ معلوم نہیں کہ کون لوگ ہیں؟ کہاں رہتے ہیں؟ مزید رکھے رہنے سے گھڑیاں زنگ آلود ہو کر بے کار ہو جائیں گی ان کا کیا کیا جائے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

گھڑی ساز اگر مالکان کی آمد سے مایوس ہو چکا ہے تو ان گھڑیوں کو صدقہ کر دے، صدقہ کرنے کے بعد اگر کسی گھڑی کا مالک آجائے تو اسے اختیار ہو گا کہ اس تصدق

موقوف کو نافذ کردے یا لقطہ اٹھانے والے سے اس کا ضمان وصول کرے یا فقیر سے گھڑی لے لے اگر گھڑی اس سے ضائع ہو چکی ہو تو اس سے ضمان وصول کرے۔

اگر لقطہ اُٹھانے والے نے ضمان ادا کیا تو صدقہ کا ثواب اس کو ملے گا۔

گھڑی ساز کے لئے اس گھڑی کا فروخت کرنا جائز نہیں۔

قال الامام المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ : قال فان جاء صاحبها والا تصدق بها ایصالا للحق الی المستحق وهو واجب بقدر الامکان وذلك بایصال عینها عند الظفر بصاحبها وایصال العوض وهو الثواب علی اعتبار اجازته التصدق بها وان شاء امسکها رجاء الظفر بصاحبها۔

قال فان جاء صاحبها یعنی بعد ما تصدق بها فهو بالخیار ان شاء امضی الصدقة وله ثوابها لان التصدق وان حصل باذن الشرع لم یحصل باذنه فیتوقف علی اجازته والملك یثبت للفقیر قبل الاجازة فلا یتوقف علی قیام المحل بخلاف بیع الفضولی لثبوته بعد الاجازة فیه وان شاء ضمن الملتقط لانه سلم ماله الی غیره بغیر اذنه الا انه باباحة من جهة الشرع وهذا لا ینافی الضمان حقا للعبد کما فی تناول مال الغیر حالة المخمصة وان شاء ضمن المسکین اذا هلك فی یده لانه قبض ماله بغیر اذنه وان کان قائما اخذه لانه وجد عین ماله (هدایة ص٦١٥ ج٢)

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ صفر ۱۳۸۸ھ

مالک مکان لاپتہ ہوگیا تو کرایہ کس کو دے؟

سوال : زید کرایہ کے مکان میں رہتا ہے، جب تک مالک مکان کرایہ وصول کرتا رہا زید کرایہ ادا کرتا رہا، مگر اب کچھ عرصہ سے وہ غائب ہے، مارکیٹ میں اس کی دکان ہے، وہاں جاکر معلوم کیا تو وہ بھی بند پڑی ہے، نہ معلوم زندہ ہے یا فوت ہوگیا؟ اس کا کرایہ کس کو ادا کیا جائے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اسے تلاش کرنا ضروری ہے، ہر ممکن حد تک تلاش وجستجو سے سُراغ نہ لگے تو مزید

انتظار کیا جائے، اگر اس کی آمد سے بالکل مایوسی ہوجائے اور اس کا کوئی وارث بھی موجود نہ ہو تو یہ رقم اس کی طرف سے مساکین پر صدقہ کی جائے، اگر کسی وقت وہ آگیا اور یہ صدقہ اس نے منظور کرلیا تو فبہا، ورنہ وہ پوری رقم اسے دوبارہ ادا کی جائے، اس صورت میں صدقہ کا ثواب کرایہ دار کو ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ر جمادی الآخرۃ سنہ ۸۹ھ

قلم پڑا ملا:

سوال: زید کو ایک قلم راستہ میں پڑا ہوا ملا، کیا یہ قلم زید خود رکھ سکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

زید پر اس کا اعلان واجب ہے جب اسے یقین ہوجائے کہ اب اسکا کوئی مالک نہ آئے گا تو صدقہ کردے، زید مسکین ہے تو خود بھی رکھ سکتا ہے۔

قال فی التنویر: فینتفع الرافع بها لو فقیرًا والا تصدق بها علی فقیر ولو علی اصله وفرعه وعرسه (رد المحتار ص۳۳ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ر ربیع الثانی سنہ ۹۳ھ

ماہانہ رسالہ کا خریداروں تک پہنچانا مشکل ہوگیا:

(۱) مشرقی پاکستان کے کچھ لوگ الابقار منگاتے تھے، بعد میں بنگلہ دیش بن گیا، اب کسی کے نو رسالے کسی کے دس رسالے باقی ہیں، ڈاکخانہ کا خرچہ اب کافی بڑھ گیا ہے وہاں سے لوگوں کے خطوط بھی آئے اپنے رسالے وصول کرنے کے لئے، ان کو میں نے لکھدیا کہ دعاء کریں منی آرڈر کھل جائے تو جن حضرات کے رسالے رُکے ہوئے ہیں انکی جتنی رقم میرے پاس بچتی ہے ان سب کو کل نقد روپیہ روانہ کردوں گا، لیکن منی آرڈر اب تک نہ کھلا۔

اتفاق سے مولانا محمد اللہ صاحب کے صاحبزادہ تشریف لائے، میں نے ان سے کہا کہ تمام حضرات کی رقوم مع پتہ اور خرچہ منی آرڈر کے آپ کو دے دیتا ہوں آپ وہاں جاکر روانہ کردیں، انھوں نے منظور کرلیا، کیا اس صورت میں میں قرض سے

سبکدوش ہوجاؤں گا؟

(٢) پھر میں نے کہا کہ ان میں بہت سے بہاری ہونگے جو کہ ہجرت کر گئے ہونگے یا بہت سے فوت ہو گئے ہونگے، جن کے منی آرڈر واپس آئیں گے، لہٰذا ان کی رقم اپنے مدرسہ کے مستحق طلبہ کو دیدیں، کیا مدرسہ کے مستحق لوگوں کے دینے سے میں سبکدوش ہوجاؤں گا؟

(٣) کچھ لوگ اپنے رسالے دستی لے جاتے ہیں جو اب عرصہ سے نہیں آرہے ہیں، میری نیت ہے کہ تمام رسالے کسی دینی مدرسہ میں مستحق طلبہ میں تقسیم کرادوں، پھر اگر وہ آگئے تو ان کو دوبارہ دیدونگا ایسے ہی ہندوستان سے لوگ رسالہ منگاتے تھے، اب نہیں منگارہے ہیں انکے بارے میں بھی یہی خیال ہے یعنی تقسیم کرنے کا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

(١) اگر تمام رقوم آپ نے کسی بھی معتبر آدمی کے ہاتھ روانہ کردیں اور منی آرڈر کا خرچ بھی آپ نے دیدیا تو آپ اس قرض سے سبکدوش ہوجائیں گے، بشرطیکہ مالکان کو رقوم مل جائیں، اگر ان کو نہ ملیں تو آپ سبکدوش نہ ہونگے۔

(٢) جن لوگوں کا انتقال ہوگیا ہے ان کے ورثہ کو تلاش کیا جائے اگر ورثہ نہ ملیں تو یہ رقوم مستحق طلبہ کو دیدینے سے سبکدوش ہوجائیں گے۔

جو بہاری ہجرت کر گئے اگر کوشش کے باوجود ان تک یا ان کے ورثہ تک رسائی نہ ہوسکے تو یہ رقوم بھی مدرسہ کے مستحق طلبہ کو دیدیں، پھر اگر کوئی اتفاق سے آجائے اور وہ صدقہ پر رضامند نہ ہو تو اس کو دوبارہ رقم دینا ہوگی۔

(٣) جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ رمضان ۹۷ھ



کتاب الشرکۃ

باپ اور بیٹوں کی مشترک کمائی باپ کی ملک ہے :

سوال : زید نے اپنے دو بیٹوں کے ساتھ مل کر کاروبار کیا اور ایک معقول رقم جمع کرلی، زید کا ایک نابالغ بیٹا بھی تھا جو اب بالغ ہوگیا ہے لیکن اس نے کچھ کمایا نہیں، اب اگر زید جمع کردہ رقم تینوں بیٹوں میں برابر سرابر تقسیم کرنا چاہے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ یعنی تیسرے بیٹے کا اس رقم میں کچھ حق بنتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصّدق والصّواب

باپ اور بیٹوں کے مشترک کاروبار کی صورت میں تمام مِلک باپ کی شمار ہوتی ہے، لٰہذا باپ اپنی زندگی میں جو تصرف چاہے کرسکتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے تیسرے بیٹے کو بھی ترکہ میں برابر کا حصہ ملے گا۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی معزیا الی القنیۃ : الاب وابنہ یکتسبان فی صنعۃ واحدۃ ولم یکن لہما شیء فالکسب کلہ للاب ان کان الابن فی عیالہ لکونہ معینا لہ الاتری لو غرس شجرۃ تکون للاب (الی ان قال) وفی الخانیۃ زوّج بنیہ الخمسۃ فی دارہ وکلہم فی عیالہ واختلفوا فی المتاع فہو للاب وللبنین الثیاب التی علیہم لاغیر الخ (ردالمحتار ص۳۶ ج ۳)

واللہ تعالیٰ اعلم

یوم العاشوراء ۷۶ھ

مشترک کمائی میں سب کا برابر حصّہ ہے :

سوال : ایک شخص کے چھ لڑکے ہیں، اور سب کے سب کمائی میں شریک ہیں، لیکن ان میں سے بعض ہشیار اور تجربہ کار ہیں، جن کی کمائی نسبۃً زیادہ ہے اور بعض بے محنت اور سست ہیں جن کی کمائی کم ہے، ان سب نے مل کر ایک زمین خریدی اور پھر فروخت کردی۔

اب زیادہ کمانے والے بھائی کہتے ہیں کہ اس میں زیادہ حصّہ ہمارا ہے اور دوسرے بھائی کہتے ہیں سب کا حصّہ برابر ہے، فریقین میں سے کس کی بات درست ہے اور اس رقم کی شرعی تقسیم کس طرح ہوگی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب ومنه الصّدق والصواب

یہ رقم مشترک ہے، اور اس میں تمام بھائی برابر کے حصّہ دار ہیں۔

قال فی التنویر وشرحه: وما حصله احدهما فله وما حصلاه معا فلهما نصفين ان لم يعلم ما لكل وما حصله احدهما باعانة صاحبه فله ولصاحبه اجر مثله بالغا ما بلغ الخ

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: يوخذ من هذا ما افتى به فى الخيرية فى زوج امرأة وابنها اجتمعا فى دار واحدة واخذ كل منهما يكسب على حدة ويجمعان كسبهما ولا يعلم التفاوت ولا التساوى والتمييز فاجاب بانه بينهما سوية وكذا لو اجتمع اخوة يعملون فى تركة ابيهم ونما المال فهو بينهم سوية ولو اختلفوا فى العمل والرأى اھ (رد المحتار ص۳۶۰ ج ۳)

لیکن اگر مشترک کاروبار میں تفاوت معلوم ہو اور معین زیادتی اقرار یا بینہ سے ثابت ہو تو اس صورت میں اس کا اعتبار ہوگا کما هو مفهوم من العبارة المذكورة ومصرح قبيلها فى الشامية۔ والله تعالى اعلم

یوم العاشوراء ۷۶ھ

ایک شریک کے لئے زائد منافع کی شرط:

سوال: زید ایک کرائے کی دکان کا مالک ہے جس میں وہ کاروبار کرتا ہے، اب زید اور بکر نے اس میں مشترک کاروبار شروع کیا، کاروبار میں زید نے دو ہزار اور بکر نے چھ ہزار روپے شامل کئے، طے یہ پایا کہ نفع میں سے پینتیس فیصد زید لیگا اور پینسٹھ فیصد بکر لے گا اور اسی تناسب سے دونوں نقصان بھی برداشت کریں گے، لیکن یہ بھی طے پایا کہ زید نہ تو کوئی کام کریگا اور نہ ہی انتظامی اُمور میں کسی قسم کی مداخلت کرے گا، ہر ماہ کے اختتام پر حساب کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد نفع تقسیم کرتے رہیں گے، مگر ہوا یوں کہ بکر ابتداء میں تو چند ماہ تک باقاعدہ حساب کرکے زید کو نفع دیتا رہا، بعد

میں باقاعدگی سے حساب کرنا چھوڑ دیا، یونہی اندازہ سے زید کو نفع کی کچھ رقم دیتا رہا، زید نے اس پر اعتراض بھی کیا، مگر بکر ٹالتا رہا، البتہ کبھی کبھار اسے مطمئن کرنے کے لئے رقم کی مقدار میں معمولی سا ردو بدل کر دیتا، اور اب اس کا یہ معمول چلا آرہا ہے، سوال یہ ہے کہ اس انداز سے نفع کی تقسیم جائز ہے یا ناجائز؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر عند العقد شریکین میں سے کسی ایک کے لئے کاروبار میں کوئی کام نہ کرنا طے پایا تو اس کے لئے اس کے رأس المال کی مقدار سے زائد منافع کی شرط جائز نہیں، ہر شریک کا نفع و نقصان دونوں میں اس کے سرمایہ کے مطابق حصہ ہوگا، زید کا پچیس فیصد اور بکر کا پچھتر فیصد، البتہ زید دوکان کا کرایہ لے سکتا ہے۔

منافع کی تقسیم میں حساب کی پوری جانچ پڑتال ضروری ہے، تخمینہ سے کچھ لینا دینا جائز نہیں، اس سے پہلے تخمینہ سے جس قدر نفع کی تقسیم ہوتی رہی اس پر فریقین توبہ و استغفار کریں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ:

(قوله ومع التفاضل فی المال دون الربح) ای بان یکون لاحدهما الف وللاخر الفان مثلا واشترطا التساوی فی الربح (وقوله وعکسه) ای بان یتساوی المالان ویتفاضلا فی الربح لکن هذا مقید بان یشترطا الاکثر للعامل منهما او لاکثرهما عملا اما لو شرطاه للقاعد او لاقلهما عملا فلا یجوز کما فی البحر عن الزیلعی والکمال قلت والظاهر ان هذا محمول علی ما اذا کان العمل مشروطا علی احدهما وفی النهر اعلم انهما اذا شرطا العمل علیهما ان تساویا مالا وتفاوتا ربحا جاز عند علمائنا الثلاثة خلافا لزفر والربح بینهما علی ما شرطا وان عمل احدهما فقط وان شرطاه علی احدهما فان شرطا الربح بینهما بقدر رأس مالهما جاز ویکون مال الذی لا عمل له بضاعة عند العامل له ربحه وعلیه وضیعته وان شرطا الربح للعامل اکثر من رأس ماله جاز ایضا علی الشرط ویکون مال الدافع عند العامل مضاربة ولو شرطا الربح للدافع اکثر من رأس ماله لا یصح

الشرط ویکون مال الدافع عند العامل بضاعۃ لکل واحد منهما ربح ماله والوضیعۃ بینهما علی قدر رأس مالهما ابدا هذا حاصل ما فی العنایۃ اھ ما فی النهر، قلت وحاصل ذلک کله انه اذا تفاضلا فی الربح فان شرطا العمل علیهما سویۃ جاز ولو تبرع احدهما بالعمل وکذا لو شرطا العمل علی احدهما وکان الربح للعامل بقدر رأس ماله او اکثر ولو کان الاکثر لغیر العامل او لاقلهما عملا لا یصح وله ربح ماله فقط وهذا اذا کان العمل مشروطا الخ

(ردالمحتار ص۳۵۱ ج ۳)

غرۃ ربیع الاوّل ۸۸ھ

مشترک مال میں بلا اجازت تصرف کرنا :

سوال : چار بھائیوں کی مشترک جائداد تھی، ان کے والد کا انتقال ہوگیا، بعد ازاں دو بڑے بھائی جائداد میں تصرف کرتے رہے اور دو چھوٹے بھائی جو عاقل و بالغ تھے ان کے تابع ہوکر رہے، ان چاروں بھائیوں کی ایک مشترک زمین کسی شخص نے بلا اجازت فروخت کردی، بائع کا انتقال ہوگیا، بڑے بھائیوں نے مشتری کے خلاف دعویٰ دائر کردیا، بالآخر عرصہ آٹھ سال بعد یہ زمین ان کو واپس مل گئی، لیکن دونوں بڑے بھائیوں نے آٹھ سال کی پیداوار مشتری کو معاف کردی اور پھر زمین دوبارہ اسی کے ہاتھ فروخت کردی، یہ پورا تصرف چھوٹے بھائیوں کے اذن کے بغیر کیا، سوال یہ ہے کہ یہ تصرف صرف بڑے بھائیوں کے حق میں نافذ ہوگا یا چھوٹے بھائیوں کے حق میں بھی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مالکان کو زمین کے خریدار سے زمین کا اجر مثل یعنی ٹھیکے کی معروف رقم لینے کا حق تھا، بڑے بھائیوں کا معاف کرنا صرف ان ہی کے حق میں نافذ ہوگا، چھوٹے بھائیوں کا حصہ معاف نہیں ہوگا، لہٰذا مشتری کے ذمہ زمین کے اجر مثل سے ان کا حصہ ادا کرنا دیانۃً واجب ہے۔

یونہی بعد میں جو دو بڑے بھائیوں نے زمین مشتری کے ہاتھ فروخت کی تو یہ تصرف بھی صرف ان کے اپنے حصے میں صحیح ہے، چھوٹے بھائیوں کے حصہ میں صحیح نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رمضان ۸۸ ہجری

سامان میں شرکت عنان صحیح نہیں :

سوال : زید، بکر اور عمرو مشترک کاروبار کرنا چاہتے ہیں، زید کی ایک دکان ہے جو کرایہ پر چلائی ہوئی ہے جس کی قیمت تیرہ ہزار اور کرایہ پینتیس روپے ماہوار ہے، بکر اور عمرو چار چار ہزار روپے شامل کرتے ہیں، دکان سمیت یہ پوری مالیت اکیس ہزار روپے بن جاتی ہے، اب فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ اصل نفع کا نصف تو کام کرنے والے شرکاء کی محنت کا معاوضہ ہوگا اور باقی نصف شرکاء کے سرمایہ کے مطابق شرکاء میں تقسیم ہوگا، شرعاً یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ شرکت عنان ہے جس میں نقد روپے کا وجود شرط ہے۔

صورت سؤال میں ایک طرف سامان اور دوسری طرف نقد ہے، لہٰذا یہ شرکت صحیح نہیں، اس کو صحیح کرنے کی صورت یہ ہے کہ پہلے زید بکر اور عمرو کو مکان میں شریک کرے، پھر برابر یا کم و بیش سرمایہ لگاکر عقد شرکت کریں۔

قال فی التنویر وشرحہ : ولا تصح مفاوضۃ وعنان ذکر فیھما المال والافھما تقبل ووجوہ بغیر النقدین والفلوس النافقۃ والتبر والنقرۃ ای ذھب وفضۃ لم یضربا ان جری مجری النقود التعامل بھما۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ (بغیر النقدین) فلا تصحان بالعرض ولا بالمکیل والموزون والعدد المتقارب قبل الخلط بجنسہ واما بعدہ فکذلک فی ظاھر الروایۃ فیکون المخلوط شرکۃ ملک وھو قول الثانی رحمہ اللہ تعالیٰ وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ شرکۃ عقد۔ (رد المحتار ص ۳۳۵ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

٦ ذی قعدہ ۸۸ھ

مشترک کاروبار میں نقصان ہوگیا :

سوال : دو ہزار روپے بکر کے اور ایک ہزار روپیہ زید کا ہو اور کاروبار میں نقصان ہو جائے تو زید پر کتنا نقصان آئے گا اور بکر پر کتنا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس نقصان کو پہلے نفع سے پورا کیا جائے گا، اگر نفع سے پورا نہیں ہوتا تو دونوں پر بقدر حصہ نقصان آئے گا، یعنی ایک ہزار والے پر ایک تہائی اور دو ہزار والے پر دو تہائی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ ذی قعدہ ۸۸ھ

ہر شریک کو شرکت ختم کرنے کا اختیار ہے:

سوال: زید نے چند دوسرے شرکاء کے ساتھ مل کر مشترک کاروبار کے لئے ایک دکان خریدی، ان کے ساتھ عمرو نے بھی شرکت کی خواہش ظاہر کی تو اسے اس شرط پر شریک کر لیا گیا کہ وہ حسب معمول تعلیم قرآن کی خدمت میں مشغول رہے گا اور کاروبار میں کسی قسم کا عمل دخل نہ رکھے گا، نیز یہ بھی طے پایا کہ زید کام زیادہ کرے گا، اس لئے منافع میں اس کا حصہ بھی زیادہ ہوگا یعنی چالیس فی صد نفع زید کے لئے اور ساٹھ فی صد بقیہ شرکاء کے لئے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد شرکاء زید کی خیانت پر مطلع ہوئے، اس لئے وہ اسے شرکت سے الگ کرنا چاہتے ہیں، کیا شرعاً وہ اس کے مجاز ہیں، نیز زید کا مطالبہ ہے کہ الگ ہونے کی صورت میں دکان کی موجودہ قیمت لگا کر اسے اسکا حصہ دیا جائے، اس لئے کہ دکان کی موجودہ قیمت پہلے سے زیادہ ہے، کیا زید کا یہ مطالبہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ہر شریک کو ہر وقت اختیار ہے کہ دوسرے شرکاء کی رضا کے بغیر جب چاہے شرکت کو ختم کر دے، اس صورت میں اشیاء مشترکہ کی قیمت لگا کر اصل بقدر حصص اور منافع حسب شرط تقسیم کر لیں۔

اگر کوئی چیز لینے کا ہر شریک خواہش مند ہو تو بصورت نیلام جو شریک زیادہ قیمت پر خریدنے کو آمادہ ہو اسے دیدی جائے۔

لہٰذا شرکاء کا زید کی شرکت کو ختم کر دینا صحیح ہے خواہ اس کی کوئی معقول وجہ ہو یا نہ ہو، البتہ زید دکان کی موجودہ قیمت سے اپنے حصہ کا مستحق ہے اور اگر تمام شرکاء سے زیادہ قیمت دیکر دکان خود رکھنا چاہے تو زید کو اس کا بھی اختیار ہے جیسا کہ دوسرے ہر شریک کو بھی یہ اختیار ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : وفی البحر عن البزازیۃ اشترکا و اشتریا امتعۃ ثم قال احدھما لا اعمل معک بالشرکۃ وغاب فباع الحاضر الامتعۃ فالحاصل للبائع وعلیہ قیمۃ المتاع لان قولہ لا اعمل معک فسخ للشرکۃ معہ واحدھما یملک فسخہا وان کان المال عروضا بخلاف المضاربۃ ھو المختار اھ (رد المحتار ص۳۶۲ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۷ ربیع الاوّل سنہ ۸۹ھ

بلا اذن شریک تصرف جائز نہیں :

سوال : عنایت اللہ اور علی محمد دونوں نے پینتیس ۳۵ ہزار میں گاڑی خریدی جس میں سے سولہ ۱۶ ہزار روپے نقد ادا کئے اور انیس ۱۹ ہزار ایک مدت معینہ تک اُدھار رہے، دو تین مہینے کے بعد علی محمد ایران چلا گیا جب روپیہ دینے کا وقت مقرر آیا تو عنایت اللہ کے پاس پیسے نہیں تھے۔ قرضخواہ نے عنایت اللہ کو مجبور کیا کہ روپیہ ادا کرو ورنہ میں گاڑی پر قبضہ کرلوں گا، مجبور ہوکر عنایت اللہ نے گاڑی تیس ۳۰ ہزار میں فروخت کردی، چند دن کے بعد علی محمد بھی آگیا اور اعتراض کیا کہ تم نے پانچ ہزار کے نقصان پر گاڑی کیوں دی؟ عنایت اللہ نے اپنا عذر پیش کیا کہ مالک نے بہت تنگ کیا آخر میں کیا کرتا؟ اب یہ بیع ہوئی یا نہیں اور نقصان کس پر آئے گا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صرف عنایت اللہ کے حصہ کی بیع صحیح ہے، گاڑی علی محمد اور خریدار کے درمیان مشترک ہے، اگر خریدار اشتراک پر راضی نہیں تو وہ بیع کو فسخ کرکے گاڑی واپس کرسکتا ہے۔

قال فی شرح التنویر : نحو حمام وطاحون وعبد ودابۃ حیث یصح بیع حصتہ اتفاقا اھ (رد المحتار ص۳۴۶ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ شعبان سنہ ۹۵ھ

مشترک زمین میں بلا اجازت شریک پودے لگادیئے :

سوال : دو آدمی ایک زمین میں شریک ہیں ایک شریک نے کھجور کے پودے مشترک زمین میں لگادیئے۔

چند سال بعد جب پودے پھل دینے لگے تو لگانے والے شریک نے کہا کہ چونکہ میں نے پودے لگائے ہیں اس لئے میں شریک ثانی کو حصہ نہیں دیتا۔

شریک ثانی کہتا ہے کہ چونکہ آپ نے زمین مشترک میں بلا اجازت پودے لگائے ہیں اس لئے یہ پودے بھی تقسیم کئے جائیں گے، اب اس صورت میں کیا فیصلہ ہوگا؟

واضح رہے کہ ہمارے دیار میں یہ عرف ہے کہ کھجور کے پودے لگانے والے کو نصف درخت ملا کرتا ہے لیکن یہ نصف اس وقت ملا کرتا ہے جبکہ مالک زمین کی اجازت صراحۃً یا دلالۃً موجود ہو، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ زمین دونوں میں تقسیم کی جائے گی، پودے لگانے والے کے حصہ میں اس کے پودے برقرار رہیں گے، اور دوسرے شریک کے حصہ سے پودے لگانے والا اپنے پودے اکھاڑلے اور پودے اکھاڑنے سے زمین میں جو نقص واقع ہو وہ اس کے مالک کو ادا کرے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: ارض بینھما زرع احدھما کلھا تقسم الارض بینھما فما وقع فی نصیبہ اقر وما وقع فی نصیب شریکہ امر بقلعہ وضمن نقصان الارض ھذا اذا لم یدرک الزرع فلو ادرک اوقرب یغرم الزارع لشریکہ نقصان نصفہ لو انتقصت لانہ غاصب فی نصیب شریکہ (رد المحتار ص۳۴۶ ج ۳)

اگر پودے اکھاڑنے سے زمین کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا ہو تو زمین کے مالک کو اختیار ہے کہ وہ اپنے حصہ میں لگے ہوئے پودوں کی قیمت ادا کرکے ان کا مالک بن جائے قیمت ایسے پودوں کی لگائے جائے گی جو واجب القلع ہوں۔

قال فی التنویر: ومن بنی اوغرس فی ارض غیرہ بغیر اذنہ امر بالقلع والرد وللمالک ان یضمن لہ قیمۃ بناء او شجر امر بقلعہ ان نقصت الارض بہ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ ان نقصت الارض بہ) ای نقصانا فاحشا بحیث یفسدھا اما لو نقصھا قلیلا فیأخذ ارضہ ویقلع الاشجار ویضمن النقصان سائحانی عن المقدسی (رد المحتار ص۱۳۷ ج ۵) واللہ تعالی اعلم۔

۲۷ ذی الحجہ ۹۵ ہجری

شرکت میں تعیینِ نفع کا اصول :

سوال : دو شخصوں نے مل کر ایک کتاب چھاپی، ان میں سے ایک اس کتاب کو فروخت کرتا ہے اور جو کچھ نفع ہوتا ہے اس کو بحصۂ مساوی یا کم و بیش جیسا کہ طے ہو جائے آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، کیا اس قسم کی شرکت شرعاً جائز ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز ہے، البتہ اگر عقد میں پورا یا اکثر کام ایک شریک کے ذمہ مشروط ہو تو دوسرے شریک کے لئے اس کے حصۂ رأس المال سے زیادہ نفع کی شرط جائز نہیں، اگر نفس عقد میں یہ شرط نہ ہو بلکہ تبرعاً کام کر رہا ہو تو کام نہ کرنے والے کے لئے بھی زیادہ نفع کی شرط جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۸ محرم سنہ ۹۶ھ

مشترک مکان کی بلا اجازت مرمت :

سوال : زید کی تحویل میں اس کے مرحوم والد کا متروکہ ایک مکان ہے جو ہنوز ورثہ میں تقسیم نہیں ہوا، مکان کے ایک حصہ سے جو کرایہ حاصل ہوا وہ زید نے تمام ورثہ کا حق سمجھتے ہوئے بطور امانت محفوظ رکھا تاوقتیکہ شرعی تقسیم ہو جائے، اسی اثناء میں مکان کا ایک حصہ بوسیدہ ہونے کی وجہ سے قابلِ مرمت ہو گیا، مکان کی شرعی تقسیم میں دفتری کارروائی کی وجہ سے تاخیر ہو رہی ہے، زید کے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ وہ مکان کے اس حصہ کی مرمت وغیرہ کر والے۔

کیا اس صورت میں کرایہ سے حاصل شدہ رقم جو زید کے پاس امانت ہے اس سے مکان کی مرمت کروائی جا سکتی ہے؟ اگر مکان کی مرمت نہیں کروائی جاتی تو بوقتِ فروخت مکان کی پوری قیمت وصول نہ ہو گی۔

نیز یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ اگر اس رقم میں سے مرمت کروائی جا سکتی ہے تو دوسرے ورثہ سے اس رقم کے خرچ کرنے کی اجازت لینی پڑے گی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر مکان ورثہ میں قابلِ تقسیم ہے تو کرایہ کی مشترک رقم خرچ کرنے کے لئے دوسرے شرکاء سے اجازت لینا ضروری نہیں۔

اور اگر مکان قابلِ تقسیم نہیں یعنی تقسیم کی صورت میں ناقابلِ انتفاع ہوجاتا ہے تو دوسرے شرکاء سے مرمت پر خرچ کرنے کی اجازت لینا ضروری ہے، اگر وہ اجازت نہ دیں تو حاکم کو درخواست دیکر انہیں مرمت پر مجبور کرسکتے ہیں، اگر حاکم سے اسکی اُمید نہ ہو تو بدون اجازت شرکاء بھی مرمت پر انکی رقوم خرچ کرنیکی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

لانہ صار مضطرًا الی المرمۃ کالمشترک الذی یقبل القسمۃ۔

قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ: والضابط ان کل من اجبران یفعل مع شریکہ اذا فعلہ احدھما بلا اذن فھو متطوع والا لا، ولا یجبر الشریک علی العمارۃ الا فی ثلاث وصی وناظر وضرورۃ تعذر قسمۃ ککری نھر ومرمۃ وقناۃ وبئر ودولاب وسفینۃ معیبۃ وحائط لا یقسم اساسہ فان کان الحائط یحتمل القسمۃ ویبنی کل واحد فی نصیبہ السترۃ لم یجبر والا اجبر وکذا کل ما لا یقسم کحمام وخان وطاحون وتمامہ فی متفرقات قضاء البحر والعینی والاشباہ (رد المحتار ص۳۶۵ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ

نابالغ کے ساتھ مشترک مصارف:

سوال: مرحوم کی بیوہ کے نام کچھ رقم بطور پینشن دس سال کے لئے منظور ہوئی ہے اور چھبیس ۲۶ روپے ماہوار ملنے بھی شروع ہوگئے ہیں۔

اسی طرح دوسرے امدادی فنڈ سے سولہ ۱۶ روپے ماہوار بچوں کے بلوغ تک کے لئے منظور ہوئے ہیں جو ملنے شروع ہوگئے ہیں۔

بیوہ اور چاروں بچے جن میں سے دو بالغ ہیں سب اکٹھے ساتھ رہتے ہیں اور اکٹھے کھاتے پیتے ہیں، اس رقم کو مجموعہ خرچہ میں صرف کریں یا علیحدہ کرکے اخراجات کا حساب رکھیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جو رقم نابالغوں کے لئے منظور ہوئی ہے اس میں سے بالغوں پر خرچ کرنا جائز نہیں، صرف نابالغوں کے مصارف میں خرچ کی جائے، البتہ کھانے پینے میں سب کا حساب مشترک رکھ سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رمضان ۹۷ھ

شرکت مع مضاربت جائز ہے:

سؤال: زید و عمر میں یہ طے پایا کہ دونوں کاروبار میں برابر سرمایہ لگائیں گے، عمر چونکہ کام بھی کریگا لہٰذا کام کے عوض نصف ربح عمر کا ہوگا اور باقی نصف اصل سرمایہ کے مطابق دونوں میں برابر تقسیم ہوگا، یہ طریقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا یہ صفقۃ فی صفقۃ یا عقد بشرط میں داخل نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

شرکت میں عمل من الجانبین شرط ہے جو یہاں مفقود ہے اس لئے یہ شرکت نہیں مضاربت ہے، پھر اگر رب المال کی طرف سے مال لگانا درجہ شرط میں نہو تو کوئی اشکال نہیں، اور اگر مشروط ہو تو بھی مضاربت و شرکت میں ملایمت کی وجہ سے جائز ہے، چونکہ اس صورت میں مضاربت اصل ہے اور شرکت بالتبع، اس لئے عمل من الجانبین کی شرط مرتفع ہوگئی،

اسی طرح اشتراط العمل من الجانبین کے ساتھ تفاضل فی الربح بھی اسی لئے جائز کہ یہ صورت اولی کے برعکس اصل میں شرکت ہے اور مضاربت بالتبع، اس لئے اشتراط العمل علی الجانبین مضر نہیں۔

قال ابن عابدین رحمه الله تعالی فی الشرکۃ: وفی النهر اعلم انهما اذا شرطا العمل علیهما ان تساویا مالاً وتفاوتا ربحاً جاز عند علمائنا الثلاثة رحمهم الله تعالی خلافاً لزفر رحمه الله تعالی والربح بینهما علی ما شرطا وان عمل احدهما فقط وان شرطاه علی احدهما فان شرطا الربح بینهما بقدر رأس مالهما جاز ویکون مال الذی لا عمل له بضاعة عند العامل له ربحه وعلیه وضیعته وان شرطا الربح للعامل اکثر من رأس ماله جاز ایضاً علی الشرط ویکون مال الدافع عند العامل مضاربة ولو شرطا الربح للدافع اکثر من رأس ماله لا یصح الشرط ویکون مال الدافع عند العامل بضاعة لکل واحد منهما ربح ماله والوضیعة بینهما علی قدر رأس مالهما ابداً هذا حاصل ما فی العنایة اھ ما فی النهر، قلت وحاصل ذلک کله انه اذا تفاضلا فی الربح فان شرطا العمل علیهما سویة جاز ولو تبرع احدهما بالعمل وکذا لو شرطا العمل علی احدهما وکان الربح للعامل بقدر رأس ماله او اکثر ولو کان الاکثر لغیر العامل او لاقلهما عملاً لا یصح وله ربح ماله فقط هذا اذا کان العمل مشروطاً الخ (رد المحتار ص ۳۵۱ ج ۳)

وقال العلامۃ الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ : (قولہ وان شرطاہ علی احدھما فان شرطا الربح بینہما بقدر الخ) فی الدر من کتاب المضاربۃ ما نصہ والثالث ای من شروط المضاربۃ تسلیمہ الی المضارب حتی لا تبقی لرب المال فیہ ید لان المال یکون امانۃ عندہ فلا یتم الا بالتسلیم کالودیعۃ بخلاف الشرکۃ لان المال فی المضاربۃ من احد الجانبین والعمل من الجانب الاٰخر فلابد ان یخلص المال للعامل لیتمکن من التصرف فیہ واما العمل فی الشرکۃ فمن الجانبین فلو شرط خلوص الید لاحدھما لم تنعقد الشرکۃ لانتفاء شرطہا وھو العمل منہما اھ وظاھرما فیہا ینافی ما نقلہ المحشی ویقال فی دفع المنافاۃ ان شرط العمل منہما شرط لتحقق الشرکۃ واذا شرط علی احدھما تکون مضاربۃ او بضاعۃ علی ما ذکرہ المحشی تأمل (الی قولہ) وتخصیص العمل باحدھما یخرج المسألۃ عن ان تکون من مفردات مسائل الشرکۃ بل ھی حینئذ بضاعۃ ان شرط العمل علی احدھما مع التساوی فی الربح و مضاربۃ ان شرط الفضل للعامل (التحریر المختار ص۲۷۷ ج ۲)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : ذکر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی الاصل اذا جاء احدھما بالف درھم والاٰخر بالفین واشترکا علی ان الربح بینہما نصفان والعمل علیہما فھو جائز ویصیر صاحب الالف فی معنی المضارب الا ان معنی المضاربۃ تبع لمعنی الشرکۃ والعبرۃ للاصل دون التبع فلا یضرھما اشتراط العمل علیہما (منحۃ الخالق علی البحر الرائق ص۱۸۷ ج ۵) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ محرم ۹۹ ہجری

باپ اور بیٹے کی مشترک جائداد کا حکم :

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ مسمی رحیم بخش کے دو بیٹے ہیں کریم بخش، دھنی بخش، دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں، کریم بخش جدائی کے ایک سال بعد باپ کے ساتھ شریک ہوگیا اور اس شرکت کو عرصہ سولہ سال کا گزر گیا، پھر رحیم بخش کی وفات ہوگئی، اب مرحوم کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بوقت اشتراک دونوں کے اموال میں جو تناسب تھا اسکے مطابق ترکہ سے کریم بخش کے حصہ کا وہ مالک ہے، باقی ترکہ سب وارثوں پر بقدر سہام تقسیم ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۸ صفر ۹۹ھ

مشترک مکان میں بلا اذن تعمیر کا حکم :

سوال : زید کا انتقال ۱۹۷۳ء میں ہوا اور مندرجہ ذیل وارث چھوڑے :

(۱) بیوی ایک (۲) نو بیٹے (۳) چھ بیٹیاں۔

والدین کا انتقال مرحوم سے پہلے ہو چکا تھا۔

تمام وارث اپنے اپنے پلاٹ میں رہتے تھے صرف بکر والد کے گھر رہتا تھا، اس دوران دوسرے ورثہ سے پوچھے بغیر بکر نے والد کے مکان میں ایک باورچی خانہ اور دو کمروں کا مزید اضافہ کر دیا، والد کے انتقال کے سولہ سال بعد ورثہ نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ پلاٹ بیچ دیا جائے اور رقم تمام ورثہ پر تقسیم کر دی جائے، سب نے عمر کو مختار نامہ دیکر امیر بنایا، بکر نے بھی اپنا مختار نامہ عمر کو دیدیا، مگر دو تین دن کے بعد بکر نے اپنے مختار نامہ سے رجوع کر لیا کہ مجھے اپنے اضافی مکانوں کی قیمت الگ دی جائے جو تقریباً ساٹھ ہزار روپے بنے گی ورنہ میں مختار نامہ نہیں دونگا، اس کو اخبار میں بھی شائع کیا، عمر نے مجبوراً اس کی یہ شرط قبول کر لی۔ عمر کے دل میں تھا کہ یہ صرف ایک حیلہ ہے تاکہ مکان بیچنے پر بکر آمادہ ہو ورنہ بہت دشواریاں پیش آئیں گی۔

مکان بیچ دیا گیا عمر نے حسب وعدہ رقم سارے وارثوں میں بقدر حصص تقسیم کر دی، اب بکر دعوی کرتا ہے کہ مجھے اضافی مکانوں کی رقم دو جس کا تم نے وعدہ کیا تھا، اب دریافت طلب یہ امور ہیں :

(۱) بکر کا بوقت فروخت یہ شرط لگانا کہ مجھے اضافی مکانوں کی رقم بھی دی جائے جائز تھا یا نہیں ؟

(۲) بکر کا مشترک جگہ میں بلا اذن ورثہ اضافی مکان بنانا جائز تھا یا نہیں ؟

(۳) عمر نے جو بطور حیلہ رقم دینے کا وعدہ کیا تھا یہ وعدہ پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟

(۴) بکر کو اپنے والد کے بعد اضافی مکانوں کی رقم ملنی چاہیئے یا نہیں؟

(۵) اگر بکر رقم کا حقدار ہے تو کتنی رقم کا ؟ اور اب جبکہ رقم سارے وارثوں میں تقسیم کر دی گئی ہے تو کیا سب سے واپس لی جائے یا کیا صورت اختیار کی جائے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بکر ایسی عمارت کی قیمت لے سکتا ہے جس کے گرانے کا فیصلہ کیا جا چکا ہو، جو شاید

ملبہ کی قیمت سے زیادہ نہ ہوگی۔ ہر وارث بقدر حصہ بکر کو ادا کرے۔ واللہ تعالی اعلم۔

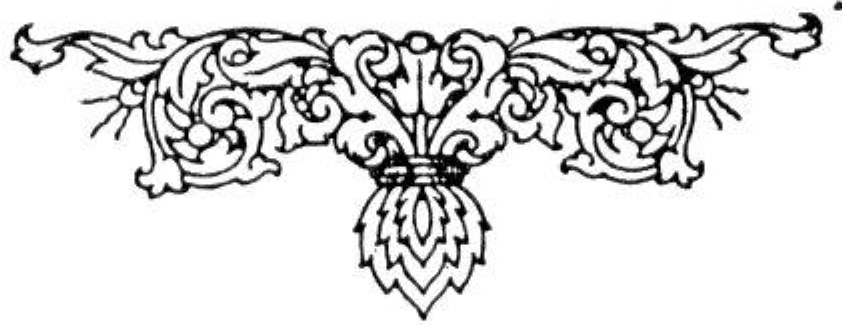
۲۳ ذیقعدہ سنہ ۱۴۱۰ھ

مشترک زمین میں بلا اجازت مسجد بنانا:

کتاب الوقف باب المساجد میں آرہا ہے۔

شریک کو ملازم رکھنا:

کتاب الاجارہ میں ہے۔



کتاب الوقف

مسجد یا مدرسہ سے قرآن یا کتاب دوسری جگہ منتقل کرنا :

سوال : شریعت مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے کہ مسجد میں وقف شدہ قرآن کو دوسری جگہ منتقل کرنا، یا ایک مدرسہ کی کتاب کو دوسرے مدرسہ میں منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر واقف نے خاص مسجد یا خاص مدرسہ کے لئے قرآن یا کتاب کو وقف کیا ہے تو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں ۔ والتفصیل فی کتاب الوقف من الشامیۃ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سلخ ذی الحجہ سنہ ۲ ۷ ھ

ایک مدرسہ کی اشیاء دوسرے میں منتقل کرنا :

سوال : مسجد کی منتظمہ نے ایک عالم کو بلا کر مسجد کی خطابت و امامت تفویض کی، عالم نے یہ شرط رکھی کہ مدرسہ بھی ساتھ ہونا چاہیئے، منتظمہ نے مسجد سے ملحق مدرسہ بھی قائم کر دیا اور ان عالم صاحب کو اس کا مہتمم مقرر کر دیا، ارکان کمیٹی نے اس سے متعلق ایک تحریر بھی تیار کی جس پر سب کے دستخط ثبت ہیں ۔

کچھ عرصہ گزرنے پر اہل محلہ عالم مذکور کے خلاف ہوگئے اور مطالبہ شروع کر دیا کہ ان کو مسجد و مدرسہ سے فارغ کیا جائے ۔

سوال یہ ہے کہ یہ عالم یہاں سے منتقل ہوکر دوسری جگہ نیا مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں، کیا یہ جائز ہوگا کہ پہلے مدرسہ کا پورا ملبہ اور اس کی جمع شدہ رقم اپنے ساتھ لیجا کر نئے مدرسہ کے قیام پر صرف کر دیں بیّنوا توجروا ۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر عالم مذکور اپنے فرائض پابندی سے ادا کر رہے ہیں اور کسی قسم کی خیانت ان سے

صادر نہیں ہوئی تو بلا وجہ اہلِ محلہ کا ان پر ناراض ہونا اور ان کے برطرف کرنے کا مطالبہ کرنا جائز نہیں،
مدرسہ کا ملبہ یا جمع شدہ رقم کسی صورت منتقل کرنا جائز نہیں، یہ چیزیں اسی مدرسہ کے لئے خاص رہیں گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ رجمادی الاولیٰ سنہ ۹۱ ہجری

سوال مثل بالا:

سوال: ایک مولوی صاحب مدرسہ میں تنخواہ دار مدرس مقرر کئے گئے، کچھ عرصہ بعد اعتماد کرکے منتظمہ نے انھیں مہتمم بھی مقرر کر دیا، اس دوران رسیدیں چھاپی گئیں، مدرسہ کے لئے چندہ ہوتا رہا اور کتابیں بھی خریدی گئیں، چند سال بعد یہ مولوی صاحب بلا اجازت مدرسہ چھوڑ کر قریبی علاقہ میں چلے گئے اور نئے مدرسہ کی بنیاد رکھ دی، سوال یہ ہے:

(۱) مولوی صاحب سابقہ مدرسہ کی رقوم اور وقف شدہ کتب اس مدرسہ کی طرف منتقل کر سکتے ہیں منتظمہ کی اجازت سے یا بلا اجازت؟

(۲) سابقہ مدرسہ کی مطبوعہ رسیدوں پر چندہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟
واضح رہے کہ اس مدرسہ کا نام بھی سابقہ مدرسہ کے نام پر رکھا گیا۔

(۳) یہ فیصلہ بھی تحریر فرمائیں کہ مدرسہ کس کا ہوتا ہے؟ مقامی آبادی کا، معاونین کا یا مہتمم کا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

(۱) سابقہ مدرسہ کے لئے وقف شدہ کتب اور چندہ کی رقوم کسی دوسرے ادارہ میں منتقل کرنا جائز نہیں، نہ منتظمہ کی اجازت سے نہ بلا اجازت۔

(۲) جائز نہیں، نئے مدرسہ کا نام سابقہ مدرسہ سے الگ رکھنا چاہیئے۔

(۳) مدرسہ کسی بھی انسان کی ملک نہیں ہوتا، صرف اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہوتا ہے، البتہ محل وقوع یا مقامی آبادی کی طرف اس کی مجازاً نسبت کی جاتی ہے جو جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ ربیع الاوّل سنہ ۹۸ ھ

ایک قرآن کی جلد یا غلاف دوسرے پر منتقل کرنا:

سوال: قرآن مجید کے پھٹ جانے کے بعد اس کی جلد کو دوسرے قرآن پر یا ایک

قرآن کے غلاف کو دوسرے پر منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر قرآن مجید وقف نہیں تو مالک کو اختیار ہے کہ جلد اور غلاف کو تبدیل کرے، اور اگر قرآن مجید وقف کیا گیا ہے تو بالتبع جلد اور غلاف بھی وقف ہے۔ اس صورت میں ایک قرآن سے استغناء کی حالت میں اس کی جلد اور غلاف سے متعلق کوئی جزئیہ تو نظر میں نہیں آلات مسجد پر قیاس کیا جاسکتا ہے، ان کا حکم یہ ہے کہ عند الاستغناء مالک کی ملک میں عود کر آتے ہیں، لہٰذا مالک کی اجازت سے دوسری جگہ منتقل کئے جاسکتے ہیں، (الشامیۃ کتاب الوقف)

واللہ تعالیٰ اعلم

سلخ ذی الحجہ سنہ ۷۲ھ

پرانے قبرستان پر مسجد بنانا جائز ہے:

سوال: پرانا قبرستان جس میں قبروں کے نشان مٹ گئے ہوں اور لوگوں نے اسمیں اموات کو دفن کرنا چھوڑ دیا ہو، ایسے قبرستان پر مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس قبرستان میں اگر لوگوں نے اموات کو دفن کرنا ترک کر دیا ہو اور سابقہ قبروں کے نشان مٹ گئے ہوں تو وہاں مسجد بنانا جائز ہے، ایسے ہی اگر قبرستان کسی کا مملوک ہے اور اس میں قبور مٹ چکی ہوں تو مالک کی اجازت سے وہاں مسجد بنانا جائز ہے۔

قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: فان قلت هل یجوز ان تبنی المساجد علی قبور المسلمین؟ قلت قال ابن القاسم رحمہ اللہ تعالیٰ لو ان مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم ار بذلك بأسا وذلك لان المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن موتاهم لا یجوز لاحد ان یملکها فاذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها الی المسجد لان المسجد ایضا وقف من اوقاف المسلمین لا یجوز تملیکه لاحد فمعناهما علی هذا واحد (عمدة القاری ص۱۷۹ ج۴)

وفی الشامیة عن الزیلعی ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره وزرعه والبناء علیه اھ ومقتضاه جواز المشی فوقه (رد المحتار ص۸۳۵ ج۱) واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ محرم سنہ ۷۳ھ

وقف معلّق بالموت صحیح ہے :

سوال : ایک شخص نے کہا کہ میری زمین میں سے چھ بیگھے زمین میرے مرنے کے بعد مساکین کے لئے وقف ہیں۔ اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ وقف صحیح ہے اور بعض احکام میں بحکم وصیت ہے۔

قال فی التنویر وشرحہ او بالموت اذا علق بہ ای بموتہ کاذا مت فقد وقفت داری علی کذا فالصحیح انہ کوصیۃ تلزم من الثلث بالموت لاقبلہ قلت ولو لوارثہ وان ردوہ لکنہ یقسم کالثلثین، الی آخر التفصیل مع ما بینہ فی الشامیۃ (رد المحتار ص ۳۷۳ ج ۳) واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

۸ رذی قعدہ سنہ ۷۳ھ

وقف میں ناجائز تصرف کرنے والا متولی واجب العزل ہے :

سوال : ایسے متولی کو معزول کرنا کیسا ہے جو کہ وقف میں ناجائز تصرف کرتا ہو؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

وقف میں ہر ناجائز تصرف خیانت ہے اور ہر خائن متولی واجب العزل ہے، ایسے متولی کو معزول نہ کرنا گناہ ہے، البتہ بعد تجربہ وظہور صلاح دوبارہ متولی بنایا جا سکتا ہے۔

قال فی التنویر وشرحہ وینزع وجوبًا بزازیۃ لو الواقف فغیرہ بالاولی غیر مأمون۔

وفی الشامیۃ مقتضاہ اثم القاضی بترکہ والاثم بتولیۃ الخائن ولا شك فیہ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۹۶)

وایضًا فیھا انہ اذا اخرجہ وتاب واناب اعادہ وان امتناعہ من التعمیر خیانۃ وکذا لو باع الوقف او بعضہ او تصرف تصرفا غیر جائز عالما بہ (جلد ۳ ص ۳۹۶)

واللّٰہ تعالیٰ اعلم

۱۳ ربیع الثانی سنہ ۷۵ھ

وقف پر شہادت بالتسامع جائز ہے :

سوال : ایک پرانا وقف ہے، جس کے واقف کا کوئی علم نہیں، اس پر ایک

ظالم نے مالکانہ دعویٰ کر دیا ہے، تو اس حالت میں اثبات وقف کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

وقف پر شہادت بالتسامع والشہرۃ مقبول ہے، جن مسائل میں شہادت بالتسامع جائز ہے ان میں یہ شرط ہے کہ عند القاضی اس کی تصریح نہ کرے کہ یہ شہادت محض تسامع سے ہے، مگر وقف اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس میں صراحت عند القاضی کے باوجود شہادۃ بالتسامع جائز ہے اگرچہ واقف کا کچھ علم نہ ہو، البتہ موقوف علیہ کا علم ضروری ہے، یہ حکم اصل وقف میں ہے، شرائط و مصارف وقف پر شہادۃ بالتسامع جائز نہیں۔

قال فی شرح التنویر وتقبل فیہ الشہادۃ علی الشہادۃ وشہادۃ النساء مع الرجال والشہادۃ بالشہرۃ لاثبات اصلہ وان صرحوا بہ ای بالسماع فی المختار۔

وفی الشامیۃ معزیا الی الخیریۃ وقف قدیم مشہور لایعرف واقفہ استولی علیہ ظالم فادعی المتولی انہ وقف علی کذا مشہور وشہدا بذلک فالمختار انہ یجوز (ردالمحتار ج ۳ ص ۴۱۵) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ ربیع الثانی سنہ ۵ ۷ھ

وقف علی المسجد میں قبر بنانا جائز نہیں:

یہ مسئلہ باب الجنائز میں گزر چکا ہے۔

تفصیل تقسیم الوقف بین المتولیین:

سوال: ایک موقوفہ زمین پر دو شخص متولی ہیں اور دونوں جداگانہ حصہ پر متصرف ہیں۔ کیا اس طریقہ سے تقسیم شرعاً جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

قال فی الہندیۃ ولو وقف ارضین وجعل لکل متولیا لایشارک احدہما الآخر (عالمگیریۃ ج ۲ ص ۴۱۰)

وفی شرح التنویر ولا یقسم بل یتہایؤن الا عندہما فیقسم المشاع وبہ افتی قاری الہدایۃ وغیرہ اذا کانت القسمۃ بین الواقف وشریکہ المالک او الواقف الآخر او ناظرہ ان اختلفت جہۃ وقفہما۔

وفی الشامیۃ (قولہ ان اختلفت جہۃ وقفہما) ای بان کان کل وقف منہما

علی جھۃ غیر الجھۃ الاخریٰ لکن ھٰذا التقیید مخالف لمّا فی الاسعاف حیث قال ولو وقف نصف ارضہ علی جھۃ معینۃ وجعل الولایۃ علیہ لزید فی حیاتہ وبعد مماتہ ثم وقف النصف الاٰخر علی تلک الجھۃ اوغیرھا وجعل الولایۃ علیہ لعمرو فی حیاتہ وبعد وفاتہ یجوز لھما ان یقتسما ویأخذ کل واحد منھما النصف فیکون فی یدہ لانہ لما وقف کل نصف علحدۃ صارا وقفین وان اتحدت الجھۃ کما لو کانت لشریکین فوقفاھا کذلک اھ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۸۰)

روایات بالا سے صور ذیل کا حکم مستفاد ہوا۔

(۱) دو زمینیں جُدا جُدا ہوں۔
(۲) ایک زمین کا نصف ایک جہت پر وقف ہو اور دوسرا نصف دوسری جہت پر۔
(۳) جہت اگرچہ متحد ہو مگر نصف الارض پہلے وقف کی اور نصف ثانی بعد میں۔
(۴) ایک زمین دو شخصوں میں مشترک ہو اور دونوں جُدا جُدا وقف کریں۔
(۵) ارض واحد بوقت واحد جہۃ واحدہ پر وقف کی گئی ہو۔

صور اربعہ اولیٰ میں ہر حصّہ پر مستقل تولیت جائز ہے اور صورت خامسہ میں جائز نہیں۔ حدیث نزاع علی وعباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اسی صورت اخیرہ میں داخل ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ

وقف میں تاحیات آمدن خود لینے کی شرط:

سوال: ایک شخص اپنی صحرائی جائداد یا مکان یا دوکان یا کتب وغیرہ کسی مدرسہ کے لئے اس طرح وقف کرے کہ اپنی زندگی میں یا ایک مقررہ مدت تک وہ خود یا اسکی اولاد یا کوئی دوسرا شخص اس شیء موقوفہ سے متمتع ہوتا رہے پھر اس کی وفات کے بعد یا اس مقررہ مدت کے بعد وہ شیء اس مدرسہ وغیرہ میں صرف کی جائے، اس سے متعلق چند سوالات ہیں:

(۱) کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے؟
(۲) ایسی صورت میں وقف میں کیا الفاظ تحریر کئے جائیں؟
(۳) اگر واقف جائداد زبانی یا تحریری طور پر وقف کر دے لیکن سرکاری طور پر وقف نامہ کی رجسٹری نہ کرائے یا اس کے رجسٹری کرائے ہوئے وقف کو تسلیم نہ کریں تو شرعاً اس کا

کیا حکم ہوگا ؟ اور کیا ایسی صورت میں بھی واقف اجر و ثواب کا مستحق ہوگا ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

(۱) جائز ہے۔

(۲) وقف میں ایسے الفاظ کا استعمال ضروری ہے جو صدقہ علی سبیل التأبید پر دلالت کرتے ہوں۔

(۳) وقف نامہ کی رجسٹری کروانا یا تحریری طور پر وقف کرنا ضروری نہیں۔ صرف زبانی کہدینا کافی ہے۔ البتہ اگر وارثوں کی طرف سے خطرہ ہو تو رجسٹری کروانا ضروری ہے، اگر ورثہ نے اس وقف کو تسلیم نہ کیا تو وہ سخت گنہگار ہونگے، واقف کو بہر حال اجر و ثواب ملے گا۔

قال فی شرح التنویر وجاز جعل غلۃ الوقف او الولایۃ لنفسہ عند الثانی و علیہ الفتوی۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت قولہ (وجاز جعل غلۃ الوقف لنفسہ) واما اشتراط الغلۃ لمدبریہ و امہات اولادہ فالاصح صحتہ اتفاقا لثبوت حریتہم بموتہ فھو کالوقف علی الاجانب وثبوتہ لھم حال حیاتہ تبع لما بعدھا وقیل بجعل الغلۃ لنفسہ لانہ لو وقف علی نفسہ قیل لایجوز وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی جوازہ وھو المعتمد (وبعد سطر) (قولہ وعلیہ الفتوی) کذا قالہ الصدر الشہید وھو مختار اصحاب المتون ورجحہ فی الفتح واختارہ مشایخ بلخ وفی البحر عن الحاوی انہ المختار للفتوی ترغیبا للناس فی الوقف و تکثیرا للخیر (رد المحتار ص ۳۹۸ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴ جمادی الثانیہ سنہ ۸۷ھ

وقف قبرستان میں ذاتی تعمیر:

سوال: ایک قبرستان کی موقوفہ زمین شہر کے اندر واقع ہوجانے کے بعد دفن اموات کے لئے استعمال نہیں کی جاتی۔ شہری لوگ قابض ہوکر تعمیرات کر رہے ہیں اور اس طرح ایک وسیع آبادی اس پر واقع ہوگئی ہے محکمہ اوقاف نے کرایہ پر یا بیع کرکے قابضین کو وہ حصہ دیدیا ہے تاکہ وصول شدہ رقم دیگر مصارف اوقاف میں استعمال کرے، تو آیا یہ

اجارہ اور بیع وشراء شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور جن لوگوں نے متولی یا محکمہ اوقاف سے وہ زمین حاصل کی ہے ان سے وہ زمین اور اس پر تیار کردہ تعمیر کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قبرستان کے لئے وقف زمین پر لوگوں کا قبضہ کرنا ناجائز ہے، اور ان کی بیع وشراء باطل ہے، حکومت یا متولی پر ضروری ہے کہ اس جگہ کو فوراً خالی کرائے اور یہ جگہ دفن کے کام نہ آتی ہو تو اس پر مسجد یا اور کوئی رفاہِ عامہ کی چیز تعمیر کرے۔

قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: فان قلت هل یجوز ان تبنی المساجد علی قبور المسلمین؟ قلت قال ابن القاسم رحمہ اللہ تعالیٰ لو ان مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم ار بذلك بأسا وذلك لان المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن موتاهم لایجوز لاحد ان یملکها فاذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها الی المسجد لان المسجد ایضا وقف من اوقاف المسلمین لایجوز تملیکه لاحد فمعناهما علی هذا واحد (عمدۃ القاری ص۱۷۹ ج ۴)

۱۸ ربیع الاول سنہ ۹۸ھ

وقف میں ذاتی تصرف حرام ہے:

سوال: ایک جگہ مسلمانوں نے کچھ زمین دینی کاموں کے لئے وقف کرکے ایک مقامی بزرگ کو اس کا متولی بنادیا، مگر ان کی وفات کے بعد انکے دو بیٹوں میں سے ایک نے وقف کا کچھ حصہ اپنے نام کراکے فروخت کردیا، باقی کچھ حصہ پر اب بھی مدرسہ قائم ہے لیکن کچھ حصہ پر اسکا قبضہ اور تصرف ہے۔

کیا مسلمانوں کا یہ وقف صحیح تھا؟

اگر صحیح تھا تو متولی کے بیٹے کا اسے اپنے نام کرانا اور بیچنا درست تھا؟

نیز ان کے بیٹوں کا اس وقف شدہ عمارت میں رہائش رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جس زمین کو مسلمانوں نے دینی کام کے لئے وقف کیا اور کسی صالح متقی شخص کی بزرگی پر اعتماد کرکے اسے متولی بنادیا اور حکومت کے کاغذات میں اندراج وقف کی ضرورت محسوس نہ کی تو یہ وقف صحیح ہے۔

اگر سرکاری اندراج میں کسی غلطی کے سبب یا کسی اور وجہ سے متولی کی اولاد نے اپنے نام کروالیا تو ان کا یہ فعل غصب ہے اور اس کا فروخت کرنا حرام۔

متولی کے بیٹے اس شرط پر وقف کی عمارت میں رہ سکتے ہیں کہ دینی تعلیم کیلئے اس طرح وقت دیں جس طرح کوئی مدرس پابندی کرتا ہے۔

مقامی اہلِ صلاح حضرات کسی متقی عالم کو اس وقف کا متولی مقرر کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ رشعبان سنہ ۸۹ھ

وقف کتب خانہ سے کتب کا اخراج :

سوال : ایک دارالعلوم کے منتظمین کتب خانہ سے ایک مخصوص جماعت کی کتابیں جو کہ مختلف حضرات کی جانب سے وقف ہیں خارج کرنا چاہیں یا یونہی اس جماعت سے اظہار نفرت کریں تو جن لوگوں نے وہ کتابیں وقف کی تھیں انھیں یہ اختیار ہے کہ اپنی وقف کردہ کتابیں واپس لے کر کسی دوسرے ادارہ میں دیدیں یا خود استعمال میں لائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صرف اظہار نفرت کے لئے کتابوں کا نکالنا جائز نہیں البتہ اس دارالعلوم میں ان کتابوں کی ضرورت نہ ہو تو کسی دوسرے قریب ترین مدرسہ میں دیدی جائیں۔

یہ تفصیل ایسی کتب سے متعلق ہے جن کے مندرجات دین کے خلاف نہ ہوں اور اسلاف امت کی آرار سے ہٹ کر کوئی بات ان میں نہ لکھی گئی ہو۔

دین کے نام پر آجکل جو غلط اور گمراہ کن لٹریچر مختلف تنظیموں کی طرف سے پھیلایا جارہا ہے اسے کسی دینی ادارہ کے وقف کتب خانہ میں رکھنا جائز نہیں، اس قسم کی کتابوں کو تلف کردیا جائے یا ایسے ذی استعداد متصلب علمار کے حوالہ کردیا جائے جو پڑھ کر ان کی تردید کرسکیں اور عوام وخواص کو انکے زہر سے بچاسکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

اوقاف کی ملازمت جائز ہے :

سوال : اوقاف کی ملازمت مثلاً امامت خطابت وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ اوقاف کی اکثر مدات ناجائز ہیں، اور حکومت نے اس محکمہ کو بالکل الگ رکھا ہے یا کہ سرکاری املاک میں پہنچنے کے بعد پھر وہاں سے اس محکمہ کے ملازمین کو تنخواہ ملتی ہے؟ ذرا تفصیل فرمادیں ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اوقاف کی اکثر آمدن ناجائز ہونے کا کوئی ثبوت نہیں اس لئے ملازمت جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی شرط خلاف شرع نہو ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

۲۳ ربیع الثانی سنہ ۸۹ھ

دراہم و دنانیر کا وقف :

سوال : دراہم و دنانیر کا وقف شرعاً صحیح ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملهم الصواب

دراہم و دنانیر کا وقف صحیح ہے مگر چونکہ وقف میں انتفاع بالمنافع مع بقاء العین ہوتا ہے اس لئے وقف دراہم میں شرط یہ ہے کہ اصل دراہم کو خرچ نہ کریں بلکہ انکے منافع کو خرچ کریں یا ان سے کوئی چیز خرید کر اس کے منافع کو فقیر پر خرچ کریں وتفصیلہ فی الشامیۃ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

۲۳ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۸۹ھ

مدرسہ میں دی ہوئی رقم واپس لینا :

سوال : ایک مدرسہ میں رقم دی گئی، مگر بعد میں تحقیق ہوئی کہ مدرسہ کا کام صحیح اصولوں پر نہیں ہو رہا، مدرسہ کے منتظمین میں دیانتداری نہیں، کیا رقم ان سے لے کر کسی دوسرے دینی مدرسہ پر صرف کی جا سکتی ہے ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملهم الصواب

چندہ کی رقم مدرسہ میں داخل ہونے سے معطین کی ملک سے خارج ہو جاتی ہے کما حررت فی رسالتی "القول البدیع فی احکام التوزیع" لہٰذا دی ہوئی رقم واپس نہیں لی جا سکتی ،

اہل اثر پر فرض ہے کہ منتظمین مدرسہ کی اصلاح کی کوشش کریں، اگر وہ اصلاح قبول نہ کریں تو انھیں معزول کرکے نظم کسی صالح شخص یا جماعت صلحاء کے سپرد کریں۔
واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ محرم سنہ ۹۰ھ

مدرسہ کی رقم قرض دینا:

سوال: مدرسہ کی جمع شدہ رقم میں سے کسی کو قرض دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز نہیں، اگر مہتمم نے ایسی خیانت کی تو وہ فاسق واجب العزل ہوگا اور اس رقم کا ضامن ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ربیع الآخر سنہ ۹۱ھ

وقف مشاع جائز نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مبین دریں مسئلہ کہ وقف مشاع جائز ہے یا نہیں مفتی بہ قول کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مفتی بہ قول پر وقف مشاع جائز نہیں۔

قال الامام الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ویفرز فلا یجوز وقف مشاع یقسم خلافا للثانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ ھذا بیان) واختارہ المصنف تبعا لعامۃ المشایخ وعلیہ الفتوی وکثیر من المشایخ اخذوا بقول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وقالوا ان علیہ الفتوی (رد المحتار ص۳۷۶ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ رجب سنہ ۱۳۹۳ھ

قبرستان کے درختوں کے پھل کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنی زمین میں سے کچھ حصہ قبرستان کے لئے وقف کر دیا ہے، اس میں کئی درخت ہیں جن میں ایک درخت اخروٹ کا بھی ہے، آیا پھل

یا درختوں کا استعمال کسی کو جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر واقف نے صرف زمین وقف کی ہے درخت وقف نہیں کئے تو وہ اسی کی ملک ہیں، اس کی اجازت کے بغیر ان کی کوئی چیز استعمال کرنا جائز نہیں، مگر اس کو مجبور کیا جائیگا کہ ان درختوں کو اکھاڑ کر قبرستان کی زمین فارغ کر دے۔

اور اگر زمین کے ساتھ درخت بھی وقف کئے ہیں تو جو وقف کا مصرف ہے وہی ان درختوں کا بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الاولیٰ ۹۴ھ

قبرستان کے درخت کاٹنا :

سوال : قبرستان کے درخت کاٹنا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جن درختوں کے متعلق لوگوں کا شرکیہ عقیدہ ہو کہ یہ فلاں بزرگ یا فلاں پیر صاحب کے درخت ہیں جو انھیں ہاتھ لگائے گا اس پر آفت آجائے گی، ان کا کاٹنا عقیدۂ شرکیہ کے ابطال کے لئے ضروری ہے، مگر انھیں فروخت کر کے ان کی قیمت اسی قبرستان پر خرچ کی جائے، اگر اس قبرستان میں کوئی مصرف نہ ہو تو دوسرے کسی قریب تر قبرستان پر لگائی جائے

یہ حکم جب ہے کہ درخت خودرو ہوں اگر کسی شخص نے لگائے ہیں تو وہ اسکی ملک ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ذی القعدہ ۹۴ھ

قبرستان کے درخت سے مسواک کاٹنا :

سوال : قبرستان میں جھاؤ کے بہت سے درخت ہیں، ان سے مسواک کے لئے لکڑی کاٹنا جائز ہے یا نہیں ؟ جبکہ منع کرنے والا بھی کوئی نہ ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر یہ قبرستان وقف ہے تو اس کے خودرو درخت بھی وقف ہیں، ان سے مصارف وقف کے سوا کوئی نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ

وقف میں تاحیات خود منتفع ہونے کی شرط :

سوال : ایک شخص ضعیف العمر بحالت صحت اپنا مکان کسی دینی مدرسہ میں وقف کرنا چاہتا ہے، تاحیات خود اپنے استعمال میں رکھنا چاہتا ہے، ان کا صرف ایک بھانجا اور ایک بھانجی ہے۔ باقی نہ بہن ہے نہ بھائی نہ ہی بیوی، سب فوت ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ایصال ثواب کے لئے وہ وقف کرنا چاہتے ہیں، اس لئے کہ ان کو دوسرے وارثوں سے کوئی امید نہیں ہے ایصال ثواب کی۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

وقف میں تاحیات خود منتفع ہونے کی شرط لگانا جائز ہے، مگر نفس وقف اس شرط سے جائز ہے کہ وارث غنی ہوں اور ان کو محروم کرنا مقصود نہ ہو بلکہ ثواب کا ارادہ ہو۔

قال فی التنویر وشرحہ (وجاز جعل غلة الوقف) اوالولایة (لنفسہ عند الثانی) وعلیہ الفتوی (رد المحتار ص۳۹۸ ج۳) واللہ تعالی اعلم

۳۰ ذی القعدہ سنہ ۱۳۹۵ھ

سوال مثل بالا :

سوال : میرا دو منزلہ مکان ہے جسے للہ وقف کرنا چاہتی ہوں، نچلی منزل کرایہ پر اٹھی ہوئی ہے اوپر کی منزل میں اپنے تینوں بیٹوں سمیت رہتی ہوں، میری دو بیٹیاں بھی ہیں جن کا میری جائداد میں کوئی حق نہیں اس لئے کہ ان کو نقد روپیہ زندگی میں دے چکی ہوں، اپنا یہ پورا مکان مسجد کے لئے وقف کرنا چاہتی ہوں مگر اس شرط سے کہ میرے تیسرے بیٹے شاہد علی کے مصارف بھی بذمہ مسجد ہونگے، نیز اس مکان پر ابھی چالیس ہزار روپے قرض ہے یہ رقم بھی مسجد ادا کریگی، نیز مکان کی ضروری مرمت اور بقیہ حصہ کی تعمیر بھی مسجد کریگی کیا اس صورت میں یہ وقف مسجد کیلئے صحیح ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

آپ کی وفات کے بعد لڑکیاں بھی ترکہ سے حصہ پائیں گی، زندگی میں کسی وارث کو روپیہ وغیرہ دیدینے سے وہ وراثت سے محروم نہیں ہوتا۔

وقف اس طرح کریں :

”میرا مکان میری وفات کے بعد فلاں مسجد کے لئے ان شرائط کے ساتھ وقف ہے :

(۱) اس مکان کے سلسلہ میں مجھ پر جو قرض ہے اس کی آمدن سے پہلے وہ قرض ادا کیا جائے۔

(۲) میرے لڑکے شاہد علی کے مصارف مکان کے کرایہ سے ادا کئے جائیں اور زائد رقم مسجد کو دی جائے۔

(۳) شاہد علی کے انتقال کے بعد اس مکان کی پوری آمدن مسجد پر خرچ کی جائے۔"

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ محرم سنہ ۱۴۰۰ھ

وقف کی زمین کا بدلنا جائز نہیں :

سوال : جنازہ گاہ کی جگہ غیر موزوں یعنی نشیبی زمین میں واقع ہے اور غیر مسقف بھی ہے کیا اس کو متبادل مناسب زمین کی طرف منتقل کرنا درست ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر یہ جگہ نماز جنازہ کے لئے وقف ہے تو اس کا بدلنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ محرم سنہ ۹۷ھ

حکم الوقف علی الاقارب :

سوال : زید لاولد ہے اور اس کا ایک ذاتی مکان ہے جس کا وہ کرایہ وصول کرتا ہے اس کے رشتہ داروں میں تین بھائی اور تین بہنیں زندہ ہیں جن میں کچھ تونگر اور کچھ مفلس ہیں اسی طرح ایک مرحوم بھائی کی اولاد موجود ہے جو مالی لحاظ سے تنگ حال ہے۔ اب زید کا ارادہ ہے کہ وہ تا حین حیات اس مکان سے خود نفع اٹھاتا رہے۔ اس کے بعد یہ مکان ورثہ میں تقسیم نہ ہو بلکہ ورثہ کرایہ وصول کرتے رہیں اور مکان زید کیلئے صدقہ جاریہ رہے۔ کیا ایسی صورت شرعاً ممکن ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

زید اپنی جائداد اس طرح وقف کرے :

"جب تک زید زندہ ہے اس وقت تک اس کے منافع وہ خود لیگا۔

زید کے انتقال کے بعد اس جائداد کے منافع زید کے اقارب میں سے مساکین کو ملیں گے۔

اگر زید کے اقارب میں سے کوئی مسکین نہ رہے تو عامۃ المسلمین میں سے
مساکین پر صرف کئے جائیں ۔" واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ ربیع الاول سنہ ۹۸ھ

مسجد کے لئے وصیت کو مدرسہ پر صرف کرنا جائز نہیں :

سوال : زید نے وصیت کی کہ میرا مکان میرے مرنے کے بعد مسجد میں دیدینا مطلب یہ ہے کہ اس کی قیمت مسجد میں صرف کر دینا یا اس مکان کو مسجد میں ملا دینا، مسجد کے برابر یہ مکان ہے، اب مرنے کے بعد جس کو وصیت کی تھی اس نے کہا کہ مسجدیں تو محلہ میں دو پہلے سے موجود ہیں، مدرسہ کوئی نہیں ہے، لہٰذا بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لئے مدرسہ بنا دینا بہتر ہوگا۔ سب کے مشورے سے مدرسہ بنا دیا گیا، تو شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس مرنے والے کا کوئی بھی وارث نہیں ہے نہ دُور کے رشتہ سے نہ قریب کے رشتہ سے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

وصیت کے مطابق مسجد ہی میں صرف کرنا ضروری ہے، مدرسہ بنانا جائز نہیں ۔
واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ رجب سنہ ۹۸ ہجری

واقف خود متولی بن سکتا ہے :

سوال : زید نے زمین وقف کی، لیکن کسی متولی کے سپرد نہیں کی، بلکہ خود ہی متولی و منتظم بن گیا، کیا یہ وقف صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خواہ واقف نے اپنے تولیت کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو، بہرکیف وقف اور اس کی تولیت صحیح ہے۔

قال فی التنویر وشرحہ : جعل الواقف الولایۃ لنفسہ جاز بالاجماع وکذا لو لم یشترط لاحد فالولایۃ لہ عند الثانی وھو ظاہر المذہب نہر خلافا لما نقلہ المصنف (رد المحتار ص ۳۹۶ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ صفر سنہ ۹۹ھ

مدرسہ دینیہ کے لئے وقف زمین میں اسکول بنانا جائز نہیں :

سوال : ایک زمین محض ایک دینی درسگاہ کے لئے وقف کی گئی ہے اس زمین پر حکومت قبضہ کرکے ہائی اسکول بنا رہی ہے اور شہر کے لوگ بھی کوشش کر رہے ہیں کہ اسکول بن جائے، سوالات یہ ہیں :

(۱) مذکورہ زمین پر حکومت قبضہ کرکے ہائی اسکول بنا سکتی ہے یا نہیں ؟

(۲) جو لوگ کوشش کر رہے ہیں کہ اسکول بن جائے انکے متعلق کیا ہے ؟

(۳) اگر متولی اجازت دیدے تو اسکول بنانا جائز ہوگا یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

علوم دینیہ کے لئے جو زمین وقف ہے اس کو کسی دوسرے مصرف میں لانا حرام ہے، حکومت، شہر کے لوگوں اور متولی کسی کو بھی اس میں اسکول بنانے کا حق نہیں، جو لوگ ایسی کوشش کر رہے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں۔

اگر متولی نے اجازت دی تو وہ بد دیانت و خائن ہونے کی وجہ سے واجب العزل ہوگا۔

حکومت پر فرض ہے کہ اوقاف اسلامیہ کی حفاظت کرے چہ جائیکہ وہ ایسا غاصبانہ اقدام کرکے دین کو نقصان پہنچائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵ ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ

ورثہ محتاج ہوں تو وقف کرنا جائز نہیں :

سوال : بکر نے اپنی زندگی میں ایک مکان مسجد کے نام اسٹامپ پر لکھدیا اور یہ شرط رکھی کہ جب تک میں اور میری بیوی زندہ رہیں گے اس مکان میں رہیں گے اور جب ہمارا انتقال ہو جائے گا تو مکان مسجد کے حوالہ کر دیا جائے خواہ اس کو مسجد والے فروخت کر دیں یا اس کو کرایہ پر دیں۔ سوال یہ ہے کہ بکر نے مکان مسجد کے نام کرکے ورثہ کو محروم کر دیا کیا شرعاً اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر بکر کے وارث محتاج ہیں تو بکر اس وقف سے گنہگار ہوگا ورنہ نہیں، وقف بہر حال نافذ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ جمادی الاولیٰ ۹۹ھ

بدون قبض وقف صحیح ہے:

سوال: زید نے اپنا مکان مسجد کو دیدیا اور اسٹامپ پر دو گواہوں کے سامنے لکھوا دیا، اب زید کا انتقال ہوگیا تو کیا اب اسکی زوجہ انکار کر سکتی ہے کہ میں مکان مسجد کو نہیں دیتی؟ جبکہ ابھی قبضہ مکان پر زید کی بیوی کا ہے اور زید کی بیوی نے اس مکان میں سے اپنا حصہ بھی مسجد کو دیدیا تھا اور کاغذ لکھوا کر اپنا انگوٹھا ثبت کر دیا تھا، تو کیا مسجد کو قبضہ دینے سے پہلے زید کی زوجہ کا انکار کرنا اور مکان مسجد کو نہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

صحت وقف کے لئے اشتراط قبض متولی میں اختلاف ہے، دونوں قول مرجح و مفتی بہ ہیں، عدم اشتراط احوط و اسہل وانفع وارجح ہے، مع ہٰذا جانبین کی حاجت وحالات پر غور کرکے کسی جانب فتویٰ دینا چاہئے۔

قال التمرتاشی: ولا یتم حتی یقبض ویفرز ویجعل اٰخرہ لجهة لا تنقطع۔

وقال الحصکفی: هذا بیان شرائط الخاصة علی قول محمد لانه کالصدقة وجعله ابو یوسف کالاعتاق واختلف الترجیح والاخذ بقول الثانی احوط واسهل بحر، وفی الدرر وصدر الشریعة وبه یفتی واقره المصنف۔

وقال ابن عابدین تحت (قوله هذا بیان) واختاره المصنف تبعا لعامة المشایخ وعلیه الفتوی وکثیر من المشایخ اخذوا بقول ابی یوسف وقالوا ان علیه الفتوی ولم یرجح احد قول الامام (قوله واختلف الترجیح) مع التصریح فی کلٍّ منهما بأن الفتوی علیه لکن فی الفتح ان قول ابی یوسف اوجه عند المحققین (رد المحتار ص ۳۵۱ ج ۴)

وقال الطحطاوی: (قوله واختلف الترجیح) ای والافتاء ایضاً کما فی البحر ومقتضاه ان القاضی والمفتی یخیران فی العمل بایهما کان ومقتضی قولهم یعمل بانفع للوقف ان لا یعدل عن قول الثانی لان فیه ابقاءه بمجرد القول فلا یجوز نقضه۔

(حاشیة الطحطاوی ص ۵۳۳ ج ۲)

واللّٰه سبحانه وتعالی اعلم

۲۳ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ھ

بابُ المسَاجِدْ

عیدگاہ میں اسکول بنانا :

سوال : شریعتِ مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے کہ عیدگاہ کی جگہ پر اسکول بنایا جائے اور عیدگاہ کے لئے دوسری جگہ معین کی جائے تو جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر عیدگاہ وقف ہے تو اس میں اسکول بنانا جائز نہیں، اس لئے کہ جہت وقف کا بدلنا صحیح نہیں ، لان شرط الواقف کنص الشارع ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ رسفر سنہ ۲ ۷ ھ

مسجد کے پرانے گارڈر اور دروازے :

سوال : ایک مسجد کو تنگ ہونے کی وجہ سے گرا کر نئی مسجد تعمیر کروائی جارہی ہے۔ اس سے نکلے ہوئے دروازے اور گارڈر وغیرہ فروخت کرکے رقم اس مسجد پر خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مسجد سے نکلے ہوئے دروازے اور گارڈر وغیرہ اگر بعینہ مسجد میں کام نہیں آسکتے تو جماعۃ المسلمین کے اتفاق سے انھیں فروخت کرکے مسجد پر خرچ کرنا جائز ہے۔

قال فی الھندیۃ اھل المسجد لو باعوا غلۃ المسجد او نقض المسجد بغیر اذن القاضی الاصح انہ لا یجوز کذا فی السراجیۃ (عالمگیریۃ جلد ۲ ص ۳۴۹)

قلت فعلم انہ یصح باذن القاضی ،

وفی الشامیۃ ناقلا عن فتاوی النسفی سئل شیخ الاسلام عن اھل قریۃ رحلوا و تداعی مسجدھا الی الخراب و بعض المتغلبۃ یستولون علی خشبہ و ینقلونہ الی دورھم ھل لواحد لاھل المحلۃ ان یبیع الخشب بامر القاضی و یمسک الثمن لیصرفہ الی بعض

المساجد او الی هذا المسجد قال نعم -

وقال قبیل هذا الا سیما فی زماننا فان المسجد وغیره من رباط او حوض یأخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهد (رد المحتار ج ۳ کتاب الوقف)

قلت فی زماننا جماعة المسلمین بمنزلة القاضی لان ولایته مستفاد منهم فکأنه هم وکأنهم هو، فان حکام زماننا لا یعبئون بمثل هذه الامور الدینیة، والله تعالیٰ اعلم۔

۲۱ ربیع الاول سنہ ۲۷ھ

مسجد کی پرانی دریاں :

سوال : کیا مسجد کے نئے یا غیر مستعمل فرش یا مستعمل اور خستہ حال فرش کو بیچ کر اسکی قیمت میں مزید روپیہ ملا کر نسبۃً بہتر فرش رگانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قالین، دریاں، چٹائیاں وغیرہ یعنی ایسی چیزیں جو مسجد کی تعمیر میں داخل نہیں وہ بوقت استغناء معطی کی ملک میں داخل ہو جاتی ہیں لہذا اس کی اجازت سے انھیں بیچ سکتے ہیں، اگر وہ نہ ہو تو اس کا وارث، اور وارث بھی نہ ہو یا مالک معلوم نہ ہو تو باجازت قاضی یا باتفاق جماعت مسلمین بیع جائز ہے۔

قال فی وقف الهندیة : ذکر ابو اللیث رحمه الله تعالیٰ فی نوازله : حصیر المسجد اذا صار خلقا واستغنی اهل المسجد عنه وقد طرحه انسان ان کان الطارح حیا فهو له وان کان میتا ولم یدع وارثا ارجوا ان لا بأس ان یدفع اهل المسجد الی فقیر او ینتفع به فی شراء حصیر اٰخر للمسجد والمختار انه لایجوز لهم ان یفعلوا ذلک بغیر امر القاضی کذا فی فتاوی قاضی خان (عالمگیریة ص ۴۵۸ ج ۲)

اگر ایسی چیزیں مال وقف سے ہوں تو منتظمین ان کو فروخت کر کے مسجد پر صرف کر سکتے ہیں۔ والله تعالیٰ اعلم

۳ صفر سنہ ۱۳۹۳ھ

وقف علی المسجد میں قبر بنانا :

یہ مسئلہ کتاب الجنائز میں گزر چکا ہے۔

سرکاری زمین میں بلا اجازت مسجد کا بڑھانا :

سوال : ایک مسجد تنگ ہے، اس کے بڑھانے کی سخت ضرورت ہے، لوگ بیچارے بہت پریشان ہیں۔ مگر مسجد کے ساتھ متصل سرکاری زمین ہے اور گورنمنٹ مسجد کو بڑھانے کی اجازت نہیں دیتی، اس صورت میں بلا اجازت مسجد کو وسیع کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

حکومت پر مساجد کا انتظام اور تعمیر بقدر ضرورت فرض ہے معہذا اگر حکومت اپنا یہ فرض ادا نہیں کرتی تو بلا اذن حکومت زمین پر تعمیر جائز نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ ربیع الاول سنہ ۷۲ھ

ایک مسجد کا سامان دوسری میں منتقل کرنا :

سوال : ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد کے کام میں لایا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مسجد کا سامان دو قسم کا ہوتا ہے :

ایک وہ جس کا تعلق مسجد کی بنا کے ساتھ ہو، جیسے اینٹیں، گارڈر، دروازے وغیرہ، اسے انقاض المسجد کہا جاتا ہے۔ ایسے سامان کا حکم یہ ہے کہ اگر مسجد آباد ہے اور اس میں نماز پڑھی جاتی ہے تو اس مسجد کا ایسا سامان دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں، ان کو بعینہا یا بیچ کر ان کی قیمت اسی مسجد میں صرف کی جائے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: الفتوی علی ان المسجد لا یعود میراثا ولا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد اٰخر (رد المحتار جلد ۳ کتاب الوقف مطلب فی نقل انقاض المسجد)

اور اگر مسجد غیر آباد ہو جائے کہ کوئی بھی اس میں نماز نہیں پڑھتا۔ مثلاً مسجد کے گرد و نواح کے لوگ وہ علاقہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جا بسے ہوں جس کی وجہ سے مسجد بالکل ویران ہوگئی ہو تو ایسی حالت میں اس مسجد کی اینٹیں، گارڈر اور دروازے وغیرہ جماعۃ المسلمین کے متفقہ فیصلہ سے دوسری مسجد کی طرف نقل کیے جاسکتے ہیں۔

قال فی الھندیۃ: اھل المسجد لو باعوا غلۃ المسجد او نقض المسجد بغیر اذن

القاضی الاصح انہ لا یجوز کذا فی السراجیۃ (عالمگیریۃ جلد ۲ ص ۳۴۹)

قلت فعلم انہ یجوز باذن القاضی

وقال فی الشامیۃ: ناقلا عن فتاوی النسفی سئل شیخ الاسلام عن اهل قریۃ رحلوا وتداعی مسجدها الی الخراب وبعض المتغلبۃ یستولون علی خشبہ وینقلونہ الی دورهم هل لواحد لاهل المحلۃ ان یبیع الخشبۃ بامر القاضی ویمسک الثمن لیصرفہ الی بعض المساجد او الی هذا المسجد قال نعم۔

وقال قبیل هذا الاسیما فی زماننا فان المساجد وغیرها من رباط او حوض یأخذ انقاضہ اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهد (رد المحتار کتاب الوقف ج ۳)

مسجد کا دوسری قسم کا سامان جس کا بنا مسجد میں کوئی دخل نہیں، جیسے چٹائی اور فانوس وغیرہ اسے آلات المسجد کہا جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس مسجد میں ضرورت نہیں تو اس کا دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز ہے بشرطیکہ واقف بھی اجازت دے، اس لئے کہ ایسا سامان بوقت استغنا ملک واقف میں عود کر آتا ہے۔ لہٰذا واقف کا اذن ضروری ہے۔

قال فی الشامیۃ تحت (قولہ ومثلہ حشیش المسجد الخ) قال الزیلعی وعلی هذا حصیر المسجد وحشیشہ اذا استغنی عنهما یرجع الی مالکہ عند محمد رحمہ اللہ تعالی وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی ینقل الی مسجد اٰخر وعلی هذا الخلاف الرباط والبئر اذا لم ینتفع بهما اھ وصرح فی الخانیۃ ان الفتوی علی قول محمد رحمہ اللہ تعالی قال فی البحر وبہ علم ان الفتوی علی قول محمد رحمہ اللہ تعالی فی اٰلات المسجد (رد المحتار ج ۳)

واللہ تعالی اعلم

سلخ رجب سنہ ۷۲ھ

ایک مسجد سے قرآن دوسری میں منتقل کرنا:

یہ مسئلہ کتاب الوقف میں گزر چکا ہے۔

پرانے قبرستان پر مسجد بنانا:

یہ مسئلہ بھی کتاب الوقف میں گزر چکا ہے۔

عیدگاہ بحکم مسجد ہے یا نہیں:

سوال: کیا عیدگاہ بھی بحکم مسجد ہے؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

جمیع احکام میں عیدگاہ کا بحکم مسجد ہونا مختلف فیہ ہے، شامیہ سے جمیع احکام میں بحکم مسجد ہونے کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، وھو احوط ومقابلہ اوسع۔

قال فی شرح التنویر واما المتخذ لصلوٰۃ جنازۃ اوعید فھو مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لا فی حق غیرہ بہ یفتی نھایۃ۔

وفی الشامیۃ (قولہ بہ یفتی نھایۃ) عبارۃ النھایۃ والمختار للفتوی انہ مسجد فی حق جواز الاقتداء الخ (وبعد سطرین) ومقابل ھذا المختار ما صححہ فی المحیط فی مصلی الجنازۃ انہ لیس لہ حکم المسجد اصلاً وما صححہ تاج الشریعۃ ان مصلی العید لہ حکم المساجد وتمامہ فی الشرنبلالیۃ (رد المحتار ج ١)

وایضا فی کتاب الوقف منھا (قولہ والمصلی) شمل الجنازۃ ومصلی العید قال بعضھم یکون مسجداً حتی اذا مات لایورث عنہ وقال بعضھم ھذا فی مصلی الجنازۃ اما مصلی العید فلا یکون مسجداً مطلقاً وانما یعطی لہ حکم المسجد فی صحۃ الاقتداء بالامام وان کان منفصلاً عن الصفوف وفیما سوی ذلک فلیس لہ حکم المسجد وقال بعضھم یکون مسجداً حال اداء الصلاۃ لاغیر وھو والجبانۃ سواء ویجنب ھذا المکان عما یجنب عنہ المساجد احتیاطاً اھ خانیۃ واسعاف والظاھر ترجیح الاول لانہ فی الخانیۃ یقدم الاشھر (رد المحتار ج ٣) واللہ تعالیٰ اعلم

٢٧ شوال سنہ ٧٣ھ

عیدگاہ میں کھیلنا کودنا:

سوال: عیدگاہ میں کھیلنا کودنا یا اس میں دعوت وغیرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

عیدگاہ کا احترام بہرکیف واجب ہے، اگرچہ اس کے مسجد ہونے میں اختلاف ہے، مگر بے حرمتی سے حفاظت بہرحال ضروری ہے۔ لہٰذا امور مسئولہ کی اجازت نہیں،

قال فی الشامیۃ (قولہ بہ یفتی نھایۃ) عبارۃ النھایۃ والمختار للفتوی انہ مسجد فی حق جواز الاقتداء الخ لکن قال فی البحر ظاھرہ انہ یجوز الوطء والبول والتخلی فیہ ولا یخفی ما فیہ فان البانی لم یعدہ لذلک فینبغی ان لایجوز وان حکمنا بکونہ

غیر مسجد وانما تظہر فائدتہ فی حق بقیۃ الاحکام وحل دخولہ للجنب والحائض اھ (رد المحتار ج ۱)

وایضاً فی کتاب الوقف منہا عن الخانیۃ ویجنب ھذا المکان عما یجنب عنہ المسجد احتیاطاً اھ (رد المحتار ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ شوال سنہ ۷۳ھ

بنا مسجد کی نذر:

یہ مسئلہ کتاب النذر والیمین میں گزر چکا ہے۔

مسجد میں وضوء کے لئے ٹنکی بنانا:

سوال: شریعت مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے کہ مسجد کے ایک کونے میں وضوء کے لئے ٹنکی بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر یہ جگہ ابتداء ہی سے مسجد میں داخل نہ کی جاتی تو اس میں ٹنکی بنانا جائز تھا۔ مسجد میں داخل کرنے کے بعد اس میں ٹنکی بنانا اور مسجد سے خارج کرنا جائز نہیں۔ اگر مسجد کی حدود متعین کر کے زبان سے بھی اس کا اظہار کر دیا کہ اتنی جگہ مسجد ہے اس کے بعد بانی مسجد نے کہا کہ اس جگہ شروع ہی سے میری نیت ٹنکی بنوانے کی تھی تو اس کا یہ قول قبول نہ کیا جائے گا، سو جب بانی مسجد کا ابتداء ہی سے اس جگہ کو وضوء کے لئے معین کرنا ثابت نہ ہوا تو یہ جگہ مسجد میں داخل رہے گی اور مسجد میں وضوء کا پانی گرانا جائز نہیں۔

یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ وضوء کا پانی فرش مسجد سے نیچے نالی میں گرے گا، اس لئے کہ تحت الثری سے لیکر عنان السماء تک یہ جگہ بحکم مسجد ہے۔

نیز ٹنکی بنانے سے نمازیوں پر تضییق ہوگی جو ممنوع ہے، اگر مسجد وسیع ہو اور ٹنکی بنانے کے باوجود نمازیوں پر تضییق کا خطرہ نہ ہو تو بھی "ما اعد للصلوٰۃ" کو مشغول کرنا جائز نہیں۔

قال فی البحر لو بنی بیتاً علی سطح المسجد لسکنی الامام فانہ لا یضر فی کونہ مسجداً لانہ من المصالح، فان قلت لو جعل مسجداً ثم اراد ان یبنی فوقہ بیتاً للامام او غیرہ ھل لہ ذلک قلت فی التتارخانیۃ اذا بنی مسجداً وبنی فوقہ وھو

ای المسجد فی یدہ فلہ ذلک وان کان حین بناہ خلی بینہ وبین الناس ثم جاء بعد ذلک یبنی لایترکہ وفی جامع الفتاوی اذا قال عنیت ذلک فانہ لایصدق (البحر الرائق کتاب الوقف ج ۵)

وقال شارح التنویر فی بیان محرمات المساجد والوضوء الافیما اعد لذلک۔ وفی الشامیۃ (قولہ والوضوء) لان ماءہ مستقذر طبعا فیجب تنزیہ المسجد عنہ کما یجب تنزیھہ عن المخاط والبلغم بدائع (رد المحتار ج ۱)

وایضاً فی الشرح لانہ مسجد الی عنان السماء۔

وفی الشامیۃ وکذا الی تحت الثری (رد المحتار ج ۱)

وفی الشامیۃ فی بیان الاشجار فی المسجد ولا یضیق علی الناس (وبعد اسطر) لان فیہ شغل ما اعد للصلوٰۃ ونحوھا وان کان المسجد واسعاً (رد المحتار ج ۱)

واللہ تعالیٰ اعلم

۷ محرم سنہ ۷۴ھ

مشترک زمین میں بلا اجازت مسجد بنانا :

سوال : ایک مشترک زمین میں ایک شخص نے مسجد بنوائی جس میں شریک ثانی کے روبرو اذان وجماعت ہوتی رہی، تقریباً پانچ برس گزرنے کے بعد شریک ثانی اپنا حصہ مسجد میں دینے سے انکار کرتا ہے تو یہ مسجد شرعاً درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

قال فی شرح التنویر: باع الفضولی ملک رجل والمالک ساکت حیث لایکون سکوتہ رضا عندنا،

وفی الشامیۃ: عن فتاوی امین الدین عن المحیط اذا اشتری سلعۃ من فضولی وقبض المشتری المبیع بحضرۃ صاحب السلعۃ فسکت یکون رضا اھ ومثلہ فی البزازیۃ عن المحیط ایضاً فعلم بہ ان محل ماھنا ما اذا لم یقبض السلعۃ بحضرۃ صاحبھا وھو ساکت (رد المحتار مسائل شتی ج ۵ ص ۶۵۰)

وایضاً فیھا (قبیل ھذا) ومثل البیع الوقف۔

وایضاً فیھا (قولہ حاضر) المراد من الحضور الاطلاع۔

وفی شرح التنویر فی احکام المسجد من کتاب الوقف وشرط محمد والامام رحمہما اللہ تعالیٰ الصلوٰۃ فیہ بجماعۃ۔

وفی الشامیۃ (قولہ بجماعۃ) لانہ لابد من التسلیم عندھما خلافا لابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وتسلیم کل شیء بحسبہ ففی المقبرۃ بدفن واحد وفی السقایۃ بشربہ وفی الخان بنزولہ واشتراط الجماعۃ لانہا المقصودۃ من المسجد ولذا اشترطان تکون جہرًا باذان واقامۃ والالم یصر مسجدا (الی قولہ) ولواتحد الامام والمؤذن وصلی فیہ وحدہ صار مسجدا بالاتفاق لان الاداء علی ھذا الوجہ کالجماعۃ قال فی النہر واذقد عرفت ان الصلوٰۃ فیہ اقیمت مقام التسلیم علمت انہ بالتسلیم الی المتولی یکون مسجدا دونہا ای دون الصلوٰۃ (الی قولہ) وکذا لوسلمہ الی القاضی او نائبہ۔
(رد المحتار ص ۵۱۱ ج ۳)

وفی شرکۃ شرح التنویر وکل من شرکاء الملک اجنبی فی مال صاحبہ لعدم تضمنہا الوکالۃ (رد المحتار ص ۲۶۰ ج ۳)

ان جزئیات سے امور ذیل مستفاد ہوئے:

(۱) شرکت عین میں ہر شریک دوسرے کے حصہ میں اجنبی اور فضولی ہے۔

(۲) بیع الفضولی مع قبض المشتری وحضور المالک دال علی الرضا ہے۔

(۳) اطلاع مالک بحکم حضور ہے۔

(۴) وقف موقوف علی الاجازۃ ہونے میں عموماً اور مزیل ملک ہونے میں خصوصاً بحکم بیع ہے۔

(۵) مسجد میں صلوٰۃ مع الجماعۃ بمنزلہ تسلیم وقبض ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مسجد شرعی ہو چکی ہے، اب اس میں شریک کا دعویٰ غیر مسموع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ ربیع الاول سنہ ۷۵ھ

حرام مال سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم:

سوال: ایک مسجد زنا کی آمدنی سے تیار کی گئی ہے، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا بالبرھان توجروا عند الرحمن

الجواب ومنہ الصدق والصواب

حرام مال مسجد پر صرف کرنے کی مختلف صورتیں ہیں اور ان کا حکم بھی مختلف۔

(۱) حرام مال سے مسجد کی زمین نہ خریدی گئی ہو، بلکہ دیواروں پر خرچ کیا ہو۔ اس صورت کے بارے میں بعض اکابر نے تحریر فرمایا ہے:

"اس میں نماز پڑھتے وقت حرام کا استعمال نہیں پایا جاتا اس لئے اس میں نماز درست ہے، مگر حرام مال مسجد پر صرف کرنے کا گناہ ہوگا، لہٰذا مال حرام سے تعمیر کردہ دیواریں گراکر حلال مال سے دوبارہ تعمیر کرنا ضروری ہے۔

قال فی الشامیة (قوله لو بماله الحلال) قال تاج الشریعة اما لو انفق فی ذلک مالا خبیثا او مالا سببه الخبیث والطیب فیکره لان الله تعالیٰ لا یقبل الا الطیب فیکره تلویث بیته بما لا یقبله اھ شرنبلالیة (رد المحتار ج۱)"

قول عدم استعمال خلاف ظاہر ہے، لہٰذا اس صورت کا حکم بھی صورت ثانیہ کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

(۲) اگر حرام مال فرش پر لگایا گیا تو نماز پڑھنے سے حرام کا استعمال ہوگا، لہٰذا اسمیں نماز مکروہ تحریمی ہے، اس کا تدارک یوں ہوسکتا ہے کہ حرام مال سے طیار کردہ فرش اکھاڑ کر طیب مال سے فرش لگایا جائے۔

(۳) اگر حرام مال سے زمین خرید کر اس پر مسجد بنائی گئی تو اس میں بھی استعمال حرام کی وجہ سے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کا تدارک بھی ممکن نہیں، مگر چونکہ اس کا وقف صحیح ہوچکا ہے اس لئے بیع اول کا استرداد کر کے دوبارہ مال طیب سے اشتراء نہیں کیا جاسکتا۔

یہ مسجد اگرچہ غیر مقبول ہے، لحدیث ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا۔ مگر اس کے باوجود اس کی مسجدیت میں کوئی شبہہ نہیں، لہٰذا اسکی بے حرمتی جائز نہیں۔

مسجد کے لئے صرف یہ شرط ہے کہ موقوف للصلوٰۃ ہو، اور صحت وقف کے لئے فارغ عن ملک الغیر ہونا شرط ہے۔ یہ شرائط ایسی مسجد میں موجود ہیں کشاف اور مدارک کے جزئیہ "قیل کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاءً وسمعۃ او لغرض سوی ابتغاء وجه الله او بمال غیر طیب فهو لاحق بمسجد الضرار" سے شبہہ نہ کیا جائے، اس لئے کہ:

اولاً تو یہ قول "قیل" سے منقول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ثانیاً اسے غیر مقبول ہونے پر محمول کرنا واجب ہے۔ یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ یہ مسجد

ہی نہیں، اس لئے کہ مسجدیت کے شرائط موجود ہیں،

غرضیکہ اس مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اس کی بے حرمتی بھی جائز نہیں، اور نہ ہی اس کے تدارک کی کوئی صورت نظر آرہی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن مجید اوراقِ مغصوبہ پر لکھا گیا ہو تو اس کا پڑھنا جائز نہیں للزوم استعمال الحرام اور اسکی بے حرمتی بھی جائز نہیں، لانہ قرآن، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱ ربیع الآخر سنہ ۷۴ھ

عیدگاہ کی فاضل زمین پر مدرسہ بنانا :

سوال : یہاں مدرسہ عربیہ میں تعمیرات کی تنگی ہے اور عید گاہ بہت وسیع ہے، اسکا کچھ حصہ کاشت کروایا جاتا ہے اور اس کی آمدنی عید گاہ پر خرچ کی جاتی ہے، خیال ہے کہ اگر مدرسہ کی تعمیر کے لئے عید گاہ کی فاضل اراضی کا استعمال کرنا شرعاً جائز ہو تو مدرسہ کافی وسیع پیمانہ پر چلایا جا سکتا ہے۔ اس کے متعلق ایک استفتاء مرتب کر کے بعض حضرات علماء کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے بلاشک جواز کا حکم دیا، لیکن خیر المدارس کے دارالافتاء سے اور سہارنپور سے جو جواب آیا، انھوں نے شرط الواقف کنص الشارع کی عبارت پیش کر کے اس کو خلاف شرط قرار دیکر عدم جواز کا حکم دیا، پھر حضرت مولانا خیر محمد صاحب یہاں تشریف لائے، ان سے گفتگو ہوئی، وہ بھی چاہتے یہ تھے کہ اگر مسئلہ کی گنجائش نکالی جاسکے تو ضرورت تو واقعی یہ ہے کہ مدرسہ منتقل کر دیا جائے اور انھوں نے فرمایا کہ آپ کی خدمت میں استفتاء بھیج دو، آپ مفصّل جواب دیدیں گے۔ لہٰذا عرض ہے کہ آپ تفصیلی جواب عطاء فرمائیں۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

بندہ نے صورت مسئلہ میں بار بار غور کیا مگر سمجھ میں یہی آیا کہ عید گاہ کی زمین میں مدرسہ بنانا جائز نہیں، ہرچند سوچنے کے باوجود مجوزین حضرات کے خیال کی بناء سمجھ میں نہیں آتی، اگر آپ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ کے افتاء کے دلائل تحریر فرما دیتے تو اس پر کچھ غور کر سکتا، بہرکیف مسئلہ کی نوعیت بالکل واضح ہے جس میں ذرہ برابر شک وشبہہ کی گنجائش نہیں، معہذا جو امور موجب

خلجان ہوسکتے ہیں اثنار جواب میں ان کی تنقیح بھی کردی ہے۔

قال فی الشامیۃ فان شرائط الواقف معتبرۃ اذا لم تخالف الشرع وھو مالک فلہ ان یجعل مالہ حیث شاء مالم یکن معصیۃ ولہ ان یخص صنفا من الفقراء ولوکان الوضع فی کلھم قربۃ (رد المحتار ص ۴۹۹ ج ۳)

وقال فی التنویر اتحد الواقف والجھۃ وقل مرسوم بعض الموقوف علیہ جاز للحاکم ان یصرف من فاضل الوقف الآخر علیہ وان اختلف احدھما لا، (رد المحتار ص ۵۱۵ ج ۳)

معلوم ہوا کہ شروط واقف کے خلاف کرنا اور جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں،

خود واقف بھی اپنی شرط کے خلاف نہیں کرسکتا۔

قال فی شرح التنویر وقف ضیعۃ علی الفقراء ثم قال لولیہ اعط من غلتھا فلانا کذا وفلانا کذا لم یصح لخروجہ عن ملکہ بالتسجیل (رد المحتار ص ۵۱۳ ج ۳)

درمختار کے مندرجہ بالا جزئیہ کے بعد " ان للواقف الرجوع فی الشرط ولو مسجدا (رد المحتار ص ۵۱۴ ج ۳) کے جزئیہ سے شبہہ نہ کیا جائے، کیونکہ اسی موقع پر علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں " وفیہ کلام سیأتی " چنانچہ آگے چل کر ایک موقع پر نہایت بسط سے اسکی تحقیق فرمائی ہے جس سے چند اقتباسات تحریر کئے جاتے ہیں:

لایجوز ان یفعل الا ما شرط وقت العقد۔

وما کان من شرط معتبر فی الوقف فلیس للواقف تغییرہ ولا تخصیصہ بعد تقررہ ولاسیما بعد الحکم الخ (رد المحتار ص ۵۹۷ ج ۳)

غرضیکہ خود واقف بھی جہت وقف کو تبدیل نہیں کرسکتا،

اسی طرح حاکم بھی بیت المال کے وقف میں تبدیل جہت کا اختیار نہیں رکھتا،

قال فی شرح التنویر ان السلطان یجوز لہ مخالفۃ الشرط (الی ان قال) وان غایر شرط الواقف لان اصلھا لبیت المال،

وفی الشامیۃ قلت والمراد من عدم مراعاۃ شرطھا ان للامام اونائبہ ان یزید فیھا وینقص ونحو ذلک ولیس المراد انہ یصرفھا عن الجھۃ المعینۃ الخ (رد المحتار ص ۵۷۹ ج ۳)

حاصل یہ کہ جملہ کتب معتبرہ میں وضاحت ہے کہ شرط واقف اور جہت وقف کے خلاف کرنا جائز نہیں، اگر موقوف علیہ سے استغنار ہوچکا ہو تو بھی وقف کی آمدن موقوف علیہ

کے مجانس اقرب پر صرف کی جائے گی، اس حالت میں بھی جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں۔

قال فی التنویر ومثلہ حشیش المسجد وحصیرہ مع الاستغناء عنھما والرباط والبئر اذا لم ینتفع بھما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر (والحوض شرح) الی اقرب مسجد او رباط او بئر (او حوض، شرح) الیہ،

وقال فی الشامیۃ (قولہ الی اقرب مسجد او رباط الخ) لف نشر مرتب وظاھرہ انہ لایجوز صرف وقف مسجد خرب الی حوض وعکسہ وفی شرح الملتقی یصرف وقفھا لاقرب مجانس لھا (رد المحتار ص ۵۱۳ ج ۳)

مذکورہ جزئیہ اگرچہ مصرف اول کے خراب ہو جانے سے متعلق ہے مگر مصرف اوّل سے اوقاف کی آمدن اگر بہت زیادہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اس لئے کہ استغناء دونوں صورتوں کو جامع ہے۔

شرح التنویر مع الشامیۃ ص ۵۲۰ میں یہ جزئیہ ہے:

ویبدء من غلتہ بعمارتہ ثم ما ھو اقرب بعمارتہ کامام مسجد ومدرس مدرسۃ یعطون بقدر کفایتھم ثم السراج والبساط الی اٰخر المصالح وان لم یشترطہ الواقف لثبوتہ اقتضاءً۔

اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ وقف مسجد سے مدرس کو دینا جائز ہے، اس سے مقصد یہ ہے کہ وقف مسجد سے امام کو اور وقف مدرسہ سے مدرس کو دینا جائز ہے اس لئے کہ مندرجۂ ذیل جزئیہ میں تصریح ہے کہ مسجد پر وقف کرتے وقت اگر مدرس بھی مشروط فی الوقف ہو تو وہ بھی مصارف لازمہ سے نہیں۔

قال فی شرح التنویر وانما یکون المدرس من الشعائر لو مدرس المدرسۃ کما مر اما مدرس الجامع فلا لانہ لا یتعطل لغیبتہ بخلاف المدرسۃ حیث تقفل اصلا۔ (رد المحتار ص ۵۲۵ ج ۳)

خلاصہ یہ کہ محل موقوف علیہ سے استغناء کے وقت بھی جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں اقرب مجانس پر صرف کرنا ضروری ہے، عالمگیریہ میں بھی اس قسم کا جزئیہ موجود ہے:

سئل شمس الائمۃ الحلوانی عن مسجد او حوض خرب ولا یحتاج الیہ لتفرق الناس ھل للقاضی ان یصرف اوقافہ الی مسجد اٰخر او حوض اٰخر قال نعم ولو لم

بتفرق الناس ولکن استغنی الحوض عن العمارۃ وھناك مسجد محتاج الی العمارۃ اوعلی العکس ھل یجوز للقاضی صرف وقف ما استغنی عن العمارۃ الی عمارۃ ما ھو محتاج الی العمارۃ قال لا کذا فی المحیط (عالمگیریۃ ص ۳۵۲ ج ۲)

اس عبارت میں اقرب مجانس کی تصریح نہیں، شرح التنویر اور شامیہ کے مذکورہ جزئیات میں وضاحت ہے کہ بحالت استغناء مسجد کا وقف قریب ترین مسجد پر اور حوض کا وقف قریب ترین حوض پر صرف کیا جائے گا۔ وھذا ما جاء فی فہم ھذا الفقیر والعلم عند اللہ اللطیف الخبیر۔

۱۸ رجب سنہ ۷۴ھ

مسجد کی زمین میں امام کا مکان بنانا:

سوال: ایک مسجد کافی وسیع ہے اس کا کچھ حصہ خارج کرکے اس میں امام مسجد کے لئے مکان تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی کسی بھی ضرورت کے لئے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

قال فی شرح التنویر ولو خرب ما حولہ واستغنی عنہ یبقی مسجدًا عند الامام والثانی ابدًا الی قیام الساعۃ وبہ یفتی۔

وفی الشامیۃ (قولہ ولو خرب ما حولہ الخ) ای ولو مع بقائہ عامرًا وکذا لو خرب ولیس لہ ما یعمر بہ وقد استغنی الناس عنہ لبناء مسجد اٰخر (رد المحتار ص ۵۱۳ ج ۳)

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ شوال سنہ ۷۴ھ

نزد مسجد بیت الخلا وغسل خانہ ساختن:

سوال: نزد دیوار مسجد پاخانہ تیار کردہ در آن حاجت می کنند وہمچنیں غسلخانہ بنا می کنند دریں دو چیز و مسجد چند فاصلہ ضروری ہست؟ بحوالہ کتب جواب دہند،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

قال فی الشامیۃ فی باب مکروھات الصلوٰۃ لو جعل الواقف تحتہ بیتا للخلاء ھل

یجوز کما فی مسجد محلة الشحم فی دمشق لم أره صریحاً نعم سیأتی متناً فی کتاب الوقف انہ لوجعل تحتہ سرداباً لمصالحہ جاز تأمل (رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۴)

این جزئیہ دال ست بر جواز بناء بیت الخلاء نزد مسجد بلکہ بزیر مسجد ہم ابتداءً، مگر درین قیاس مع الفارق ست چراکہ بیت الخلاء را باغراض و مصالح مسجد بہیچ گونہ تعلق قریب نیست، واما تعلق بوسائط بعیدہ پس بایں طور ہر فعل باغراض مسجد متعلق خواہد شد وایں مبطل ست برائے قید "لمصالحہ"، ونیز بناء بیت الخلاء بقرب مسجد عرفاً خلاف احترام ست، ونیز موجب ایذاء مصلیان، ودر حدیث آکل ثوم وبصل را از قرب مسجد بالفاظ "فلایقربن مسجدنا" نہی آمدہ است، وظاہر ست کہ تعفن بیت الخلاء از بدبوئ ثوم وبصل بدرجہا زیادۃ تر ست، شاید کہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ بحکم تأمل بایں جانب اشارہ فرمودند۔

ہمچنیں غسلخانہ از اغراض و مصالح مسجد نیست، بلکہ مزید برین موضع اقذار و اوساخ است و بروغیر مصلیان فساق و فجار ہم جمع می شوند، بقرب مسجد امثال این چنین محدثات ساختن خلاف حرمت مسجد است۔ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ــــ ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳ر جمادی الاولیٰ سنہ ۷۵ھ

کافر کی متروک جائداد پر مسجد بنانا:

سوال: ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ہندوستان کی طرف جانے والے غیر مسلموں کی اراضی پر مساجد تعمیر کرنا جائز نہیں، اگرچہ حکومت پاکستان کی اجازت سے ہو، دلیل میں آیت قرآنیہ "ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ" بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ حدیث میں ہے کہ قبور مشرکین کی جگہ پر مسجد نبوی تعمیر کی گئی، مولوی صاحب مذکور کا قول اور استدلال کہاں تک صحیح ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مولوی صاحب کا قول واستدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ غیر مسلم کا اپنی مملوکہ زمین میں بنیت قربت مسجد تعمیر کروانا جائز ہے۔

قبور مشرکین کی جگہ پر مسجد نبوی کی تعمیر سے جواز تعمیر فی ارض الکفار پر استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت اس زمین کے مالکان اسلام لاچکے تھے، یہ

مقبرہ ان کا مملوکہ تھا۔ تو تعمیر مسجد نبوی ارض مسلم پر ہوئی نہ کہ ارض کافر پر، ہاں ارض کافر پر بشرط مذکور تعمیر مسجد جائز ہے۔ اور صورت زیر بحث میں تو ارض کافر ہے ہی نہیں اس لئے کہ دونوں حکومتوں کے باہمی فیصلہ کے بعد ہر حکومت متروک جائداد پر قبضۂ وکالت رکھتی ہے یعنی تصرفات میں اصل مالک کی وکیل ہے، لہٰذا جب غیر مسلم کو اس کی جائداد کا عوض ہندوستان میں مل گیا تو یہ اس جائداد کی بیع بواسطہ وکیل ہوئی۔

اگر انتقال آبادی و معاوضۂ املاک کے اس معاہدہ کا اعتبار نہ کیا جائے جیسا کہ بعض حضرات کی رائے ہے تو املاک متروکہ بحکم فیء ہونے کی وجہ سے ملک کفار سے خارج ہوگئیں، لہٰذا بہرکیف متروکہ املاک میں حکومت کی اجازت سے تعمیر مساجد بلا شبہہ جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رجب سنہ ۷۵ھ

سوال مثل بالا:

سوال: ایک شخص کی زمین شہر دریاخاں مری سے متصل ہے، اس مالک زمین اور دوسرے مسلمانوں کو مسجد محلہ کی ضرورت ہے، مالک زمین کہتا ہے کہ اس زمین سے میں مسجد کے لئے حسب ضرورت قطعہ وقف کرتا ہوں، مگر اس زمین میں ہندو میرا شریک ہے جو ہندوستان چلا گیا ہے، اس کا حق یوں ادا کروں گا کہ اس زمین سے اسے اس کا حصہ دیدوں گا یا نقد رقم۔ تو اس صورت میں اس زمین میں تعمیر مسجد جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

حکومت کو درخواست دیکر اس زمین کو تقسیم کروا کر اپنے حصہ میں مسجد تعمیر کروائی جائے، مزید زمین کی ضرورت پڑے تو ہندو شریک کا حصہ بھی حکومت کی اجازت سے کام میں لایا جا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ ذی حجہ سنہ ۷۱ھ

سوال مثل بالا:

سوال: پاکستان میں غیر مسلم کی متروکہ زمین پر مسجد طیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟
بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

متروکہ املاک پر حکومت کا قبضہ خواہ بطور استیلاء کہا جائے یا بطور انتظام بمنزلۃ الوکالۃ عن المالک وھو الظاھر ۔ بہرکیف حکومت کے اذن سے متروکہ زمین میں تعمیر مسجد جائز ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ ذی حجہ سنہ ۷۴ھ

کافر کا مسجد بنانا :

سوال : کافر اگر مسجد تعمیر کرے یا تعمیر مسجد میں چندہ دے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

کافر اگر قربت کی نیت سے مسجد تعمیر کرے یا مسجد کے لئے چندہ دے تو جائز ہے ۔ آگے اس میں اختلاف ہے کہ مذہب واقف میں قربت ہونا شرط ہے یا کہ واقف کے خیال وعقیدہ میں قربت ہونا کافی ہے، راجح قول ثانی ہے ،

قال فی الھندیۃ واما سببہ فطلب الزلفی (الی قولہ) واما الاسلام فلیس بشرط

وفی کتاب الوقف من شرح التنویر بدلیل صحتہ من الکافر ،

وفی الشامیۃ حتی یصح من الکافر (الی قولہ) بخلاف الوقف فانہ لابد فیہ من ان یکون فی صورۃ القربۃ وھو معنی ما یأتی فی قولہ ویشترط ان یکون قربۃ فی ذاتہ اذ لو اشترط کونہ قربۃ حقیقۃً لم یصح من الکافر (رد المحتار ج ۳)

وقف کافر بحکم وصیت کافر ہے اور ہدایہ وغیرہ جملہ کتب میں لکھا ہے کہ اگر جہت وصیت عند الکافر قربت ہو تو یہ وصیت جائز ہے

آیۂ کریمہ "ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ" سے کافر کی تعمیر مسجد کے عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں، آیت کے سیاق وسباق اور شان نزول پر نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں مسجد حرام کی تعمیر اور سقایہ حاج پر افتخار مشرکین کا رد ہے، اس طرح کہ مشرکین میں قبول عمل کی شرط (ایمان) موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان کا یہ عمل مقبول نہیں اور عمل غیر مقبول پر فخر کرنا لغو ہے، اس آیت میں جواز وعدم جواز سے کوئی تعرض نہیں، لہٰذا "للمشرکین" میں لام جواز نہیں بلکہ استحقاق وصلاحیت کا ہے، والتفصیل فی بیان القرآن ۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض مفسرین کا اس آیت سے عدم جواز ثابت کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ آیت کے سیاق وسباق وشان نزول کے خلاف ہونے کے علاوہ تصریحات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی معارض ہے اور بوقت معارضہ مفسرین کا قول قابل قبول نہ ہوگا "فانہ لکل فن رجال"

خانۂ کعبہ کی تعمیر مشرکین کو برقرار رکھنے سے زیادہ قوی کون سی دلیل جواز پر ہوسکتی ہے؟ فبای حدیث بعدہ یؤمنون۔

غرضیکہ اگر کافر بنیت ثواب مسجد تعمیر کرے تو جائز ہے، البتہ اگر اس عمل کی وجہ سے مسلمانوں پر کفار کے افتخار و اظہار منت کا اندیشہ ہو تو ان کے اس عمل کو قبول کرنا جائز نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رجب سنہ ۷۵ھ

مسجد میں خرید و فروخت کرنا:

سوال: ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ مسجد میں بیع جب مکروہ ہے کہ بیع بہت زیادہ ہو اور مسجد میں بیع بازار کی طرح عموماً کی جائے۔ اگر کسی چھوٹی چیز کی بیع کبھی کبھی مسجد میں کر لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں دلیل میں عبارت ذیل پیش کرتے ہیں:

وکذلک النھی عن البیع فیہ ھو الذی یغلب علیہ حتی یکون کالسوق لانہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ینہ علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن خصف النعل فیہ مع انہ لو اجتمع الناس لخصف النعال فیہ کرہ فکذلک البیع وانشاد الشعر والتحلق قبل الصلوٰۃ فما غلب علیہ کرہ وما لا فلا اھ

(ردالمحتار ص ۶۱۸ ج ۱)

نیز کہتے ہیں کہ بذل المجہود شرح ابی داود میں اس سے بھی زیادہ جواز کی تصریح اور تشریح ہے نیز شامیہ باب الاعتکاف میں ہے:

ان المبیع لو لم یشغل البقعۃ لا یکرہ احضارہ کدراھم یسیرۃ او کتاب ونحوہ (الی قولہ) ان احضار الثمن والمبیع الذی لا یشغل جائز اھ

(ردالمحتار ص ۴۸۸ ج ۲)

کیا مولوی صاحب کا یہ خیال اور استدلال درست ہے۔ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

شامیہ باب الاعتکاف کا جزئیہ تو صرف معتکف سے متعلق ہے، اس میں بیع کے جواز یا عدم جواز سے متعلق کوئی بحث نہیں، بلکہ صرف احضار مبیع فی المسجد للمعتکف کی تفصیل ہے، معتکف کے لئے بیع اشیاء ضروریہ تو ویسے ہی جائز ہے، صرف احضار مبیع میں تفصیل ہے۔

غیر معتکف کی بیع کے متعلق مطلقاً کراہت تحریمیہ کی تصریح عبارت مذکورہ کے ساتھ ہی شرح التنویر اور شامیہ میں موجود ہے:

قال فی شرح التنویر وکرہ ای تحریمًا لانہا محل اطلاقہم احضار المبیع فیہ کما کرہ فیہ مبایعۃ غیر المعتکف مطلقاً للنھی۔

وفی الشامیۃ (قولہ مطلقاً) ای سواء احتاج الیہ لنفسہ او عیالہ او کان للتجارۃ احضرہ اولا کما یعلم مما قبلہ ومن الزیلعی والبحر (رد المحتار ص ۱۸۴ ج ۲)

اور شامیہ باب احکام المساجد میں علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی اپنی تحقیق نہیں، بلکہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق نقل کی ہے، اگرچہ اس جگہ آپ نے اس پر سکوت کیا ہے، مگر باب الاعتکاف میں مطلقاً کراہت تحریمیہ کو ثابت کیا ہے، کما مر، امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول مذکور مذہب مشہور کے خلاف ہے، جیساکہ سؤر الھرۃ وغیرہ متعدد مسائل میں آپ کی تحقیق مذہب مشہور کے خلاف ہے۔ چنانچہ رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق مذکور کے متعلق فرماتے ہیں:

(قولہ وکذلک النھی عن البیع فیہ ھو الذی یغلب علیہ الخ) ھذا خلاف المشھور فان المشھور کراھۃ البیع فی المسجد وان لم یغلب علیہ (التحریر المختار ص ۸۶ ج ۱)

بذل المجہود میں بھی امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کو بایں طور نقل کیا ہے:

قال الشوکانی اما البیع والشراء فذھب جمھور العلماء الی ان النھی محمول علی الکراھۃ (الی قولہ) وفرق اصحاب ابی حنیفۃ بین ان یغلب ذلک ویکثر فیکرہ او یقل فلا کراھۃ وھو فرق لا دلیل علیہ انتھی قلت وھذا الذی عزاہ الی اصحاب ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ھو الذی ذکرہ الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فی معانی الآثار الخ

(بذل المجهود ص ۱۷۶ ج ۲ باب التحلق یوم الجمعۃ قبل الصلوٰۃ)

اس عبارت سے مزید معلوم ہوا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ حنفیہ میں سے اس تحقیق میں متفرد ہیں، اسی لئے شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا محمل امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو قرار دیا گیا۔

غرضیکہ حنفیہ کا مذہب مشہور اور مفتی بہ یہی ہے کہ بیع فی المسجد بہر صورت غیر معتکف کے لئے مکروہ تحریمی ہے اور واجب الرد ہے۔

قال فی شرح التنویر واعلم ان فسخ المکروہ واجب علی کل واحد منھما ایضا بحر وغیرہ لرفع الاثم۔

وفی الشامیۃ (قولہ ایضا) ای کما فی البیع الفاسد وقد مناعن الدرر انہ لایجب فسخہ وماذکرہ الشارح عزاہ فی الفتح اول باب الاقالۃ الی النہایۃ ثم قال وتبعہ غیرہ وھو حق لان رفع المعصیۃ واجب بقدر الامکان اھ قلت ویمکن التوفیق بوجوبہ علیھما دیانۃ بخلاف البیع الفاسد فانھما اذا اصرا علیہ یفسخہ القاضی جبرا علیھما ووجہہ ان البیع ھنا صحیح قبل القبض ویجب فیہ الثمن لا القیمۃ فلایلی القاضی فسخہ لحصول الملک الصحیح (رد المحتار ص ۱۸۶ ج ۴)

جب یہ بیع واجب الرد ہے تو اس مبیع میں تصرف اکل وغیرہ حرام ہوگا، مگر یہ مبیع خود حرام نہیں، یعنی اکل حرام ہے ماکول حرام نہیں۔

قال فی شرح التنویر اشتری مکیلا بشرط الکیل حرم ای کرہ تحریما بیعہ واکلہ حتی یکیلہ وقد صرحوا بفسادہ وبانہ لایقال لآکلہ انہ اکل حراما لعدم التلازم کما بسطہ الکمال۔

وفی الشامیۃ تحت (قولہ کما بسطہ الکمال) لو اکلہ وقد قبضہ بلاکیل لایقال انہ اکل حراما لانہ اکل ملک نفسہ الا انہ اثم لترکہ ما امر بہ من الکیل فکان ھذا الکلام اصلا فی سائر المبیعات بیعا فاسدا اذا قبضھا فملکھا ثم اکلھا (الی قولہ) وحاصلہ انہ اذا حرم الفعل وھو الاکل لا یلزم منہ ان یکون اکل حراما (الی قولہ) وکذا لو غصب شیئا واستھلکہ بخلطہ ونحوہ حتی ملکہ ولم یؤد ضمانہ یحرم علیہ التصرف فیہ باکل ونحوہ وان کان ملکہ (رد المحتار ص ۲۲۷ ج ۴)

واللہ تعالیٰ اعلم —— ۱۸ صفر سنہ ۷۶ھ

مسجد پر مدرسہ بنانا:

سوال: مسجد کے اوپر مدرسہ کی تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قال فی التنویر واذا جعل تحتہ سردا بالمصالحہ ای المسجد جاز کمسجد القدس (رد المحتار ص ۳۸۲ ج ۳)

وقال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (قول المصنف لمصالحہ) لیس بقید بل الحکم کذلک اذا کان ینتفع بہ عامۃ المسلمین علی ما افادہ فی غایۃ البیان حیث قال اورد الفقیہ ابو اللیث سؤالا وجوابا فقال فان قیل الیس مسجد بیت المقدس تحتہ مجتمع الماء والناس ینتفعون بہ قیل اذا کان تحتہ شیء ینتفع بہ عامۃ المسلمین یجوز لانہ اذا انتفع بہ عامتہم صار ذلک للہ تعالیٰ ایضا اھ ومنہ یعلم حکم کثیر من مساجد مصر التی تحتہا صہاریج ونحوہا (التحریر المختار ص ۸۰ ج ۲)

وفی الہدایۃ ومن جعل مسجدا تحتہ سرداب اوفوقہ بیت وجعل باب المسجد الی الطریق وعزلہ فلہ ان یبیعہ وان مات یورث عنہ ولو کان السرداب لمصالح المسجد جاز کما فی مسجد بیت المقدس کذا فی الہدایۃ (عالمگیریۃ ص ۴۵۵ ج ۲)

عبارت اولیٰ وثالثہ کا ظاہر عدم جواز پر دال ہے لان مفہوم الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ حجۃ بالاتفاق۔ اور روایت ثانیہ میں جواز کی تصریح ہے، اس لئے بوقت ضرورتِ شدیدہ گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر یہ اجازت اس صورت میں ہے کہ ابتداء ہی سے مسجد کے اوپر یا نیچے مدرسہ بنانے کا ارادہ ہو، اگر ابتداءً ارادہ نہ تھا بلکہ مسجد کی حدود متعین کرکے اس رقبہ کے بارے میں زبان سے کہدیا کہ یہ مسجد ہے، اسکے بعد اوپر مدرسہ بنانے کا ارادہ ہوا تو جائز نہیں۔

قال فی شرح التنویر لو بنی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق (رد المحتار ص ۳۸۲ ج ۳)

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ ربیع الاول سنہ ۷۶ھ

مسجد پر امام کا مکان بنانا:

سوال: امام کی سکونت کے لئے مسجد کے اوپر مکان تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب

زمین کے جتنے قطعہ کو ایک بار مسجد شرعی قرار دے دیا گیا اس کے اندر اور نیچے اوپر کوئی دوسری چیز بنانا جائز نہیں، مسجد شرعی قرار دینے سے قبل امام کیلئے مکان یا مصالح مسجد کے لئے اور کچھ بنانا طے کرلیا ہو اور اس کی عام اطلاع بھی کردی ہو تو جائز ہے، مسجد شرعی ہوجانے کے بعد اگر متولی نے شروع ہی سے نیت کا دعوی کیا تو یہ قبول نہ ہوگا۔

قال فی شرح التنویر: لو بنی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق تاترخانیۃ (رد المحتار ص ۳۸۲ ج ۳) واللہ تعالی اعلم

۱۱ محرم سنہ ۱۳۸۶ھ

رفاہی پلاٹ پر مسجد بنانا:

سوال: ناظم آباد میں ایک خالی پلاٹ پڑا ہے جو اہل محلہ کے رفاہ کے لئے مخصوص ہے، بارہ تیرہ برس سے مقامی لوگ اسے اپنی انفرادی یا اجتماعی تقاریب میں استعمال کرتے آرہے ہیں، قریب میں کوئی مسجد نہ تھی، اس لئے ضرورت کے تحت اسی پلاٹ کے ایک کونے میں خام چبوترہ بناکر اس میں نماز پنجگانہ کی جماعت شروع کی گئی جو آج تک جاری ہے بلکہ جمعہ بھی پابندی سے ہورہا ہے، اس کارروائی سے پہلے مقامی حکام سے اجازت حاصل نہیں کی گئی، اب اس کی کوشش جاری ہے، کیا اہل محلہ اس طرح مسجد تعمیر کرسکتے ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ بوقت ضرورت اہل محلہ راستہ کو بھی مسجد بناسکتے ہیں بشرطیکہ گزرنے والوں کو اس سے ایذاء نہ ہو، اس لئے کہ راستہ بھی انہی لوگوں کی ضرورت کے لئے ہے لہذا وہ اس میں تصرف کرنے کے مجاز ہیں، بنائً علیہ خالی پلاٹ میں جو اہل محلہ ہی کے مفاد اور راحت کیلئے چھوڑا گیا ہے،

اہل محلہ کی اجتماعی رائے سے مسجد کی تعمیر بطریق اولیٰ جائز ہے، مسجد مسلم آبادی کی بنیادی ضرورت ہے، حکومت پران لوگوں سے تعاون ضروری ہے نہ یہ کہ وہ اس کام میں رکاوٹ پیدا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵ شوال سنہ ۸۶ھ

مسجد میں کپڑے سکھانا :

سوال : کپڑے دھوکر مسجد کے صحن یا دیوار پر سکھانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد کے صحن یا دیوار پر کپڑے سکھانا جائز نہیں، مؤذن اور خادم وغیرہ کے لئے اگر کوئی دوسری جگہ کپڑے سکھانے کی نہ ہو تو مسجد سے باہر ملحق جگہ میں سکھا سکتے ہیں۔
واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ شوال سنہ ۱۳۸۶ھ

مسجد میں چندہ کرنا :

سوال : ایک مسجد میں کئی ہزار روپے پہلے سے جمع ہیں مگر پھر بھی حسب عادت جمعہ کے روز نمازیوں کے آگے پیٹی گھما کر چندہ لیا جاتا ہے۔ کیا شرعاً یہ کام درست ہے ؟

الجواب باسم ملہم الصواب

ضرورت ہو تو بھی اس طریقہ سے چندہ مانگنا جائز نہیں۔ اس میں یہ مفاسد ہیں :

(۱) نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے۔

(۲) نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے صف کو پھلانگ کر جانا ناجائز ہے۔

(۳) کسی کے سامنے پیٹی کرنا چندہ دینے کے لئے خصوصی خطاب ہے جو جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں دینے والے کی طیب خاطر معلوم نہیں، خصوصاً دوسروں کے سامنے خصوصی خطاب میں جبر واکراہ ظاہر ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بدون طیب خاطر کسی کا مال لینا حلال نہیں۔

چندہ کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بذریعہ خطاب عام ترغیب دی جائے۔
اس کی تفصیل رسالہ "صیانۃ العلماء عن الذل عند الاغنیاء" میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

غرہ ذی القعدہ سنہ ۱۳۸۶ھ

مسجد کی بجلی کا بے جا استعمال :

سوال : مسجد کے قریب سڑک پر جلسہ منعقد کیا جارہا ہے، جس میں ایک بزرگ عالم دین کا وعظ ہوگا، شاید رات کے بارہ ایک بجے تک جلسہ کی کارروائی جاری رہے، اس ضرورت سے مسجد کی بجلی تار کے ذریعہ لے جاکر استعمال کرنا درست ہوگا جبکہ منتظمہ سے اسکی اجازت بھی لے لی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد کی بجلی مسجد ہی کے لئے خاص ہے، کسی ایسے کام کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں جو مصالح مسجد میں داخل نہیں گو کہ وہ کام اپنی جگہ کتنی ہی نیکی کا ہو، جب مسجد کی اشیاء کا استعمال دوسری مسجد میں بھی جائز نہیں تو عام جگہوں کے لئے کیونکر روا ہوگا، منتظمہ کی ایسی بے موقع بلکہ خلاف شرع اجازت کا کچھ اعتبار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ رشوال سنہ ۱۳۸۶ھ

سوال مثل بالا :

سوال : مسجد کی بجلی امام یا مؤذن کے حجرہ میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز ملحقہ مدرسہ میں منتظمہ کی اجازت سے اسے صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امام ومؤذن کا حجرہ چونکہ متعلقات مسجد میں سے ہے لہٰذا اس کے لئے مسجد کی بجلی منتقل کرنا جائز ہے، اسی طرح مدرسہ بھی اگر مسجد کے تابع ہے اور عام طور پر لوگوں کو اسکا علم ہے اور چندہ دہندگان بھی اسکی کوئی تصریح نہیں کرتے کہ ان کا چندہ مدرسہ میں خرچ نہ کیا جائے تو اس صورت میں ملحقہ مدرسہ میں بھی بجلی دی جاسکتی ہے۔

اگر مدرسہ مسجد کے تابع نہیں تو اس کو مسجد کی بجلی دینا جائز نہیں، مسجد کی کوئی چیز کسی دوسری جگہ خواہ وہ دوسری مسجد ہی ہو، منتقل کرنا جائز نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : لکن علمت ان المفتی بہ قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ لایجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد اٰخر کما مر عن الحاوی،

(رد المحتار ص ۳۸۳ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۳ ر ذی قعدہ سنہ ۱۳۸۶ھ

مسجد کے نل سے نہانا :

سوال : مسجد کا نل ہے، اس کے پانی سے غسلخانہ میں غسل کرنا یا کپڑے دھونا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب .

غسلخانہ اگر حدود مسجد میں ہے تو عام لوگوں کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں، صرف امام، موذن اور خدمت مسجد سے متعلقہ افراد ہی اسے استعمال کر سکتے ہیں ۔

اور اگر ضرورات مسجد کے لئے زمین کا وقف تام ہونے سے پہلے رفاہِ عام کے لئے لگایا گیا ہے تو ہر شخص کو پانی لے جانے کی اجازت ہے بشرطیکہ مسجد کی تلویث نہ ہو اور اس سے نمازیوں کو تشویش وایذاء نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴ر ذی قعدہ سنہ ۱۳۸۶ھ

امام کو پیشگی تنخواہ دینا :

سوال : امام مسجد اپنے اہل وعیال کے لئے مکان بنانا چاہتا ہے، کیا یہ درست ہوگا کہ منتظمہ پیشگی اسے یہ پوری رقم دیدے اور تنخواہ سے ماہوار مثلاً دس روپے منہا کرتی رہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

عام عرف کے مطابق پیشگی تنخواہ دی جا سکتی ہے بشرطیکہ ملازمت چھوڑنے کی صورت میں بقیہ رقم واپس لینے اور بصورت وفات ترکہ سے وصول کرنے کی قدرت ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ر ذی الحجہ سنہ ۸۶ھ

مسجد میں سونا :

سوال : طلبۂ علم کو مسجد میں سونا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

مسجد کی بناء ذکر وعبادت کے لئے ہے، اس قسم کے کاموں کے لئے نہیں، اس لئے عام حالات میں تو کسی کے لئے مسجد میں سونا جائز نہیں، خواہ طالب علم ہو یا کوئی اور، اگر بامر مجبوری طلبہ کو مسجد میں سونا پڑتا ہے تو ان شرائط کے ساتھ اس کی گنجائش ہے :

① مسجد کے سوا اور کوئی عارضی یا مستقل قیامگاہ موجود نہ ہو، نہ متولی و منتظم اس کا انتظام کر سکتے ہوں۔

② مسجد کے آداب کا پورا لحاظ رکھیں کہ شور و غوغا، ہنسی مذاق اور لایعنی گفتگو سے پرہیز کریں، صفائی کا پورا اہتمام رکھیں اور اعتکاف کی نیت کرلیں۔

③ نمازیوں کو ان سے کسی قسم کی ایذا نہ پہنچے، اذان ہوتے ہی اُٹھ جائیں اور نمازوں کے بعد بھی جب تک لوگ سنن و نوافل یا ذکر و تلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں ان کی عبادات میں خلل نہ ڈالیں۔

④ طلبہ بالغ یا کم از کم آداب مسجد سے واقف اور باشعور ہوں، کمسن بے شعور بچوں کو مسجد میں سُلانا جائز نہیں۔

(الغرض ممکن حد تک اس سے بچنے کی کوشش کی جائے، مجبوری کی بات الگ ہے

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ ربیع الآخر سنہ ۸۷ھ

سوال مثل بالا:

سوال: کسی مقیم شخص کے لئے مسجد میں چارپائی ڈال کر یا بلا چارپائی لیٹنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز آجکل دستور ہے کہ تبلیغی جماعت کے حضرات مسجد میں لیٹتے، مسجد ہی میں کھاتے پیتے اور دوسرے معمولات پورے کرتے ہیں، کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

معتکف اور مسافر کے لئے مسجد میں کھانے پینے اور سونے کی گنجائش ہے لہذا تبلیغی جماعت کا یہ دستور جائز ہے، اس لئے کہ اہل تبلیغ بھی عموماً مسافر ہوتے ہیں، معہذا بہتر ہے کہ اعتکاف کی نیت بھی کرلیا کریں اور اس کا بھی اہتمام کریں کہ مسجد سے ملحق اگر کوئی حجرہ وغیرہ ہو جس میں تمام ساتھی سما سکتے ہوں تو مسجد میں نہ سوئیں اور کھانا بھی باہر کھائیں، اور مسجد میں چارپائی بچھانا کسی کے لئے جائز نہیں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: واكل ونوم الا لمعتكف وغريب الخ

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله واكل ونوم) واذا اراد ذلك

ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر اللہ تعالیٰ بقدر ما نوی او یصلی ثم یفعل ما شاء فتاوی ھندیۃ (رد المحتار ص ۶۱۹ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ربیع الاول سنہ ۸۹ ھ

دوسرے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا:

سوال: ایک شخص مسجد محلہ کی جماعت چھوڑ کر دوسرے محلہ میں جاکر نماز ادا کرتا ہے اس کا یہ فعل شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مسجد محلہ کا امام صحیح العقیدہ ہے اور بھی کوئی شرعی یا طبعی مانع اس میں موجود نہیں تو اس مسجد کو چھوڑ کر دوسری جگہ کا رُخ کرنا صحیح نہیں، مسجد محلہ کا اتنا حق ہے کہ اگر اس میں داخل ہونے کے بعد کسی کی جماعت بھی فوت ہوگئی تو طلب جماعت میں دوسری مسجد جانے کی بجائے مسجد محلہ میں ہی انفراداً نماز ادا کرنا افضل ہے، غرض اس شخص کا یہ عمل حد سے افراط اور خلاف شرع ہے، مگر اہل محلہ کو اس قسم کے شخص سے سوء ظن رکھنا یا اس پر طعن وتشنیع کرنا جائز نہیں، عموماً اس قسم کا طرز عمل مسائل شرعیہ سے ناواقفیت یا کسی غلط فہمی پر مبنی ہوتا ہے، اس لئے شفقت وہمدردی سے اسکی اصلاح ضروری ہے، اگر سمجھانے سے نہ سمجھے تب بھی اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے، اس قسم کے لوگوں سے اُلجھنے کی بجائے ایسے لوگوں پر محنت کیجائے جو سرے سے نماز ہی سے آزاد ہیں اور کسی مسجد میں بھی قدم نہیں رکھتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ ربیع الآخر سنہ ۸۷ ھ

مسجد کے چندہ کا مبادلہ:

سوال: مسجد کے چندہ سے اگر کوئی ریزگاری لے لے اور نوٹ دیدے تو یہ لین دین مسجد کے اندر یا مسجد سے باہر جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد سے باہر جائز ہے، اندر جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۰ ھ

مسجد کی کتاب کو باہر نکالنا :

سوال : ایک شخص مسجد میں رکھی ہوئی کتاب مضمون سنانے کے لئے گھر اٹھا کر لے گیا اور سنانے کے بعد کتاب پھر مسجد میں پہنچادی، اس کا یہ فعل درست ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر کتاب مسجد پر وقف ہے تو اس کا کسی دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں، مسجد کی حدود میں ہی اس سے انتفاع کیا جائے ۔

کذا حررہ العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (رد المحتار ص ۳۸۷ ج ۳)

واللہ تعالیٰ اعلم

رمضان سنہ ۸۷ھ

اذان کے بعد انفراداً نماز پڑھ کر مسجد سے نکلنا :

سوال : کسی شخص کو اگر جلدی ہو، مثلاً سفر در پیش ہو یا کوئی اور ضروری کام، تو اذان کے بعد مسجد کے اندر نماز پڑھ کر جا سکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر جماعت کے انتظار میں معتد بہ حرج ہو تو ترک جماعت جائز ہے ۔

قال فی التنویر : فتسن او تجب علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوٰۃ بالجماعۃ من غیر حرج (رد المحتار ص ۵۱۸ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ر ذی قعدہ سنہ ۸۷ھ

مسجد کی چیز ذاتی استعمال میں لانا :

سوال : مسجد کا متولی یا اس کے رشتہ دار اور پڑوسی مسجد کی کون کون سی چیزیں اپنے ذاتی کام کے لئے استعمال کر سکتے ہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

جب ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد کے لئے بھی استعمال کرنا جائز نہیں تو متولی یا غیر متولی مسجد کی چیز کیسے استعمال کر سکتا ہے ؟ کسی کو یہ اختیار بھی نہیں کہ مسجد کا چراغ اپنے گھر لیجائے ۔

قال فی الهندیة ولا یحمل الرجل سراج المسجد الی بیته (عالمگیریة ص۱۱۰ ج ۱)
واللہ تعالیٰ اعلم
۲۴ صفر سنہ ۱۳۸۹ھ

مسجد میں لالٹین جلانا :

سوال : زید نماز عشار کے بعد آدھا گھنٹہ درس حدیث دیتا ہے، اس دوران اگر بجلی بند ہوجائے اور ہوا تیز ہونے کی بنا پر چراغ یا موم بتی روشن کرنا ممکن نہ ہو تو لالٹین میں مٹی کا تیل ڈال کر مسجد میں جلانا جائز ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح نماز کے دوران لالٹین جلانا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

حدیث میں ہے کہ کچی پیاز یا لہسن کھانے والا مسجد کے قریب نہ آئے، اور مٹی کے تیل کی بو تو ان چیزوں سے بدرجہا بڑھ کر ہے، لہٰذا اسے مسجد میں جلانا جائز نہیں۔
واللہ تعالیٰ اعلم
۲۷ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا :

سوال : ایک مسجد وسط محلہ میں واقع ہے، پانی کی بڑی دقت ہے، نمازیوں کو نماز ادا کرنے میں بھی دشواری کا سامنا ہے، دریں حالات اس مسجد کو یہاں سے ہٹا کر ایسی جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے جس میں اس قسم کی دشواریاں نہ ہوں اور نماز بسہولت ادا کی جاسکے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مسجد کو کسی حال میں بھی منتقل کرنا جائز نہیں، جو جگہ ایک بار مسجد بن گئی وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، بالفرض مسجد ویران ہوجائے اور کوئی نماز پڑھنے والا بھی وہاں نہ رہے تو بھی اس کا ابقاء واجب ہے، البتہ ویران مسجد کے سامان پر خطرہ ہو تو اس کو دوسری قریب تر مسجد کی طرف منتقل کیا جاسکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم
۱۱ رجب سنہ ۸۹ھ

سوال مثل بالا :

سوال : ایک غیر مسلم کارخانہ دار نے کارخانہ میں مسجد تعمیر کرائی، مسلمان چھ، سات سال تک اس میں نمازیں ادا کرتے رہے، پھر غیر مسلم نے کارخانہ ایک مسلمان کے ہاتھ فروخت کر دیا، اس کے بعد بھی سات، آٹھ ماہ تک اس مسجد میں نماز باجماعت ادا ہوتی رہی، لیکن اب مسلمان کارخانہ دار کہتا ہے کہ میں مسجد یہاں سے ہٹا کر دوسرے کنارے پر بناؤں گا، اور یہاں ذاتی عمارت بنوانا چاہتا ہوں۔ کیا اسکا یہ اقدام درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

غیر مسلم اگر کار ثواب سمجھ کر وقف کرے تو اس کا وقف صحیح ہے، یہاں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس نے نیکی سمجھ کر ہی یہ مسجد تعمیر کروائی ہے، لہٰذا یہ مسجد شرعی مسجد بن گئی، اب مسلمان کارخانہ دار کا اسے ہٹانا جائز نہیں۔

اگر غیر مسلم کا وقف صحیح تسلیم نہ کیا جائے تو بھی مسلمان کارخانہ دار کے سامنے سات آٹھ ماہ مسلسل اس جگہ نماز باجماعت ہوتی رہی اور وہ خاموش رہا یہ خاموشی بھی دلیل رضا ہے، لہٰذا خود اس کی رضا سے بھی یہ شرعی مسجد قرار پائی، اب اسے ہٹانا جائز نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ رجمادی الثانیہ سنہ ۹۹ھ

مسجد میں چارپائی بچھانا :

سوال : فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا ہے کہ مسافر اور مقیم کو مسجد میں چارپائی بچھا کر سونا جائز ہے، اس مسئلہ کو دیکھ کر کچھ الجھن پیدا ہو گئی کہ مقیم کو تو مسجد میں سونا جائز نہیں، اس کی تشریح فرما دی جائے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

فتاویٰ رشیدیہ میں اس سوال کے جواب میں صرف اتنا ہے کہ چارپائی مسجد میں بچھانا درست ہے، مگر نیچے حاشیہ میں مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معتکف کے لئے ہے، ونصہ :

جائز ست چہ برائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در مسجد سریرے نہادہ شدے وبرآں

در ایام اعتکاف آرام می فرمودند کما فی سفر السعادۃ، و ابن ماجہ از ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کردہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اعتکف طرح لہ فراشہ او یوضع لہ سریرہ وراء اسطوانۃ التوبۃ واللہ اعلم (فتاوی رشیدیہ ص ۴۱۵)

بنص فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ غیر مسافر و معتکف کے لئے مسجد میں سونا مکروہ ہے، بحالت ضرورت شدیدہ یہ تدبیر اختیار کر سکتا ہے کہ پہلے بنیت اعتکاف داخل ہو کر کچھ عبادت کرے

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: واکل ونوم الا لمعتکف وغریب الخ

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ واکل ونوم) واذا اراد ذلک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر اللہ تعالیٰ بقدر ما نوی ویصلی ثم یفعل ماشاء فتاوی ہندیۃ (رد المحتار ص ۶۱۹ ج ۱)

دراصل ادب یا بے ادبی کا مدار عرف پر ہے، ہمارے عرف میں مسجد میں چارپائی بچھانا معیوب سمجھا جاتا ہے، نیز اس سے عوام کے قلوب سے مسجد کی وقعت نکل جائیگی۔ وہ چارپائی پر قیاس کرکے دوسرے ناجائز امور بھی مسجد میں شروع کر دیں گے، لہٰذا اب معتکف کے لئے بھی چارپائی بچھانا جائز نہیں، جیسے پہلے پاک جوتا پہن کر مسجد میں آنا اور نماز پڑھنا معیوب نہ سمجھا جاتا تھا، مگر ہمارے عرف میں اسے مسجد کی بے ادبی سمجھا جاتا ہے اگر کوئی پاک جوتا پہن کر مسجد میں آجائے تو عوام اُس پر ہنگامہ برپا کر دیں گے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ رجب سنہ ۸۹ھ

مسجد میں اگالدان رکھنا:

سوال: ایک آدمی بیمار ہے جو مسجد میں جھاڑو دیتا ہے، اس کو بلغم بہت آتا ہے اگر یہ شخص تھوکنے کے لئے ایک ڈبہ مسجد کے کسی گوشے میں رکھ دے اور بوقت ضرورت اس میں تھوکتا رہے، پھر اسے باہر پھینک دے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، وضوخانہ میں تھوک کر پانی بہائے، یہ مشکل ہو تو رومال وغیرہ میں بلغم نکالے اور اس کپڑے کی صفائی کا اہتمام رکھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ رجب سنہ ۸۹ھ

مسجد کی آمدن سے مسجد کی اشیاء خریدنا :

سوال : ایک صاحب کہتے ہیں کہ مسجد کی عام آمدن سے مسجد کے لئے چٹائی، لوٹا وغیرہ خریدنا جائز نہیں ہے اور حوالہ دیتے ہیں کہ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نفع المفتی میں ایسا ہی لکھا ہے، کیا ان کا یہ کہنا درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر چندہ دینے والوں کا اذن صراحۃً یا دلالۃً موجود ہے تو جائز ہے ورنہ ناجائز، نفع المفتی میں تلاش کرنے سے یہ مسئلہ نہیں ملا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷؍صفر سنہ ۹۰ھ

کافر کی زمین میں بلا اجازت مسجد بنانا :

سوال : ایک غیر مسلم کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے مسجد بنائی گئی، اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ جگہ مسجد نہیں، بدون اذن مالک اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

كذا فى الشامية قبيل باب الاذان،

اس لئے ایسی نماز کا اعادہ واجب ہے۔

قال العلامة المرغينانى رحمه الله تعالى فى مكروهات الصلوة : والصلوة جائزة فى جميع ذلك لاستجماع شرائطها وتعاد على وجه غير مكروه وهو الحكم فى كل صلوة اديت مع الكراهة (هداية ص ۱۴۳ ج ۱) والله تعالى اعلم

۲۴؍صفر سنہ ۹۱ھ

مسجد میں آتے جاتے سلام کہنا :

سوال : جب مسجد میں داخل ہوں یا مسجد سے نکلیں تو مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ لوگ اس وقت عموماً ذکر و تسبیح یا نماز میں مشغول ہوتے ہیں، البتہ ایک آدھ آدمی فارغ بھی بیٹھا ہوتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مسجد میں آنے والے لوگ مختلف عبادات میں مشغول ہوتے ہیں اس لئے انکو

سلام کہنا جائز نہیں اور ایسے سلام کا جواب بھی واجب نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ معزیا للحموی یأثم بالسلام علی المشغولین بالخطبۃ او الصلوٰۃ او قراءۃ القرآن او مذاکرۃ العلم الخ

ونقل عن الزیلعی: ولو سلم علیہم لایجب علیہم الرد لانہ فی غیر محلہ اھ

(رد المحتار ص ۵۷۸ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۱ھ

مسجد میں وضوء کرنا:

سوال: ایک مسجد کا صحن توڑ کر از سر نو بنایا جا رہا ہے، اس میں بھراؤ کر کے اسے نئے سرے سے پختہ کیا جائے گا، دریں حالت اس صحن میں وضوء کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس صحن پر جوتوں کے ساتھ چلنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ دوسری جگہ وضوء کے لئے نہ ہو اور اس کی کچی زمین میں پانی جذب ہو جاتا ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مسجد میں وضو کرنا جائز نہیں کیونکہ وضو کا پانی ایک روایت پر نجس ہے، اور مفتی بہ قول پر اگرچہ نجس نہیں مگر خبیث ضرور ہے، علاوہ ازیں بوقت وضو لوگ لعاب، بلغم اور ناک کی رطوبت پھینکیں گے، منڈیر پر اس طرح بیٹھ کر وضو کر سکتے ہیں کہ پانی باہر گرے جوتا پہن کر جانا بوقت ضرورت جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ صفر سنہ ۹۲ھ

مسجد کے قرآن طلبہ کو دینا:

سوال: آجکل مساجد میں لوگ عموماً بلا اجازت قرآن مجید اتنی کثرت سے رکھ جاتے ہیں کہ قرآن مجید کے ڈھیر لگ جاتے ہیں جو یونہی مدتوں رکھے رہتے ہیں، انھیں نہ کوئی اُٹھاتا ہے نہ تلاوت کرتا ہے، بالآخر بوسیدہ ہو جانے کے بعد ان کو دفن کرنا پڑتا ہے۔ اگر یہ قرآن مجید ان نادار بچوں کو دیدیئے جائیں جو مکتب یا مدرسہ میں پڑھتے ہیں تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

کسی کی ملک میں دینا جائز نہیں، نہ ہی مدرسہ میں دیئے جا سکتے ہیں، البتہ بحالت

استغناء دوسری قریب تر مسجد کی طرف منتقل کرنے کی اجازت ہے۔

اگر مسجد سے باہر یہ تختی لگادی جائے کہ یہاں قرآن مجید بلا اجازت رکھنا ممنوع ہے کوئی رکھے گا تو وہ مدرسہ میں یا کسی مسکین کو دیدیا جائے گا، پھر بھی کوئی رکھ جائے تو منتظم کو مدرسہ میں یا کسی مسکین کو دینے کا اختیار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ رصفر سنہ ۹۲ھ

پرانی مسجد کو مکتب بنانا:

سوال: پرانی مسجد کو مکتب بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

مسجد جب ایک بار بن گئی تو وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، خواہ لوگ اس میں نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں، لہٰذا اس کو مکتب بنانا جائز نہیں، البتہ اسکی مسجدیت اور ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں دین کی تعلیم دینا ان شرائط سے جائز ہے:

(۱) معلم اجرت لیکر نہ پڑھائے، بقدر ضرورت وظیفہ لے سکتا ہے۔

(۲) چھوٹے بے سمجھ بچوں کو مسجد میں نہ آنے دیا جائے۔

(۳) مسجد کے احکام اور ادب و احترام کا پورا اہتمام رکھا جائے۔

قال فی التنویر: ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجدًا۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد اٰخر سواء کانوا یصلّون فیه اولا وهو الفتوی حاوی القدسی واکثر المشائخ علیه مجتبی وهو الاوجه فتح اھ بحر (ردالمحتار ص ۳۸۲ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۶ رجمادی الآخرة سنہ ۹۲ھ

مسجد میں دنیوی باتیں کرنا:

سوال: مسجد میں دنیوی باتیں کرنا کیسا ہے؟ نیز دنیوی علم حاصل کرنے کیلئے مسجد میں بیٹھ کر مطالعہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مسجد محض عبادت الٰہیہ کے لئے ہے، اس میں کوئی دنیوی کام کرنا اور بلا ضرورت دنیوی باتیں کرنا یا فضول بات چیت کرنا مسجد کی سخت بے حرمتی ہے، اس لئے ناجائز ہے

البتہ بقدر ضرورت معمولی بات کرنے کی گنجائش ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ جمادی الآخرة سنہ ۹۲ھ

مسجد میں افطار کرنا :

سوال : رمضان میں روزہ داروں کو مسجد میں بیٹھ کر افطار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

آجکل جس طرح مساجد کے اندر افطار کرنے کا دستور ہے اس میں مسجد کی تلویث اور بے حرمتی ہوتی ہے لہذا یہ جائز نہیں، مسجد کی منتظمہ پر ضروری ہے کہ اذان کے بعد اتنا وقفہ دے کہ محلہ کے نمازی گھروں میں اطمینان سے افطار کر کے مسجد میں پہنچ سکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ رجب سنہ ۹۲ھ

مسجد میں جگہ روکنا :

سوال : کیا مسجد میں رومال یا ٹوپی رکھنے سے اس جگہ کا آدمی مستحق ہو جاتا ہے؟ اور کسی دوسرے شخص کو وہاں بیٹھنا جائز نہیں ہوتا؟ مؤذن کے لئے عموماً جگہ روک کر امام کے پیچھے الگ مصلّی بچھایا جاتا ہے اور اس جگہ کسی دوسرے شخص کو بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر کوئی شخص مسجد میں کسی جگہ کچھ دیر عبادت کرے پھر کسی ضرورت سے تھوڑی دیر کے لئے جانا چاہے اور رومال وغیرہ رکھ کر جگہ روک لے تو جائز ہے، کسی جگہ کچھ وقت ٹھہرے بغیر صرف رومال رکھ جانے سے اس جگہ کا مستحق نہیں ٹھہرتا۔

یہی حکم مؤذن کے لئے ہے اسکے لئے جگہ مخصوص کرنے اور الگ مصلّی بچھانے کی رسم صحیح نہیں، مسجد میں پہلے پہنچ کر جو شخص جس جگہ بیٹھ جائے وہی حقدار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۹ رمضان سنہ ۹۲ھ

مسجد میں بلند آواز سے تلاوت کرنا :

سوال : بعد نماز فجر تا وقت نماز اشراق نمازیوں کی آمد اور نماز کا سلسلہ جاری

رہتا ہے، اس اثناء میں کسی کو بلند آواز سے مسجد کے اندر قرآن شریف کی تلاوت کی اجازت ہے یا نہیں؟ جبکہ تلاوت کی آواز سے نمازیوں کو تشویش لاحق ہوتی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی حالت میں نماز میں مخل ہونے کی وجہ سے بلند آواز سے تلاوت جائز نہیں۔

نیز ایک قول کے مطابق قرآن کا سننا بہرحال واجب ہے اور حالت نماز میں سننا ممکن نہیں، لہٰذا قاری گنہگار ہوگا۔

قال فی العلائیۃ: (فروع) یجب الاستماع للقراءۃ مطلقا لان العبرۃ لعموم اللفظ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ای فی الصلوٰۃ وخارجھا لان الآیۃ وان کانت واردۃ فی الصلوٰۃ علی ما مرّ فالعبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب۔

وقال بعد سطرین: وفی الفتح عن الخلاصۃ رجل یکتب الفقہ وبجنبہ رجل یقرأ القرآن فلا یمکنہ استماع القرآن فالاثم علی القاری (رد المحتار ص ۵۰۹ ج ۱)

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ جمادی الآخرۃ سنہ ۱۳۹۳ھ

تنخواہ دار مدرس کا مسجد میں پڑھانا:

سوال: جو مدرسین تنخواہ پر قرآن مجید یا عربی کتابوں کا درس دیتے ہیں کیا انکو کسی مسجد کے اندر درس دینا درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تنخواہ دار مدرس کا مسجد میں پڑھانا جائز نہیں،

صرح بہ فی الھندیۃ۔

وفی العلائیۃ: ویمنع منہ وکذا کل مؤذ ولو بلسانہ وکل عقد الا لمعتکف بشرطہ (رد المحتار ص ۶۱۹ ج ۱)

اگر مسجد سے باہر کوئی جگہ نہ ہو تو مسجد میں پڑھانا بشرائط ذیل جائز ہے:

(۱) مدرس تنخواہ کی ہوس کی بجائے گزر اوقات کے لئے بقدر ضرورت وظیفہ پر

اکتفا کرے۔

(۲) نماز اور ذکر و تلاوت قرآن وغیرہ عبادات میں مخل نہو۔

(۳) مسجد کی طہارت و نظافت اور ادب و احترام کا پورا خیال رکھا جائے۔

(۴) کمسن اور ناسمجھ بچوں کو مسجد میں نہ لایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ جمادی الآخرۃ سنہ ۱۳۹۳ھ

مسجد کے حجرہ میں انگریزی پڑھنا:

سوال: مسجد میں مؤذن کو رہائش کے لئے کمرا دیا گیا ہے وہ اس میں انگریزی تعلیم کسی استاذ سے پڑھتا ہے اور بجلی بھی استعمال کرتا ہے، یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر انگریزی پڑھنے کی وجہ سے بجلی کے مصارف عام دنوں سے زائد نہ ہوتے ہوں تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ جمادی الثانیۃ سنہ ۱۳۹۳ھ

مسجد کی دیوار پر نقش و نگار کرنا:

سوال: مسجد کی آمدن سے اس کی زیب و زینت نقش و نگار گنبد اور برجیاں وغیرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد کی بیرونی دیواروں پر نقش و نگار جائز ہے۔ اندر کے حصے میں محراب اور قبلہ کی دیوار پر نقش و نگار مکروہ ہے اور دائیں بائیں کی دیواروں کے متعلق بھی ایک قول کراہت کا ہے۔ بہرکیف اندر کے حصے میں عقبی حصے پر اور چھت پر نقش و نگار درست ہے، سامنے کی دیوار اور دائیں بائیں کی دیواروں پر بھی اگر اسقدر اوپر کر کے نقش و نگار کیا جائے کہ نمازی کی نظر وہاں نہ پڑے تو جائز ہے۔ مگر اسمیں ان شرائط کی رعایت ضروری ہے:

(۱) اس میں بہت زیادہ تکلف نہ کیا جائے۔

(۲) وقف کا مال نہ لگایا جائے، اگر لگا دیا تو متولی ضامن ہو گا۔

ان شرائط سے بھی یہ کام صرف جائز ہے مسنون یا مستحب نہیں، اس کی بجائے یہ

پیسہ مساکین پر صرف کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

فی حظر الهندیة عن المضمرات والصرف الی الفقراء افضل وعلیه الفتوی اھ (ردالمحتار ص ٦١٦ ج ١) واللہ تعالیٰ اعلم

٢٧ ربیع الاول سنہ ۱۳۹۴ھ

مسجد کے لئے قادیانی سے چندہ لینا:

سوال: تعمیر مسجد کے لئے قادیانی سے چندہ وصول کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قطعاً حرام ہے، قادیانی زندیق ہیں، اس لئے ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معاملہ جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

٢٧ رجب سنہ ۱۳۹۵ھ

مسجد کی زمین پر ذاتی مکان بنانا:

سوال: ایک مسجد کی غیر آباد زمین پر زید ایک مکان مسجد کے لئے تعمیر کرنا چاہتا ہے اور اس مکان کے عوض اسی زمین پر اپنے لئے ایک مکان مزید تعمیر کرنا چاہتا ہے، کیا یہ فعل جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مسجد کی زمین پر اپنا مکان تعمیر کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

٦ ذی قعدہ سنہ ۱۳۹۵ھ

مسجد میں سوال کرنا:

سوال: بسا اوقات مسجد میں سلام پھیرنے کے بعد فوراً کوئی سائل سوال کرتا ہے جس سے دعا میں خلل آتا ہے، کیا اس کو روکنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جس شخص کے پاس ایک وقت کا کھانا ہو یا کمانے پر قدرت ہو اس کے لئے سوال کرنا اور اسے دینا حرام ہے، مسجد میں سوال کرنا یا سائل کو دینا دہرا گناہ ہے، لہٰذا مسجد میں سوال کرنے والے کو روکنا فرض ہے، باز نہ آئے تو مسجد سے نکال دیا جائے، مگر یہ حکم مسجد کے منتظمین یا ان لوگوں کے لئے ہے جو اس پر قادر ہوں، یہ

بھی ضروری ہے کہ تمام نمازیوں کے سامنے یہ مسئلہ کھول کر بیان کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۳۹۵ھ

پرانی عیدگاہ پر مدرسہ بنانا:

سوال: نئی عیدگاہ بننے کے بعد پرانی عیدگاہ بالکل ویران ہے، آیا اسے مفت یا قیمۃً خرید کر مدرسہ میں داخل کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں اختلاف ہے کہ عیدگاہ بحکم مسجد ہے یا نہیں، ایسی ضرورت کے موقع پر قول ثانی انسب ہے، اور وقف غیر مسجد کا بصورت تعطل استبدال باذن قاضی جائز ہے،

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: اعلم ان الاستبدال علی ثلاثۃ وجوہ الاول ان یشترطہ الواقف لنفسہ او لغیرہ او لنفسہ وغیرہ فالاستبدال فیہ جائز علی الصحیح وقیل اتفاقا والثانی ان لا یشترطہ سواء شرط عدمہ او سکت لکن صار بحیث لا ینتفع بہ بالکلیۃ بان لا یحصل منہ شیء اصلا او لا یفی بمؤنتہ فھو ایضا جائز علی الاصح اذا کان باذن القاضی ورأیہ المصلحۃ فیہ والثالث ان لا یشترطہ ایضا ولکن فیہ نفع فی الجملۃ وبدلہ خیر منہ ریعا ونفعا وھذا لا یجوز استبدالہ علی الاصح المختار کذا حررہ العلامۃ قنالی زادہ فی رسالتہ الموضوعۃ فی الاستبدال واطنب فیھا علیہ الاستدلال وھو مأخوذ من الفتح ایضا کما سنذکرہ عند قول الشارح لا یجوز استبدال العامر الا فی اربع ویأتی بقیۃ شروط الجواز الخ (رد المحتار ص ۳۹۹ ج ۳)

تحقیق مذکور کے مطابق معطل عیدگاہ کی جگہ مدرسہ بنانے کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس عیدگاہ کے عوض اس کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ قیمتی زمین کسی قریب تر شہر میں عیدگاہ کیلئے وقف کی جائے، یہ استبدال باذن قاضی ہو اور اس کے فقدان کی صورت میں باتفاق جماعت مسلمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۷ محرم سنہ ۹٦ھ

محراب وسط میں نہ ہو تو صفیں کیسے بنائیں؟:

سوال: ایک مسجد کا محراب قبلہ کی دیوار سے بالکل درمیان میں نہیں ہے بلکہ اس

کے ایک طرف چھ فٹ چار انچ زیادہ ہے، ظاہر ہے کہ اس سے صفوں میں فرق پڑتا ہے، اس صورت میں نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ محراب سہولت سے درست کیا جا سکتا ہو تو بہتر ہے ورنہ ویسے ہی رہنے دیا جائے، مگر امام کے لئے ضروری ہے کہ محراب چھوڑ کر وسط صف میں کھڑا ہو۔
واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ربیع الآخر سنہ ۱۳۹۶ھ

معتکف کا مسجد میں حجامت بنوانا:

سوال: معتکف کو مسجد میں حجامت بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے اور حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ بدون عوض کام کرتا ہے تو مسجد کے اندر جائز ہے اور اگر بالعوض کرتا ہے تو معتکف مسجد کے اندر رہے اور حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنائے، مسجد کے اندر اُجرت پر کام کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ذی قعدہ سنہ ۱۳۹۶ھ

مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا:

سوال: مسجد کی چھت پر جماعت کرانا کیسا ہے؟ اگر گرمی یا کسی اور عذر کی وجہ سے ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد کی چھت پر جماعت کرانا مکروہ ہے خواہ گرمی کی وجہ سے ہو یا کسی اور عذر سے، البتہ مسجد تنگ ہو تو زائد نمازی چھت پر جا سکتے ہیں۔

قال فی الھندیۃ: الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقہ الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورۃ کذا فی الغرائب (عالمگیریۃ ص ۳۲۲ ج ۵) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ شعبان سنہ ۹۷ھ

مسجد کے پنکھے امام کے مکان میں لگانا:

سوال: مسجد میں کسی صاحب نے دو پنکھے دیئے جن کو امام صاحب اور مؤذن کے رہائشی مکانوں میں لگا دیا گیا، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر مسجد کے اندر لگانے کے لئے پنکھے دیئے تھے تو انھیں مسجد سے باہر کسی کام میں لانا جائز نہیں اور اگر مطلق مسجد کے نام پر دیئے تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۸ رمضان سنہ ۹۷ھ

مسجد کی رقم تجارت میں لگانا:

سوال: زید متولّی نے بکر کو مسجد کی رقم مضاربت پر دیدی کہ جو نفع آئے وہ مسجد کے کام میں لگا دیا جائے کیا یہ شرعاً درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر نفع کی توقع غالب ہو تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ صفر سنہ ۹۸ھ

مسجد پر چوری کا گارڈر لگا دیا:

سوال: فرنگی حکومت کا گارڈر کسی شخص نے اس کے دورِ اقتدار میں چوری کیا تھا، اس کے فوت ہونے کے بعد اس کے وَرثہ نے اسے مسجد کی چھت پر ڈال دیا ہے، ایسی مسجد نماز جائز ہے یا نہیں؟

اور اگر بعینہ یہی صورت ریلوے لائن کے گارڈر میں پیش آئے تو کیا حکم ہے؟ یعنی حکومت برطانیہ کے وقت کسی نے ریلوے لائن کا گارڈر چوری کیا اس کے مرنے پر ورثہ نے اسے مسجد پر ڈال دیا تو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

کیا اس صورت میں یہ کہنا درست ہوگا کہ گارڈر تو چھت میں ہے، نیچے زمین پر تو اس کا کچھ اثر نہیں، لہٰذا اس مسجد میں نماز جائز ہے۔

اور کیا یہ تاویل بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ یہ گارڈر اب مالک تک واپس نہیں ہو سکتا کہ حکومت تبدیل ہو چکی ہے لہٰذا اب اگر گارڈر کسی فقیر کو ہبہ کر دیں اور وہ فقیر اسے مسجد میں لگا دے تو جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی مسجد میں نماز پڑھنا بلکہ اس کے مسقف حصہ میں داخل ہونا بھی جائز نہیں تقسیم ملک سے فرنگی حکومت کا مال فی ہو کر حکومت پاکستان کی ملک میں داخل ہوگیا، لہٰذا حکومت سے اجازت لینے کے بعد اس کا استعمال جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۳ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۸ھ

تعمیر مسجد کا چندہ غسل خانہ وغیرہ پر خرچ کرنا:

سوال: ایک مسجد زیر تعمیر ہے، اس کے لئے جو چندہ ہو رہا ہے اس سے مسجد کے لئے گودام یا امام و مؤذن کے لئے مکان یا مسجد کے لئے غسل خانے اور پیشاب خانے وغیرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غسلخانہ اور پیشاب خانہ مصالح مسجد میں سے نہیں بلکہ مسجد کے قریب بھی ان کی تعمیر مسجد کی بے حرمتی اور عبادت میں خلل کا موجب ہے اس لئے ان کی تعمیر پر مسجد کی رقم لگانا جائز نہیں، استنجاء خانے بھی درحقیقت پیشاب خانے ہی ہوتے ہیں، ان میں لوگ استنجاء کے بہانے پیشاب بلکہ پاخانہ تک کر دیتے ہیں اور ان کی بدبو مسجد تک پہنچتی رہتی ہے اس لئے ان کا بھی وہی حکم ہے جو پیشاب خانوں کا لکھا گیا،

البتہ باقی اشیاء مصالح مسجد میں داخل ہیں اس لئے ان پر مسجد کے چندہ کی رقم لگانا جائز ہے، ہاں اگر کوئی چندہ دیتے وقت یہ تصریح کر دے کہ اس کی رقم صرف مسجد ہی پر لگائی جائے تو اس کو دوسرے مصرف پر خرچ کرنا جائز نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲ شوال سنہ ۹۸ھ

نا اہل کو انتظامیہ کا صدر بنانا:

سوال: ایسے شخص کو مسجد کی منتظمہ کا صدر بنانا جائز ہے یا نہیں جو بجائے مسجد تھانہ کچہری میں آتا جاتا اور مقدمہ بازی میں الجھا رہتا ہے، نمازی اس کے ان اعمال سے بددل ہو رہے ہیں، نیز دینی مسائل اپنے اجتہاد سے گھڑ گھڑ کر بیان کرتا ہے، امام صاحب نے ماہ رمضان میں اعتکاف بیٹھنے کے فضائل بیان کئے، مگر مسجد کی انتظامیہ نے مسجد

میں اعتکاف کا کوئی انتظام نہیں کیا، یہ کہہ کر کہ یہ مسجد محلہ نہیں ہے۔ ایسے شخص کو مسجد کا عہدہ دار صدر یا سکریٹری مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟ عدالتی فیصلہ سے پہلے ہم شرعی حکم معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر عدالت میں اس کی آمد و رفت کسی ناجائز مقدمہ کی بناء پر ہے اور نمازیوں کی بددلی بھی اس کی بے دینی اور مسجد سے بے رغبتی کی بناء پر ہے تو ایسے شخص کو مسجد کی انتظامیہ کا صدر، ناظم بلکہ رکن بنانا بھی جائز نہیں، بن جانے کے بعد اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے ورنہ واجب العزل ہے۔

قال الله تعالیٰ: انما یعمر مساجد الله من اٰمن بالله والیوم الاٰخر واقام الصلوٰة واٰتی الزکوٰة ولم یخش الا الله الاٰیة۔ والله تعالیٰ اعلم

۱۳ محرم سنہ ۱۳۹۹ھ

عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا:

سوال: اس زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنا کیسا ہے؟ صحیح مسلم میں بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ کی باندیوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکو"۔ اس حدیث سے جواز معلوم ہوتا ہے، مگر آگے صحیح مسلم ہی میں بروایت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ممانعت و عدم جواز معلوم ہوتا ہے، ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کیسے دی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عورتوں کو مسجد میں جانا مکروہ تحریمی اور ممنوع ہے۔ دونوں حدیثوں میں تطبیق ظاہر ہے حدیث اول سے اباحت لعینہٖ ثابت ہوتی ہے اور حدیث ثانی سے حظر لغیرہٖ یعنی فساد زمانہ کی وجہ سے ممانعت ہے، جب دورِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہی عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع کیا گیا تو اس دورِ فتنہ و فساد میں اس کی اجازت کیونکر دی جا سکتی ہے۔
والله تعالیٰ اعلم

۷ ربیع الاول سنہ ۱۳۹۹ھ

متولی کو چندہ قبول نہ کرنیکا اختیار ہے:

سوال: ایک آدمی مسجد کی تعمیر میں اہل قریہ کے ساتھ مالی تعاون کرتا ہے، مگر اس سے چندہ لینے سے امن عامہ کے بگڑنے کا اندیشہ ہے، کیا اس سے چندہ لینے سے انکار کردینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مسجد کے متولی اور منتظم کو اختیار ہے کہ کسی کا چندہ کسی دینی مصلحت کے پیش نظر قبول نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۹۹ھ

مسجدیت کے لئے افراز طریق شرط نہیں:

سوال: ایک شخص نے اپنے کارخانہ میں مسجد تعمیر کی مگر اس کے لئے مستقل راستہ وقف نہ کیا۔ کیا یہ جگہ شرعی مسجد کہلائے گی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ مسئلہ حضرت امام اعظم اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مابین مختلف فیہا ہے، امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مستقل راستہ کی تعیین کئے بغیر وقف تام نہیں ہوتا، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں راستہ کا افراز صحت وقف کے لئے شرط نہیں، اس کے بغیر بھی وقف صحیح ہوجائے گا اور راستہ بدون تصریح از خود ثابت ہوجائے گا، چونکہ قضاء اور وقف میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول فتویٰ کیلئے متعین ہے اس لئے بدون افراز طریق بھی یہ جگہ شرعی مسجد ہوجائے گی۔

قال فی التنویر وشرحہ: ویزول ملکہ عن المسجد والمصلی بالفعل وبقولہ جعلتہ مسجدا عند الثانی وشرط محمد والامام الصلاۃ فیہ بجماعۃ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ بالفعل) لکن عندہ لابد من افرازہ بطریقہ ففی النہر عن القنیۃ جعل وسط دارہ مسجدا واذن للناس بالدخول والصلوۃ فیہ ان شرط معہ الطریق صار مسجدا فی قولہم جمیعا والا فلا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وقالا یصیر مسجدا ویصیر الطریق من حقہ من غیر شرط کما لو اٰجر ارضہ ولم یشترط الطریق اھ۔

وقال تحت (قولہ وشرط محمد الخ) وفی الدر المنتقی وقدم فی الدرر والوقایۃ وغیرھا قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی وعلمت ارجحیتہ فی الوقف والقضاء اھ (رد المحتار ص۳۸۱ ج۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ جمادی الآخرۃ سنہ ۱۳۹۹ھ

چندہ لانے والے کی اُجرت اسی چندہ سے:

سوال: کئی جگہ پر ایسا ہوتا ہے کہ مسجد کے چندہ کے لئے کسی آدمی کو مقرر کیا جاتا ہے پھر اسی چندہ میں سے مقررہ حصہ مثلاً چوتھائی، تہائی یا کچھ مقرر کئے بغیر حق الخدمۃ کے عنوان سے اسے کچھ دید یا جاتا ہے، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ بظاہر تو یہ ناجائز ہی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ چندہ دہندگان تو مسجد کی تعمیر و مرمت کے لئے ہی چندہ دیتے ہیں لہٰذا یہ اجرت یا حق الخدمۃ ان کی رضا و منشأ کے خلاف ہے، نیز حصہ مقرر کر کے دیا جائے تو یہ قفیز طحان کے مشابہ ہے جسے تمام کتب فقہ میں ناجائز لکھا ہے اس پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے۔

اور اگر چندہ مسجد کی تعمیر و مرمت کے لئے نہ ہو صرف مصالح مسجد کے لئے ہو تو یہ سفیر کی اُجرت مصالح میں داخل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

عالمگیریہ کتاب الوقف میں تصریح ہے کہ قیم مال مسجد کو مشرف پر خرچ نہیں کر سکتا، اسی طرح اگر قیم حساب کتاب سے عاجز ہو تو کاتب کی اجرت بھی مال مسجد سے لینا درست نہیں۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ چندہ کی اجرت بھی جائز نہیں، بینوا توجروا

الجواب باسم ملھم الصواب

مسجد کے لئے چندہ جمع کرنے کی اُجرت خواہ طے شدہ ہو یا حق الخدمۃ کے عنوان سے، بہرکیف وہ اجرت ہی ہے نام بدلنے سے حقیقت تو نہیں بدلتی۔

کما ورد فی الحدیث: انھم یسمون المحرمات بغیر اسمھا ویستحلونھا۔

بہرحال؛ حق الخدمۃ کے عنوان سے جو اُجرت دی جاتی ہے یہ جہالت اُجرت کی بنار پر اجارہ فاسدہ ہے اس لئے ناجائز ہے۔

اور اگر جمع کردہ چندہ میں سے اس کی اُجرت طے ہو تو یہ بھی جائز نہیں، اس لئے کہ اجیر قادر علی العمل نہیں۔

ہاں ! اگر مطلقاً اس کی تنخواہ مقرر کی جائے خواہ چندہ وصول ہو یا نہ ہو اور قلیل ہو یا کثیر تو یہ صورت جائز ہے ۔

عالمگیریہ کے جس جزئیہ کا سوال میں حوالہ دیا گیا ہے اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ وہ مال وقف لعمارۃ المسجد ہو۔

لیس للقیم ان یتخذ من الوقف علی عمارۃ المسجد مشرفا من ذلک (ص ۴۶۲ ج ۲)

دوسرے جزئیہ میں بھی مال المسجد سے مراد یہی وقف لعمارۃ المسجد معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا چندہ وصول کرنے والے کی اُجرت اسی چندہ سے ادا کرنا جائز ہے بشرطیکہ اسی رقم میں سے کوئی حصہ مشروط نہ ہو، ورنہ یہ اجارہ فاسدہ ٹھیریگا، کما مرّ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۰ھ

مسجد کو تالا لگانا :

سوال : (۱) مسجد کو غیر اوقات نماز میں تالا لگانا جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) اگر دو فریقوں (مثلاً دیوبندی و بریلوی) کا جھگڑا ہو جائے تو اس خوف سے کہ جھگڑا مزید نہ بڑھ جائے حکومت یا انتظامیہ کا مسجد کو مقفل کر دینا جائز ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

(۱) اصل حکم تو یہ ہے کہ مسجد کو چوبیس گھنٹہ کھلا رکھا جائے تاکہ کوئی مسلمان کسی وقت بھی عبادت کے لئے آئے تو اسے دشواری نہو، مگر آجکل کھلا رکھنے میں کئی مفاسد ہیں مثلاً :

(۱) مسجد کا سامان چوری ہو جاتا ہے ۔

(۲) لوگ مسجد کا پانی بھر کرلے جاتے ہیں ۔

(۳) کئی بیکار لوگ مسجد میں آکر لیٹ جاتے ہیں اور پنکھے چلا کر کئی کئی گھنٹے پڑے رہتے ہیں ۔

(۴) کئی لوگ فارغ بیٹھ کر دُنیوی باتیں شروع کر دیتے ہیں ۔

ان مفاسد کا سدباب اس کے بغیر ممکن نہیں کہ نمازوں کے سوا بقیہ اوقات میں مسجد کو بند رکھا جائے ۔

(۲) بحالت اضطرار و مجبوری یہ اقدام جائز ہے، مگر ان حالات میں پورے محلہ کا فرض ہے کہ حالات کو معمول پر لا کر مسجد کو کھلوانے کی کوشش کریں، مسجد کا اس طرح ویران رہنا پوری آبادی کے لئے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۰ھ

مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان:

سوال: گمشدہ چیز کا اعلان مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس مسئلہ میں بعض علماء کو کچھ اشتباہات ہوئے ہیں اس لئے اسکی تفصیل لکھی جاتی ہے۔

گمشدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنیکی چار صورتیں ہیں:

(۱) مسجد سے باہر گم ہوئی ہو۔

(۲) مسجد سے باہر ملی ہو۔

(۳) مسجد میں گم ہوئی ہو۔

(۴) مسجد میں ملی ہو۔

نصوص المذاهب الاربعة

حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ:

(۱) قال الامام المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ: وینبغی ان یعرفها فی الموضع الذی اصابها وفی المجامع فان ذلك اقرب الی الوصول الی صاحبها (الهدایة ص۶۱۴ ج ۱)

(۲) قال الامام السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ: وجد رجل لقطة ایام الحج فسأل عنها عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما فقال عرفها فی الموسم (الی) وفی هذا دلیل علی انه ینبغی للملتقط ان یعرفها فی الموضع الذی اصابها فیه وان یعرفها فی مجمع الناس ولهذا امره بالتعریف فی الموسم وهذا لان المقصود ایصالها الی صاحبها وذلك بالتعریف فی مجمع الناس فی الموضع الذی اصابها حتی یتحدث الناس بذلك بینهم فیصل الخبر الی صاحبها (الی) وانه ینبغی ان یعرفها فی الموضع الذی وجدها لان صاحبها یطلبها فی ذلك الموضع (المبسوط ص۲ ج ۳)

③ قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ : (قولہ فی المجامع) ای مجمع الناس کالاسواق وابواب المساجد وفی الشامل والتعریف ان ینادی فی الاسواق والمساجد الخ (البنایۃ ص۹۲۷ ج ۲)

④ قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ : قال فی الجوھرۃ ثم التعریف انما یکون جھرا فی الاسواق وفی ابواب المساجد وفی الموضع الذی وجدھا فیہ وفی الجامع (البحر ص۱۵۲ ج ۵)

⑤ قال العلامۃ الحموی رحمہ اللہ تعالیٰ : ثم تعریف اللقطۃ ھو المناداۃ فی الاسواق والمساجد والشوارع لان المقصود من التعریف وصولہ الی المالک والتعریف فی ھذہ المواضع ابلغ (الاشباہ والنظائر ص۲۹۷ ج ۱)

⑥ قال العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ : (قولہ فی المجامع) ای مجامع الناس کالمساجد والاسواق والشوارع الا انہ ینادی علی ابواب المساجد لا فیھا (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر ص۵۱۰ ج ۲)

⑦ قال الشیخ الانور رحمہ اللہ تعالیٰ : واما انشاد الضالۃ فلہ صورتان احداھما ان ضل شیء فی خارج المسجد وینشدہ فی المسجد لاجتماع الناس فھو اقبح واشنع واما لو ضل فی المسجد فیجوز الانشاد بلا شغب۔

(العرف الشذی ص۱۶۲)

⑧ قال الشیخ محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ : واما مکانہ وھو الاسواق وابواب المساجد والجوامع فی الوقت الذی یجتمعون فیہ کادبار الصلوات فی المساجد وکذلک فی مجامع الناس لان المقصود اشاعۃ ذکرھا واظھارھا لیظھر علیھا صاحبھا فیجب تحری مجامع الناس ولا ینشدھا فی المسجد لان المسجد لم یبن لھذا (اوجز المسالک ص۲۹۸ ج ۱۳)

مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ :

⑨ فی المدونۃ الکبریٰ للامام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ : (قال) ما سمعت من مالک فیھا شیئا ولکنی اری ان تعرف فی الموضع الذی التقطت فیہ وحیث یظن ان صاحبھا ھنالک وحدیث عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

انہ قال لہ رجل نزلت منزل قوم بطریق الشام فوجدت صرۃ فیہ ثمانون درھما فذکرتھا لعمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال لہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرفھا علی ابواب المساجد فأری ان یعرف اللقطۃ من التقطھا علی ابواب المساجد و فی موضعھا وحیث یظن ان صاحبھا ھناک (المدونۃ الکبری ص۱۷۴ ج ۱۵)

(۱۰) قال امام المالکیۃ الشھیر بالحطاب رحمہ اللہ تعالیٰ: قال فی المدونۃ و تعرف اللقطۃ حیث وجدھا وعلی ابواب المساجد وحیث یظن ان ربھا ھناک اوخبرہ انتھی و فی سماع اشھب من کتاب اللقطۃ وسألتہ یعنی مالکا رحمہ اللہ تعالیٰ عن تعریف اللقطۃ فی المساجد فقال لا احب رفع الصوت فی المساجد وقد بلغنی ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ امر ان تعرف اللقطۃ علی ابواب المساجد واحب الی ان لا تعرف فی المساجد ولو مشی ھذا الی الخلق فی المساجد یخبرھم بالذی وجد ولا یرفع صوتہ لم أر بذلک بأسا اھ قال ابن الحاجب فی الجوامع والمساجد قال فی التوضیح ظاھرہ ان التعریف یکون فیھا ولعل ذلک مع خفض الصوت ویحتمل ان یکون علی حذف مضاف ای باب الجوامع والمساجد وھو احسن لانہ کذلک فی المدونۃ وغیرھا و للحدیث انتھی (المواھب الجلیل ص۷۳ ج ٦)

(۱۱) قال العلامۃ الخرشی رحمہ اللہ تعالیٰ: ان تعریف اللقطۃ انما یکون بالمواضع التی یظن بھا ویقصد ان یطلبھا اربابھا فیھا کابواب المساجد وما اشبہ ذلک واما داخل المسجد فانہ لا یعرفھا فیہ ویجب علی الملتقط ان یعرفھا الخ (الخرشی ص۱۲۵ ج ۷)

(۱۲) قال العلامۃ صالح عبد السمیع الأبی الأزھری رحمہ اللہ تعالیٰ: ویکون التعریف بمظان ای المواضع التی یظن ان صاحب اللقطۃ یطلبھا بھا کباب مسجد ومواضع العامۃ واجتماع الناس (جواھر الاکلیل ص۲۱۸ ج ۲)

(۱۳) قال خاتمۃ المحققین الشیخ محمد علیش رحمہ اللہ تعالیٰ: (کباب مسجد) فیھا یعرف اللقطۃ حیث وجدھا وعلی ابواب المساجد ابن القاسم یعرف حیث یعلم ان صاحبھا ھناک (الی ان قال) فقال ما احب رفع الصوت فی المساجد وانما امر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تعرف علی باب المسجد ولو مشی ھذا الذی

وجدها الی الخلق فی المسجد یخبرهم بها ولا یرفع صوته لم أر به بأسا وفی التمهید التعریف عند جماعة الفقهاء فیما علمت لا یکون الا فی الاسواق وابواب المساجد ومواضع العامة واجتماع الناس (شرح منح الجلیل ص۱۲۱ ج۴)

شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ :

(۱۴) قال العلامة القسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ : ویکون فی الاسواق ومجامع الناس وابواب المساجد عند خروجهم من الجماعة ونحوها لان ذلک اقرب الی وجود صاحبها لا فی المساجد کما لا تطلب اللقطة فیها، نعم یجوز تعریفها فی المسجد الحرام اعتبارا بالعرف ولانه مجمع الناس وقضیة التعلیل ان مسجد المدینة والاقصی کذلک وقضیة کلام النووی فی الروضة تحریم التعریف فی بقیة المساجد (الی ان قال) اما لو سأل الجماعة فی المسجد بدون ذلک فلا تحریم ولا کراهة و یجب التعریف فی محل اللقطة (شرح القسطلانی ص۲۴۰ ج۴)

(۱۵) قال العلامة الرملی الشهیر بالشافعی الصغیر رحمہ اللہ تعالیٰ : ثم یعرفها فی الاسواق وابواب المساجد عند خروج الناس منها لانه اقرب الی وجدانها ویکره تنزیها کما فی المجموع لا تحریما خلافا للجمع مع رفع الصوت بمسجد کانشادها فیه الا المسجد الحرام (نهایة المحتاج الی شرح المنهاج ص۴۳۷ ج۵)

حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ :

(۱۶) قال العلامة ابن قدامة رحمہ اللہ تعالیٰ : فی مکانه وهو الاسواق وابواب المساجد والجوامع فی الوقت الذی یجتمعون فیه کادبار الصلوات فی المساجد وکذلک فی مجامع الناس لان المقصود اشاعة ذکرها واظهارها لیظهر علیها صاحبها فیجب تحری مجامع الناس ولا ینشدها فی المسجد لان المسجد لم یبن لهذا وقد روی ابو هریرة رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه قال "من سمع رجلا ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لا ردها اللہ الیک فان المساجد لم تبن لهذا" وامر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه واجد اللقطة بتعریفها علی باب المسجد (المغنی ص۷۵ ج۶)

(۱۷) قال الامام برهان الدین ابراهیم بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ تحت

قول المقنع (بالنداء علیہ فی مجامع الناس کالاسواق وابواب المساجد فی اوقات الصلوات) وروی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ امر واجد اللقطۃ لتعریفھا علی ابواب المساجد وعلم منہ انہ لایفعل ذلک فی المسجد وان کان مجمع الناس بل یکرہ وفی عیون المسائل لایجوز (المبدع شرح المقنع ص۱۸۱ ج۵)

(۱۸) قال شیخ الاسلام موسی الحجاوی المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ: وتعریفہ علی الفور حیوانا کان اوغیرہ بالنداء علیہ بنفسہ او بنائبہ فی مجامع الناس کالاسواق والحمامات وابواب المساجد ادبار الصلوات ویکرہ فیھا ویکثر منہ فی موضع وجدانھا (الاقناع ص۴۰ ج۲)

(۱۹) وقال ایضاً (وطریقہ التعریف) ویکون التعریف بالنداء علیہ ای الملتقط بنفسہ ای الملتقط اوبنائبہ ویکون النداء فی مجامع الناس کالاسواق والحمامات وابواب المساجد ادبار الصلوات لان المقصود اشاعۃ ذکرھا ویکرہ النداء علیھا فیھا ای فی المساجد لحدیث أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا من سمع ینشد ضالۃ الخ والانشاد دون التعریف فھو اولی ویکثر منہ ای التعریف فی موضع وجدانھا لانہ مظنۃ طلبھا (کشاف القناع عن متن الاقناع ص۲۱۶ ج۴)

(۲۰) قال البھوتی رحمہ اللہ تعالیٰ: وانشاد الضالۃ ای تعریفھا ونشد انھا ای طلبھا ویسن لسامعہ ای سامع نشدان الضالۃ ان یقول لاوجدتھا ولا ردھا اللہ علیک لحدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لاردھا اللہ علیک ان المساجد لم تبن لھذا، رواہ مسلم (کشاف القناع ص۳۶۹ ج۲)

نصوص بالا سے پہلی اور دوسری صورت کا عدم جواز واضح ہے، تیسری اور چوتھی صورت کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نظر سے نہیں گزرا، مراجعہ کتب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ تعلیل "ان المساجد لم تبن لھذا" سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا اعلان بھی مسجد کے دروازہ پر کیا جائے۔

عبارات بالا میں سے جن میں اسواق و مجامع کے ساتھ مساجد کا ذکر ہے، ان سے جواز کا شبہہ ہوسکتا ہے لیکن یہ بوجوہ ذیل صحیح نہیں:

① یہ ممانعت کی دوسری عام تصریحات کے خلاف ہے۔

② بعض نے خود اس سے ابواب مساجد مراد ہونے کی تصریح فرمادی ہے جیساکہ "طحطاوی علی الدر" اور "اوجز المسالک" میں ہے۔

③ علامہ حطاب رحمہ اللہ تعالیٰ نے "توضیح" سے اس کی توجیہ یہ نقل فرمائی ہے کہ یہ عبارات حذف مضاف پر محمول ہیں اور اس سے ابواب مساجد ہی مراد ہیں۔

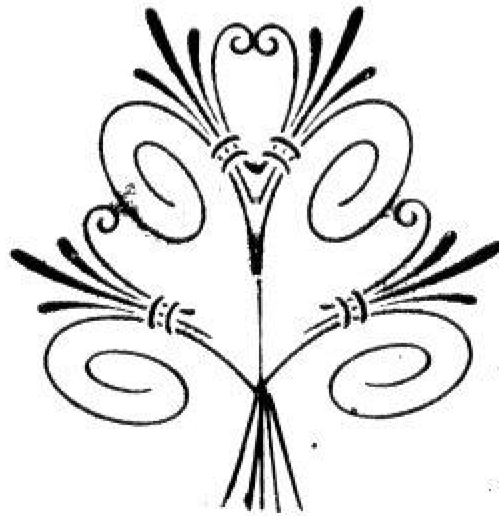
البتہ بدون اعلان انفراداً لوگوں سے پوچھنا یا وجدان لقطہ کی اطلاع دینا بلاشبہہ جائز ہے، کما مر عن مواهب الجليل نص الامام مالك رحمه الله تعالى وكذا عن شرح القسطلانی والعرف الشذی، ویسے بھی یہ دنیوی کلام کے زمرہ میں آتا ہے جو ضرورۃً مسجد میں جائز ہے۔

تنبیہ:

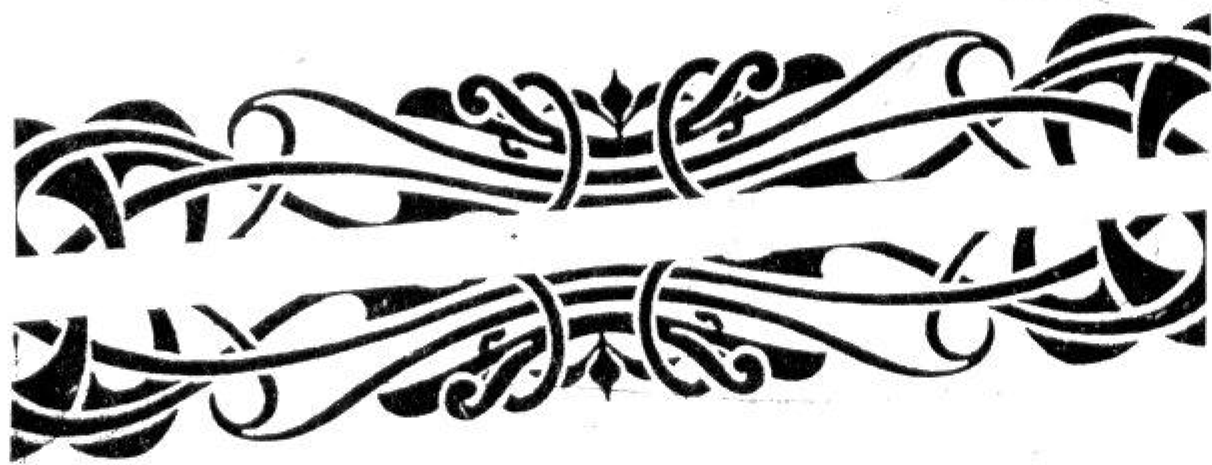
روایات مذکورہ میں سے بعض میں مساجد ثلاثہ میں ضرورۃً جواز انشاد تحریر ہے، مگر اب حکومت کی طرف سے معقول انتظام کی وجہ سے ضرورت نہیں رہی، لہٰذا ان میں بھی جائز نہیں۔

دوسری مساجد میں بھی ایسا ہی انتظام کرنا لازم ہے کہ گمشدہ چیز پہنچانے اور لینے کے لئے کوئی جگہ متعین کردی جائے، اس تدبیر سے مسجدیں ہر وقت اعلان پر اعلان کے شور و شغب سے محفوظ رہیں گی، چنانچہ پولیس تھانہ میں یونہی ہوتا ہے وہاں کوئی اعلان نہیں کیا جاتا، افسوس کہ آج کے مسلمانوں کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کے گھر کی عظمت پولیس تھانہ جیسی بھی نہ رہی، واللہ الهادی الی سبیل الرشاد

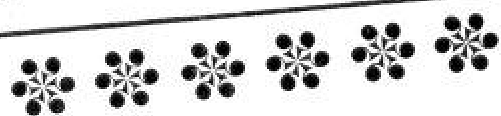
۱۹ صفر ۱۴۱۴ھ



کتاب البیوع



فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ یسبح لہ فیھا بالغدو والاصال ۝ رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ یخافون یوما تتقلب فیہ القلوب والابصار ۝ لیجزیھم اللہ احسن ما عملوا ویزیدھم من فضلہ واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب ۝ (۲۴: ۳۶ تا ۳۸)



کتاب البیوع

زمین اس طرح فروخت کی مشتری اسکے عوض بائع کو سرکاری زمین خرید کردے:

سوال: ایک شخص کی کچھ زمین ہے، اس نے دوسرے سے کہا کہ فلاں زمین سرکاری مجھے لے دو، اس کے مقابلہ میں اپنی زمین تجھے دوں یا دیدی، اس دوسرے شخص نے یہ بات قبول کرلی اور زمین سرکاری اسے لے دی۔ اس کے بعد ہر ایک شخص تبادلہ کی ہوئی زمین پر کئی سال تک قابض رہا۔ اب ان میں سے ایک سودے سے پھر گیا ہے۔ کیا یہ پھرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور بیع شرعاً جائز ہوئی یا نہیں؟ بیّنوا بالبرھان أجرکم الرحمٰن۔

الجواب ومنہ الصّدق والصواب

اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر لفظ "تجھے دوں" کہا تھا تو یہ بیع نہیں ہوئی، فقط وعدہ بیع ہے۔ جب اس نے یہ زمین خرید کر دوسرے کو دیدی اور اس کی زمین پر خود قبضہ کرلیا تو بیع بالتعاطی ہوگئی۔

قال فی التنویر: ویکون بقول او فعل (الی ان قال) اما الفعل فالتعاطی فی نفیس وخسیس (ردالمحتار ص ۵ ج ۴)

اور اگر "دیدی" کہا تھا تو یہ بیع باطل ہوئی، بعد میں تعاطی سے بھی صحیح نہ ہوگی۔

قال فی الشامیۃ: فی فصل فی الفضولی تحت (قولہ الا فی ھذہ الخمسۃ) قلت ویزاد ما فی جامع الفصولین باع ملک غیرہ فشراہ من مالکہ وسلم الی المشتری والبیع باطل لا فاسد وانما یجوز اذا تقدم سبب ملکہ علی بیعہ حتی ان الغاصب لو باع المغصوب ثم ضمنہ المالک جاز بیعہ اما لو شراہ الغاصب من مالکہ او وھبہ لہ او ورثہ منہ لاینفذ بیعہ قبلہ (الی قولہ) فھاتان مسألتان الخ (ردالمحتار ص ۱۵۳ ج ۴)

وقال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ فھاتان مسألتان الخ) فیہ ان ھاتین المسألتین لیستا مما نحن فیہ اذ ھو فی بطلان بیعہ ابتداءً والبطلان فیھما بطریق الطرو للبات علی الموقوف (التحریر المختار ص ۱۴۷ ج ۲)

وایضا فی الشامیۃ فی مطلب اذا طرأ ملک بات علی موقوف ابطلہ - واما عدم نفاذ البیع فلبطلانہ بالاجازۃ لانہ یثبت بھا الملک للمشتری باتا والملک البات اذا ورد علی الموقوف ابطلہ وکذا لو وھبہ مولاہ للغاصب او تصدق بہ علیہ او مات فورثہ فھذا کلہ یبطل الملک الموقوف واورد علیہ ان بیع الغاصب ینفذ باداء الضمان مع انہ طرأ ملک بات للغاصب علی ملک المشتری الموقوف واجیب بان ملک الغاصب ضروری ضرورۃ اداء الضمان فلم یظھر فی ابطال ملک المشتری بحر واجاب فی حواشی مسکین بان ھذا غیر وارد لان الاصل المذکور لیس علی اطلاقہ لما فی البزازیۃ عن القاعدی ونصہ الاصل ان من باشر عقدا فی ملک الغیر ثم ملکہ ینفذ لزوال المانع کالغاصب باع المغصوب ثم ملکہ وکذا لو باع ملک ابیہ ثم ورثہ نفذ وطرو البات انما یبطل الموقوف اذا حدث لغیر من باشر الموقوف کما اذا باع المالک ما باعہ الفضولی من غیر الفضولی ولو ممن اشتری من الفضولی اما ان باعہ من الفضولی فلا اھ (رد المحتار ص ۱۵۹ ج ۴)

وقال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ واجاب فی حواشی مسکین الخ) ما فی حواشی مسکین لا یوافق ما مشی علیہ فی الفصولین من التفصیل وھو جواز بیع الغاصب بالاجازۃ لہ وبتقدیم سبب ملکہ علی بیعہ وعدم جوازہ اذا تأخر ومقتضی ما فی حواشی مسکین ایضا جواز البیع الثانی باجازۃ المالک الاول لان البات حدث لمن باشر الثانی الذی ھو المشتری الاول ومخالف لما فی المصنف من عدم جواز الثانی باجازۃ الاول ومقتضاہ ایضا انہ لو ضمن الغاصب نفذ البیع الاول وھو موافق لما فی الفصولین ومخالف لکلام المصنف وانہ لو ضمن المشتری منہ ینفذ الثانی لطرو الملک البات لمباشرہ وھو غیر مسلم لمخالفتہ للمصنف فالظاھر الجواب الذی فی البحر العدم مخالفتہ ما فی المتون الخ (التحریر المختار ص ۱۴۹ ج ۲)

بیع باطل یا فاسد کے بعد تعاطی سے بیع صحیح نہیں ہوتی۔

قال فی العلائیۃ: وصرح فی البحر بان الایجاب والقبول بعد عقد فاسد لا ینعقد بھما البیع قبل متارکۃ الفاسد ففی بیع التعاطی بالاولیٰ۔

وفی الشامیۃ: (قولہ کما لو کان) ای البیع بالتعاطی بعد عقد فاسد وعبارۃ

الخلاصة اشتری رجل (الی قوله) لا یصیر هذا بیعًا بالتعاطی لانهما یسلمان بحکم ذلك البیع السابق وانه وقع باطلا اھ وعبارة البزازیة والتعاطی انما یکون بیعًا اذا لم یکن بناءً علی بیع فاسد او باطل سابق اما اذا کان بناءً علیه فلا اھ (رد المحتار ص ۱۲ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۳ رجب سنہ ۷۲ھ

احتکار کی تحقیق :

کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے۔

اس شرط پر زمین بیچی کہ مشتری کے نام انتقال تک پیداوار بائع لے گا :

سوال : شاہ محمد نے حاجی نور محمد کے پاس اس شرط پر چھ ایکڑ زمین فروخت کی کہ جب تک زمین کے انتقال کی منظوری نہ ملے اس وقت تک پیداوار کا حق دار شاہ محمد رہے گا۔ یہ بیع صحیح ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس صورت میں شرط فاسد لگانے کی وجہ سے بیع فاسد ہے۔

قال فی التنویر فی بیان البیع الفاسد: وبیع بشرط لا یقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لاحدهما او لمبیع من اهل الاستحقاق ولم یجر العرف به ولم یرد الشرع بجوازه کشرط ان یقطعه ویخیطه قباء او یستخدمه شهرا او یعتقه الخ

وفی الشامیة: (قوله مثال لما فیه نفع للبائع) ومنه ما لو شرط البائع ان یهبه المشتری شیئًا او یقرضه او یسکن الدار الخ (رد المحتار ص ۱۳۶ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۵ محرم سنہ ۷۳ھ

ٹھیکہ پر دی ہوئی زمین کی بیع موقوف ہے :

کتاب الاجارہ میں ہے۔

مکیلات و موزونات کی بیع بالجنس :

باب الربا والقمار میں ہے۔

آزاد عورت کا فروخت کرنا حرام ہے :

سوال : آجکل عموماً علاقہ سندھ میں عورتوں کو خرید کر نکاح کیا جاتا ہے۔ کیا شرعاً یہ خرید و فروخت درست ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

آزاد مرد اور عورت کی بیع ناجائز اور اس کے عوض کچھ حاصل کرنا حرام ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اللّٰہ ثلاثۃ انا خصمھم یوم القیامۃ رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرا فاکل ثمنہ ورجل استأجر اجیرا فاستوفی منہ ولم یعط اجرہ (بخاری)

وفی الشامیۃ: وشرط المعقود علیہ ستۃ کونہ موجودا مالا متقوما مملوکا فی نفسہ وکون الملک للبائع فیما یبیعہ لنفسہ وکونہ مقدور التسلیم فلم ینعقد بیع المعدوم ومالہ خطر العدم کالحمل واللبن فی الضرع والثمر قبل ظھورہ وھذا العبد فاذا ھو جاریۃ ولا بیع الحر والمدبر وام الولد والمکاتب ومعتق البعض الخ (رد المحتار ص ۶ ج ۴)

واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ ذی قعدہ سنہ ۷۳ھ

قبل الدباغ مردار کی کھال کی بیع باطل ہے:

سوال: مردار کی کھال اُتار کر رنگنے سے پہلے اس کا فروخت کرنا اور ثمن لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا من اللّٰہ العزیز۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

قبل الدبغ مردار کی کھال کا بیچنا جائز نہیں، یہ بیع باطل اور اس سے حاصل شدہ ثمن حرام ہے۔

قال فی شرح التنویر فی باب البیع الفاسد: وجلد میتۃ قبل الدبغ لو بالعرض ولو بالثمن فباطل الخ۔

وفی الشامیۃ: (قولہ لو بالعرض الخ) ای ان بیعہ فاسد لو بیع بالعرض وذکر فی شرح المجمع قولین فی فساد البیع وبطلانہ قلت وما ذکرہ الشارح من التفصیل یصلح توفیقا بین القولین لکنہ یتوقف علی ثبوت کونہ مالا فی الجملۃ کالخمر والمیتۃ لا بحتف انفھا مع ان الزیلعی علل عدم بیعہ بان نجاستہ من الرطوبۃ المتصلۃ بہ باصل الخلقۃ فصار فی حکم المیتۃ زاد فی الفتح فیکون نجس العین بخلاف الثوب او الدھن المتنجس حیث جاز بیعہ لعروض نجاسۃ وھذا یفید بطلان بیعہ مطلقا ولذا ذکر فی الشرنبلالیۃ عن البرھان ان الاظھر البطلان تأمل (رد المحتار ص ۱۲۷ ج ۴) واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۶ جمادی الآخرۃ سنہ ۷۴ھ

کنٹرولی نرخ سے زیادہ پر خرید و فروخت :

کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے۔

حرام مال سے خریدا ہوا سامان بھی حرام ہے :

کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے۔

تالاب میں مچھلی کی بیع جائز نہیں :

سوال : تالاب میں مچھلیوں کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر یہ تالاب شروع ہی سے مچھلی کے لئے طیار نہیں کیا گیا، یا مالک نے خود اس میں مچھلیاں نہیں چھوڑیں تو یہ مچھلیاں تالاب کے مالک کی ملک نہیں اور غیر مملوک کی بیع باطل ہے۔

اور اگر ابتداء ہی سے تالاب مچھلیاں پکڑنے کے لئے طیار کیا گیا ہے یا اس میں مچھلیاں خود مالک نے چھوڑی ہوں یا نہر وغیرہ سے مچھلیاں تالاب میں آئیں اور تالاب کے مالک نے پانی کا راستہ بند کرکے مچھلیاں تالاب میں محبوس کرلیں تو یہ مچھلیاں اس کی مملوک ہیں مگر غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ان کی بیع فاسد ہے، البتہ اگر تالاب اس قدر چھوٹا ہو کہ بدوں تکلیف وحیلہ اس سے مچھلیاں پکڑی جاسکتی ہوں اور مچھلیوں کی مقدار بھی معلوم ہو تو بیع درست ہے۔

قال فی شرح التنویر: وبیع ما لیس فی ملکہ لبطلان بیع المعدوم وما لہ خطر العدم لا بطریق السلم فانہ صحیح۔

وایضا فیہ: وفسد بیع سمك لم یصد (الی قولہ) اوصید ثم القی فی مکان لا یؤخذ منہ الا بحیلۃ للعجز عن التسلیم وان اخذ بدونہا صح ولہ خیار الرؤیۃ الا اذا دخل بنفسہ ولم یسد مدخلہ فلو سدہ ملکہ (الی قولہ) وبیع طیر فی الھواء لا یرجع بعد ارسالہ من یدہ اما قبل صیدہ فباطل اصلاً لعدم الملك۔

وفی الشامیۃ تحت (قولہ وفسد بیع سمك لم یصد الخ) وفیہ ان بیع ما لیس فی ملکہ باطل کما تقدم لانہ بیع المعدوم والمعدوم لیس بمال فینبغی ان یکون بیعہ باطلا۔

وایضا فیہا: (قولہ فلو سدہ ملکہ) ای فیصح بیعہ ان امکن اخذہ بلا حیلۃ والا فلا لعدم القدرۃ علی التسلیم والحاصل کما فی الفتح انہ اذا دخل السمك فی حظیرۃ فاما ان یعدھا لذلك اولا ففی الاول یملکہ ولیس لاحد اخذہ ثم ان امکن

اخذہ بلاحیلۃ جاز بیعہ لانہ مملوک مقدور التسلیم والا لم یجز لعدم القدرۃ علی التسلیم وفی الثانی لایملکہ فلا یجوز بیعہ لعدم الملک الا ان یسد الحظیرۃ اذا دخل فحینئذ یملکہ ثم ان امکن اخذہ بلاحیلۃ جاز بیعہ والا فلا وان لم یعدھا لذلک لکنہ اخذہ وارسلہ فیھا ملکہ فان امکن اخذہ بلاحیلۃ جاز بیعہ لانہ مقدور التسلیم او بحیلۃ لم یجز لانہ وان کان مملوکا فلیس مقدور التسلیم اھ (رد المحتار ص۱۱۸ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۳ جمادی الاولی سنہ ۷۵ھ

مسلم فیہ دینے سے عجز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے بیع سلم ایک روپیہ فی کاسہ کے حساب سے کی، اب وقت معین پر مبیع کے ادا کرنے پر بوجہ افلاس کے قادر نہیں، تو رب السلم اس سے دو روپے فی کاسہ ثمن وصول کرنا چاہتا ہے، کیا شرعاً اس کے لئے یہ فعل جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مدت معینہ تک اگر مسلم الیہ مسلم فیہ ادا نہ کر سکا تو اس کے عوض کوئی دوسری چیز لینا یا ثمن سے زیادہ لینا جائز نہیں، لہٰذا مشتری کو چاہیئے کہ یسر تک بائع کو مہلت دے یا اپنا ثمن واپس لے لے، بائع کی رضا سے بھی استبدال یا ثمن سے زائد لینا جائز نہیں۔

قال فی الھندیۃ: ولا یجوز الاستبدال بالمسلم فیہ (عالمگیریۃ ص۱۸۶ ج ۳)

وقال فی شرح التنویر: ولو انقطع بعد الاستحقاق خیر رب السلم بین انتظار وجودہ والفسخ واخذ رأس مالہ (رد المحتار ص ۲۳۸ ج ۴)

وایضاً فیہ: ولا یجوز التصرف للمسلم الیہ فی رأس المال ولا لرب السلم فی المسلم فیہ قبل قبضہ بنحو بیع وشرکۃ ومرابحۃ وتولیۃ ولو ممن علیہ (الی قولہ) لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام لا تأخذ الا سلمک او رأس مالک ای الا سلمک حال قیام العقد او رأس مالک حال انفساخہ فامتنع الاستبدال۔

وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وتقدم اول فصل التصرف فی المبیع ان بیع المنقول من بائعہ قبل قبضہ لا یصح ولا ینتقض بہ البیع الاول بخلاف ھبتہ منہ لانھا مجاز عن الاقالۃ (رد المحتار ص ۲۳۳ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۸ شوال سنہ ۷۳ھ

بیع سلم کی بعض شرائط :

سوال : ایک شخص نے اپنی فصل فروخت کی اس طور پر کہ اس سے جتنی گندم نکلے گی وہ ۲۰ بیس روپے من ہوگی، ثمن بروقت مشتری نے ادا نہیں کیا، آیا شرعاً یہ بیع درست ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ بیع سلم ہے جس میں بیع کی مقدار اور وقت ادا کا معین کرنا نیز کل ثمن کا مجلس عقد میں ادا کرنا شرط ہے، صورت سوال میں یہ تینوں شرائط مفقود ہیں، لہذا یہ بیع صحیح نہیں ہوئی، نیز بیع سلم میں مبیع کو خاص زمین اور فصل سے مقید کرنا جائز نہیں۔

قال فی التنویر: وشرطہ بیان جنس ونوع وصفۃ وقدر واجل واقلہ شھر (الی ان قال) وقبض رأس المال قبل الافتراق وھو شرط بقائہ علی الصحۃ لا شرط انعقادہ بوصفہا۔

وفی الشرح: فینعقد صحیحا ثم یبطل بالافتراق بلا قبض۔ (رد المحتار ص۲۳ ج۴)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۹ ذی قعدہ سنہ ۷۳ھ

مردار کی بدبودار ہڈی کی بیع جائز ہے :

سوال : مردار کی ہڈیوں کی بیع کرنا بالخصوص ایسی ہڈی جس میں تعفن اور بدبو ہو جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔

قال الامام قاضیخان رحمہ اللہ تعالی: وبیع جلود المیتۃ باطل اذا لم تکن مذبوحۃ او مدبوغۃ ویجوز بیع عظامھا وعصبھا وصوفھا وظلفھا وشعرھا وقرنھا (خانیۃ بھامش الھندیۃ ص۱۳۳ ج۲) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۳ ذی الحجہ سنہ ۸۷ھ

باغ پر پھل کی بیع بشرط وزن :

سوال : ہمارے علاقہ میں ایک مسئلہ علماء کے مابین متنازع فیہا بن چکا ہے،

فریقین کے دلائل پیش خدمت ہیں ملاحظہ فرماکر محاکمہ فرمائیں -

صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید کی ملک میں سیب کا باغ ہے، جب سیب ظاہر ہوتے ہیں تو وہ ان غیر پختہ سیبوں کی بیع عمرو کے ہاتھ اس طرح کرتا ہے کہ آپ فی من ایک سو روپے کے حساب سے یہ پورا باغ لے لیں، پکنے کے بعد میں تول کر پھل آپ کے حوالہ کردوں گا، عمرو قبول کرکے کچھ رقم اسی وقت زید کو دیدیتا ہے اور بقیہ رقم کا یہ طے ہوتا ہے کہ سیب تلنے کے بعد دی جائے گی -

بعض مقامی علماء اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ یہ بیع ان بیوع مندرجۂ ذیل کی طرح ہے جنھیں فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے -

رجل قال لغیرہ بعت منک عنب ھذا الکرم کل وقر بکذا قالوا ان کان وقر العنب معلوما عندھم والعنب جنس واحد ینبغی ان یجوز البیع فی وقر واحد عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وعند صاحبیہ رحمہما اللہ تعالیٰ یجوز البیع فی الکل وجعلوا ھٰذہ المسألۃ فرعا لرجل باع صبرۃ حنطۃ فقال بعت منک ھذہ الصبرۃ کل قفیز بدرھم، عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز فی قفیز واحد وعندھما یجوز فی الکل وان کان عنب الکرم اجناسا قالوا ینبغی ان لا یجوز البیع فی شیء فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وان کان الوقر معروفا وعندھما یجوز فی الکل کما لو قال بعت منک ھٰذا القطیع من الغنم کل شاۃ بکذا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ لا یجوز البیع اصلا وعندھما یجوز البیع فی الکل والفتوی علی قولھما (خانیۃ بھامش الھندیۃ ص۲۵۰ ج۲)

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس میں تسلیم مبیع کا وقت مجہول ہوتا ہے مگر یہ جہالت یسیرہ ہے -

دوسرے علماء اس کو بوجوہ ذیل بیع فاسد کہتے ہیں-

(۱) اسمیں مبیع کی مقدار مجہول ہے، معلوم نہیں کہ کتنا سیب پیدا ہو-

(۲) جہالت ثمن -

(۳) جہالت وقت تسلیم مبیع- اس لئے کہ موسم کے گرم اور سرد ہونے کے وجہ سے تسلیم مبیع میں پس و پیش بھی ہو سکتا ہے-

(۴) تبعیض ثمن -

⑤ تاجیل مبیع کی شرط اگرچہ وقت عقد میں ذکر نہیں کی گئی مگر ضمنا تاجیل مبیع اسمیں موجود ہے، اس لئے کہ جب تک سیب پختہ نہ ہو جائے تب تک نہ بائع کاٹنے کی اجازت دیتا ہے نہ مشتری کچھ سیب توڑتا ہے۔

⑥ ایک گونہ بیع الکالی بالکالی لازم آتی ہے، اس لئے کہ بقیہ ثمن اور مکمل مبیع تین چار مہینے کے بعد ہی ایک دوسرے کو تسلیم کرتے ہیں۔

⑦ مبیع مقدور التسلیم نہیں، ممکن ہے کہ کسی وقت ضائع ہو جائے۔

فریق اول کے دلائل کا فریق ثانی یہ جواب دیتا ہے کہ یہ سب صورتیں مجلس عقد کے ساتھ مقید ہیں یعنی اگر مجلس عقد میں بائع نے تمام صبرہ کو یا انگور کو تول کر دیدیا تو جائز ہے، وکذا فی نظائرھا۔

اگر مجلس عقد میں مبیع کو نہیں تولا تو ہم ان صورتوں کو بھی ناجائز سمجھتے ہیں اور یہاں تو مکمل مبیع تین چار مہینے کے بعد تولی جاتی ہے۔

مجلس عقد میں تعیین مبیع ضروری ہونے کے یہ دلائل ہیں:

① (ولهما ان هذه جهالة بيدهما ازالتها) بأن يكيله فى المجلس
(فتح القدير ص ۸۹ ج ۵)

② ومن باع صبرة طعام كل قفيز بدرهم الخ۔

اس کے تحت فتح القدیر میں لکھا ہے:

ولا جهالة فى القفيز فلزم فيه واذا زالت بالتسمية او الكيل فى المجلس يثبت الخيار كما اذا ارتفعت بعد العقد بالرؤية انما المؤثر فى الاصل ارتفاع الجهالة بعد لفظ العقد وكونه بالرؤية ملغى بخلاف ما اذا علم ذلك بعد المجلس لتقرر المفسد۔
(فتح القدير ص ۸۸ ج ۵)

اس میں مجلس عقد کے بعد مقدار مبیع کا معلوم ہونا غیر معتبر بلکہ مفسد عقد قرار دیا ہے۔

جانبین کے دلائل ملاحظہ فرما کر فیصلہ فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قائلین فساد عقد کا قول صحیح ہے، وجوہ فساد جو بیان کی گئی ہیں وہ بھی صحیح ہیں، البتہ تبعیض الثمن بمعنی تعجیل البعض و تاجیل البعض کو مفسدات میں شمار کرنا صحیح

نہیں، اسی طرح احتمال ہلاکت کی وجہ سے مبیع کو غیر مقدور التسلیم قرار دینا بھی درست نہیں، یہ احتمال تو ہر مبیع میں موجود ہے بالخصوص حیوان میں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۰ شعبان سنہ ۹۸ھ

باغ کے پھل کی بیع کی مختلف صورتیں:

سوال: باغوں کے پھلوں کی بیع کس صورت میں جائز ہے کس صورت میں ناجائز؟ مفصل جواب مرحمت فرمائیے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قال فی التنویر وشرحه: ومن باع ثمرة بارزة اما قبل الظهور فلا یصح اتفاقا ظهر صلاحها اولا صح فی الاصح ولو برز بعضها دون بعض لا یصح فی ظاهر المذهب وصححه السرخسی وافتی الحلوانی بالجواز لو الخارج اکثر زیلعی ویقطعها المشتری فی الحال جبرا علیه وان شرط ترکها علی الاشجار فسد البیع کشرط القطع علی البائع حاوی۔

وقیل قائله محمد رحمه الله تعالیٰ لا یفسد اذا تناهت الثمرة للتعارف فکان شرطا یقتضیه العقد وبه یفتی بحر عن الاسرار لکن فی القهستانی عن المضمرات انه علی قولهما الفتوی فتنبه۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: (قوله ظهر صلاحها اولا) قال فی الفتح لا خلاف فی عدم جواز بیع الثمار قبل ان تظهر ولا فی عدم جوازه بعد الظهور قبل بدو الصلاح بشرط الترک ولا فی جوازه قبل بدو الصلاح بشرط القطع فیما ینتفع به ولا فی الجواز بعد بدو الصلاح لکن بدو الصلاح عندنا ان تؤمن العاهة والفساد وعند الشافعی رحمه الله تعالیٰ هو ظهور النضج وبدو الحلاوة والخلاف انما هو فی بیعها قبل بدو الصلاح علی الخلاف فی معناه لا بشرط القطع فعند الشافعی ومالک واحمد رحمهم الله تعالیٰ لا یجوز وعندنا ان کان بحال لا ینتفع به فی الاکل ولا فی علف الدواب فیه خلاف بین المشایخ قیل لا یجوز ونسبه قاضیخان لعامة مشایخنا والصحیح انه یجوز لانه مال منتفع به فی ثانی الحال ان لم یکن منتفعا به فی الحال والحیلة فی جوازه باتفاق المشایخ ان یبیع الکمثری اول ما تخرج مع اوراق الشجر فیجوز فیها طبعا للاوراق کأنه ورق کله، وان کان بحیث

ینتفع بہ ولو علفا للدواب فالبیع جائز باتفاق اھل المذھب اذا باع بشرط القطع اومطلقًا اھ (قولہ لوالخارج اکثر) ذکر فی البحر عن الفتح ان مانقلہ شمس الائمۃ عن الامام الفضلی لم یقیدہ عنہ بکون الموجود وقت العقد اکثر بل قال عنہ اجعل الموجود اصلا ومایحدث بعد ذلک تبعا (قولہ ویقطعھا المشتری) ای اذا طلب البائع تفریغ ملکہ (قولہ وبہ یفتی) قال فی الفتح ویجوز عند محمد رحمہ اللہ تعالٰی استحسانا وھو قول الائمۃ الثلاثۃ رحمھم اللہ تعالٰی واختارہ الطحاوی لعموم البلوی۔ (قولہ فتنبہ) اشار بہ الی اختلاف التصحیح وتخییر المفتی فی الافتاء بایھما شاء لکن حیث کان قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی ھوالاستحسان یترجح علٰی قولھما تأمل (ردالمحتار ص۴۲ ج ۴)

اس تفصیل سے احکام ذیل معلوم ہوئے:

① جب تک پھول پھل کی صورت نہ اختیار کرلے اس کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالٰی نے بروز البعض کے بعد بیع کو ضرورۃ شدیدہ و ابتلاء عام کی وجہ سے ملحق بالسلم قرار دے کر جائز لکھا ہے، ہمارے زمانہ میں قبل البروز ہی بیع کا عام دستور ہے، وہی ضرورۃ شدیدہ وابتلاء عام یہاں بھی ہے جس کی وجہ سے الحاق بالسلم کیا گیا، فلیتأمل۔

② پھل آنے کے بعد انسان یا حیوان کے لئے قابل انتفاع بھی ہوگیا تو بالاتفاق بیع جائز ہے۔

③ حیوان کے لئے بھی قابل انتفاع نہیں ہوا تو اس کی بیع کے جواز میں اختلاف ہے، قول جواز راجح ہے۔

④ کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا تو اس میں بھی اختلاف ہے جواز راجح ہے۔

⑤ صحت بیع کے بعد بائع نے مشتری کو پھل درخت پر چھوڑنے کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت دیدی تو پھل حلال رہے گا۔

اس میں یہ شبہہ ہوسکتا ہے کہ آجکل پھلوں کے پکنے تک درخت پر چھوڑنا متعارف ہے تو "المعروف کالمشروط" کے تحت یہ بیع فاسد ہونا چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شرط ابقاء کے مفسد عقد ہونے کی علت افضاء الی المنازعۃ ہے اور تعامل ابقاء کی صورت میں احتمال منازعہ نہیں۔

وھذا ما صرحت بہ الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فی اجارۃ الصباغ وغیرھا من المسائل ویؤیدہ ما مرعن نص محمد رحمہ اللہ تعالیٰ بانہ لایفسد اذا تناھت الثمرۃ للتعارف الخ۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۰ ذی القعدہ سنہ ۱۳۸۸ھ

بیع الثمر قبل الظہور :

سوال : باغوں کے پھل کی بیع جبکہ بور میں پھل اس قدر نکلا ہو کہ کالی مرچ یا چنے کے برابر ہو تو اسے قابل انتفاع کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسے وقت اسکی بیع درست ہے یا نہیں؟ نیز بعض پھل یک لخت نہیں نکلتے، مثلاً کیلا تھوڑا تھوڑا نکلتا ہے، اسکی بیع کب درست ہوگی؟ اگر جائز نہیں ہے تو جواز کے لئے کوئی حیلہ کارگر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس سے قبل آنجناب سے استفتاء کیا گیا تھا مگر جواب مختصر ہونے کی وجہ سے خلجان دور نہ ہوا، مقامی علماء میں مسئلہ کے جواز و عدم جواز میں اختلاف چل رہا ہے، عنقریب فریقین کے دلائل آپکے پاس بھی آئیں گے، امید ہے کہ قدرے تفصیل سے بیان فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس معاملہ میں ابتلاء عام اور اس سے احتراز کے تعسر بلکہ تعذر کے پیش نظر اہل فتویٰ پر لازم ہے کہ اس کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرما کر اس کا کوئی حل نکالیں۔

بعض اہل تقویٰ آم سے پرہیز فرماتے ہیں مگر اس پرہیز سے عامۃ المسلمین کے لئے تو کیا سبیل نکلتی خود ان کے لئے بھی کارآمد نہیں، اس لئے کہ یہ معاملہ صرف آم کے ساتھ مخصوص نہیں کہ اس کے ترک سے تقویٰ محفوظ رہے بلکہ سب پھلوں کی بیع میں یہی دستور ہے بالخصوص کیلے کا مسئلہ تو اور بھی زیادہ کٹھن ہے، اس لئے کہ اس کے تو بہت سے پودے ہی بیع کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔

ایسی ضرورت شدیدہ کے مواقع میں عمل بالمرجوح بلکہ عمل بمذہب الغیر کی بھی گنجائش دی جاتی ہے، بلکہ بعض مواقع میں عمل بمذہب الغیر واجب ہو جاتا ہے، حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ایسے مواقع ضرورت کو کسی بعید سے بعید تاویل کے ذریعہ کسی کلیہ شرعیہ کے تحت لاکر گنجائش نکالنے کی کوشش فرماتے ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیع ثمار کی گنجائش نکالنے کی اہمیت و

ضرورت پر بہت زور دیا ہے اور طویل بحث فرمائی ہے، بالآخر اس کو بیع سلم سے ملحق قرار دے کر جواز کا فتویٰ تحریر فرمایا ہے۔

التحریر المختار میں علامہ رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تحقیق پر کوئی اعتراض نہیں کیا، مگر حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے امداد الفتاویٰ میں مندرجہ ذیل اشکالات تحریر فرمائے ہیں:

(۱) وقت عقد میں مسلم فیہ کا وجود ضروری ہے۔
(۲) مقدار ثمار متعین نہیں۔
(۳) کوئی اجل متعین نہیں۔
(۴) اجل پر مشتری بائع سے مطالبہ نہیں کرتا۔
(۵) اکثر ثمار عددی متقارب یا وزنی متماثل نہیں۔
(۶) اکثر پورا ثمن پیشگی یک مشت تسلیم نہیں کیا جاتا۔

اشکال اوّل کا جواب تو حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے خود ہی تحریر فرمادیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بوقت عقد مسلم فیہ کا وجود شرط نہیں۔

ثانی سے خامس تک کے اشکالات کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اشتراط امور مذکورہ کے مفسد ہونے کی علت جھالۃ مفضیۃ الی المنازعۃ ہے، مگر بسبب تعارف احتمال نزاع منقطع ہوگیا۔

فارتفع الفساد لارتفاع العلۃ کما قالوا فی اشتراط الاٰلۃ علی الاجیر والصبغ علی الصباغ والخیط علی الخیاط۔

اشکال سادس کا حل یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تاخیر الثمن بالاشتراط تین یوم تک اور بدون اشتراط زیادہ مدت تک بھی جائز ہے (بدایۃ المجتھد ص۲۰۲ ج۲، اقرب المسالک مع الشرح الصغیر ص۲۶۲ ج۳)

ائمۂ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر متفق ہیں کہ بوقت عقد وجود مسلم فیہ شرط نہیں، اسلئے مسئلہ زیر بحث میں قول مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اختیار کرنا چاہئے، للزوم التلفیق علی خلاف قول الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

متعاقدین بوقت ضرورت تین روز سے زائد شرط تاخیر ثمن کے فساد سے احتراز کی

یہ تدبیر کر سکتے ہیں کہ مشتری کل ثمن بروقت ادا کرنے پر قادر نہیں تو بائع ہی سے قرض لیکر اس کو بطور ثمن واپس کر دے۔

یہ تدبیر متعاقدین کے فائدہ کے لئے لکھدی ہے، ورنہ عوام پر یہ تجسس و تحقیق لازم نہیں بلکہ یہ تعمق جائز ہی نہیں کہ باغ کی بیع مطلق ہوئی ہے یا بشرط تاخیر ثمن؟ پھر شرط تاخیر تین روز تک ہے یا اس سے زائد؟

ہاں جہاں بدون تجسس تین روز سے زائد شرط تاخیر محقق ہو جائے یا اس کا دستور عام معروف ہو جائے وہاں احتراز لازم ہے۔

فائدہ:

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابتلاء عام و ضرورۃ شدیدہ کی وجہ سے الحاق بالسلم کی بحث بروز البعض کے بیان میں لکھی ہے مگر اس پوری بحث سے ظاہر ہے کہ قبل بروز الثمار بلکہ قبل بروز الازہار کا بھی یہی حکم ہے، جہاں اس میں ابتلاء عام کی وجہ سے ضرورۃ شدیدہ کا تحقق ہو جائے وہاں مذہب مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق اس کو بیع سلم میں داخل کر کے جائز قرار دیا جائے گا۔

غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کا حل خود فقہ حنفی میں موجود ہے لہٰذا دوسرے مذاہب کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ آم اور اس قسم کے دوسرے پھلوں کی بیع درختوں پر پھول آنے کے بعد ہوتی ہے، اگر بعض ثمر بھی ظاہر ہو چکا ہو تو کوئی اشکال ہی نہیں، اور اگر ثمر بالکل ظاہر نہ ہوا ہو تو یہ بیع الاثمار نہیں بلکہ بیع الازہار ہے، اور یہ ازہار مال متقوم منتفع بہ للدواب بل لبعض حاجات الناس بھی ہے، بالفرض فی الحال منتفع بہ نہ بھی ہو تو فی ثانی الحال منتفع بہ ہے، کما نقل العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن الامام ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فی صحۃ بیع الثمار بعد البروز قبل ان تکون منتفعا بہا (رد المحتار ص۳۸ ج ۴)

حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیع الثمر قبل انفراک الزہر کو بالاتفاق ناجائز قرار دیا ہے مگر خود بیع الزہر کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ البتہ بیع قبل ظہور الازہار کی صورت میں عمل بمذہب مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے سوا چارہ نہیں، اور یہ جب جائز ہوگا کہ اہل بصیرت اس میں ابتلاء عام اور ضرورۃ شدیدہ کا فیصلہ کر دیں۔

کیلے کے باغ کی بیع اس لئے جائز ہے کہ یہ بیع الاشجار مع الاصول ہوتی ہے، لہذا بیع کے بعد پیدا ہونے والے درخت مشتری کی ملک ہیں، اگر اس بیع میں مدت معینہ کے بعد ترک الاصول للبائع مشروط ہو تو یہ بیع فاسد ہوگی۔

وھو یثبت ملک المشتری بعد القبض فیحل اکلہ للمشتری الثانی۔

اس سے بھی بہتر حل یہ ہے کہ یہ بیع الاشجار بدون الاصول ہے، اشجار موجودہ کی بیع میں کوئی کلام نہیں اور اشجار غیر موجودہ کی بیع ببیع الاشجار الموجودہ درست ہے۔

ولہ نظائر فی کتب المذھب خصوصًا فی مبحث بیع الاثمار والازھار من رد المحتار۔

شبہہ: بعض الناس کو شبہہ ہوا ہے کہ بیع بشرط التبقیۃ فاسد ہے اور معاملہ معہودہ میں اگرچہ بیع مطلقًا ہے مگر عرفًا تبقیہ لازم ہے، والمعروف کالمشروط۔

جواب: بحث مذکور میں اس شبہہ کا جواب ہو چکا ہے، یعنی یہ شرط مفضی الی النزاع ہونے کی وجہ سے مفسد تھی، مگر عرف عام سے احتمال نزاع منقطع ہوگیا، فارتفع الفساد وانظر تفصیلہ فی اجارات کتب المذھب۔ فاغتنم ھذا التحریر الفرید وتشکروا ایاک والتعمق فی الدین واقتحام المضایق ولن یشاد الدین احد الا غلبہ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۳ ذوالحجہ سنہ ۹۹ھ

مثل سوال بالا:

سوال: علماء سندھ کے دو متضاد فتوے ارسال خدمت ہیں، فریقین نے اپنے اپنے موقف کے اثبات میں حنفیہ کی معروف ومتداول کتب بحر، عالمگیریہ، شامیہ وغیرہ سے استدلال کیا ہے، حضرت والا اپنی رائے عالی سے مطلع فرمائیں۔

دونوں فتاویٰ میں کیلے کے باغ کی بیع کے سلسلے میں حیلۂ جواز یہ تحریر کیا ہے کہ بوقت بیع اس زمین کو ٹھیکے پر لے لے، مگر آنجناب کے ایک فتویٰ میں جو ۹۷ھ میں دار الافتار سے جاری ہوا، جواز کے لئے یہ حیلہ لکھا گیا ہے کہ زمین کا وہ حصہ جس میں کیلا لگانا چاہتے ہیں چند سال کے لئے ٹھیکہ پر دے دیں۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ علماء سندھ کے فتویٰ میں بوقت بیع یہ حیلہ اختیار کرنے

کا حکم دیا گیا اور آپ کے فتویٰ میں کیلا لگانے سے پہلے۔ امید ہے کہ قول فیصل تحریر فرما کر تشفی فرمائیں گے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

مسئلہ زیر بحث سے متعلق بندہ نے ۲۳ ر ذوالحجہ ۹۹ھ میں ایک مفصل جواب لکھا تھا جس کی فوٹو کاپی ارسال ہے، مزید آپ کے مرسلہ فتاویٰ میں دو عبارتوں سے متعلق بحث تحریر کی جاتی ہے:

(۱) واما البیع مطلقا فذکر فی الهدایة جوازه واعترض ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ بان المعروف بالعرف کالمشروط بالشرط فلا یصح البیع مطلقا وکنت مترددا فی هذا حتی ان وجدت فی فتاوی ابن تیمیة عن ابی حنیفة والثوری رحمهما الله تعالیٰ انهما اجازا البیع مطلقا اذا اجاز البائع الترك علی الاشجار فاذن لما وجدت عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ فلا ابالی فالحاصل اذا لم یشترط الابقاء فی صلب العقد یصح البیع وان کان معروفا بالعرف هذا ما حصل لی والله اعلم وعلمه اتم (العرف الشذی ص۳۸۸)

اس سے استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ اس میں عرف سے کوئی تعرض نہیں، ظن غالب یہ ہے کہ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں یہ عرف نہیں تھا، اگر یہ عرف ہوتا تو صراحۃً اجازت بائع کی ضرورت نہ تھی، اس لئے کہ عرف کی وجہ سے دلالۃً اذن بائع موجود ہے، نیز بصورت وجود عرف امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی وضاحت منقول ہوتی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ایسا عرف نہیں تھا، معہذا کسی کو عدم عرف کے ثبوت میں کلام ہو تو کم از کم اسکا احتمال یقیناً ہے، فاذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

(۲) ولو اراد ان یترك فی الارض ویکون له الولایة الشرعیة فالحیلة ان یشتری الحشیش واشجار البطیخ ببعض الثمن ویستأجر الارض ببعض الثمن من صاحب الارض ایاما معلومة وینبغی ان یقدم بیع الاشجار والثمار والحشیش ویؤخر الاجارة فانه لو قدم الاجارة لا یجوز کذا فی مختار الفتاوی ولو باع اشجار البطاطیخ واعار الارض یجوز ایضا الا ان الاعارة لا تکون لازمة ویکون له ان یرجع کذا فی فتاویٰ قاضیخان (عالمگیریۃ ص۱۴۹ ج ۳)

اس میں یہ اشکال ہے کہ یہ صفقہ فی صفقہ ہے بوقت بیع شرط اجارہ کی خواہ تصریح نہو مگر جانبین میں معہود ہونے کی وجہ سے بمنزلۂ تصریح ہی ہے اور جب اسکا عرف ہوجائے تو "المعروف کالمشروط" مسلم ہے، اگر تعامل کو اس کا مخلص قرار دیا جائے تو پھر ایسے حیلوں کی حاجت ہی کیا ہے؟ تعامل کے پیش نظر یہ معاملہ بدون حیلہ ہی جائز ہے، کما حررنا مفصلاً۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۷ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۳ھ

بیع بشرط البراءۃ من کل عیب:

سوال: زید کے پاس ایک گابھن بھینس ہے، جو بچہ دینے کے بعد پانچ سیر دودھ دیتی ہے، اب زید اسے فروخت کرنا چاہتا ہے مگر دودھ دینے کی یہ مقدار اگر ظاہر کردے تو کوئی بیوپاری خریدنے پر آمادہ نہو گا، کیا یہ بات بتائے بغیر وہ اسے فروخت کرسکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

زید اگر بھینس بیچتے وقت خریدار سے یوں کہدے کہ میں اس کے ہر عیب سے بری ہوں، چاہو تو لے لو ورنہ چھوڑ دو، تو بیع صحیح ہوجائے گی اگرچہ وہ سب عیوب نہ گنائے، پھر کوئی عیب نکل آیا تو زید ذمہ دار نہ ہوگا۔

قال فی التنویر: وصح البیع بشرط البراءۃ من کل عیب وان لم یسم۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت هذا القول: بان قال بعتك هذا العبد علی انی بریء من کل عیب (رد المحتار ص۱۰۲ ج۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۶ شعبان سنہ ۸۷ھ

مبیع میں ظہور عیب:

سوال: ہمارے یہاں مویشیوں کے بیوپاری لوگوں کا دستور ہے کہ اگر بائع بوقت بیع اپنے جانور کا عیب ظاہر نہ کرے تو بعد میں عیب ظاہر ہوجانے پر مشتری اس مویشی کی رقم کم کرکے دیتا ہے، مثلاً بھینس کے ایک تھن میں اگر آدھا سیر دودھ کم ہو، یعنی اس کے چاروں تھن برابر نہ ہوں تو سو روپے قیمت میں سے کم کردیئے جائیں گے خواہ بائع اس پر راضی ہو یا نہو۔ اس طرح کم کرکے رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عیب پر مطلع ہونے کے بعد مشتری کو اختیار ہے چاہے تو کل ثمن کے بدلے اسکو رکھے اور چاہے تو واپس کردے، معیب جانور کو رکھ کر رجوع بالنقصان کرنا جائز نہیں البتہ اگر مشتری کے پاس آکر اس جانور میں کوئی نیا عیب بھی پیدا ہوگیا تو مشتری رجوع بالنقصان کرسکتا ہے، بائع کی رضا سے واپس بھی کرسکتا ہے۔ واپسی پر بائع کی رضا کے بعد مشتری مبیع کو رکھنا چاہے تو وہ رجوع بالنقصان نہیں کرسکتا۔

قال فی التنویر: من وجد بمشریہ ما ینقص الثمن اخذہ بکل الثمن اوردہ۔

(رد المحتار ص ۸۰ ج ۴)

وقال: حدث عیب اٰخر عند المشتری رجع بنقصانہ ولہ الرد برضا البائع۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: الا ان یرضی بالضرر فیخیر المشتری حینئذ بین الرد والامساک من غیر رجوع بنقصان (رد المحتار ص ۸۹ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۳ ر ذی الحجہ سنہ ۸۷ھ

مبیع کا عیب چھپانا حرام ہے:

سوال: زید ایک دکاندار ہے، اس کے ہاں ایک قسم گندم اکیس روپے من اور دوسری قسم انیس روپے من بکتی ہے، وہ دونوں قسم کی گندم ملاکر بیس روپے من فروخت کرتا ہے، اس کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ دونوں قسم کی گندم الگ الگ بھی رکھتا ہے، گویا اس کی دکان میں تین قسم کی گندم ہے، انیس روپے من، بیس روپے من، اور اکیس روپے من، خریدار کو تینوں قسمیں بتا دیتا ہے تاکہ اسے جو پسند آئے وہ لے لے اور دو قسم کی گندم ملاکر فروخت کرنے سے اس کا مقصد فریب دہی نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ انیس روپے والی گندم کا آٹا اتنا عمدہ نہیں ہوتا جتنا کہ دونوں قسموں کے مجموعہ کا ہوتا ہے، کیا اس کا یہ فعل درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے، اس لئے کہ دکاندار نے مبیع کا کوئی عیب نہیں چھپایا، عیب چھپانا حرام ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: لا یحل کتمان العیب فی مبیع اوثمن

لان الغش حرام ۱۵ (رد المحتار ص ۱۰۹ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳ ربیع الثانی سنہ ۸۹ھ

ظہور عیب پر مشتری کو خیار فسخ ہے :

سوال : زید نے اپنی ایک زمین جس پر کچھ تعمیر بھی تھی، عمرو کے ہاتھ اٹھارہ ہزار میں فروخت کی، طے یہ پایا کہ دس ہزار عمرو نقد ادا کرے اور آٹھ ہزار مدت معینہ کے بعد، چنانچہ زید نے چھ ہزار نقد وصول کر لئے اور بقیہ چار ہزار عمرو کے پاس امانت چھوڑ دیئے، چند دن گزرنے کے بعد زید کے ایک رشتہ دار بکر نے مذکورہ زمین کے ایک حصہ پر اپنی ملکیت کا دعویٰ دائر کر دیا، بعد ازاں زید نے مشتری عمرو سے اپنی رقم طلب کی تو اس نے جواب دیا کہ پہلے بکر سے تصفیہ کر لو ورنہ مجھے یہ جھگڑے کا سودا منظور نہیں، میری رقم لوٹا دو، بات یونہی چلتی رہی، اب کئی ماہ گزرنے پر معلوم ہوا کہ زید یہ زمین کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر رہا ہے، سوال یہ ہے کہ شرعاً اب یہ زمین کس کی ملک ہے؟ زید کی یا عمرو کی اور زید کا یہ تصرف درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مبیع میں نزاع کا وقوع عیب ہے، لہذا عمرو کے نامنظور کرنے سے یہ بیع فسخ ہوگئی۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۷ رجب سنہ ۹۸ھ

افیون کی کاشت وبیع جائز ہے :

سوال : افیون کی کاشت کرنا اور بیع کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

زمانِ سابق میں افیون تداوی میں بکثرت استعمال نہیں ہوتی تھی بلکہ عموماً تلہی کے طور پر استعمال کی جاتی تھی، اس لئے بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی بیع کو مکروہ تحریر فرمایا ہے، مگر آجکل افیون دواء کے طور پر کثرت سے استعمال ہونے لگی ہے اور علاج میں بڑی اہمیت اور شہرت حاصل کر چکی ہے بلکہ ضرورت شدیدہ کی حد

تک پہنچ گئی ہے، لہٰذا اس کی بیع بلا کراہت جائز ہے، البتہ جس شخص کے بارے میں ظن غالب ہو کہ وہ تلہی کے طور پر استعمال کریگا اس کے ہاتھ بیچنا مکروہ تحریمی ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۶ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۷ھ

سگریٹ کی تجارت جائز ہے:

سوال: سگریٹ کی تجارت جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۸ھ

بھینس کے نومولود بچہ کی بیع:

سوال: مواشی پالنے والے لوگوں کے ہاں عام دستور ہے کہ گائے یا بھینس کا بچہ پیدا ہوتے ہی قصاب کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں جس سے ان کا مقصد دودھ بچانا یا ان بچوں کی دیکھ بھال سے وقت بچانا ہوتا ہے، نتیجۃً یہ گائے بھینس بچوں کے فراق میں کئی کئی روز رانبھتی رہتی ہے، کیا ان لوگوں کا یہ طریقہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسا کرنا ظلم ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من فرق بین والدۃ وولدھا فرق اللہ بینہ وبین احبتہ یوم القیٰمۃ۔ (ترمذی، مستدرک)

وقال العلامۃ البابرتی رحمہ اللہ تعالیٰ: فلا یدخل محرم غیر قریب ولا قریب غیر محرم ولا ما لا محرمیۃ بینہما اصلا حتی لو کان احدھما اخا رضاعیا للاٰخر او کان امۃ والاٰخر ابنھا رضاعا او کان احدھما ولد عم او خال او کان احدھما زوج الاٰخر جاز التفریق بینھما لان النص النافی ورد بخلاف القیاس لان القیاس یقتضی جواز التفریق لوجود الملک المطلق للتصرف من الجمع والتفریق کما فی الکبیرین وکل ما ورد من النص بخلاف القیاس یقتصر علی مورده ومورده الوالدۃ وولدھا والاخوان (عنایۃ بھامش فتح القدیر ص۱۰۹ ج۶)

اگرچہ یہ حکم بنی آدم کے ساتھ مخصوص ہے اور حیوان کے بچے کی بیع واجب الرد نہیں مگر قباحت اور قساوت قلب سے خالی نہیں، عمر کی کوئی قید نہیں، جب تک سخت صدمہ کا احتمال ہو اس وقت تک نہ بیچنا چاہیے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۱ر شوال سنہ ۸۶ھ

جھینگے کی بیع جائز ہے:

سوال: ایک مسلمان کراچی میں لانچ کے ذریعہ مچھلیاں اور جھینگے پکڑ کر انکی تجارت کرتا ہے، کیا یہ تجارت جائز ہے؟ عموماً ان جھینگوں کا نیلام کراچی میں ہوتا ہے، اسکے بعد انھیں یورپ اور امریکہ وغیرہ برآمد کیا جاتا ہے، غالباً شوافع کے نزدیک تو کیکڑے جھینگے وغیرہ سب سمندری جانور حلال ہیں، تو کیا یہ تجارت جائز ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

چونکہ دوسرے ائمہ کے نزدیک جھینگا حلال ہے، اس لئے اسکی تجارت جائز ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۳ر شوال سنہ ۹۷ھ

بعض الحیوان کی بیع جائز ہے:

سوال: زید نے اپنی گائے کے چھ حصے چھ آدمیوں کے ہاتھ قربانی کے لئے فروخت کئے، ساتواں حصہ اپنے لئے رکھ لیا، کیا ان چھ حصوں کی بیع جائز ہے؟ ظاہر تو عدم جواز ہی ہے کہ یہ بعض حیوان کی بیع ہے، نیز زید کا اپنی شرکت کی شرط لگانا بھی مفسد بیع معلوم ہوتا ہے، بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بعض الحیوان کی بیع جائز ہے، ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں، لہذا ایسے جانور کی قربانی بلاکراہت جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ر ذوالحجہ سنہ ۹۴ھ

جانور کے مثانہ کی بیع:

سوال: حلال جانور کے پھکنے (جس میں پیشاب رہتا ہے) کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ رجب سنہ ۹۵ھ

زندہ مرغی کی بیع وزناً جائز ہے:

سوال: آجکل زندہ مرغی تول کر بیچی جاتی ہے، کیا یہ جائز ہے؟ جبکہ ہدایہ میں تصریح ہے:

ولا یمکن معرفۃ ثقلہ بالوزن لانہ یخفف نفسہ مرۃ ویثقل اخریٰ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم امکان معرفت وزن کی وجہ سے یہ بیع صحیح نہیں۔
بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

مرغی کے سانس کی وجہ سے اس کے وزن میں کوئی معتدبہ فرق نہیں آتا، لہذا یہ جہالت یسیرہ ہے جو مفضیۃ الی المنازعۃ نہیں، نیز مرغی کی اس طرح بیع کے عرف عام ہو جانے کی وجہ سے اس میں نزاع کا احتمال نہیں، اس لئے یہ بیع جائز ہے۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ صفر سنہ ۹۹ھ

مروجہ بیوع میں مشتری پر اعادۂ وزن کی تحقیق:

سوال: ایک دودھ والے سے ہمیشہ دودھ متعین مقدار میں لیا جاتا ہے، وہ دودھ از خود مکان پر دے جاتا ہے مگر ہمارے روبرو وزن نہیں کرتا بلکہ وزن کرکے لاتا ہے اور ہمارے برتن میں ڈال جاتا ہے، ہمیں اس کے وزن پر اعتماد ہے اس لئے ہم اس دودھ کو وزن نہیں کرتے۔ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بدوں وزن کئے اس دودھ کو استعمال میں لانا جائز نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب بائع مبیع کا وزن کرے تو اس موقع پر مشتری کا وجود ورؤیت شرط ہے یا اتنا بھی کافی ہے کہ وہ اپنا برتن چھوڑ جائے یا کسی کو اپنا وکیل بنا دے؟ آجکل کثرت مشاغل کی بناء پر شہری لوگوں نے یہ وطیرہ اختیار کیا ہے کہ دکاندار کو فون پر کہدیا کہ فلاں فلاں اشیاء اتنی اتنی مقدار میں تول کر رکھدو۔ پھر کسی ذریعے سے وہ

تلی ہوئی اشیاء منگواتے ہیں یا دوکاندار خود پہنچا دیتا ہے اور مشتری دوبارہ وزن کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ یہ طریقہ شرعاً درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ان دونوں صورتوں میں بیع بالتعاطی ہے اس لئے خریدار پر دوبارہ وزن کرنا ضروری نہیں، ان اشیاء کی قیمت اگرچہ بعد میں مہینہ گزرنے پر ادا کرتے ہوں تو بھی یہی حکم ہے، بالمشافہہ خرید و فروخت بھی عموماً بالتعاطی ہی ہوتی ہے۔

قال فی التنویر: اشتری مکیلاً بشرط الکیل حرم بیعه واکله حتی یکیله ومثله الموزون والمعدود غیر الدراهم والدنانیر۔

وفی الشرح: لجواز التصرف فیهما بعد القبض قبل الوزن کبیع التعاطی فانه لا یحتاج فی الموزونات الی وزن المشتری ثانیا لانه صار بیعًا بالقبض بعد الوزن قنیة وعلیه الفتوی خلاصة۔

وفی الحاشیة: (قوله کبیع التعاطی الخ) عبارة البحر وهذا کله فی غیر بیع التعاطی اما هو فقال فی القنیة ولا یحتاج الخ وظاهر قوله وهذا کله انه لا یتقید بالموزونات بل التعاطی فی المکیلات والمعدودات کذلک وهو مفاد التعلیل ایضا بأنه صار بیعا بالقبض فانه لا یخص الموزونات لکن فیه ان مقتضی هذا انه لا یصیر بیعا قبل القبض ولعله مبنی علی القول بأنه لابد فیه من القبض من الجانبین والاصح خلافه وعلیه فلو دفع الثمن ولم یقبض صح وقدمنا فی اول البیوع عن القنیة دفع الی بائع الحنطة خمسة دنانیر لیأخذ منه حنطة وقال له بکم تبیعها فقال مائة بدینار فسکت المشتری ثم طلب منه الحنطة لیأخذها فقال البائع غدًا ادفع لک ولم یجر بینهما بیع وذهب المشتری فجاء غدًا لیأخذ الحنطة وقد تغیر السعر فعلی البائع ان یدفعها بالسعر الاول اھ وتمامه هناک فتأمل (رد المحتار ص۱۸۴ ج ۴) واللّٰه سبحانه وتعالی اعلم۔

۱۲ صفر سنه ۱۳۹۸ھ

متعین وزن کے ڈبوں کی بیع:

سوال: بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ کسی نے کچھ اناج گھی، تیل وغیرہ کچھ نرخ

طے کر کے خریدا تو اس کی تین صورتیں ہیں:

① دکاندار نے خریدا یا اس کے بھیجے ہوئے آدمی کے سامنے تول کر دیا ہے۔

② خریدار یا اس کے بھیجے ہوئے آدمی کے سامنے نہیں تولا بلکہ خریدار یا اسکے آدمی سے یہ کہہ دیا کہ تم جاؤ ہم تول کر گھر بھیج دیتے ہیں۔

③ اس سے پہلے الگ تولا ہوا رکھا تھا، دکاندار نے اسی طرح اٹھا کر دیدیا پھر نہیں تولا۔

پہلی صورت میں گھر لا کر دوبارہ تولنا ضروری نہیں، بغیر تولے اس کا کھانا، پینا، بیچنا سب صحیح ہے۔

دوسری تیسری صورت میں جب تک خریدار خود نہ تول لے اس کا کھانا، پینا، بیچنا وغیرہ کچھ درست نہیں، اگر بے تولے بیچ دیا تو یہ بیع فاسد ہوگئی، پھر اگر تول بھی لیوے تب بھی یہ بیع درست نہیں ہوئی انتہی۔

آجکل متعدد چیزیں مختلف اوزان کے ڈبوں اور سیئے ہوئے پیکٹوں میں بند رکھی ہوتی ہیں، گاہک دوکاندار سے کہتا ہے کہ فلاں چیز ایک سیر دیدو، وہ ایک سیر کا ڈبہ یا پیکیٹ اٹھا کر دے دیتا ہے، نہ تو دوکاندار خود تول کر دیتا ہے اور نہ وہ۔

گاہک کو اس طرح ڈبوں اور پیکٹوں میں مال خریدنا اور بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بائع و مشتری دونوں کا مقصد وہ خاص ڈبہ اور لفافہ ہوتا ہے، اس پر لکھا ہوا وزن بیع میں مشروط نہیں ہوتا۔ اس لئے بدوں وزن کئے اس میں تصرف جائز ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۷ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۰ھ

برف کی بیع تخمینہ سے:

سوال: اگر کوئی شخص دوکاندار سے مثلاً برف ایک سیر مانگتا ہے جو آٹھ آنے سیر ملتی ہے، وہ دوکاندار کو آٹھ آنے دیتا ہے، دوکاندار بجائے تولنے کے اندازہ سے برف گاہک کو دیدیتا ہے، کیا یہ خرید و فروخت جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر برف بشرطِ وزن خریدی ہو تو بدوں وزن اس میں تصرف جائز نہیں، ایسی ضرورت کے وقت وزن سے قطع نظر برف کے ٹکڑے کی بیع کر لی جائے تو بدوں وزن تصرف جائز ہو جائے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۰ھ

عددی چیزوں کا انکی جنس سے مبادلہ:

سوال: چہ می فرمایند علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ شگوفہ درخت نرخرما را بعوض جنس خود قرض دادن جائز ست یا نہ؟

(۲) وایضا ہمیں شگوفہ را یعنی خوشہ خرما را بعوض خرما آجل یا عاجل بعدد یا بوزن معین دادن جائز ست یا نہ؟

(۳) بوتہ ہر درخت را بعوض بوتہ جنس خود یا بوتہ درخت دیگر دست بدست یا بقرض یا ببدل دادن جائز ست یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) ایں شگوفہ از اعداد متفاوتہ است لہٰذا استقراض جائز نیست۔

(۲) جائز ست زیرا کہ تبدیل خوشہ بغیر جنس ست۔

(۳) بوتہ ہر درخت بجنس خود ببیع عاجل دادن جائز ست، قرض جائز نیست

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۶ ربیع الآخر سنہ ۸۴ھ

مشتری نے مبیع لینے سے انکار کر دیا تو بیعانہ واپس کرنا ضروری ہے:

سوال: زید نے بکر سے دس ہزار کا پلاٹ خریدا، سودا طے ہونے کے بعد سو روپے زید نے بکر کو دیئے اور کہا کہ بقیہ رقم ایک ماہ میں ادا کر کے پلاٹ پر قابض ہو جاؤنگا، ایک ماہ بعد جب بکر نے رقم کا مطالبہ کیا تو زید نے انکار کر دیا کہ میں پلاٹ نہیں لونگا مجھے سو روپے واپس دیدو، مگر بکر نے سو روپے لوٹانے سے انکار کر دیا، شرعاً بکر اس رقم کو لوٹانے کا پابند ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بکر کی رضا کے بغیر زید کو فسخ بیع کا اختیار نہیں، بجز زید کو بیع پر قائم رکھنے اور اس سے بقیہ رقم وصول کرنے کے لئے ہر قسم کی قوت استعمال کرسکتا ہے، اگر وہ زید کو بیع پر قائم رکھنے سے عاجز ہوگیا تو بیعانہ واپس کرنا ضروری ہے۔

فساد زمان کی وجہ سے ایسے مظالم بہت زیادہ واقع ہونے لگے ہیں، اس لئے ظلم اور نقصان سے بچنے کی چند تدابیر تحریر کی جاتی ہیں:

① مشتری پوری قیمت ادا کرکے مبیع پر قبضہ کرلے، پھر بائع بقدر بیعانہ کم قیمت پر مشتری سے واپس خرید لے۔

② بائع مشتری کی اجازت سے مبیع کو دوسری جگہ فروخت کردے اگر پہلی قیمت سے کم پر فروخت ہوئی تو یہ نقصان بیعانہ سے وصول کرلے، اور زیادہ قیمت مل گئی تو زیادتی مشتری اول کو واپس کرے۔

③ اگر مشتری کسی طرح بھی قابو نہ آئے تو بائع حاکم مسلم کو درخواست دے کہ وہ مبیع کو فروخت کرکے اور نمبر ۲ میں مذکور تفصیل کے مطابق فیصلہ کرے۔

قال الامام النسفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ومن اشتری عبدا فغاب فبرھن البائع علی بیعہ وغیبتہ معروفۃ لم یبع بدین البائع والابیع بدینہ (کنز الدقائق ص۲۴۱)

اگر کسی حاکم مسلم سے یہ کام نہ لیا جاسکے تو علماء کی مجلس میں پیش کرکے تفصیل مذکور کے مطابق فیصلہ کروایا جاسکتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۸ھ

بیع بلا اذن شریک:

سوال: زید نے چھ آدمیوں کی مشترک زمین بلا اجازت عمرو کو فروخت کردی، دو سال تک تو ان لوگوں کو یہ خبر بھی نہ تھی کہ ہماری زمین فروخت ہوگئی ہے، چھ سال بعد ان آدمیوں سے دو نے عمرو مشتری پر دعویٰ دائر کردیا، جبکہ زید بائع کا انتقال ہوچکا تھا اور چار آدمیوں نے باوجود علم ہونے کے دعویٰ نہیں کیا۔

کیا مندرجہ بالا صورت میں زید کی یہ بیع شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو آٹھ سال تک جو پیداوار مشتری نے حاصل کی وہ کس سے حاصل کی جائے گی؟ زید بائع سے یا عمرو مشتری سے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ بیع دوسرے شرکاء کے اذن پر موقوف ہے۔ اگر بعض شرکاء اجازت دیں اور بعض نہ دیں تو صرف اجازت دینے والوں کے حصص کی بیع نافذ ہوگی مگر اس صورت میں مشتری کو قبول یا رد کا اختیار ہوگا۔

قال فی التنویر: وقف بیع مال الغیر (رد المحتار ص۱۵۲ ج ۴)

وفی الشرح: وفی المجمع لو اجاز احد المالکین خیر المشتری فی حصتہ والزمہ محمد رحمہ اللہ تعالی بھا (رد المحتار ص۱۵۸ ج ۴)

آٹھ سال کی پیداوار کا مالک عمرو مشتری ہے مگر ملک غیر میں تصرف کرنے کی وجہ سے پیداوار میں خبث ہے لہذا قضاءً تو عمرو سے کچھ وصول نہیں کیا جا سکتا البتہ دیانۃً عمرو پر واجب ہے کہ تخم اور دیگر مصارف سے زائد پیداوار دوسرے شرکاء پر رد کرے ورنہ گنہگار ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۹ رمضان سنہ ۸۸ھ

بضرورت ارزاں بیچنا:

سوال: ایک شخص ضرورت کی بناء پر اپنی کوئی چیز فروخت کرنا چاہتا ہے اور خریدار اسکی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر بہت کم دام لگاتا ہے، مثلاً ایک گھڑی جس کی قیمت خرید دو سو روپے ہے اور بحالت موجودہ سو روپے میں فروخت ہو سکتی ہے لیکن خریدار پچیس سے زیادہ پر خریدنے کیلئے تیار نہیں تو کیا خریدار کا یہ عمل جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ عمل جائز تو ہے مگر خریدار اگر صاحب استطاعت ہے اور بیچنے والا واقعۃً مجبور ہے تو خریدار کو مروت سے کام لینا چاہیئے اور حتی المقدور بائع کو صحیح قیمت ادا کرنا چاہیئے، غرض بیع تو بہر صورت صحیح ہے، مگر کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا اخلاق و مروت کے خلاف ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۸۸ھ

دودھ خریدنے میں کھویا کی متعین مقدار کی شرط:

سوال: زید دودھ خرید کر کھویا بناتا ہے، دودھ کا بھاؤ شہر میں اس وقت

تھوک کا پینتیس روپے من ہے، زید اسی بھاؤ خریدتا ہے مگر ان لوگوں سے شرط لگاتا ہے کہ اگر ایک سیر دودھ میں سے ایک پاؤ کھویا نکلا تو پینتیس روپے من کے حساب سے تمہیں رقم دی جائے گی اور پاؤ بھر نہ نکلا تو اسی مقدار سے پیسے کم کر دیئے جائیں گے، خواہ تمہارا دودھ خالص ہو یا غیر خالص، کیا یہ شرط صحیح ہے؟ جبکہ اس کا بھی امکان ہے کہ پاؤ بھر کھویا شاید خالص دودھ سے بھی برآمد نہ ہو۔ شرعاً اس بیع کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

چونکہ دودھ میں کھویا کی خاص مقدار وصف مرغوب فیہ ہے، لہذا اس کے اشتراط عند العقد سے اس کا استحقاق ثابت ہوگا اور بوقت فقدان فسخ بیع و ردّ مبیع کا اختیار ہوگا، مگر کھویا بن جانے کے بعد مبیع کا رد متعذر ہونے کی وجہ سے رجوع بالنقصان ثابت ہوگا، لہذا زید کا دودھ کی قیمت کم دینا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۹ھ

بیع مؤجل میں تعیین اجل ضروری ہے:

سوال: چہ می فرمایند دربارۂ مسئلہ ذیل کہ فی بلادنا اکثر بیع و شراء بدون تعیین مدت منعقد می شود، در متون ہمچنیں بیوع را فاسد قرار دادہ شدہ اند، اما در مجلۃ الاحکام فی بیان المسائل المتعلقۃ بالبیع بالنسیئۃ والتاجیل ص۲۷ مرقوم ست:

اذا باع نسیئۃ بدون بیان مدۃ تنصرف المدۃ الی شھر واحد فقط۔

آیا مادہ مذکورہ قول مفتی بہ ست وعمل برہمین ست یا نہ؟ و درصورت عرف اگر رائج باشد بدون از تعیین مدت آیا عرف را بصحۃ عقد اعتباری ست؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر بیع مطلق ہے، اجل کا کوئی ذکر نہیں تو ثمن فی الفور واجب ہوگا، البتہ اگر بائع فوراً مطالبہ نہ کرے تو تاخیر جائز ہے اور اس میں تعیین مدت ضروری نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: (وصح بثمن حال) وھو الاصل۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وھو الاصل) لان الحلول مقتضی

العقد وموجبه والاجل لا یثبت الا بالشرط بحر عن السراج۔

(رد المحتار ص ۲۵ ج ۴)

اور اگر بیع مؤجل ہے تو تعیین اجل ضروری ہے، البتہ اگر عاقدین کے درمیان تین دن یا ایک ماہ کی مدت معہود و معروف ہو تو عدم نزاع کی وجہ سے جائز ہے اور شرعاً یہی مدت معتبر ہوگی، ورنہ یہ بیع فاسد ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: (ومؤجل الی معلوم) لئلا یفضی الی النزاع ولو باع مؤجلا صرف لشہر بہ یفتی،

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی: (قولہ بہ یفتی) وعند البعض لثلاثۃ ایام بحر عن شرح المجمع قلت ویشکل علی القولین ان شرط صحۃ التأجیل ان یعرفہ العاقدان ولذا لم یصح البیع بثمن مؤجل الی النیروز والمهرجان وصوم النصاری اذا لم یدرہ العاقدان کما سیأتی فی البیع الفاسد وکذا لو عرفہ احدهما دون الآخر فتأمل۔

قال العلامۃ الرافعی رحمہ اللہ تعالی: (قولہ قلت ویشکل علی القولین الخ) فیہ تأمل فانہ اذا کان المعہود ان الاجل الشہر او ثلثۃ ایام شرعا وعرفا یکون ذلک معلوما عند العاقدین حتی لو لم یکن لہ عہد عرفا کما فی زماننا فالظاهر عدم الصحۃ (التحریر المختار ص ۱۱۲ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۳۰ محرم سنہ ۹۳ھ

سوال مثل بالا:

سوال: کسی نے کوئی چیز خریدی اور کہا کہ پیسے بعد میں دونگا اور وقت مقرر نہیں کیا تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر خریدنے کے بعد یہ الفاظ کہے اور بائع نے بخوشی مہلت دیدی تو جائز ہے اور اگر ادھار کی شرط پر خریدا تو بلا تعیین وقت ادا جائز نہیں۔

قال فی التنویر وشرحہ: وصح بثمن حال وهو الاصل او مؤجل الی معلوم لئلا یفضی الی النزاع (رد المحتار ص ۲۵ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۲ ربیع الاول سنہ ۹۵ھ

بیع شرب جائز نہیں:

سوال: زمین کے بغیر صرف اس کے پانی کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز نہیں۔

قال الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وکذا بیع الشرب وظاهر الروایۃ فسادہ الاتبعاً، خانیۃ وشرح وھبانیۃ (رد المحتار ص۱۱۸ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الاول سنہ ۹۴ھ

ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر کی خرید وفروخت:

سوال: ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈر کا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر یہ یقین ہو کہ ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ ساز باجا اور گانا وغیرہ کے گناہ میں مبتلا نہ ہوگا تو خریدنا اور ایسے شخص کے ہاتھ بیچنا جائز ہے ورنہ نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳ شعبان سنہ ۹۵ھ

اس کا مفصل حکم رسالہ "القول المبرھن فی بیع الرادیو والتیلیویزن" میں ہے۔

بدون رضائے متبایعین فسخ بیع کا اعتبار نہیں:

سوال: الف اور بار کے مابین ایک زمین کا سودا ہوا، ادائے ثمن کی میعاد پہلے چھ ماہ پھر تین ماہ مقرر ہوئی، اس دوران مشتری بار نے الف بائع کو معتدبہ رقم ادا کر دی، مگر بقیہ رقم مدت گزرنے پر بھی ادا نہ کر سکا، الف بار بار تقاضا کرتا رہا، مگر بار ٹالتا رہا، حتی کہ عرصہ چھ سال کا گزر گیا، آخر الف نے پنچایت کے سامنے اعلان کیا کہ اب میں بیع فسخ کرتا ہوں، بعد ازاں بار بقیہ رقم دینے پر آمادہ ہو گیا مگر الف نہ مانا اور اس دوران زمین ایک دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دی، کیا الف کا یہ فعل درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر مشتری نے بھی پنچایت کو حکم تسلیم کیا تھا، پھر پنچایت نے فسخ بیع کا فیصلہ

کیا تو بیع فسخ ہوگئی، اس کے بعد بائع کا ہر قسم کا تصرف صحیح ہے۔ اور اگر مشتری نے پنچایت کو حکم نہیں بنایا تھا یا پنچایت نے فسخ بیع کا فیصلہ نہیں کیا بلکہ بائع نے خود ہی پنچایت کے سامنے فسخ بیع کا فیصلہ سنا دیا تو بیع فسخ نہیں ہوئی، لہٰذا اس صورت میں دوسری بیع بھی صحیح نہیں ہوئی اور وہ ثمن بائع کے لئے حلال نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۹ شوال سنہ ۹۵ھ

مشتری ثمن نہ ادا کرے تو بائع کو حق فسخ ہے:

سوال: عقد بیع کے بعد بائع نے ادائے ثمن تک مبیع کو محبوس کر لیا، اب اگر مشتری ادا نہ کرے یا غائب ہو جائے تو بائع کیا کرے؟ آیا بیع کو فسخ کر دے یا مزید انتظار کرے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

مشتری ثمن ادا نہ کرے اور نہ ہی اقالہ کرے تو بائع کو فسخ بیع کا اختیار رہے، مشتری کی طرف سے عدم ادائے ثمن کو عدم رضا اور فسخ سمجھا جائے گا، لہٰذا فسخ بائع سے جانبین کی طرف سے فسخ متحقق ہو جائے گا۔

علاوہ ازیں بیع میں تراضی طرفین شرط ہے اور مشتری کی طرف سے استیفائے ثمن متعذر ہونے کی حالت میں رضائے بائع مفقود ہے، اس لئے مشتری کی جانب سے فسخ نہ بھی ہو تو بائع کو فسخ کا اختیار رہے۔

قال العلامة النسفی رحمه الله تعالیٰ: ومن قال لآخر اشتریت منی هذه الامة فانكر للبائع ان یطأها ان ترك الخصومة۔

وقال العلامة ابن نجیم رحمه الله تعالیٰ: لان المشتری لما جحد كان فسخا من جهته اذ الفسخ یثبت به كما اذا تجاحدا فاذا عزم البائع علی ترك الخصومة تم الفسخ بمجرد العزم وان كان لا یثبت الفسخ فقد اقترن بالفعل وهو امساك الجاریة ونقلها وما یضاهیه ولانه لما تعذر استیفاء الثمن من المشتری فات رضا البائع فیستبد بفسخه (البحر الرائق ص۳۶ ج ۷)

وکذا قال الامام المرغینانی رحمہ اللہ تعالی۔

وقال العلامۃ ابن الهمام رحمہ اللہ تعالی: فیستبد بفسخہ لفوات شرط البیع وھو التراضی (فتح القدیر ص۵۰۹ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۷ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

بیع بالوفاء:

سوال: کوئی چیز کسی سے اس شرط پر خریدی کہ جب بائع رقم واپس دے گا تو یہ چیز اس کو واپس دیدی جائے گی، کیا یہ معاملہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر بیع کے اندر یا اس سے پہلے شرط لگائی گئی ہو یا جانبین اس عقد کو غیر لازم سمجھ رہے ہوں تو یہ بیع فاسد ہے۔

اور اگر بیع کے بعد واپسی کا وعدہ کیا تو یہ بیع صحیح ہے اور اس وعدہ کا ایفاء لازم ہے۔

قال فی العلائیۃ: وقیل بیع یفید الانتفاع بہ وفی اقالۃ شرح المجمع عن النهایۃ وعلیہ الفتوی وقیل ان بلفظ البیع لم یکن رھنا ثم ان ذکرا الفسخ فیہ او قبلہ او زعماہ غیر لازم کان بیعا فاسدا ولو بعدہ علی وجہ المیعاد جاز ولزم الوفاء بہ (رد المحتار ص۲۷۴ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۲ شعبان سنہ ۹۷ھ

لفظ "دیدیگا" وعدۂ بیع ہے:

سوال: زید نے سیب پکنے سے تقریباً دو تین ماہ قبل عمر کو کچھ روپے دیئے کہ عمر اس کو اپنے سیب فی من مثلاً دو سو۲۰۰ روپے دیگا مگر عقد کے وقت نہ تاجیل ثمن کی شرط تھی اور نہ ہی تاجیل مبیع کی، عقد کے بعد یہ کہا کہ عمر زید کو سیب فی من دو سو روپے اس وقت دیدیگا جبکہ سیب پک جائے، اس لئے کہ عقد کرتے وقت تو سیب بالکل کچے تھے، سیب پکنے کے بعد عمر نے حسب وعدہ فی من دو سو روپے دیدیئے اور مشتری نے بھی بقیہ ثمن دیدیا۔

کیا مذکورہ صورت خانیہ کے اس جزئیہ پر قیاس کرکے جائز ہو سکتی ہے؟

رجل قال لغیرہ بعت منک عنب ھذا الکرم کل وقر بکذا قالوا ان کان وقر العنب معلوما عندھم والعنب جنس واحد ینبغی ان یجوز البیع فی وقر واحد عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ، وعند صاحبیہ رحمہما اللہ تعالیٰ یجوز البیع فی الکل وجعلوا ھذہ المسألۃ فرعا لرجل باع صبرۃ حنطۃ فقال بعت منک ھٰذہ الصبرۃ کل قفیز بدرھم عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز البیع فی قفیز واحد وعندھما یجوز فی الکل وان کان عنب الکرم اجناسا قالوا ینبغی ان لا یجوز البیع فی شیء فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وان کان الوقر معروفا وعندھما یجوز فی الکل کما لو قال بعت الخ (خانیۃ فصل بیع الزروع والثمار ص۳۵ ج ۲) بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

لفظ "دیدیگا" بیع نہیں وعدۂ بیع ہے، لہذا مالک نے سیب پکنے کے بعد دیدیئے تو یہ بیع بالتعاطی ہوگئی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲ر جمادی الثانیہ سنہ ۹۸ھ

چاندی کی قیمت بڑھنے سے روپے کی مالیت میں کوئی فرق نہیں آتا:

سوال: ایک شخص نے تین سال پہلے زید کے پاس ایک کتاب سو روپے میں بیچی، اس وقت چاندی کی قیمت پانچ روپے تولہ تھی، زید نے کتاب پر قبضہ کرلیا رقم اب تک ادا نہیں کی، کتاب اس وقت بھی زید کے پاس ہے، بائع کہتا ہے کہ اب میں کتاب کی قیمت بجائے سو روپے کے تین سو روپے لوں گا، کیونکہ اب چاندی پندرہ روپے تولہ ہے اور آپ کے پاس جو سو روپے میں کتاب بیچی تو اس وقت سو روپے بیس تولے چاندی کی قیمت تھی اور اس وقت بیس تولہ کی قیمت تین سو روپے ہے۔

اپنی تائید میں شامیہ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے۔

اما اذا غلت قیمتھا او انتقصت فالبیع علی حالہ ولا یتخیر المشتری ویطالب بالنقد بذلک العیار الذی کان وقت البیع کذا فی فتح القدیر (ص۳۲ ج۴)

آجکل کے روپے بھی خالص چاندی کے نہیں غالب الغش ہیں جن کا حکم مذکورہ عبارت میں بتایا گیا ہے، بائع کی رائے کی تصحیح یا تغلیط مع الدلائل فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بائع کا خیال باطل ہے اس لئے کہ مروج کرنسی من کل الوجوہ بحکم فلوس نہیں، ورنہ ان کے مبادلہ بالجنس میں تفاضل جائز ہوتا، اور کروڑوں کی تعداد میں کرنسی نوٹ ملک میں ہونے کے باوجود ان پر زکوٰۃ فرض نہ ہوتی، وھو باطل والقول المستلزم للباطل باطل۔

زمان قدیم کے فلوس اور سکہ رائج الوقت میں یہ فرق ہے کہ وہ فلوس خود معیار و مقصود نہیں تھے بلکہ درہم کا بدل شمار ہوتے تھے اور سکہ رائج الوقت اگرچہ بین الاقوامی منڈی میں خود معیار نہیں بلکہ سونے اور ڈالر کا بدل ہے مگر اندرون ملک ایک روپے کا نوٹ خود معیار و مقصود ہے اور مروجہ پیسے اسکا بدل ہیں، لہذا ایک روپے کا نوٹ بحکم درہم ہوا اور اس کا بدل سو پیسے بحکم فلوس ہوئے، اصل نقد روپیہ ہے اور پیسوں کا ذکر اس اصل نقد کی کسی مقدار کی ایک تعبیر ہوتی ہے، چنانچہ پہلے روپیہ ۶۴ پیسے کا تھا بعد میں ۱۰۰ پیسے کا کر دیا گیا، اس تبدیل سے قبل اگر ۱۶ پیسے ثمن متعین کیا گیا تو یہ پاؤ روپیہ کی ایک تعبیر ہے، مشتری کو اختیار تھا کہ وہ ۱۶ پیسے ادا کرے یا ۸ ٹکے یا ۴ آنے یا ایک چونی، مگر جب پیسے سستے ہوگئے یعنی ایک روپے کے مقابل سو پیسے کر دیئے گئے تو اب مشتری کو ۱۶ پیسے دینے کا اختیار نہیں بلکہ ۲۵ پیسے یا پاؤ روپیہ ادا کریگا، اس لئے کہ عقد میں اصل مقصود پاؤ روپیہ تھا پیسوں کا ذکر اسی کی ایک تعبیر تھی، لہذا پیسے سستے ہونے کے بعد تعبیر سے جو اصل مقصود تھا یعنی پاؤ روپیہ وہ واجب ہوگا۔

اس حقیقت کے پیش نظر امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ فلوس کی قیمت میں کمی بیشی کی صورت میں درہم کے لحاظ سے ثمن کا اصل معیار واجب الاداء ہوگا۔ اور حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اس صورت میں متعین فلوس ہی کی ادائیگی لازم قرار دیتے ہیں۔

اس اختلاف سے ثابت ہوتا ہے کہ فلوس کا لین دین دونوں طرح مروج ہوگا بدل درہم کی حیثیت سے بھی اور مکیلات و موزونات کی طرح مقصوداً بھی، فاخذ الاول بالثانی والثانی بالاول۔

اکثر کتب میں اسی طرح اختلاف نقل کر کے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے مگر جوہرہ میں نہایہ سے رد مثل پر اتفاق نقل کیا ہے، ویمکن التوفیق بالحمل علی المثل فی الجنس دون العداد۔

مروج کرنسی بالاتفاق کسی دوسری چیز سے تعبیر نہیں بلکہ خود مقصود ہے، اگرچہ بڑے نوٹ ایک روپے کے نوٹوں کی رسید کے طور پر جاری کئے جاتے ہیں مگر ایک روپے کا نوٹ جس کو کرنسی قرار دیا گیا ہے وہ خود مقصود ہے اور اس لحاظ سے بحکم دراہم و دینار ہے۔

اسی لئے عام لین دین اور تجار کے عرف میں سونے اور چاندی کے نرخ میں اُتار چڑھاؤ سے بطور ثمن یا قرض واجب الذمہ مروج کرنسی پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ مروج کرنسی کی اصل مقدار جو واجب تھی وہی ادا کی جاتی ہے۔

اگر بائع کے باطل خیال کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ربا کی مروجہ صورتیں سب حلال ہو جائیں گی، صرف حلال ہی نہیں بلکہ مشتری و مستقرض پر ادار ربا شرعاً واجب قرار پائے گا اس لئے کہ سونے اور چاندی کی قیمت تو ہمیشہ بڑھتی رہتی ہے، سو اگر آکلین ربا یہ صورت اختیار کریں کہ ربا میں کرنسی کی تعیین کی بجائے وقت ادا میں سونے یا چاندی کے نرخ کے مطابق وصول کریں تو ان کا کیا حرج ہے ع

راضی رہے رحمٰن بھی تو خوش رہے شیطان بھی

البتہ بین الاقوامی منڈی میں کرنسی کا اصل معیار ڈالر قرار دیا گیا ہے لہذا ڈالر کے مقابلہ میں روپے کی قیمت میں کمی بیشی کی صورت میں بیرونی تجارت کا ثمن یا قرض ڈالر کی قیمت کے مطابق ادا کیا جائے گا اگرچہ بوقت عقد روپے کی مقدار ذکر کی گئی ہو۔

حاصل کلام:

(۱) اندرون ملک روپے کا لین دین مستقل سکے کی حیثیت رکھتا ہے کسی دوسرے سکے کے تابع نہیں، اس لئے اس کی مالیت میں کمی بیشی کی صورت میں اتنے روپے واجب ہوں گے جتنے اصل میں تھے۔

(۲) اگر بالفرض اندرون ملک بھی روپے کو مستقل سکہ شمار نہ کیا جائے اور بحکم

فلوس ہی تسلیم کرلیا جائے تو بھی حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر اختلاف مالیت کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

③ نہایہ کی تصریح کے خلاف اگر امام ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف تسلیم بھی کرلیا جائے تو وہ اس صورت میں ہوگا کہ متعاقدین نے فلوس کے اصل مقصود ہونے کی تصریح نہ کی ہو، اگر اس تصریح کے ساتھ عقد ہوا ہو کہ درہم کے ساتھ کسی نسبت سے قطع نظر خود فلوس کا یہ عدد مقصود ہے تو ظاہر ہے کہ قول ثانی امام اول رحمہما اللہ تعالیٰ کے موافق ہی ہوگا۔

عرف عام میں اندرون ملک روپے کے لین دین میں کسی دوسرے سکے سے قطع نظر خود روپے ہی کا عدد مقصود ہوتا ہے، لہذا المعروف کالمشروط کے تحت امام ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر بھی روپے کی مالیت میں کمی بیشی اس کے اصل عدد پر مؤثر نہ ہوگی۔

یہ بحث محض استطراداً لکھدی ہے ورنہ حقیقت وہی ہے کہ اندرون ملک روپیہ کسی دوسرے سکے کے تابع نہیں خود مستقل سکہ ہے، اس لئے یہ اختلاف مالیت کی صورت میں بحکم فلوس نہیں بلکہ بحکم درہم ہے۔

اندرون ملک روپے کے لین دین میں عرف عام اور سب کا اجماع واتفاق ہے کہ یہ کسی دوسرے سکے کے تابع نہیں جس کی وجہ سے اصل واجب روپے کے عدد میں کمی بیشی آجائے، اس حقیقت پر اس حد تک اتفاق ہے کہ اس کے خلاف کے قائل کو لوگ دیوانہ کہیں گے، چنانچہ گلٹ کا سکہ بننے کے بعد سالہا سال کے طویل تعامل میں ہمارے سامنے ایسے صرف دو سوال آئے ہیں جن میں اصل واجب سے زیادہ عدد کا مطالبہ کیا گیا ہے، اور یہ واقعات بھی ایسے ہیں کہ ان میں مدعی کی ہوس ظاہر ہے اور یقین ہے کہ خود یہ مدعی بھی اس ایک واقعہ جزئیہ کے سوا باقی تمام معاملات میں روپے کا وہی عدد واجب سمجھتا ہوگا جو شروع میں تھا اور اسکا اپنا عمل بھی تمام لین دین میں اسی کے مطابق ہوگا، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۰ ذی الحجہ سنہ ۹۸ھ

مثل سوال بالا:

ایک استفتاء اور اس کا جواب پیش خدمت ہے۔

اصل مسئلہ تو بیع و قرض کے بارے میں ہے، شفعہ کی صورت کو اس پر قیاس کیا گیا ہے کیونکہ شفعہ بھی ایک گونہ بیع ہی ہے اور اسی ثمن کے ساتھ ہے جتنی رقم میں مشتری کو پڑی تھی صرف تحویل صفقہ ہوا ہے، یہ تحقیق مطلوب ہے کہ بیع قرض اور شفعہ میں مالیت قدیم ثمن اور قرض کی واجب ہوگی یا رد مثل، جبکہ معاملہ پہلے کا ہو اور روپے کی قیمت میں کمی قبل از قبض بعد میں واقع ہوئی۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان ۲۵/۷/۹۹ھ

سوال: ستمبر ۱۹۷۴ء میں مشتری نے ۱۴ مرلے ۶۳ کنال بعوض ۱۵۰،۰۰۰ روپے زمین اپنے خاندان رشتہ داران کے مکانات بنانے کے پیش نظر خرید کی، ستمبر ۱۹۷۵ء میں شفیع نے دعویٰ دائر کر دیا، اب تک فیصلہ نہیں ہوا، لیکن اب اس جائداد مذکور کی قیمت تقریبا ۱۳۰۰۰۰۰ (تیرہ لاکھ) روپے ہے، کیا شفیع کو ۱۵۰۰۰۰ (ڈیڑھ لاکھ) روپے میں ہی جائے گی؟ اور مشتری کو ڈیڑھ لاکھ روپے ہی ملیں گے؟

واضح رہے کہ مشتری اگر اسی جگہ اراضی خریدنا چاہے تو اسے اب تقریباً ساٹ کنال اراضی ملے گی۔

الجواب (از خیر المدارس ملتان)

زمین کی قیمت بڑھ جانے سے شفیع پر یہ زیادتی لازم نہ ہوگی کیونکہ شفعہ کی حقیقت یہ ہے:

قال فی التنویر: ھی تملیك البقعة جبرًا علی المشتری بما قام علیه۔

البتہ روپے کی قیمت و مالیت میں سرکاری طور پر جو کمی کر دی گئی تھی وہ مشتری کے حق پر اثر انداز نہیں ہوگی، یعنی بیع کے وقت میں روپے کی جو مالیت تھی اسی کے مطابق اب شفیع سے اسے رقم وصول کرنے کا حق ہوگا، روپے کی قیمت کا گر جانا مشتری کے حق کو کم نہیں کرے گا جبکہ حصول شفعہ کو بیع یا قرض کے مشابہ قرار دیا جائے۔

وفی الشامیة: وفی البزازیة عن المنتقی غلت الفلوس اور خصت فعند الامام الاول والثانی اولا لیس علیه غیرها وقال الثانی ثانیا علیه

قیمتها من الدراھم یوم البیع والقبض وعلیه الفتوی وھکذا فی الذخیرة والخلاصة ونقله فی البحر واقرہ بحیث صرح بان الفتوی علیه فی کثیر من المعتبرات فیجب ان یعول علیه افتاءً وقضاءً ولم ار من جعل الفتوی علی قول الامام اھ (شامیة ص۲۵ ج ۴)

اور قرض میں بھی یہی حکم ہے۔

قال الشامی رحمه الله تعالی : وحاصل ما مرانه علی قول ابی یوسف المفتی به لافرق بین الکساد والانقطاع والرخص والغلاء فی انه تجب قیمتها یوم وقع البیع او القرض لامثلها۔

لیکن جوہرہ میں رخص وغلاء کی صورت میں نہایہ سے اتفاق نقل کیا ہے کہ رد مثل ہوگا مالیت کا وجوب نہ ہوگا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

آپ کا جواب صحیح ہے، روپیہ اگرچہ بین الاقوامی منڈی میں ڈالر کے تابع ہے مگر ملک کے اندرونی معاملات میں یہ ایک مستقل سکّہ ہے کسی دوسرے کے تابع نہیں۔ اس لئے اختلاف مالیت کے مؤثر نہ ہونے کے لحاظ سے روپیہ بحکم فلوس نہیں بحکم دراہم ہے۔

۲۰ ذوالحجہ ۹۸ھ میں اس سے متعلق ایک استفتاء کا جواب بندہ نے تفصیل سے لکھا تھا، اس کی نقل ارسال ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۳ شعبان سنہ ۹۹ھ

والد کا صغیر کی زمین بیچنا:

سوال : والد اپنے صغیر بیٹے کی زمین فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر والد کی بیٹے پر شفقت معروف ہو یا مستور الحال ہو تو بیچ سکتا ہے۔

قال الامام الحصکفی رحمه الله تعالی : ولو البائع ابا فان محمودا عند الناس او مستور الحال یجوز ابن کمال۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قوله یجوز) فلیس للصغیر نقضه بعد بلوغه اذ للاب شفقة کاملة ولم یعارض هذا المعنی معنی أخر فکان هذا البیع نظرا للصغیر وان کان الاب فاسدا لم یجز بیعه العقار فله نقضه بعد بلوغه هو المختار الا اذا باعه بضعف القیمة اذ عارض ذلك المعنی معنی أخر۔

تنبیه: ظاهر کلامهم هنا انه لا یفتقر بیع الاب عقار ولده الی المسوغات المذکورة فی الوصی ونقل الحموی فی حواشی الاشباه من الوصایا ان الاب کالوصی لا یجوز له بیع العقار الا فی المسائل المذکورة کما افتی به الحانوتی اھ ثم رأیت فی مجموعة شیخ مشایخنا منلا علی الترکمانی قد نقل عبارة الحموی المذکورة ثم قال ما نصه وهو مخالف لاطلاق ما فی الفصول وغیرہ ولم یستند الحانوتی فی ذلك الی نقل صحیح ولکن اذا صارت المسوغات فی بیع الاب ایضا کما فی الوصی صار حسنا مفیدا ایضا لان الاخذ بالاتفاق اوفق هکذا افادنیه شیخنا الشیخ محمد مراد السقامینی رحمہ اللہ تعالیٰ (رد المحتار ص۵۰۲ ج۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۴ ذوالحجہ سنہ ۱۳۹۹ھ

اراضی وبیوت مکہ کی بیع واجارۃ:

سوال: حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکہ یعنی حرم کی اراضی اور مکانات کی خرید و فروخت اور کرایہ پر دینا جائز نہیں، چنانچہ تفسیر مظہری وغیرہ میں ہے:

ومن ههنا قال ابوحنیفة واحمد فی اصح الروایتین عنه لا یجوز بیع رباع مکة ولا اجارة دورها فان ارض الحرم عتیق غیر مملوك لاحد۔ (تفسیر مظہری ج ٦ سورۂ حج، فی تفسیر قوله تعالیٰ: والمسجد الحرام الذی جعلناه سواء العاکف فیه والباد)

رباع کے معنی زمین ہیں یا مکانات؟ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک صرف زمین کی خرید و فروخت اور اجارہ ناجائز ہے یا مکانات کی خرید و فروخت اور اجارہ بھی؟

طحاوی ص۱۸۳ ج ۲ میں ہے :

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لایحل بیع بیوت مکۃ ولا اجارتہا۔

عن علقمۃ بن نضلۃ قال توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالی عنہم ورباع مکۃ تدعی السوائب من احتاج سکن ومن استغنی اسکن۔

وفی روایۃ لہ کانت الدور علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالی عنہم ما تباع ولا تکری (الحدیث)

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی نے بعد میں لکھا ہے کہ ان احادیث پر عمل کرنے والے امام ابوحنیفہ و محمد و ثوری رحمہم اللہ تعالی ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی بیع وشراء اور اجارہ کے علاوہ مکانوں کی بیع وشراء اور اجارہ بھی انکے نزدیک ناجائز ہے۔ احادیث میں آتا ہے :

قد اشتری عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ من صفوان بن امیۃ رضی اللہ تعالی عنہ دارًا باربعۃ آلاف درھم

وکذا روی البیہقی عن ابن الزبیر رضی اللہ عنہما انہ اشتری حجرۃ سودۃ رضی اللہ تعالی عنہا۔ (رواہ البیہقی ص۳۴ ج۶)

وعن حکیم بن حزام رضی اللہ تعالی عنہ انہ باع دار الندوۃ۔

وعن عمر رضی اللہ تعالی عنہ انہ اشتری الدور من اھلھا حتی وسع المسجد

وکذلک عن عثمان رضی اللہ تعالی عنہ۔

اگر حضرت امام صاحب رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک صرف زمین کی بیع وشراء اور اجارہ ناجائز ہے مکانوں کی جائز ہے تو ان احادیث کا یہ جواب ہوسکتا ہے کہ یہ بیع وشراء مکانوں کی تھی زمین کی نہ تھی، لیکن اگر بناء یعنی مکانوں کی بیع وشراء بھی ناجائز ہو تو ان احادیث کا کیا جواب ہے ؟

اگر بیع وشراء بناء یعنی مکانوں کی ان کے نزدیک جائز ہے تو ان احادیث کا کیا جواب ہے جن میں رباع اور بیوت کا کرایہ اور بیع وشراء ناجائز بتائی گئی ہے ؟ اور

دہ احادیث حضرت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی مستدلات بتائی گئی ہیں، چنانچہ اوپر احادیث اور عبارات لکھی گئی ہیں کہ رباع مکہ کی بیع و شراء اور اجارہ انکے نزدیک ناجائز ہے اور ان مستدلات میں سے کئی احادیث طحاوی سے نقل کی گئی ہیں۔

امام صاحب کے مستدلات میں سے ایک یہ اثر بھی ہے:

عن مجاهد انه قال مكة مباح لايحل بيع رباعها ولا اجارة بيوتها۔

براہِ کرم مذکورہ بالا شبہہ کا ازالہ فرمائیے اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے۔

الجواب باسم ملهم الصواب

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کی اراضی و بیوت کی بیع و اجارہ کے جواز کو ترجیح دی ہے، دلائل کراہت کے ۲ دو جواب دیئے ہیں:

(۱) روایت جواز سنداً قوی ہے۔

(۲) وجہ النظر جواز کو مقتضی ہے۔

ونصہ: ولما اختلفا احتيج الى النظر فى ذلك لنستخرج من القولين قولا صحيحا ولو صار الى طريق اختيار الاسانيد وصرف القول الى ذلك لكان حديث على بن حسين اصحهما اسنادا ولكنا نحتاج الى كشف ذلك من طريق النظر فاعتبرنا ذلك فرأينا المسجد الحرام الذى كل الناس فيه سواء لايجوز لاحد ان يبنى فيه بناء ولايحتجر منه موضعا وكذلك حكم جميع المواضع التى لايقطع لاحد فيها ملك وجميع الناس فيها سواء الا ترى ان عرفة لو اراد رجل ان يبنى فى المكان الذى يقف فيه الناس فيها بناء لم يكن ذلك له وكذلك منى لو اراد ان يبنى فيها دارا كان من ذلك ممنوعا وكذلك جاء الاثر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم (طحاوی ص۱۸۴ ج ۲)

امام حصکفی و علامہ ابن عابدین رحمہما اللہ تعالیٰ کی تحقیق بھی یہی ہے، البتہ انھوں نے صرف ایام موسم میں حجاج کے لئے اجارۂ بیوت کو مکروہ قرار دیا ہے اور کراہت اجارۂ بیوت کی روایات کو اسی پر محمول فرمایا ہے۔

قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ: وجاز بيع بناء بيوت مكة وارضها بلا كراهة وبه قال الشافعى رحمه الله تعالى وبه يفتى عينى وقد مر فى الشفعة وفى البرهان

فی باب العشر و لایکرہ بیع ارضہا کبنائہا وبہ یعمل وفی مختارات النوازل لصاحب الہدایۃ لابأس ببیع بناءہا واجارتہا لکن فی الزیلعی وغیرہ یکرہ اجارتہا وفی اٰخر الفصل الخامس من التتارخانیۃ واجارۃ الوھبانیۃ قالا قال ابوحنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ اکرہ اجارۃ بیوت مکۃ فی ایام الموسم وکان یفتی لہم ان ینزلوا علیہم فی دورہم لقولہ تعالیٰ سواء العاکف فیہ والباد۔ ورخص فیہا فی غیر ایام الموسم اھ فلیحفظ۔ قلت وبھذا یظہر الفرق والتوفیق وھکذا کان ینادی عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایام الموسم ویقول یا اھل مکۃ لاتتخذوا لبیوتکم ابوابا لینزل البادی حیث شاء ثم یتلوا الاٰیۃ، فلیحفظ۔

وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وارضہا) جزم بہ فی الکنز وھو قولہما واحدی الروایتین عن الامام، لانہا مملوکۃ لاھلہا لظہور اٰثار الملک فیہا وھو الاختصاص بہا شرعا وتمامہ فی المنح وغیرہا (قولہ وقدمر فی الشفعۃ) ومر ایضا ان الفتوی علی وجوب الشفعۃ فی دور مکۃ وھو دلیل علی ملکیۃ ارضہا کما مربیانہ (قولہ قال ابوحنیفۃ) اقول فی غایۃ البیان ما یدل علی انہ قولہما ایضا حین نقل عن تقریب الامام الکرخی ما نصہ: وروی ھشام عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ رحمہما اللہ تعالیٰ انہ کرہ اجارۃ بیوت مکۃ فی الموسم ورخص فی غیرہ وکذا قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وقال ھشام اخبرنی محمد عن ابی حنیفۃ رحمہما اللہ تعالیٰ انہ کان یکرہ کراء بیوت مکۃ فی الموسم ویقول لہم ان ینزلوا علیہم فی دورہم اذا کان فیہا فضل وان لم یکن فلا وھو قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اھ فافاد ان الکراھۃ فی الاجارۃ وفاقیۃ و کذا قال فی الدر المنتقی صرحوا بکراھتہا من غیر ذکر خلاف اھ (قولہ وبہ یظہر الفرق) ای بحمل الکراھۃ علی ایام الموسم یظہر الفرق بین جواز البیع دون الاجارۃ وھو جواب عما فی الشرنبلالیۃ حیث نقل کراھۃ اجارۃ ارضہا عن الزیلعی والکافی والھدایۃ ثم قال فلینظر الفرق بین جواز البیع وبین عدم جواز الاجارۃ اھ وحاصلہ ان کراھۃ الاجارۃ لحاجۃ اھل الموسم (قولہ والتوفیق) بین ما فی النوازل وما فی الزیلعی وغیرہ بحمل الکراھۃ علی ایام الموسم وعدمہا علی غیرہا (رد المحتار ص ۲۷۸ ج ۵) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۰ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

نوٹ سے سونے اور چاندی کی بیع :

سوال : آجکل کے مروجہ نوٹ اور سکے جو حکومت کی طرف سے رائج ہیں، جن کے ساتھ لوگ بیع وشرا اور لین دین کرتے ہیں، کیا یہ سونے چاندی دونوں یا صرف سونے یا صرف چاندی کے حکم میں ہیں، کیا ان کے ساتھ سونے اور چاندی کی بیع بالفضل والنسیئۃ یا صرف بالفضل یا صرف بالنسیئۃ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

رائج نوٹ اور سکے سونے، چاندی کے حکم میں نہیں، نہ ہی سونے یا چاندی کی رسید ہیں، لہٰذا ان سے بیع ذہب وفضہ بہرکیف جائز ہے، تفاضل ونسیئۃ بھی جائز ہے، البتہ حرمت ربوا بصورت تبادل بالجنس واقع ہوگی اور فرضیت زکوٰۃ میں یہ سکہ بحکم فضہ ہے۔ کما قالوا فی الفلوس الرائجۃ ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۷ محرم سنہ ۱۴۰۱ھ

قیمت میں رعایت بذریعہ قرعہ :

سوال : آجکل ایک موٹرسائیکل کمپنی اپنی مشہوری کے لئے ایک طریقہ اختیار کئے ہوئے ہے کہ اقساط پر موٹرسائیکلیں فروخت کر رہی ہے، اکیس اقساط مقرر کی گئیں اور ہر قسط پانچ سو پچاس روپے ماہوار ادا کرنا ہوتی ہے، اگر اقساط پوری کرنے سے پہلے درمیان میں کسی خریدار کا نام قرعہ اندازی میں نکل آیا (ہر ماہ قرعہ اندازی ہوتی ہے) تو موٹرسائیکل اسے دیدی جاتی ہے اور بقیہ تمام اقساط معاف کر دی جاتی ہیں، اگر بیس ماہ تک قرعہ اندازی میں خریدار کا نام نہ نکلے تو اکیس ماہ کے بعد موٹرسائیکل اسے دیدی جاتی ہے اور یہ اکیس اقساط کی رقم موٹرسائیکل کی وہ قیمت ہے جو مارکیٹ میں میں چل رہی ہے، زیادہ نہیں، خرید وفروخت کا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ قیمت میں کمپنی کی طرف سے رعایت ہے اور کس خریدار کو رعایت دی جائے اسکا انتخاب وہ بذریعہ قرعہ اندازی کرتی ہے، اسمیں کسی کا کوئی نقصان نہیں، لہذا یہ خرید وفروخت جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۶ ذی قعدہ سنہ ۱۴۰۲ھ

باب البیع الفاسد والباطل

بیع فاسد میں مبیع ہلاک ہوگئی:

سوال: بیع فاسد میں اگر مبیع ہلاک ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بائع مشتری سے ذوات القیم میں یوم القبض کی قیمت اور ذوات الامثال میں اس کی مثل لیکر مشتری کو ثمن واپس کرے۔

قال فی جامع الفصولین: ثم المبیع فاسدا تضمن قیمته یوم قبضه لو قیمیا ومثله لو مثلیا لضمانه بقبضه (جامع الفصولین ص۲۹ ج۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۸۵ھ

قسطوں پر خرید و فروخت:

سوال: مشین، ریڈیو یا پنکھا وغیرہ دکاندار سے قسطوں پر خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ لینے والے کو اسمیں آسانی ہے مگر قسطوں پر ادھار لینے میں نقد لینے سے کچھ زیادہ رقم ادا کرنا پڑتی ہے، اس میں یہ بھی شرط ہے کہ تمام اقساط ادا نہ کرنے کی صورت میں سابقہ اقساط ضبط کر کے مبیع واپس لے لی جائے گی۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت لینا جائز ہے، مگر تمام اقساط ادا نہ کرنے کی صورت میں مبیع کی واپسی اور ادا کردہ اقساط ضبط کرنے کی شرط فاسد ہے، اس لئے یہ معاملہ جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ ربیع الاول سنہ ۸۷ھ

بیع بالشرط:

سوال: زید نے بکر کو ایک بھینس فروخت کی اس شرط پر کہ اسکا دودھ میں ہی خریدتا رہوں گا، اب اس کا دودھ زید کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر بھینس کی بیع اسی شرط پر موقوف تھی کہ اگر مشتری اس شرط کو قبول نہ کرتا تو بائع بیع پر راضی نہ ہوتا تو یہ بیع فاسد ہوگئی جس سے توبہ و استغفار اور اس بیع کا فسخ کرنا واجب ہے، البتہ اگر صرف مشورہ اور وعدہ کے طور پر یہ شرط لگائی بیع کو اس پر موقوف نہیں رکھا تو یہ بیع صحیح ہوگئی دودھ کا لین دین جائز ہے، بکر اس کا پابند نہیں کہ زید کو ہی دودھ فروخت کرے، ہاں اخلاقاً اسے یہ وعدہ پورا کرنا چاہیے۔

قال فی التنویر: ولا بیع بشرط۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ تحت هذا القول: ثم ذکر فی البحر انه لو اخرجه مخرج الوعد لم یفسد وصورته کما فی الولوالجیة قال اشتر حتی ابنی الحوائط اھ (رد المحتار ص۱۳۵ ج ۴)

واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۵ رجب سنہ ۸۷ھ

بونس واؤچر کی بیع جائز نہیں:

سوال: مال برآمد کنندہ حکومت کے پاس برآمد کا ثبوت پیش کرتا ہے جس پر حکومت اسے بونس (منافع) کے نام سے کچھ انعام دیتی ہے مگر انعام کی رقم نقد نہیں دی جاتی بلکہ اس کی رسید دی جاتی ہے، جسے بونس واؤچر کہا جاتا ہے، برآمد کنندہ اسے بازار میں زیادہ قیمت پر فروخت کرتا ہے مثلاً ایک سو روپے کا بونس واؤچر تقریباً دو سو روپے میں، چونکہ حکومت نے بعض اشیاء کی درآمد کی اجازت بونس واؤچر کی خرید پر موقوف کر دی ہے اس لئے بازار میں بونس واؤچر کی قیمت زیادہ ہے، کیا شرعاً اس طرح بونس واؤچر کی خرید و فروخت جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

برآمد کنندہ قبل القبض اس رقم کا مالک نہیں اس لئے اسکی خرید و فروخت جائز نہیں، نیز بونس واؤچر کی اصل رقم سے زیادہ وصول کرنا سود ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۴ شوال سنہ ۸۸ھ

گوبر اور پاخانہ کی بیع :

سوال : کیا گوبر اور پاخانہ کی بیع کا ایک ہی حکم ہے ؟ یعنی دونوں کی بیع جائز ہے یا ناجائز ؟ نجس ہونے میں تو دونوں برابر ہیں ، اس لحاظ سے حکم بھی ایک ہی ہونا چاہیئے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

گوبر کی بیع جائز ہے اور پاخانہ کی ناجائز الا یہ کہ مٹی سے مخلوط ہو اور مٹی اس پر غالب ہو۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ پاخانہ بالاتفاق نجاست غلیظہ ہے اور گوبر میں اختلاف ہے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نجاست غلیظہ اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں نجاست خفیفہ ہے اگرچہ ترجیح نجاست غلیظہ کے قول کو ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ پاخانہ زیادہ متعفن ہوتا ہے اور گوبر میں تعفن کم۔

علاوہ ازیں گوبر کے استعمال کی ضرورت ہے۔

قال فی التنویر وشرحہ : وبطل بیع قن ضم الی حر وذکیۃ ضمت الی میتۃ ماتت حتف انفہا (الی قولہ) ورجیع آدمی لم یغلب علیہ التراب فلو مغلوبا بہ جاز کسرقین وبعر (رد المحتار ص ۱۱۶ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳۰ ربیع الثانی سنہ ۸۹ھ

پنشن بیچنا جائز نہیں :

سوال : میں پاکستان نیوی کا ریٹائرڈ چیف پی آئی اے آفیسر ہوں، گورنمنٹ مجھے ایک سو بیالیس روپے ماہوار پنشن دیتی ہے ، حکومت نے ایک سہولت دے رکھی ہے کہ اگر کوئی ریٹائرڈ ملازم اپنی پنشن حکومت کے ہاتھ بیچنا چاہے تو اس کو نصف پنشن یکمشت دیدی جاتی ہے ، عرض ہے کہ شریعت کی رو سے یہ بیع جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

پنشن ایک قسم کا انعام ہے ، جب تک ملازم کا اس پر قبضہ نہ ہو وہ اسکا مالک نہیں بنتا ، اس لئے اس کی بیع جائز نہیں ، البتہ خود حکومت سے اسکی بیع کرنا حقیقت

میں بیع نہیں، صرف نام اور صورت بیع کی ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ حکومت نے جو بڑا انعام قسط وار دینے کا وعدہ کیا تھا اب اس کو کم مقدار میں یکمشت نقد دے رہی ہے، اس لئے حکومت سے یہ معاملہ جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۴ھ

دمِ مسفوح کی بیع وشراء حرام ہے:

سوال: حلال جانوروں کا وہ خون جو بوقت ذبح نکلتا ہے اسکی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔

قال فی التنویر وشرحہ: ھو مبادلۃ شیء مرغوب فیہ بمثلہ خرج غیر المرغوب کتراب ومیتۃ ودم (رد المحتار ص۲ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ رجب سنہ ۹۵ھ

حکم ثمن خمر:

سوال: زید کافی مقروض تھا مگر اس کے پاس سوائے شراب کے کوئی چیز نہ تھی، لہٰذا اس نے شراب فروخت کر کے لوگوں کا قرض ادا کر دیا، اب سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس رقم سے اپنا قرض وصول کیا ہے یہ ان کے حق میں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بیع خمر باطل ہے، اس کا ثمن واجب الرد ہے بائع اور قرضخواہ پر حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۷ ذی قعدہ سنہ ۱۴۰۰ھ

عقد سلم میں قبل القبض رأس المال یا مبیع میں تصرف کرنا:

سوال: زید نے بکر سے پچاس من کپاس بیس روپے فی من کے حساب سے خریدی اور کہا فصل پر جب کپاس اترے گی تو وصول کر لے گا، بکر نے بھی اقرار کر لیا، ابھی فصل آنے میں دو ماہ باقی ہیں، بیس روپے من کے حساب سے

پچاس من کی رقم زید نے ادا کر دی، سوال یہ ہے کہ اب اگر زید یہی کپاس عمر وکو تیس روپے من کے حساب سے فروخت کر دے تو جائز ہے یا نہیں؟ نیز زید و بکر کے درمیان جو بیع سلم ہوئی وہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بیع سلم میں یہ شرط ہے کہ وقت عقد سے وقت محل تک مسلم فیہ بازار میں موجود رہے لہٰذا اگر کپاس دو ماہ تک بازار میں دستیاب ہو تو یہ بیع جائز ہے ورنہ ناجائز۔

قال العلامۃ المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولا یجوز السلم حتی یکون المسلم فیہ موجودا من حین العقد الی حین المحل حتی لو کان منقطعا عند العقد موجودا عند المحل او علی العکس او منقطعا فیما بین ذلک لا یجوز۔

(ھدایۃ ص۹۳ ج۳)

عقد سلم میں قبل القبض رأس المال یا مسلم فیہ میں کوئی تصرف جائز نہیں، لہٰذا زید کا فروخت کرنا ناجائز ہے۔

قال فی التنویر وشرحہ: ولا یجوز التصرف للمسلم الیہ فی رأس المال ولا لرب السلم فی المسلم فیہ قبل قبضہ (رد المحتار ص۲۳۳ ج۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۴ ربیع الثانی سنہ ۸۸ھ

ماہی گیر کا پیشگی رقم لینا:

سوال: ایک ماہی گیر نے خالد سے اس شرط پر پیشگی سو روپے لئے کہ آیندہ موسم سرما میں (جو مچھلی کے شکار کا موسم ہوتا ہے) رواج کے مطابق سو روپے کی مچھلی ساٹھ روپے فی صد کے حساب سے دیگا جو عام لوگوں کو اسی روپے فی صد کے حساب سے دیتا ہے۔

یا اس شرط پر پیشگی سو روپے لئے کہ سردی کے موسم میں ایک سو چالیس روپے کی مچھلی دیگا جو عام نرخ سے سو روپے کی آتی ہے کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ بیع سلم ہے جو فقدان شرائط کی وجہ سے ناجائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۸ رمضان سنہ ۸۸ھ

زیادہ قیمت پر مبیع واپس کرنے کی شرط :

سوال : بکر کو کچھ روپے کی ضرورت پڑی تو عمرو سے کہا کہ یہ ایک تولہ سونا دوسو روپے میں مجھ سے خریدلو، تین ماہ کے بعد یہی سونا دوسو چالیس روپے میں میں تم سے خریدلوں گا۔

عمرو نے اپنی منفعت دیکھ کر منظور کرلیا اور تین ماہ کے بعد یہی ایک تولہ سونا دوسو چالیس روپے میں پھر بکر کے ہاتھ فروخت کر دیا، کیا اس صورت میں یہ چالیس روپے کی زیادتی جائز ہوگی یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ صریح ربوٰا ہے، بیع بالوفاء میں اس لئے داخل نہیں کہ اسمیں ثمن میں زیادتی نہیں ہوتی، نیز ردّ مبیع کی شرط بھی مجلس بیع میں نہیں ہوتی بلکہ بعد میں ہوتی ہے، لہٰذا اس بیع فاسد میں بغیر کسی کمی بیشی کے ثمن و مبیع کا رد واجب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۸ رمضان سنہ ۸۸ھ

بیع سلم میں کل ثمن مجلس عقد میں دینا شرط ہے :

سوال : بکر زید کو تیل فروخت کرنا چاہتا ہے جس کی صورت یہ ہوگی کہ نرخ اور تاریخ طے کرنے کے بعد بکر کچھ بیعانہ وصول کریگا، بعد ازاں ایک ماہ کا وقفہ کرکے وہ زید کو تیل فراہم کریگا جو ابھی اس کی تحویل میں نہیں ہے، یہ بیع جائز ہے یا نہیں ؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، اس لئے کہ یہ بیع سلم ہے جس میں کل قیمت مجلس عقد میں ادا کرنا شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ صفر سنہ ۹۳ھ

بیرون ملک سے بذریعہ بنک خریدنا :

سوال : آجکل بیرونی ممالک سے مال منگانے کی صورت میں خریدار مال کی قیمت بنک کے ذریعہ ادا کرتا ہے، مثلاً کراچی کا ایک تاجر جاپان کے ایک تاجر سے کچھ مال منگاتا ہے تو جاپان کا تاجر کراچی کے تاجر سے کہے گا کہ تم اپنے کسی مقامی

بنک کے ذریعہ میرے حق میں ایک لیٹر آف کریڈٹ کھول دو، کراچی کا بنک اپنی جاپان کی شاخ کو اس لیٹر آف کریڈٹ کے ذریعہ ہدایت کر دیگا کہ وہ جاپان کے تاجر سے مال کے جہاز سے روانہ کرنے کے متعلق ضروری کاغذات وصول کر کے اس کو مال کی قیمت ادا کر دے۔

علاوہ ازیں جو مال باہر کے ملکوں سے آتا ہے اس کے آنے سے پہلے انوائس (بیجک جس پر مال کی تفصیل اور قیمت وغیرہ درج ہوتی ہے) کی ایک نقل خریدار کو بھیجدی جاتی ہے، بعض اوقات مال آنے سے پہلے ہی صرف بیجک کے ذریعہ اصل خریدار دوسرے خریدار کو اور دوسرا تیسرے کو نفع لے کر مال فروخت کر دیتا ہے، حالانکہ مال سامنے موجود نہیں ہوتا۔

کیا اس طرح بنک کے ذریعہ قیمت ادا کرنا اور باہر کا مال سامنے نہ ہونے کی صورت میں یہاں کے خریدار کا مال خریدنا اور پھر محض بیجک دکھا کر اس مال کو دوسرے دوکاندار کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے؟

نیز یہ کہ چھوٹے دوکاندار جو ان بڑے دوکانداروں سے مال نقد یا قرض خرید کر اپنی دوکانوں وغیرہ پر فروخت کرتے ہیں ان کے کاروبار میں تو کوئی خرابی نہیں آتی۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بنک خریدار کا وکیل ہے، لہٰذا مال کے جاپانی شاخ کے قبضہ میں آجانے کے بعد اس کی بیع جائز ہے، فان قبض الوکیل کقبض الموکل۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۵ ذوالحجہ سنہ ۸۸ھ

مال پہنچنے سے قبل اسکی بیع:

سوال: ایک تاجر مال باہر سے منگواتا ہے اور مال پہنچنے سے پہلے ہی منافع پر فروخت کر دیتا ہے، یہ منافع اسکے لئے حلال ہیں یا نہیں؟ مال پیشگی فروخت کرنے کا سبب یہ ہے کہ اسے خوف لاحق ہے کہ مال پہنچنے کے بعد کہیں خسارہ نہ اٹھانا پڑے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مال پر قبضہ کرنے سے قبل اس کی بیع جائز نہیں، لہٰذا یہ منافع بھی حلال نہیں،

اس کی تصحیح کی ۲ دو صورتیں ہیں :

(۱) جہاں مال خریدا ہے وہاں کسی کو یا مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنا دے، اس کے قبضہ کے بعد بیع جائز ہے ۔

(۲) مال پہنچنے سے قبل بیع نہ کرے بلکہ وعدۂ بیع کرے ، بیع مال پہنچنے کے بعد کرے ، اس صورت میں جانبین میں سے کوئی انکار کر دے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا ، بیع پر اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا ۔

اگر مال پہنچانے کا کرایہ خریدار ادا کرتا ہے تو اس کے اذن سے بائع کا کسی بھی مال بردار کمپنی کی تحویل میں مال دیدینا مشتری کا قبض شمار ہوگا ، اگرچہ مشتری نے کسی خاص کمپنی کی تعیین نہ کی ہو ، کمپنی کی تحویل میں آجانے کے بعد بیع جائز ہے ۔

قال فی الهندیة : اذا قال المشتری للبائع ابعث الی ابنی واستأجر البائع رجلا یحمله الی ابنه فهذا لیس بقبض والاجر علی البائع الا ان یقول استأجر من یحمله فقبض الاجیر یکون قبض المشتری ان صدقه انه استأجره ودفع الیه وان انکر استیجاره والدفع الیه فالقول قوله کذا فی التتارخانیة (عالمگیریہ ص ۱۹ ج ۳)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۶ھ

تجارتی اجازت نامہ کی بیع :

سوال : حکومت کی طرف سے بعض لوگ بیرونی ممالک سے تجارتی مال لانے کا اجازت نامہ حاصل کرتے ہیں ، ایک فارم ملجاتا ہے جس پر کبھی لاکھوں روپے کا مال لانے کی اجازت ملتی ہے اور کبھی ہزاروں کا ۔ اب جس کو مال لانے کی استطاعت نہیں ہے یا وہ خود لانا نہیں چاہتا ہے تو وہ اجازت نامہ کا فارم فروخت کر دیتا ہے ، صرف نفس فارم پر کئی ہزار روپے کماتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بیع کے لئے مبیع کا مال ہونا مشرط ہے ، اجازت نامہ مال نہیں اسلئے اسکی بیع جائز نہیں ۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔ ۲۵ ذوالحجہ سنہ ۱۳۹۲ھ

جہالت ثمن مفسد بیع ہے :

سوال : اگر ناشر کتب فروش سے کہے کہ مثلاً ایک سیکڑہ کتابیں خریدو گے تو تینتیس فیصد اور کم از کم ایک درجن خریدو گے تو پچیس فیصد کمیشن ملے گا، پھر کتب فروش کہے کہ آپ ہمیں تھوڑی تھوڑی کتابیں دیتے رہیں اور دام یکمشت یا بالاقساط لیتے رہیں، جب ایک سیکڑہ کی تعداد خریدی جاچکے تو اس کا کمیشن دیگر لین دین مکمل کرلیں، خریداری کی مدت بھی مقرر کردی جائے مثلاً تین ماہ تک یا سال بھر تک، پھر اگر کتب فروش نے مقررہ مدت میں پورا سیکڑہ نہ خریدا تو درجن کے نرخ سے کمیشن کاٹ کر حساب کرلیا جائے اور پورا سیکڑہ خریدلیا تو پورا کمیشن دے دیا جائے، یہ معاملہ شرعاً جائز ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جہالت ثمن کی وجہ سے ناجائز ہے۔

قال الامام ابن الهمام رحمه الله تعالى : واما البطلان فيما اذا قال بعتكه بالف حالا وبالفين الى سنة فلجهالة الثمن (فتح القدير ص۸۱ ج۵)

والله سبحانه وتعالى اعلم

۲۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۹۳ھ

حکومت کا ضبط کردہ مال خریدنا جائز نہیں :

سوال : اسمگلنگ کا سامان حکومت ضبط کرکے نیلام کرتی ہے جس میں خور و نوش کی چیزیں اور پوشاک وغیرہ سامان ہوتا ہے۔ اسی طرح نہروں اور تالابوں سے حاصل کردہ مچھلیاں اور ہوائی پرندے جن کو ممانعت کے باوجود شکار کیا جاتا ہے حکومت چھین کر نیلام کرتی ہے، ان تمام چیزوں کو خریدنا اور استعمال کرنا شرعاً کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

ملک غیر ہونے کی وجہ سے ایسے سامان کا خریدنا اور استعمال کرنا جائز نہیں۔

والله سبحانه وتعالى اعلم

۱۰ جمادی الآخرہ سنہ ۹۵ھ

رنڈی کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنا:

سوال: رنڈی کو اپنی اشیاء مثلاً کپڑا، دودھ، مٹھائی وغیرہ فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کی کمائی حرام کی ہو، اور اگر اشیاء نہ دینے پر فساد کا اندیشہ ہو تو شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، ناقابل تحمل فتنہ کا خطرہ ہو تو اس سے قیمت لیکر صدقہ کردی جائے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۲ر جمادی الآخرۃ سنہ ۹۵ھ

پگڑی لینا دینا جائز نہیں:

سوال: ایک شخص کے پاس کچھ زمین ہے، دوسرا شخص کہتا ہے کہ میں آپ کے پلاٹ پر مکان تعمیر کرتا ہوں اور تمام کمروں کی پگڑی خود لوں گا، پھر مکان آپ کو دیدوں گا، کیا شرعاً یہ جائز ہے کہ کرایہ مالک زمین وصول کرے اور پگڑی کی رقم دوسرا شخص؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پگڑی دینا لینا ناجائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی الاشباہ لا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردۃ کحق الشفعۃ (رد المحتار ص۱۵ ج ۴)

اس کی تفصیل رسالہ "ارشاد اولی الابصار الی شرائط حق القرار" میں ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۱ر ربیع الاول سنہ ۹۶ھ

حق سکنی وتصنیف وغیرہ کی بیع جائز نہیں:

سوال: علماء حضرات کیا فرماتے ہیں ان مسائل میں:

① شامیہ میں نزول عن الوظائف کی اجازت دی ہے اور اس کو قیاس کیا ہے ایک دوسرے مسئلہ پر، پھر ایک اصول بیان کیا ہے کہ جو حقوق اصالۃً ثابت ہوں دفع ضرر کے لئے نہ ہوں ان کا عوض لینا جائز ہے، جیسے قصاص، حق الرق،

حق النکاح۔ اور جو حقوق دفع ضرر کیلئے ہوں انکا عوض لینا جائز نہیں، جیسے حق شفعہ، حق قسمت زوجات وغیرہ۔

فی الرد: وقد استخرج شیخ مشایخنا نور اللہ بن علی المقدسی صحۃ الاعتیاض عن ذلک فی شرحہ عن نظم الکنز من فرع فی مبسوط السرخسی ھو ان العبد الموصی برقبتہ لشخص وبخدمتہ لآخر لو قطع طرفہ او شج موضحۃ فادی الارش فان کانت الجنایۃ تنقص الخدمۃ یشتری بہ عبد آخر یخدمہ او یضم الیہ ثمن العبد بعد بیعہ فیشتری بہ عبد یقوم مقام الاول فان اختلفا فی بیعہ لم یبع وان اصطلحا علی قسمۃ الارش بینہما نصفین فلہما ذلک ولا یکون ما یستوفیہ الموصی لہ بالخدمۃ من الارش بدل الخدمۃ لانہ لا یملک الاعتیاض عنہا ولکنہ اسقاط لحقہ بہ کما لو صالح موصی لہ بالرقبۃ علی مال دفعہ للموصی لہ بالخدمۃ بیسلم العبد لہ اھ قال فنعما یشھد ھذا للنزول عن الوظائف بمال اھ قال الحموی فلیحفظ ھذا فانہ نفیس جدا اھ وفیہ حاسلہ ان ثبوت حق الشفعۃ للشفیع وحق القسم للزوجۃ فانہ یمنع جواز اخذ العوض ھنا ثم قال ولقائل ان یقول ھذا حق جعلہ الشرع لدفع الضرر وذلک حق فیہ صلۃ ولا جامع بینہما فافترقا (ص ۱۶ ج ۴)

اس اصول کو شرح المجلۃ میں بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ بعض لوگوں نے الحاق کیا ہے۔

ومنھم من استند فی ذلک الی الحاقہ بنظائرہ المنصوص علی جواز اخذ البدل فیہا کحق القصاص وحق النکاح وحق الرق فانہ قد جاز اخذ البدل فیہا مع انہا حقوق فالحق بہا النزول عن الوظائف ومثلہا (ص ۱۲ ج ۲)

کیا آج نزول عن الوظائف کا عوض لینے کی اجازت ہے؟ شامی کی عبارت پر عمل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر عمل نہیں ہوسکتا تو اس کی کیا وجوہ ہیں؟ پھر شامی نے جو اصول بیان کیا ہے کہ جو حقوق اصالۃً ثابت ہوں ان کا عوض لینا جائز ہے اور جو حقوق دفع ضرر کے لئے ہوں ان کا عوض لینا جائز نہیں ہے، آج ہم اس اصول کو لے کر پگڑی اور حق تصنیف یعنی موجودہ مسائل پر جاری کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں

کر سکتے تو اس کی کیا وجوہ ہیں ؟

(۲) شرح المجلہ میں جو الحاق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیا آج دوسرے حقوق حق تصنیف، حق سکنی وغیرہ کو بھی حق القصاص، حق النکاح و حق الرق سے الحاق کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کی کیا وجوہ ہیں ؟

(۳) حق المرور کی بیع میں اختلاف ہے لیکن عام مشایخ نے اس کی بیع کی اجازت دی ہے، اس کو حکماً مال بتایا ہے اور ایک اصولی بات بھی بتادی :

فی الهداية ووجه الفرق بين حق المرور وحق التعلي على احدى الروايتين ان حق التعلي يتعلق بعين لاتبقى وهو البناء فاشبه المنافع اما حق المرور يتعلق بعين تبقى وهو الارض فاشبه الاعيان -

یہ اصول نکلا کہ جو حقوق ایسے عین کے ساتھ متعلق ہوں جو کہ باقی رہیں ان حقوق کی بیع جائز ہے جبکہ دوسری کوئی شرعی قباحت نہ ہو، کیا اس اصول کو لیکر آج کے مسائل حق تصنیف، پگڑی وغیرہ پر جاری کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو اسکی کیا وجہ ہے؟ امید ہے کہ مفصل جواب سے مستفید فرمائیں گے۔ بینوا توجروا -

الجواب باسم ملهم الصواب

حق سکنی وحق تصنیف کی مروج بیع جائز نہیں، اس لئے کہ مصنف کا کوئی مخصوص حق ہے ہی نہیں، ہاں صرف مسودہ اس کی ملک ہے اس کو بیچ سکتا ہے ۔

سکنی میں یہ تفصیل ہے کہ مالک جب مکان یا دوکان کرایہ پر دے رہا ہے تو اسکا حق سکنی ختم ہو گیا، اسی طرح ایک کرایہ دار دوسرے کو کرایہ پر دے تو پہلے کرایہ دار کا حق سکنی باطل ہو گیا۔

علاوہ ازیں مدت اجارہ معین ہونے کی صورت میں اس کے اختتام پر اور عدم تعیین کی صورت میں ہر ماہ کی انتہاء پر عقد اجارہ ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا کرایہ دار کا حق سکنی باقی نہ رہا -

(تفصیل کتاب الاجارۃ میں رسالہ "ارشاد اولی الابصار" اور تتمہ میں رسالہ "القول الصدق" میں ہے) ۲۶ شعبان سنہ ۱۴۰۰ھ

مباح الاصل لکڑی کی بیع :

سوال : کسی نے دوسرے شخص سے کہا کہ یہ ایک سو روپے لے لو اور میرے لئے پانچ گٹھڑ لکڑی لاؤ، ہر گٹھڑ کے بیس روپے ہیں، چنانچہ وہ پہاڑ پر جاکر لکڑیاں جمع کرتا ہے اور پانچ گٹھڑ اسے مہیا کر دیتا ہے، کیا یہ بیع صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ بیع فاسد ہے، لکون المبیع غیر مملوک للبائع ولجہالۃ قدر المبیع۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۰ شعبان سنہ ۹۸ھ

مذاہب باطلہ کی کتب بیچنا جائز نہیں :

سوال : بندہ چھوٹی موٹی دینی کتابیں فروخت کرتا ہے، کچھ خریدار تقاضا کرتے ہیں کہ احمد رضا خان کا مترجم قرآن شریف ہمیں لا دیں، حالانکہ اس میں اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ کے حق میں گستاخانہ کلمات بلکہ غلط عقائد و نظریات بھی موجود ہیں، اور بھی کئی خامیاں ہیں، غالباً وہ آں محترم کے مطالعہ میں بھی آیا ہوگا، کیا ایسی فرمائش پوری کرنا میرے لئے جائز ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ : وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۶ ربیع الاول سنہ ۹۹ھ

بیع بشرط اقالہ فاسد ہے :

سوال : میں نے گل زرین سے دس ہزار میں رکشا خریدا اور قیمت اس کو ادا کر دی، بعد میں میں نے وہی رکشا گل زرین کو پندرہ ہزار میں بیچ دیا، قسط آٹھ سو روپے ماہانہ طے پائی، لیکن خرید کے وقت میں نے رکشا پر قبضہ نہیں کیا تھا حالانکہ بائع قبضہ دینے سے منکر نہیں تھا، لیکن معاملہ اس شرط پر ہوا کہ بائع نے کہا رکشا خرید کر مجھے ہی پندرہ ہزار میں بیچ دو۔ اس بیع کا شرعی حکم کیا ہے؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ بیع فاسد ہے، اس کے حکم میں یہ تفصیل ہے:

① بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں توبہ کریں۔

② اس بیع کو ثمن اوّل پر فسخ کریں، یعنی آپ نے جو پانچ ہزار روپے زائد وصول کئے ہیں واپس کردیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۳ شوال سنہ ۹۹ھ

بیع میں یہ شرط لگائی کہ ”ثمن نہیں دیگا تو بیع نہیں ہوگی“:

سوال: بوقت بیع بائع نے یہ شرط لگائی کہ مدت متعین تک ثمن ادا نہ کیا تو بیع فسخ ہوگی، اس کا کیا حکم ہے؟ آیا اس شرط سے بیع فاسد ہوگی یا نہیں؟ اگر مشتری نے مدت متعین تک ثمن ادا نہ کیا تو بائع کو فسخ بیع کو حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

تین دن یا اس سے کم کی شرط جائز ہے، تین دن سے زائد کی شرط لگانے میں اختلاف ہے۔

امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مفسد عقد ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین دن سے زائد کی شرط بھی جائز ہے بشرطیکہ مدت متعین ہو، اگر مدت متعین تک مشتری نے ثمن ادا نہ کیا تو بیع فسخ ہوجائے گی۔

امام ابویوسف رحمہ اللہ کے قول میں اضطراب ہے۔

قال فی شرح التنویر: فان اشتری شخص شیئا علی انہ ای المشتری ان لم ینقد ثمنہ الی ثلاثۃ ایام فلا بیع صح استحسانا (الی قولہ) وان اشتری کذلک الی اربعۃ ایام لا یصح خلافا لمحمد رحمہ اللہ تعالیٰ فان نقد فی الثلاثۃ جاز اتفاقا۔

وفی الشامیۃ: (قولہ خلافا لمحمد) فانہ جوزہ الی ما سماہ (رد المحتار ص ۵۴ ج ۴)

وفی الھندیۃ: اذا باع علی انہ ان لم ینقد الثمن الی ثلاثۃ ایام فلا بیع بینھما فالبیع جائز وکذا الشرط ھکذا ذکر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی الاصل وھذہ المسألۃ علی وجوہ اما ان لم یبین الوقت اصلا بان قال علی انک ان لم تنقد الثمن فلا بیع بیننا او بین وقتا مجھولا بان قال علی انک ان لم تنقد الثمن ایاما وفی

هذين الوجهين العقد فاسد وان بين وقتا معلوما ان كان ذلك الوقت مقدارًا ثلاثة ايام اودون ذلك فالعقد جائز عند علمائنا الثلاثة رحمهم الله تعالىٰ وان بين المدة اكثر من ثلاثة ايام قال ابوحنيفة رحمه الله تعالىٰ البيع فاسد وقال محمد رحمه الله تعالىٰ البيع جائز كذا فى المحيط (عالمگیریة ص۳۹ ج۳)

وقال ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: (قوله ولو باع على انه ان لم ينقد الثمن الى ثلاثة ايام فلا بيع صح والى اربعة لا) اى لا يصح يعنى عندهما وقال محمد رحمه الله تعالىٰ يجوز الى ما سماه والاصل فيه ان هذا فى معنى اشتراط الخيار اذا لحاجة مست الى الانفساخ عند عدم النقد تحرزًا عن المماطلة فى الفسخ فيكون ملحقا به (الى قوله) وما ذكره من ان ابا يوسف رحمه الله تعالىٰ مع الامام رحمه الله تعالىٰ قوله الاول وقد رجع عنه والذى رجع اليه انه مع محمد رحمهما الله تعالىٰ كذا فى غاية البيان وفى شرح المجمع الاصح انه مع ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ وكثير من المشايخ حكموا على قوله بالاضطراب وظاهر هذا الشرط ان المشترى ان لم ينقد الثمن فى المدة فان البيع ينفسخ لقوله فلا بيع بينهما ولذا قال فى المحيط وينفسخ البيع ان لم ينقد (البحر الرائق ص۶ ج۶)

آجکل فقدان دیانت کی وجہ سے قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق عمل کی گنجائش ہے بالخصوص جبکہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک قول بھی اس کا مؤید ہے لہذا مشتری نے متعین مدت تک ثمن ادا نہ کیا تو بیع فسخ ہوجائے گی، بلکہ بدون شرط بھی جب مشتری سے ثمن وصول کرنا متعذر ہوجائے تو بائع کو فسخ بیع کا حق ہے۔

قال العلامة المرغينانى رحمه الله تعالىٰ لما تعذر استيفاء الثمن من المشترى فات رضاء البائع فيستبد بفسخه (هداية ص۴۷ ج۳) والله سبحانه وتعالىٰ اعلم

۱۶ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

حکومت کی طرف سے الاٹ شدہ زمین کا حکم:

سوال: آجکل جو زمینیں زرعی اصلاحات کے تحت حکومت پاکستان زمینداروں اور کسانوں کو اقساط پہ الاٹ کر رہی ہے، جس کی مقررہ قسطیں بیس۲۰ سال میں ختم ہونگی، تمام قسطیں ادا کرنے کے بعد زمیندار زمین کا مالک بنے گا، اس سے پہلے اسکو صرف

آباد کرنے کا حق ہوگا، بیچنے یا ہبہ وغیرہ کرنے کا حق حاصل نہیں، لیکن اب ہو یہ رہا ہے کہ تمام قسطیں ادا کرنے سے پہلے ہی زبانی یا جعلی دستاویزات کے ذریعہ ایسی زمینوں کی بیع وشراء ہو رہی ہے، کیا یہ جائز ہے؟ اور اس بیع کی وجہ سے مشتری بعد القبض زمین کا مالک بنے گا یا نہیں؟ اور بائع رقم وصول کرنے کے چند سال بعد اپنے نام پر الاٹ ہونے کی بناء پر مشتری سے زمین واپس لے سکتا ہے یا نہیں، اور ایسی زمین میں میراث جاری ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ بیع بالشرط ہونے کی وجہ سے فاسد ہے اور قبض مشتری کی وجہ سے اس کی ملک ہے اور بیع ثانی صحیح ہے، مشتری ثانی کی رضا کے بغیر اس کی واپسی جائز نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۸ رشعبان سنہ ۱۴۰۰ھ

شیعہ، قادیانی وغیرہ زنادقہ سے بیع وشراء ودیگر معاملات جائز نہیں:

سوال: شیعہ اور قادیانیوں کے ساتھ تجارت میں اشتراک اور خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

شیعہ اور قادیانی زندیق ہیں، اس لئے ان کے ساتھ تجارت میں اشتراک، بیع وشراء اور اجارہ واستیجارہ وغیرہ کسی قسم کا کوئی معاملہ کرنا جائز نہیں۔

ہر وہ شخص جو عقائد کفریہ کا برملا اعلان کرتا ہو اور انہی کو اسلام قرار دیتا ہو اس کو اصطلاح شرع میں "زندیق" کہا جاتا ہے، جیسے شیعہ، قادیانی، آغا خانی، ذکری، پرویزی اور انجمن دینداران وغیرہ، ان سب کا یہی حکم ہے کہ ان سے کسی قسم کا بھی لین دین اور کوئی تعلق رکھنا جائز نہیں۔

واللہ ھو العاصم من الکفر فی الاسلام۔

۷ رذی الحجہ سنہ ۱۴۱۴ھ

ان زنادقہ کے احکام جلد اوّل کتاب الایمان والعقائد اور جلد ششم باب المرتد والبغاۃ میں بھی ہیں اور زیادہ تفصیل کتاب الحظر والاباحۃ میں۔



وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ
وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ (القرآن)

القول المبرهن

فی

کراهة بیع الرادیو والتلوزن

ریڈیو اور ٹیلیویژن کی خرید و فروخت

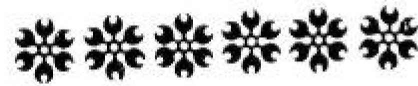
اور

مرمت کے عدم جواز پر مفصّل و مدلّل تحریر

فاروق

القول المبرهن

- ریڈیو اور ٹیلیویژن کی بیع اور مرمت
- بیع الجاریة المغنیة والکبش النطوح والدیك المقاتل والحمامة الطیارة
- بیع الامرد من اللوطی
- بیع الحدید لاهل الحرب
- بیع السلاح لاهل الفتنة
- بیع العصیر لمن یتخذه خمرا
- اجارة البیت للکنیسة
- تفسیر ما لا تقوم المعصیة بعینه



ریڈیو اور ٹیلیویژن کی بیع اور مرمّت

سوال : ریڈیو اور ٹیلیویژن کی تجارت اور ان کی مرمت کا پیشہ اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ ریڈیو کی مرمت کے بارے میں ایک فتویٰ ارسالِ خدمت ہے اس سے متعلق اپنی رائے تحریر فرمائیں ، بیّنوا توجروا

کیا فرماتے ہیں علماء دین بیچ اس مسئلہ کے کہ ریڈیو سازی یعنی ریڈیو کی مرمت کرکے اس کو سدھارنے کا پیشہ بطور ذریعہ معاش کرنا کیسا ہے ؟

الجواب ۶۰۸

فی الهدایة ومن کسر لمسلم بربطا او طبلا او مزمارا الی قوله فهو ضامن وبیع هذه الاشیاء جائز وهذا عند ابی حنیفة وقال ابو یوسف ومحمد لا یضمن ولا یجوز بیعها الی قوله ولابی حنیفة انها اموال لصلاحیتها لما یحل من وجوه الانتفاع وان صلحت لما لا یحل فصار کالامة المغنیة وهذا لان الفساد بفعل فاعل مختار فلا یوجب سقوط التقوم وجواز البیع والتضمین مرتبان علی المالیة والتقوم ثم قال وتجب قیمتها غیر صالحة للهو کما فی الجاریة المغنیة والکبش النطوح والحمامة الطیارة والدیك المقاتل الخ (آخر کتاب الغصب ص ۳۷۲ ج ۳) وفیها من أجر بیتا لیتخذ فیه بیت نار الی قوله او یباع فیه الخمر بالسواد فلا بأس به وهذا عند ابی حنیفة وقالا لا ینبغی ان یکریه بشیء من ذلك لانه اعانة علی المعصیة وله ان الاجارة ترد علی منفعة البیت ولهذا تجب الاجرة بمجرد التسلیم ولا معصیة فیه وانما المعصیة بفعل المستأجر وهو مختار فیه فقطع نسبته عنه اھ فصل فی البیع ، روایاتِ مذکورہ کی بنا پر بوجہ اتحادِ علّت ریڈیو کی مرمّت بھی مختلف فیہ ہے ، امام ابو حنیفہ کے قول پر یہ پیشہ جائز ہے اور صاحبین کے قول پر ممنوع اور ناجائز ہے لہٰذا اگر اس کے علاوہ کوئی اور صورت معاش کی ممکن ہو تو اس کو اختیار کیا جائے اور اگر ممکن نہیں تو امام ابو حنیفہ کے قول کی بنا پر یہ پیشہ بطور ذریعہ معاش کے اختیار کرنا درست ہے ،

فقط حررہ احقر عبد العزیز عفی عنہ
دار الافتاء مظاہر علوم سہارنپور
۱۱ ر ج ۱ سنہ ۸۶ھ

جواب صحیح ہے
یحییٰ غفرلہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
۸۶/۵/۱۲ھ
مظفر حسین المظاہری ۸۶/۵/۱۷ھ



الجواب باسم ملهم الصواب

چونکہ ریڈیو اور ٹیلیویژن کی تجارت اور مرمت میں ابتلاء عام ہے، نیز بعض علماء اسے جائز بھی بتا رہے ہیں اس لئے بندہ ایک عرصہ سے اس تلاش میں ہے کہ کتب مذہب میں اس کی کہاں تک گنجائش نکل سکتی ہے، چنانچہ گزشتہ چند سالوں میں میں نے عامۃ المسلمین کی ہمدردی اور ان کے ابتلاء شدید کو سامنے رکھ کر اس مسئلہ پر متعدد بار غور کیا اور مختلف مقامات سے عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا بغور مطالعہ کیا، اس لئے اس مسئلہ کو قدرے تفصیل سے لکھنے کی ضرورت ہے، ظاہر ہے کہ ان جدید مصنوعات کا صراحۃً ذکر تو عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں نہیں مگر ان کی نظائر باب البغاۃ، کتاب البیوع، کتاب الغصب اور کتاب الحظر والاباحۃ میں ملتی ہیں ان میں سے بقدر ضرورت عبارات نقل کی جاتی ہیں۔

فی العلائیۃ ویکرہ تحریما بیع السلاح من اہل الفتنۃ ان علم لانہ اعانۃ علی المعصیۃ وبیع ما یتخذ منہ کالحدید ونحوہ یکرہ لاہل الحرب لا لاہل البغی لعدم تفرغہم لعملہ سلاحا لقرب زوالہم بخلاف اہل الحرب زیلعی قلت وافاد کلامہم ان ما قامت المعصیۃ بعینہ یکرہ بیعہ تحریما والا فتنزیہا اھ - وفی الشامیۃ (قولہ لانہ اعانۃ علی المعصیۃ) لانہ یقاتل بعینہ بخلاف ما لا یقاتل بہ الا بصنعۃ تحدث فیہ ونظیرہ کراہۃ بیع المعازف لان المعصیۃ تقام بہا عینہا ولا یکرہ بیع الخشب المتخذۃ ہی منہ وعلی ہذا بیع الخمر لا یصح ویصح بیع العنب والفرق فی ذلک کلہ ما ذکرنا فتح ومثلہ فی البحر عن البدائع وکذا فی الزیلعی لکنہ قال بعدہ وکذا لا یکرہ بیع الجاریۃ المغنیۃ والکبش النطوح والدیک المقاتل والحمامۃ الطیارۃ لانہ لیس عینہا منکرا وانما المنکر فی استعمالہا المحظور اھ قلت لکن ہذہ الاشیاء تقام المعصیۃ بعینہا لکن لیست ہی المقصود الاصلی منہا فان عین الجاریۃ للخدمۃ مثلا والغناء عارض فلم تکن عین المنکر بخلاف السلاح فان المقصود الاصلی منہ ہو المحاربۃ بہ فکان عینہ منکرا اذا بیع لاہل الفتنۃ فصار المراد بما تقام المعصیۃ بہ ما کان عینہ منکرا بلا عمل صنعۃ فیہ فخرج نحو الجاریۃ المغنیۃ لانہا لیست عین المنکر ونحو الحدید والعصیر لانہ وان کان یعمل منہ عین المنکر لکنہ بصنعۃ تحدث فلم یکن عینہ وبہذا ظہر ان بیع الامرد ممن یلوط بہ مثل الجاریۃ المغنیۃ فلیس مما تقوم المعصیۃ بعینہ خلافا لما ذکرہ المصنف والشارح

فی باب الحظر والاباحۃ ویأتی تمامہ قریبًا (قولہ یکرہ لاھل الحرب) مقتضی ما نقلناہ عن الفتح عدم الکراھۃ الاّ ان یقال المنفی کراھۃ التحریم والمثبت کراھۃ التنزیہ لان الحدید وان لم تقم المعصیۃ بعینہ لکن اذا کان بیعہ ممن یعمل سلاحا کان فیہ نوع اعانۃ تأمل (قولہ بخلاف) عبارۃ وعرف بھذا انہ لایکرہ بیع ما لم تقم المعصیۃ بہ کبیع الجاریۃ المغنیۃ والکبش النطوح والحمامۃ الطیارۃ والعصیر والخشب الذی یتخذ منہ المعازف وما فی بیوع الخانیۃ من انہ یکرہ بیع الامرد من فاسق یعلم انہ یعصی بہ مشکل والذی جزم بہ فی الحظر والاباحۃ انہ لایکرہ بیع جاریۃ ممن یأتیھا فی دبرھا او بیع الغلام من لوطی وھو الموافق لما مر وعندی ان ما فی الخانیۃ محمول علی کراھۃ التنزیہ والمنفی ھو کراھۃ التحریم فعلی ھذا فیکرہ فی الکل تنزیھا وھو الذی الیہ تطمئن النفس لانہ تسبب فی الاعانۃ ولم ار من تعرض لھذا واللہ تعالی الموفق اھ (ردالمحتار باب البغاۃ ص۳۲۳ ج ۳)

وقال الرافعی رحمہ اللہ تعالی (قولہ لانہ تسبب فی الاعانۃ ولم ار من تعرض لھذا) قال الحموی وفیہ تأمل وکأنہ میل منہ الی ان ما فی الخانیۃ محمول علی کراھۃ التحریم لان التسبب بھذہ الافعال فظیع قریب من الحرام فلا یکون خلاف الاولی اھ (التحریر المختار ص۶۴ ج ۲) ثم ذکرھا حرر ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی فی الحظر والاباحۃ من ردّ ھذا التوفیق وسنذکرہ ان شاء اللہ تعالی۔

وفی بیوع العلائیۃ من عادتہ شراء المردان یجبر علی بیعہ دفعا للفساد نھر وغیرہ، وفی الشامیۃ عبارۃ النھر عن المحیط الفاسق المسلم اذا اشتری عبدا امرد وکان من عادتہ اتباع المرد اجبر علی بیعہ دفعًا للفساد اھ وعن ھذا افتی المولی ابو السعود بانہ تسمع دعواہ علی امرد وبہ افتی الخیر الرملی والمصنف ایضًا (ردالمحتار ص۲۴۰ ج ۴)

وفی غصب التنویر وضمن بکسر معزف صالحا لغیر اللھو وباراقۃ سکر ومنصف وصح بیعھا کالامۃ المغنیۃ ونحوھا ھو قول الشارح محمد (قولہ وصح بیعھا) کلھا وقالا لا یضمن ولا یصح بیعھا وعلیہ الفتوی ملتقی ودرر وزیلعی وغیرھا واقرہ المصنف (ردالمحتار ص۱۲۹ ج ۵)

وفی حظر العلائیۃ وجاز بیع عصیر عنب ممن یعلم انہ یتخذہ خمرا لان المعصیۃ لا تقوم بعینہ بل بعد تغیرہ وقیل یکرہ لاعانتہ علی المعصیۃ (الی قولہ) بخلاف بیع امرد

ممن یلوط بہ وبیع سلاح من اھل الفتنۃ لان المعصیۃ تقوم بعینہ ثم الکراھۃ فی مسألۃ الامرد مصرح بھا فی بیوع الخانیۃ وغیرھا واعتمدہ المصنف علی خلاف ما فی الزیلعی والعینی وان اقرہ المصنف فی باب البغاۃ قلت وقدمنا ثمۃ معزیا للنھر ان ما قامت المعصیۃ بعینہ یکرہ بیعہ تحریما والا فتنزیھا فلیحفظ توفیقا، وفی الشامیۃ (قولہ لا تقوم بعینہ) یؤخذ منہ ان المراد بما لا تقوم المعصیۃ بعینہ ما یحدث لہ بعد البیع وصف اٰخر یکون فیہ قیام المعصیۃ وان ما تقوم المعصیۃ بعینہ ما توجد فیہ علی وصفہ الموجود حالۃ البیع کالامرد والسلاح ویأتی تمام الکلام علیہ (قولہ علی خلاف ما فی الزیلعی والعینی) و مثلہ فی النھایۃ والکفایۃ عن اجارات الامام السرخسی، وقال تحت (قولہ معزیا للنھر) وفی حاشیۃ الشلبی علی المحیط اشتری المسلم الفاسق عبدا امرد وکان ممن یعتاد اتیان الامرد یجبر علی بیعہ (قولہ فلیحفظ توفیقاً) بان یحمل ما فی الخانیۃ من اثبات الکراھۃ علی التنزیہ وما فی الزیلعی وغیرہ من نفیھا علی التحریم فلا مخالفۃ واقول ھذا التوفیق غیر ظاھر لانہ قدم ان الامرد مما تقوم المعصیۃ بعینہ وعلی مقتضی ما ذکرہ ھنا یتعین ان تکون الکراھۃ فیہ للتحریم فلا یصح حمل کلام الزیلعی وغیرہ علی التنزیہ وانما مبنی کلام الزیلعی وغیرہ علی ان الامرد لیس مما تقوم المعصیۃ بعینہ کما یظھر من عبارتہ قریبًا عند قولہ وجاز اجارۃ بیت،

وفی التنویر وجاز اجارۃ بیت بسواد الکوفۃ لا بغیرھا علی الاصح لیتخذ بیت نار او کنیسۃ او بیعۃ او یباع فیہ الخمر، وفی الشرح وقالا لا ینبغی ذلک لانہ اعانۃ علی المعصیۃ وبہ قالت الثلاثۃ زیلعی۔ وفی الحاشیۃ (قولہ وجاز اجارۃ بیت الخ) ھذا عندہ ایضًا لان الاجارۃ علی منفعۃ البیت ولھذا یجب الاجر بمجرد التسلیم ولا معصیۃ فیہ وانما المعصیۃ بفعل المستأجر وھو مختار فینقطع نسبتہ عنہ فصار کبیع الجاریۃ ممن لا یستبرئھا او یأتیھا من دبر وبیع الغلام من لوطی والدلیل علیہ انہ لو اٰجرہ للسکنی جاز وھو لا بد لہ من عبادتہ فیہ اھ زیلعی وعینی ومثلہ فی النھایۃ والکفایۃ قال فی المنح وھو صریح فی جواز بیع الغلام من اللوطی والمنقول فی کثیر من الفتاوی انہ یکرہ وھو الذی عولنا علیہ فی المختصر اھ اقول ھو صریح ایضًا فی انہ لیس مما تقوم المعصیۃ بعینہ ولذا کان ما فی الفتاوی مشکلا کما مر عن النھر اذ لا فرق بین الغلام وبین البیت

والعصیر فکان ینبغی للمصنف التعویل علی ماذکرہ الشراح فانہ مقدم علی ما فی الفتاوی نعم علی ھذا التعلیل الذی ذکرہ الزیلعی یشکل الفرق بین ماتقوم المعصیۃ بعینہ وبین مالاتقوم بعینہ فان المعصیۃ فی السلاح والمکعب المفضض ونحوہ انما ھو بفعل الشاری فلیتأمل وجہ الفرق فانہ لم یظہر لی ولم ار من نبہ علیہ نعم یظہر الفرق علی ماقدمہ الشارح تبعًا لغیرہ من التعلیل لجواز بیع العصیر بانہ لاتقوم المعصیۃ بعینہ بل بعد تغیرہ فھو کبیع الحدید من اھل الفتنۃ لانہ وان کان یعمل منہ السلاح لکن بعد تغیرہ ایضا الی صفۃ اخری وعلیہ یظہر کون الامرد ممّا تقوم المعصیۃ بعینہ کما قدمناہ فلیتأمل (ردالمحتار ص۲۷۲ ج ۵)

ان عبارات سے مندرجۂ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں :

(۱) مزامیر وغیرہ آلاتِ لہو کی بیع کے بارے میں مشایخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بالاتفاق صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق حرمت کا فتویٰ دیا ہے، سوال میں مظاہر علوم کا جو فتویٰ پیش کیا گیا ہے اس میں یہ نقص ہے کہ اس میں قول حرمت کا مفتی بہ ہونا بیان نہیں کیا ،

(۲) باغیوں کے ہاتھ اسلحہ کی بیع میں بھی بالاتفاق قولِ حرمت کو مفتی بہ قرار دیا ہے ،

(۳) لوطی کو بیع امرد پر مجبور کیا جائے گا، اس میں کسی کا اختلاف نقل نہیں کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لوطی سے امرد کی بیع ناجائز ہے، جب ابقاء واقرارِ ملک جائز نہیں تو احداث واثباتِ ملک بطریقِ اولیٰ ناجائز ہوگا ۔

(۴) بیع الجاریۃ المغنیۃ وبیع الامرد من اللوطی کو اکثر فقہاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، البتہ زیلعی، عینی اور سرخسی رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام سے کراہت تنزیہیہ ثابت ہوتی ہے۔

(۵) اجارۃ البیت للکنیسۃ میں قولِ جواز کو ترجیح معلوم ہوتی ہے ۔

(٦) بیع واجارہ کے جواز وعدم جواز کی بناء ماتقوم المعصیۃ بعینہ ومالاتقوم بعینہ قرار دی گئی ہے ۔

(۷) مالاتقوم المعصیۃ بعینہ کا مطلب یہ ہے کہ معصیت سے قبل اس چیز میں صنعت وغیرہ کے ذریعہ کوئی تغیر آگیا ہو، کبیع الحدید من اھل الفتنۃ وبیع العصیر ۔ اور ماتقوم المعصیۃ بعینہ سے مراد یہ ہے کہ بدوں تغیّر کے اسی حالت میں اس کو معصیت میں استعمال کیا جاتا ہو، کبیع السلاح من اھل البغی ۔

امور بالا میں سے صرف جاریہ مغنیہ اور امرد کی بیع میں اختلاف ہے، مگر اکثریت اور دلیل کی قوت قائلین حرمت کے ساتھ ہے، اس بارے میں اُمور ذیل قابلِ غور ہیں:

① لوطی کو بیع امرد پر مجبور کرنا دلیل ہے کہ اس کے ہاتھ بیچنا بطریق اولیٰ ناجائز ہونا چاہئے۔

② قول نہر "لانہ تسبّب فی الاعانۃ" پر حموی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کأنہ میل منہ الی ان ما فی الخانیۃ محمول علی کراھۃ التحریم لان التسبب بھذہ الافعال قطیع قریب من الحرام فلا یکون خلاف الاولیٰ اھ ذکرہ الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کما قدمنا۔

③ جاریہ مغنیہ اور امرد کو "مالا تقوم بہ المعصیۃ" میں داخل کرنا بہت بعید ہے، اوپر نمبر میں "ما تقوم بہ المعصیۃ" کی جو تشریح کی گئی ہے اس میں اس کا دخول بدیہی ہے، "ما تقوم بہ المعصیۃ" کی یہ تفسیر کہ شراء سے مقصود ہی صرف معصیت میں استعمال کرنا ہو کسی سے منقول نہیں، صرف علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے زیلعی پر وارد ہونے والے اشکال کے حل کی خاطر باب البغاۃ میں یہ تفسیر کی ہے مگر یہ تفسیر کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں، اسی لئے خود علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس پر مطمئن نہیں، چنانچہ کتاب الحظر والاباحۃ میں اپنی سب سے آخری تحقیق میں اس کے خلاف واضح فیصلہ فرمادیا ہے اور ان اشیاء کو "مِمّا تقوم المعصیۃ بعینہ" قرار دیا ہے،

اب رہا علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ اشکال کہ جاریہ مغنیہ اور اجارۃ البیت میں وجہ الفرق ظاہر نہیں،

بندہ کے خیال میں ان دونوں میں وجہ الفرق یہ ہے کہ بیت آلۂ معصیت نہیں بلکہ صرف ظرفِ معصیت ہے، بیت گناہ میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ بیت میں گناہ ہوتا ہے جس طرح فاسق کے پاس لباس بیچنا اس لئے جائز ہے کہ لباس گناہ میں استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ لباس میں گناہ کیا جاتا ہے، لباس تو زینت اور حفاظت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس میں گناہ کرنا امر مجاور ہے، اسی طرح بیت کا استعمال بھی زینت اور حفاظت کے لئے ہے، اس میں معصیت امر زائد ہے، اگر بیت کا "ما تقوم المعصیۃ بعینہ" میں دخول تسلیم بھی کرلیا جائے تو بھی اس میں ایک فرق موجود ہے وہ یہ کہ صورتِ مسئلہ اجارۃ البیت من الکافر کی ہے اور وہ احکامِ شرع کا مکلف نہیں،

غرضیکہ جاریہ مغنیہ میں راجح قول کراہتِ تحریمیہ کا ہے، معہذا اس کی بیع کی حرمت

بیع مزامیر واسلحہ کی بہ نسبت خفیف ہے، اس لئے کہ مزامیر مصنوعہ للّٰلهو ہیں اور بغاۃ کو اسلحہ فراہم کرنے میں ملک کی تباہی ہے، بخلاف جاریہ کے کہ وہ مصنوعہ للّٰلهو نہیں اور اس کی بیع میں ملک کا بھی اتنا عظیم نقصان نہیں۔

تفصیل مذکور کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ ریڈیو اور ٹیلیویژن کی مشابہت اُمورِ مذکورہ میں سے کس کے ساتھ ہے، کیا یہ مزامیر واسلحہ کی نظیر ہے یا جاریہ مغنیہ وامرد کی یا بیت کی ؟

سو غور کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان کی بیت سے تو کچھ بھی مشابہت نہیں، لما مرّ انہ ظرف، اسی طرح مزامیر سے بھی پوری مشابہت نہیں، لانھا مصنوعۃ للّٰلهو بخلاف الرادیو والتلویزن۔ اسلحہ سے اگرچہ مشابہت ہے مگر ان کی بیع میں بیع اسلحہ جیسا نقصانِ عظیم نہیں، پس ان کی پوری مشابہت جاریہ مغنیہ سے ہے بلکہ یہ ہیں ہی جواری مغنیہ، لہٰذا ریڈیو اور ٹیلیویژن کی بیع اور مرمت قول راجح کے مطابق مکروہ تحریمی ہے، اور اگر کراہتِ تنزیہیہ کا مرجوح قول بھی لے لیا جائے تو بھی یہ پیشہ اختیار کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ کراہتِ تنزیہیہ پر دوام مفضی الی الکراہۃ التحریمیۃ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں بوقت بیع ومرمت گانا سننے سے کوئی مفر نہیں، جس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں، یہ علیٰ سبیل التنزل لکھدیا ہے ورنہ حقیقت وہی ہے کہ جاریہ مغنیہ وامرد کی بیع کو مکروہ تنزیہی قرار دینا ہرگز قابلِ قبول نہیں،

معاشرہ کی نیرنگیاں :

اس دَورِ تجدّد کے معاشرہ میں ہر بڑی سے بڑی بے حیائی ہنر اور کمال شمار ہونے لگی ہے، اس کے باوجود آج بھی اگر کہیں لوطی قوم بستی ہو اور ان کے لئے امارد کی درآمد کا کوئی مستقل کاروبار کرنے لگے تو کیا کوئی ذرہ برابر بھی سلامتِ طبع اور قلبِ حسّاس رکھنے والا اس کے اس شنیع فعل کو صرف مکروہِ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ قرار دے کر اس سے چشم پوشی کر سکتا ہے؟ گانے بجانے کی حرمت اور اس پر دنیوی واخروی قہر وعذاب کی دھمکیاں کیا کچھ کم ہیں؟ مگر یہ معاشرہ کی نیرنگیاں ہیں کہ جب چاہیں حرام کو حلال، ذلت کو عزّت، پستی کو بلندی، تنزّل کو ترقی اور حیوانات کو شرمادینے والی بے حیائی وبے غیرتی کو انسان کی معراج قرار دے دیں۔ مگر تا یکے؟ اگر بطورِ استدراج دُنیا کے عذاب سے بچ بھی گئے تو یوم حساب کچھ دُور نہیں،

دردمندانہ گزارش:

آجکل عوام تو عوام بہت سے علماء بھی یہی چیخ سنائی دیتے ہیں کہ احکام شرعیہ میں توسیع سے کام لینا چاہئے، یہ نظریہ اس حد تک تو بلاشبہہ صحیح ہے کہ حدودِ شرعیہ و اصولِ مذہب کے اندر رہتے ہوئے گنجائش تلاش کی جائے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حدودِ شریعت و قواعدِ مذہب کو بالائے طاق رکھ کر نفس پرستی کی کھلی چھٹی دیدی جائے، ہوائے نفسانی پر ضرورت و ابتلاء کا نام رکھ کر قوانین اسلام سے تلاعب کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی، بعض لوگ گھر بیٹھے ہی بزعم خود محقق بن گئے ہیں اور وہ محرمات شرعیہ کو عموم بلوی کے تحت لاکر حلال بنارہے ہیں، ان خودرو محققین کو یہ بھی معلوم نہیں کہ عمومِ بلوی کا قانون صرف طہارت و نجاست سے متعلق ہے، حلت وحرمت پر یہ مؤثر نہیں، آج بینک اور بیمہ جیسے ملعون اداروں میں ملازمت پر فخر، تصویر سازی اور تصویر رکھنے کی لعنت کا بے حجابانہ اور علانیہ ارتکاب اور اس قسم کے دوسرے منکرات وفواحش کے شیوع اور ان میں برق رفتاری سے ترقی میں علماء زمانہ کی خانہ زاد وسعتِ نظر کو بہت بڑا دخل ہے، اگر خدانخواستہ یہ جذبۂ وسعتِ نظر اسی طرح کارفرمارہا تو "نسافد الحمر" اور "نزو العیر علی العیر" کا نظارہ کرنے کے لئے تیار رہئے اور "فانتظر الساعۃ" کے قانونِ قدرت کے مطابق اس وسعتِ نظر کے حساب وکتاب کا انتظار کیجئے، وفقنا اللہ الجمیع لما یحب ویرضی وعصمنا من جمیع السیئات الظاہرۃ والباطنۃ آمین،

آپ کے فائدہ کی:

حتی الامکان ریڈیو اور ٹیلیویژن کی تجارت اور مرمت کا پیشہ اختیار کرنے سے احتراز کیجئے، اگر خدانخواستہ کسی مجبوری سے آپ اس میں مبتلا ہیں تو اپنے مالک کے سامنے اعترافِ جرم کرکے توبہ واستغفار کرتے رہئے اور اس کی بجائے کسی جائز پیشہ کی دعاء اور کوشش جاری رکھئے، فقط واللہ الموفق.

الحاق:

تحریر بالا کی تکمیل کے بعد خیال آیا کہ اس مسئلہ سے متعلق استاذ محترم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالی کے رسالہ "تفصیل الکلام فی مسألۃ الاعانۃ علی الحرام" سے بھی استفادہ کرلیا جائے، چنانچہ اس سے مندرجۂ ذیل اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) فی الفن الاول عن الاشباہ والنظائر تحت مباحث النیۃ ان بیع العصیر ممن یتخذ خمرا ان قصد بہ التجارۃ فلا تحرم وان قصد لاجل التخمیر حرم اھ (جواھر الفقہ ص ۴۴۲ ج ۲)

(۲) فی اجارات المبسوط للسرخسی واذا استأجر الذمی من المسلم بیتا لیبیع فیہ الخمر لم یجز لانہ معصیۃ فلا ینعقد العقد علیہ ولا اجر لہ عندھما وعند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز والشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز ھذا العقد لان العقد یرد علی منفعۃ البیت ولا یتعین علیہ بیع الخمر فلہ ان یبیع فیہ شیئا آخر، یجوز العقد لھذا، ولکنا نقول تصریحھما بالمقصود لا یجوز اعتبار معنی آخر فیہ وما صرحا بہ معصیۃ "مبسوط ص ۳۸ ج ۱۶" (جواھر الفقہ ص ۴۴۷ ج ۲)

(۳) وان لم یکن السبب محرکا وداعیا بل موصلا محضا وھو مع ذلک سبب قریب بحیث لا یحتاج فی اقامۃ المعصیۃ بہ الی احداث صنعۃ من الفاعل کبیع السلاح من اھل الفتنۃ وبیع[ع] العصیر ممن یتخذہ خمرا وبیع الامرد ممن یعصی بہ واجارۃ البیت عن یبیع فیہ الخمر او یتخذھا کنیسۃ او بیت نار وامثالھا فکلہ مکروہ تحریما بشرط ان یعلم بہ البائع والآجر الخ (جواھر الفقہ ص ۴۵۳ ج ۲)

(۴) فان من قال بکراھۃ بیع الجاریۃ المغنیۃ والامرد ممن یعصی بہ وامثالہ فقد اصاب (الی قولہ) ومن قال بجوازھا اراد جواز العقد بمعنی الصحۃ لا الجواز بمعنی رفع الاثم (الی قولہ) ومن صرح برفع الاثم ایضا کما فی عبارۃ المبسوط المذکورۃ اولا فھو مقید بما اذا لم یعلم ان شرائہ واستیجارہ لفعل المعصیۃ قصدا کاجارۃ البیت من الذمی والفاسق فان الاجارۃ وقعت علی نفسہ للسکنی قصدا ولا اثم فیہ الخ (جواھر الفقہ ص ۴۵۴ ج ۲)

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے،

(۱) بیع العصیر بقصد التخمیر حرام ہے،

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے "ما تقام المعصیۃ بعینہ" کی خود ایک تفسیر فرمائی ہے اور اس میں اسے بھی داخل فرمایا ہے، مگر "ما تقام المعصیۃ بعینہ" کی عام مشہور اور عبارات مذہب میں مسطور تعریف میں صورت مذکورہ داخل نہیں، معہذا قصد معصیت کی وجہ سے حرام ہے۔

(۲) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق بھی بیع الجاریۃ المغنیۃ مکروہ تحریمی ہے، اور ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ ریڈیو اور ٹیلیویژن بھی جاریہ مغنیہ ہی ہے،

ع لعلہ عن سبق القلم لانہ یحتاج فی اقامۃ المعصیۃ بہ الی احداث صنعۃ ۱۲ رشید احمد

۳ حضرت مفتی صاحب کی رائے میں اجارۃ البیت بھی مکروہ تحریمی ہے، مگر اسی رسالہ کے اُردو خلاصہ کے آخر میں بینکاری کے لئے کرایہ پر دیئے گئے مکان کے بارے میں فرماتے ہیں:
”اس میں مجھے ہنوز تردد ہے کہ اس کو مکروہ تحریمی کہا جائے یا تنزیہی، دوسرے علماء سے بھی استصواب فرمالیں (جواہر الفقہ ص ۴۶۲ ج ۲)

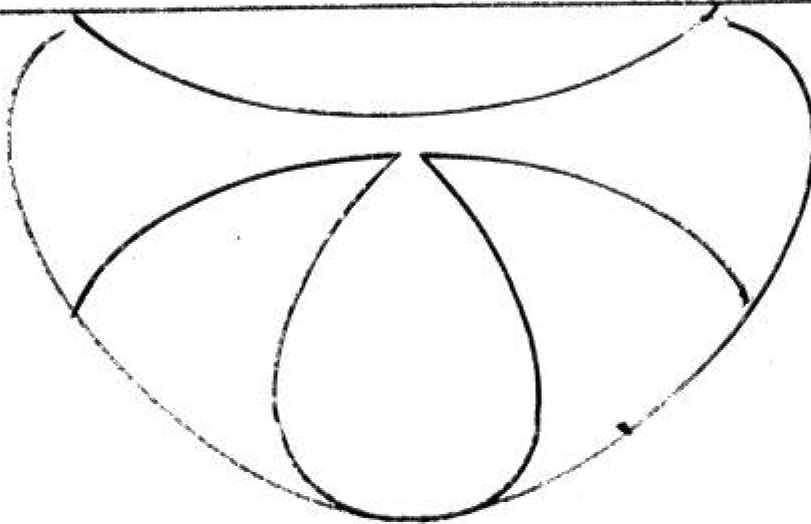
بندہ کے خیال میں اجارہ من الکافر اور اجارہ من المسلم میں فرق ہے، عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اجارہ من الکافر سے متعلق ہیں اور اس میں درایۃً وروایۃً کراہت تنزیہیہ کو ترجیح معلوم ہوتی ہے اور اجارہ من المسلم میں کراہت تحریمیہ راجح معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم۔

یہ امر ظاہر مسلم اور کتب مذہب میں مصرح ہے کہ اُمور بالا اس صورت میں ناجائز ہیں جبکہ بائع اور آجر کو استعمال فی المعصیۃ کا علم ہو، موجودہ معاشرہ میں عام خریدار کے بارے میں استعمال فی المعصیۃ کا ظن غالب ہوتا ہے، البتہ اگر کسی شخص کے تدین وتقویٰ کا علم ہو تو اس کے پاس ریڈیو کی بیع اور اس کے ریڈیو کی مرمت جائز ہے، ٹیلیویژن کے جائز استعمال کی تو کوئی صورت ہے ہی نہیں، وجوہ حرمت کی تفصیل احسن الفتاوی کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

رشید احمد

۲۱ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۷ ہجری

ٹی وی کی حرمت پر مفصل رسالہ
”ٹی وی کا زہر ٹی بی سے مہلک تر“
احسن الفتاوی جلد ۸ کتاب الحظر والاباحۃ میں بھی اور مستقل بھی چھپ چکا ہے



متفرّقات البیوع

اولاد کو زمین دیکر اسمیں تصرف کرنا:

سوال: ایک شخص نے اپنی زندگی میں زرعی زمین حصہ حصہ کرکے اپنی بیٹیوں کے نام پر اسٹامپ لکھوا دیا کہ چار ہزار روپے کے عوض میں نے اپنی بالغ بچیوں کے ہاتھ اسے فروخت کر دیا، پھر ثمن اپنے قبضہ میں نہیں لیا بلکہ بچیوں کو ہی بخشدیا اور زمین مذکور کو بدستور اپنے قبضہ میں رکھا، حتیّٰ کہ آخر میں اس زمین میں سے ایک حصہ مسجد کے نام پر وقف کر دیا، بچیوں نے باوجود معلوم ہونے کے اپنے والد پر کوئی اعتراض نہیں کیا، اور نہ ہی اس نے اس کی رقم بچیوں کے حوالہ کی تو کیا شرعاً اس شخص کا اس طرح بالغ بچیوں کے ہاتھ فروخت کرکے اپنے ہی قبضہ اور تصرف میں رکھنا اور اس کے بعد دوسرے کے ہاتھ بیچنا اور وصیت کرکے وقف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر بچیوں کو اس بیع کا علم نہیں تھا اور باپ نے اپنے طور پر ہی یہ کام کیا یا انھیں علم تھا مگر انھوں نے اسے قبول نہیں کیا تھا یا قبول تو کر لیا تھا مگر شروع سے ہی باپ نے انھیں بتادیا تھا کہ یہ محض صورت بیع ہے حقیقت میں تم سے کوئی رقم وغیرہ نہیں لینا چاہتا ان صورتوں میں بیع نہیں ہوئی، لہٰذا باپ کے تصرفات شرعاً صحیح ٹھہرے، البتہ اگر اس وقت واقعۃً بیع ہی مقصود تھی اور بچیوں نے اسے قبول بھی کر لیا تھا مگر بعد میں باپ نے قیمت معاف کر دی تو یہ زمین بچیوں کی ملک ہے، اسمیں باپ، کا کوئی تصرف بدون انکی اجازت کے معتبر نہ ہوگا، ہاں اگر باپ صاحب حاجت ہو تو وہ بقدر ضرورت اپنی اولاد کے مال سے لے سکتا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۴ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۸۸ھ

مبیع کو دیکھتے وقت مشتری کے ہاتھ سے ضائع ہوگئی:

سوال: زید عمرو کی دکان پر کنگھا خریدنے گیا، ایک کنگھے کی طرف اشارہ کرکے

قیمت پوچھی، عمرو نے کہا ڈیڑھ روپیہ، زید نے کہا دکھاؤ تو سہی، قیمت بعد میں طے کرلیں گے، عمرو نے اُٹھا کر دیدیا، اس نے ہلا کر دیکھا تو اتفاق سے اس کے کچھ دندانے ٹوٹ گئے، اب عمرو اس کی قیمت طلب کرتا ہے مگر زید کہتا ہے کہ ابھی تو بیع ہی نہیں ہوئی تھی، سوال یہ ہے کہ اسکی قیمت زید پر آتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مشتری کے جملہ" دکھاؤ تو سہی" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کنگھا خریدنے پر راضی نہیں ہوا تھا بلکہ دیکھنے کے بعد اس نے رضا یا عدم رضا کا فیصلہ کرنا تھا، لہٰذا زید پر ضمان نہیں آئے گا۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: قلت وبيان ذلك ان المساوم انما يلزمه الضمان اذا رضى باخذه بالثمن المسمى على وجه الشراء فاذا سمى الثمن البائع وتسلم المساوم الثوب على وجه الشراء يكون راضيا بذلك كما انه اذا سمى هو الثمن وسلم البائع يكون راضيا بذلك فكأن التسمية صدرت منهما معا بخلاف ما اذا اخذه على وجه النظر لانه لا يكون ذلك رضا بالشراء بالثمن المسمى قال فى القنية سم عن ابى حنيفة رحمه الله تعالى قال له هذا الثوب لك بعشرة دراهم فقال هاته حتى انظر فيه او قال حتى اريه غيرى فاخذه على هذا وضاع لا شىء عليه ولو قال هاته فان رضيته اخذته فضاع فهو على ذلك الثمن اهـ. قلت ففى هذا وجدت التسمية من البائع فقط لكن لما قبضه المساوم على وجه الشراء فى الصورة الاخيرة صار راضيا بتسمية البائع فكأنها وجدت منهما اما فى الصورة الاولى والثانية فلم يوجد القبض على وجه الشراء بل على وجه النظر منه او من غيره فكان امانة عنده فلم يضمنه ثم قال فى القنية ط اخذ منه ثوبا و قال ان رضيته اشتريته فضاع فلا شىء عليه وان قال ان رضيته اخذته بعشرة فعليه قيمته ولو قال صاحب الثوب هو بعشرة فقال المساوم هاته حتى انظر اليه وقبضه على ذلك وضاع لا يلزمه شىء اهـ قلت ووجهه انه فى الاول لم يذكر الثمن من احد الطرفين فلم يصح كونه مقبوضا على وجه الشراء وان صرح المساوم بالشراء وفى الثانى لما صرح بالثمن على وجه الشراء صار

مضمونا وفی الثالث وان صرح البائع بالثمن لکن المساوم قبضہ علی وجہ النظر لاعلی وجہ الشراء فلم یکن مضمونا وبھذا اظہر الفرق بین المقبوض علی سوم الشراء والمقبوض علی سوم النظر فافہم واغتنم تحقیق ھذا المحل (رد المحتار ص۵۵ ج ۴)

مگر یہ حکم اس صورت میں ہے کہ زید نے احتیاط کے ساتھ کنگھے کو ہاتھ لگایا ہو یا محتاط طریقے سے استعمال کر کے دیکھا ہو پھر بھی وہ ٹوٹ گیا ہو۔ اگر زید نے کنگھا استعمال کرنے میں احتیاط نہیں برتی، اسکی بے احتیاطی سے ٹوٹ گیا تو اس پر ضمان آئے گا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۴ ذی قعدہ سنہ ۸۹ھ

ڈپو ہولڈر مقررہ قیمت کا پابند ہے:

سوال: ڈپو ہولڈر کو مقررہ قیمت کی پابندی کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ڈپو ہولڈر کا حکومت سے عہد ہوتا ہے کہ وہ مقررہ قیمت پر فروخت کریگا، اسلئے حکومت اسے رعایت دیتی ہے، لہٰذا اس عہد کی خلاف ورزی جائز نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۹ ذی قعدہ سنہ ۹۵ھ

ایک شریک نے ادا ثمن سے انکار کر دیا:

سوال: زید اور بکر نے معاہدہ کیا کہ وہ مل کر فلاں کمپنی سے زمین خریدیں، چنانچہ دونوں نے حسب معاہدہ کچھ رقم جمع کی اور قسطوں پر زمین خریدی، ابھی دو قسطیں ہی ادا کی تھیں کہ بکر نے مزید رقم دینے سے انکار کر دیا، کیا اس صورت میں زید اسکا پابند ہے کہ وہ بکر کی دی ہوئی رقم (جو زید ہی نے اپنی رقم کے ساتھ ملا کر کمپنی کو دی تھی) اپنی گرہ سے ادا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس رقم کی واپسی زید کے ذمہ نہیں، البتہ اگر زید نے کل زمین خرید لی اور بکر کی ادا کی ہوئی رقم بھی اپنے حساب میں کمپنی کو ادا کر دی تو زید پر یہ رقم قرض ہو گی، لہٰذا وہ

اس کا پابند ہوگا کہ یہ رقم بکر کو واپس کرے۔

زید کو یہ بھی اختیار ہے کہ بکر کے حصہ کی رقم بھی ادا کر کے پوری زمین اپنے قبضہ میں لے لے اور پھر بکر کو اس کا حصہ اس وقت تک نہ دے جب تک اس سے اسکی پوری قیمت وصول نہ کرلے۔

قال الامام النسفی رحمہ اللہ تعالی: ولو غاب احد المشتریین فللحاضر دفع کل الثمن وقبضہ وحبسہ حتی ینقد شریکہ (کنز الدقائق صـ۲۴۱)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۳۰ رجب سنہ ۹۸ھ

بیع سے انحراف پر جرمانہ:

سوال: بیعانہ کی رقم ضبط کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہاں یہ دستور ہے کہ مثلاً کسی پلاٹ یا مکان کی خریداری کا معاہدہ ایک لاکھ روپے میں ہوا تو خریدار بائع کو دو چار ہزار روپے بطور بیعانہ پیشگی دے دیتا ہے، جس سے سودے کی بات پکی ہوجاتی ہے اس کے کچھ دن بعد رجسٹری ہوجاتی ہے، بعد ازاں اگر خریدار معاہدہ سے منحرف ہوجائے اور بقیہ رقم ادا نہ کرے تو بیعانہ کی رقم ضبط کرلی جاتی ہے اور اگر بائع منحرف ہوجائے تو وہ خریدار کو بیعانہ کی رقم دوگنی کرکے واپس کرتا ہے، کیا شرعاً یہ دستور جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

معاہدہ کی پابندی فریقین پر ضروری ہے، منحرف ہونے والے فریق کو ایفاء معاہدہ پر مجبور کیا جاسکتا ہے، مگر بیعانہ ضبط کرنا یا بائع سے دوگنا وصول کرنا جائز نہیں، اس مسئلہ کی تفصیل رسالہ "تحریر المقال فی التعزیر بالمال" مندرجہ "احسن الفتاوی" جلد پنجم میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۶ رمضان سنہ ۹۹ھ



دوست دشمن سب ترے مجذوب قائل ہیں مگر
کوئی قائل ہے زباں سے کوئی قائل دل میں ہے
مجذوب

انوار الرشید

فقیہ العصر، شیخ الحدیث، مفتی اعظم
حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم
کے
نصیحت آموز و بصیرت افروز حالات و ارشادات
جنکے مطالعہ سے بیشمار لوگوں کی زندگیوں میں ایسا انقلابِ عظیم
آگیا کہ وہ دنیا ہی میں جنت کے مزے لے رہے ہیں۔
اضافات کیساتھ پانچ ضخیم جلدیں

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی

ارشاد القاری الی صحیح البخاری

تالیف: مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی

یہ حضرت مؤلف دامت برکاتہم کے درس بخاری کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔ مؤلف موصوف نے کئی سال مسلسل دار العلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس دیا ہے زیر نظر کتاب میں شروع کے پچاس صفحات علم حدیث پر ایک نہایت مفید مقدمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص طور سے حجیت حدیث پر جو بحث اسمیں آگئی ہے وہ اپنے اصولی تجزیہ، مستحکم دلائل اور ٹھوس معلومات کے لحاظ سے اپنے موضوع پر ایک منفرد چیز ہے۔ کتاب کا باقی حصہ فقہ، حدیث، تصوف اور کلام کے نہایت گراں قدر مباحث پر مشتمل ہے۔ فاضل مؤلف کے اسلوب میں وسعت سے زیادہ عمق پایا جاتا ہے، اس لئے کتاب میں بعض طویل الذیل مباحث کو نہایت دلنشین اختصار کے ساتھ سمو دیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ ان تقاریر میں اکابر علماء دیوبند کی ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ علماء اور طلباء دونوں کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے اور بعض ایسے نکات اور مباحث پر مشتمل ہے جو صحیح بخاری کی عام شروح و امالی میں نہیں ملتے۔ (اقتباس از ماہنامہ البلاغ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ صفحہ ۶۱) قیمت